اُردوئے معلّٰی

ایم فرمان علی اینڈ سنز اُردو بازار لاہور

قیمت تین روپے

سرورق بقلم شاہ علی خوشنویس جالندھری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اول من تصنیف شاعر شیریں مقال نادر علیم المثال جناب میر مہدی صاحب المتخلص بہ مجروح شاگرد رشید جناب مرزا اسد اللہ خاں غالب

ستائش داور جہاں آفریں آسان نہیں کیونکر بیان ہو اور نعت حضرت خاتم المرسلین مشکل ہے زبان کیا مرد میدان ہو وہ دریائے ذخار ہے یہ محیط ناپیدا کنار ہے وہاں ذہن نارسا اور فہم بے سروپا یہاں عقل معترف بعجز و قصور و خرد ناچار و مجبور پھر اس صورت میں قلم مقطوع اللسان کیا نگارش کرے سوائے اسکے کہ اصل مطلب گذارش کرے اور وہ یہ ہے کہ سخنوران خرد پیشہ اور خردمندان درست اندیشہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشہ سے کلام عرب کی شیرینی اور زبان عجم کی نمکینی گوش زد خاص و عام ہے اور ہر عقیل و فہیم اسی بات پر متفق الکلام ہے مگر یہ جو زبان اردو نے ہندوستان میں رواج پایا ہے یہ بھی ترکیب کی خوبی اور حسن کی اسلوبی میں انہیں زبانوں کے ہم پایہ ہے اگر فصحائے عرب و عجم کما حقہ اس زبان کی ماہیت پر عبور پائیں تو اپنی زبان سے زیادہ اسکی تحسین فرمائیں ہر چند ابتدائے رواج سے ہر عہد میں کاملان عصر اس معشوقہ خرد فریب کی آراستگی و پیراستگی میں سعی فراواں اور کوشش بیپایاں کرتے آئے ہیں مگر بالفعل اس زمانہ میں اس زبان کی خوبی کا یہ مرتبہ پہنچا ہے کہ بیان سے باہر ہو گیا ہے۔

اب یہ بدالنہ بدرجہ کمال ہے آگے ہیم زوال ہے خصوصاً زبان اہل دہلی کہ اردوئے معلیٰ بولنا ان کا حصہ ہے۔ ہر چند بعض حضرات کو اس بات کا غصہ ہے مگر جو صاحب کہ فہم سلیم و ذہن مستقیم و طبع سلیم و مزاج انصاف آشنا رکھتے ہیں۔ وہ اس امر کو مان جاتے ہیں معوج الذہن و کج رائے یونہی باتیں بناتے ہیں بھلا دہلی کا اسقدر کیونکر مرتبہ نہ ہو جب اس عدیم النظیر کا یہ شہر مینو چہر مسکن و ماوا ہو جس کی طبع وقاد نے عقدہ ہائے معانی کو وا کیا ہے۔ جس کے ذہن نقاد نے پست و بلند شاہراہ سخن کو ہموار و مصفا کیا ہے

فصاحت اگر لعلِ ناب ہے۔ تو وہ اسکی آب و تاب ہے اگر بلاغت گوہرِ بے بہا ہے تو وہ اسکی آبروئے جوہر فضا ہے معنی اگر گل ہے تو وہ اس کی شمیم روح فزا ہے اور سخن اگر آئینہ ہے تو وہ اسکی صیقل جلوہ نما ہے اسکی سینہ بے کینہ نکاتِ حکمیہ کا گنجینہ اس کا قلب باصفا اسرارِ علمیہ کا دفینہ شعر و شاعری کی اس کی ذات سے بڑی رونق بڑھائی ہے۔ اردو نے اسکی زبان پر گزند کر عزت پائی ہے جسقدر تعریف کریں مزدیا ہے۔ یہ جناب نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خاں صاحب غالب تخلص کی ذات بابرکات کی خوبیوں کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے ؎

میرا استاد کہ ہے جس کا سخن عالمگیر ہے ظہوری کا ظہور اور نظیری کا نظیر

حضرت کا جو سخن ہے وہ درِ عدن جو بات ہے از رہِ معنی کرامات ہے یہ نثر کی رنگینی یہ نظم کی شیرینی یہ غزل کی فصاحت یہ قصیدہ کی متانت یہ لفظوں کی محبوبی یہ ترکیب کی خوش اسلوبی یہ جدت معانی یہ طاقت لسانی یہ سلامت عبارت یہ روانی مطالب دیکھی نہ سنی سطریں ہیں کہ موتی کی لڑیاں ہیں باتیں نہیں کہ مصری کی ڈلیاں ہیں۔ نثر نثار پر نظم انجم قربان حسن تقریر پر تحریر پر شعاع ہے نثار کرنیکو آفتاب زر بدامانِ گفتار شکر بار کو جادو کہوں حیران ہو کیا کہوں، لاحول ولاقوۃ کیا حکایتوں کی باتیں کرتا ہوں، کیا جادو ہے کیا سحر کا اثر ہے گفتار اعجاز طراز کے رشک سے ہندوستان میں نہ جادو ہے نہ سحر ہے ہاں بابل کے کسی کونے میں چھپا ہو تو کیا خبر ہے! بھلا اس عبارت تعالیٰ نشان کا نیا بیان ہو! جس کی صفائی استعارات کی خجلت سے درِ شاہوار پانی پانی۔ جس کی رنگینی فقرات ہے جگر خون لعل رمانی نہیں نہیں یہ ستائش کچھ سرمایۂ نازش نہیں۔ کیا موتی کیا لعل ان کی وجہ قدر و مقدار یعنی آب و تاب اندک تغیر میں نایاب ہے اور یہ قیامت تک یکساں۔ تہیدستان سرمایۂ سخن کر سکیں زبان عبارت رنگین کی کیفیت دیکھکر جامی تو کیا افلاطون خم نشین کے نشے ہرن ہوتے ہیں اور اسکے ادراک غوامض میں اپنی عقل و خرد کھوتے ہیں جہاں ایسے ایسے سرخوشان خمستان معنی جرعہ خوار بادہ گفتار اور نشہ حسن بیان سے سرشار ہوں پھر ہم سے نارسیدہ اس نختگی مطالب کو کیا پائیں کہاں سے ایسی قوت متخیلہ لائیں۔ سوائے اس کے کہ یہ راہ باریک دیکھ کر قدم لڑکھڑائیں اور اپنی نافہمی پر عرق انفعال میں غوطہ کھائیں مگر افسوس کہ اس جنس گران ارز کا کوئی خریدار نہ ہوا اور اس یوسفِ مصر سخندانی کا کوئی طالب دیدار نہ ہوا حضرت کا ظہور حضرت اکبر شاہ کے عہد میں ہوتا شاہ عباس دارائے ایران کے عصر میں ہوتا نظیری اپنا نظیر دیکھ لیتا۔ ظہوری کو فن شعر میں اپنا حریف غالب نظر آجاتا خیر اب ہم یوں دل خوش کر رہے ہیں کہ اگر حضرت اسوقت میں زینت بخش جہاں ہوتے تو ہم کہاں ہوتے یہ ہمارے

طالع کی خوبی یہ ہماری خوش نصیبی کہ ایسے منتخب روزگار رجال باکمال سے مقتبس انوار فیض ہوئے اور شرف قدمبوسی سے بہرہ اندوز نہ ہوئے۔

جب حضرت کو دیکھ لیا گویا سب سخنداناں پیشینہ کو دیکھ لیا۔ جب حضرت کا کلام سن لیا سبکا کلام سن لیا بمبین میر کے قول کی یہ اردو کی تحریر ہے کہ سہل الممتنع کیا بلکہ ممتنع النظیر ہے اس دور کا نیا انداز ہے کہ جسکے دیکھنے سے روح کو اہتزاز ہے جو کہ بعد تکمیل ہو جانے کلیات نظم و نثر فارسی کہ وہ ہر ایک آویزہ گوش فصاحت و پیرایہ گلوئے بلاغت ہے اور ہندوستان سے ایران تک ہر ایک نکتہ سنج کے ورد زباں ہے مدت سے حضرت کو اس طرز نو ایجاد اردو سے لگاؤ ہے اور خط و کتابت میں اسی کا برتاؤ ہے جب شائقین ہنر دوست نے اس نمک ہندی کا مزہ چکھا ہر ایک سرمایہ لذت مائدہ سخن سمجھ کر طلبگار و خواستگار ہوا۔ اس واسطے منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر کہ یہ صاحب اخلاق و مروت میں یکتا اور علم دوست و ہنر آشنا ملازمین و معززین سرکار سے ہیں اور اب پنشن دار ہیں علم فارسی کو خوب جانتے ہیں۔ اشعار بھی اسی زبان میں فرماتے ہیں منشی صاحب کے اشعار قابل دید ہیں جناب مرزا صاحب قبلہ کے شاگرد رشید ہیں چنانچہ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ ع

در معرکہ تیغم کہ جوہر داریم

ان کی طبع والا نے یہ اقتضا کیا کہ یہ گوہر ہائے شب افروز سلک تحریر میں منسلک ہو کر زینت بخش عروس سخن ہوں اور یہ گلہائے پراگندہ جمع ہو کر ایک جا گلدستہ ہوں تا اسکے رائحہ روح پرور سے دماغ نکتہ سرایان غیرت چمن ہو اس واسطے میر فخر الدین صاحب مہتمم اکمل المطابع دہلی نے سعی بے پایاں اور لالہ بہاری لال صاحب منشی مطبع مذکور نے کوشش فراواں سے اکثر خطوط جمع کئے اور قصد انطباع کیا اور اردوئے معلیٰ نام رکھا گیا۔ اور ان خطوں کو دو حصوں پر منقسم کیا پہلے حصے میں صاف صاف عبارت کے خط تحریر کئے تاکہ طلبائے مدرسہ فائدہ اٹھائیں۔ دوسرے حصہ میں مطالب مشکلہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی تاکہ سخنوران سخن یاب اس کے دیکھنے سے مزا پائیں اور منشی صاحب موصوف نے اس ہیچمدان خاکسار یعنی مجروح دل افگار سے اس کا دیباچہ لکھنے کو فرمایا۔ بندہ یہ سن کر حیران ہوا کہ یارب دُر شہوار کے سامنے خزف ریزوں کا کیا اعتبار اور لعل و زمرد میں پتھر کے ٹکڑوں کا کیا وقار مگر الامر فوق الادب سمجھ کر دریوزہ گر اسی خوان نعمت کا خوشہ چین جان کر یہ چند سطریں لکھیں بقول عرفی

چو ذرہ گرچہ حقیرم نسبتم ایں بس کہ آفتاب بود نقطہ مقابل ما

اُردوئے معلّٰی

حصّہ اوّل

رقعہ بنام نواب میر غلام بابا خان بہادر

نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ فقیر اسد اللہ عرض کرتا ہے کہ آپ کے خط کے آنے نے میری آبرو بڑھائی۔ حق تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے ۲۶ درفش کاویانی کی رسید پہنچی۔ حسب ارشاد اب اور نہ بھیجوں گا۔ قبلہ! غرض شہرت ہے اس قلمرو میں میں نے جلدیں تقسیم کی ہیں اس ملک میں آپ بانٹ دیں۔ اتنی میری عرض قبول ہو کہ بڑودہ گجرات میں سید احمد حسن صاحب بودودی اور میر ابراہیم علیخاں صاحب کو ایک ایک جلد بھجوا دیجئے گا اور چھ جلدیں مولانا سیف الحق کو عطا کیجئے گا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھجوا دیں۔ خواجہ بدرالدین خاں میرے بھتیجے نے بوستان خیال کو اردو میں لکھا ہے اسکا ایک اشتہار اور یہاں ایک اخبار نیا جاری ہونیوالا ہے اس کے دو اشتہار اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں آپ یا آپ کے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خریدار ہوں تو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں والسّلام مع الاکرام

میاں سیف الحق سیّاح کو سلام۔ ۲۲ مارچ ۱۸۶۶؁ء

ایضاً۔ سبحان اللہ تعالیٰ شانہ ما اعظم برہانہ۔ جناب مستطاب نواب میر غلام بابا خان بہادر[1] سے بتوسط میاں داد خان صاحب شناسائی بہم پہنچی لیکن واہ۔ اوّل ساغر و درد ہی کیا جگر خون کن اتفاق ہے پہلا عنایت نامہ جو حضرت کا مجھ کو آیا اسمیں خبر مرگ اب میں جو اسکا جواب لکھوں اور یہ میرا پہلا خط ہو گا۔ لامحالہ مضامین اندوہ انگیز ہونگے نہ نامہ شوق نہ محبت نامہ صرف تعزیت نامہ صریر قلم ماتمیوں کے شیون کا خروش ہے جو لفظ نکلا وہ سیاہ پوش ہے۔ نواب میر جعفر علیخاں جیسا میر روشن گہر نامور روشناس اعیان ہند انگلینڈ وسط جوانی یعنی ۴۶ برس کی عمر میں یوں مر جائے ع۔ نخل چمن سر دری افتاد پا مال سچ تو یوں ہے کہ یہ دہر آشوب غم ہے مجموعۂ اہل ہند ماتم دارد

---

[1] یہاں مخاطب کو ایک غائب تصوّر کیا ہے۔

سوگوار ہوں تو بھی کم ہے۔ اگرچہ میں کیا اور میری دعا کیا مگر اس کے سوا کہ مغفرت کی دعا کروں اور کیا کروں قطعہ سال رحلت نواب غفران مآب جب دل خانۂ خارِ غم سے پرخون ہوا ہے یوں موزوں ہوا ہے ؎

گر دیدہ نہاں مہر جہاں تاب دریغ — شد تیرہ جہاں بچشم احباب دریغ
این واقعہ را ز روئے زاری غالب — تاریخ رقم کرد کہ نواب دریغ

از روئے زاری زار ہونے کے علاوہ پڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ھ پیدا ہوتے ہیں فہو المطلوب
شریک بزم ماتم میاں داد خاں صاحب کو سلام۔

یکشنبہ بست و یکم ربیع الاول ۱۲۸۰ھ مطابق ششم ستمبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان عنایت فرمائے مخلصان زاد مجدہٗ شکر یاد آوری دوران بیہوری بجالاتا ہوں پہلے اس سے آپکا مودت نامہ پہنچا تھا وہ میرے خط کے جواب میں تھا اس کا جواب نہیں لکھا گیا۔ پرسوں میاں سیف الحق کا خط پہنچا خط کیا تھا خوان دعوت تھا میں نے کھانے بھی کھائے میوے بھی کھائے ناچ بھی دیکھا گانا بھی سنا خدا تمکو سلامت رکھے کہ اس نالائق درویش گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہو صاحب ریاست و امارت میں ایسے جھگڑے بہت رہتے ہیں۔ بسبب فرط محبت اخبار میں تمہاری افزائش عز و جاہ دیکھکر خوش ہوا اور تم کو تہنیت دی ظفرنامہ ابد بہت مبارک لفظ ہے انشاء اللہ العلی العظیم ہمیشہ مظفر و منصور رہو گے ع کار جہاں جملہ چناں باد کہ خواہی۔ نجات کا طالب غالب سہ شنبہ۔ سہ اپریل ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ جناب سید صاحب قبلہ۔ بعد بندگی عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ آپ کا پہنچا۔ آپ جو فرماتے ہیں کہ اپنی خیر و عافیت کبھی کبھی لکھا کرو آگے اتنی طاقت باقی تھی کہ لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ طاقت بھی زائل ہو گئی ہاتھ میں رعشہ پیدا ہو گیا بینائی ضعیف ہو گئی متصدی نوکر رکھنے کا مقدور نہیں عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آ گئے تو میں مطلب کہتا گیا وہ لکھتے گئے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ کل آپکا خط آیا آج ہی ایک دوست میرا آ گیا کہ یہ سطریں لکھوا دیں۔ آپ یہ کبھی نہ فرمائیں کہ منشی میاں داد خاں سے مجھے قطع محبت ہو گیا ہے منشی صاحب کی محبت اور ان کے توسط سے آپکی محبت دل و جان میں اس قدر سمائی ہے جیسا اہل اسلام میں بلکہ ایمان کا پس ایسی محبت کا موجود ہونا کبھی ناممکن امراض جسمانی کا بیان اور اخلاص ہمدگر کی شرح کے بعد ہجوم غمہائے کا ذکر کیا کروں جیسا ابر سیاہ چھا جاتا ہے یا ٹڈی دل آتا ہے بس اللہ ہی

اللہ ہے سیف الحق منشی میاں داد خاں کو سلام کہیگا اور یہ خط پڑھا دیجئے گا۔ نجات کا طالب غالب روز چہار شنبہ ۶ر اپریل ۱۸۶۸ء فقط۔

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان نواب میر غلام بابا صاحب بہادر زاد مجدہٗ! عرض کیا جاتا ہے کہ آپکا عنایت نامہ اور مولانا سیف الحق کا مہربانی نامہ دونوں لفافے ایکدن پہنچے سیف الحق کے خط سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں شادیاں قرار پائی ہیں مبارک ہو اور مبارک ہو نظارۂ بزم جمشیدی سے محروم رہوں گا مگر میرا حصہ مجھکو پہنچ رہیگا خاطر جمع ہے۔ کیوں حضرت! صاحبزادہ کا اسم تاریخی پسند آگیا یا نہیں نام تاریخی اور پھر سیّد بھی اور خاں بھی سیّد مہابت علیخاں عجب ہے اگر پسند نہ آئے اور بہت عجب ہے کہ اس امر کی نہ آپکے خط میں توضیح نہ میاں داد خاں کے خط میں خبر۔ یہ میں نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی یہی نام رکھئے پسند آنے نہ آنیکی تو فقیر کو اطلاع ہو جائے۔ جواب کا طالب غالب ۹ ماہ اگست ۱۸۶۷ء۔

ایضاً۔ ستودہ بہر زباں و نامور بہر دیار نواب صاحب شفیق کرم گستر مرتضوی تبار نواب میر غلام بابا خان بہادر کو مسرت بعد مسرت و جشن مبارک و ہمایوں ہو! رقعہ گلگوں نے بہار کی سیر دکھلائی۔ بسواری ریل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی۔ پاؤں سے اپاہج۔ کانوں سے بہرہ۔ ضعف بصارت اور ضعف دماغ۔ ضعف دل۔ ضعف معدہ۔ ان سب ضعفوں پر ضعف طالع۔ کیونکر قصد سفر کروں۔ تین چار شبانہ روز قفس میں کس طرح بسر کروں۔ گھنٹہ بھر میں دو بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے ہفتہ دو ہفتہ کے بعد ناگاہ قولنج کے دورے کی شدّت ہوتی ہے طاقت جسم میں۔ حالت جان میں نہیں آنا میرا سورت تک کسی صورت حیز امکان میں نہیں۔ خط لکھتے لکھتے خیال میں آیا کہ سیّد صاحب کی ولادت کی تاریخ تو لکھی سیّدانی صاحب کی بسم اللہ کی تاریخ بھی لکھا چاہیئے مادہ خجستہ بہار ذہن میں آیا سات عدد کم پائے "خجستہ بہار پُر ادب" کے اعداد بڑھائے۔ شمار میں ۱۲۸۳ نظر آئے دوسرے ورق پر وہ قطعہ مرقوم ہے بوڑھوں کی فکر کی طاقت معلوم ہے صرف جوش محبت سے چار مصرعہ موزوں ہوئے ہیں گر قبول افتد زہے عزّ و شرف :: راقم اسد اللہ خاں غالب ۱۸ نومبر ۱۸۶۶ء۔ سیف الحق صاحب کو سلام۔ ایک میرے دوست مصوّر خاکسار کا خاکہ اتار کر دربار کا نقشہ اتارنے کو اکبر آباد گئے ہیں وہ آ جائیں تو شغل تصویر تمام ہو کر آپکے پہنچ جائے۔ خط از راہِ احتیاط بیرنگ بھیجا ہے قطعہ

خجستہ انجمن دبستان نشینی بیگم — بفیض ہمت نواب و یمن و اقبالش
چو از پئے ادب آموزیست خوش باشد — اگر خجستہ بہار ادب بود سالش

ایضاً - نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان عالیشان والا دودمان زاد مجدکم۔ سلام مسنون الاسلام و دعائے دوام دولت و اقبال کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ ان ایام میمنت فرجام میں جو از روئے اخبار بمبئی آپ کی افزائش عز و جاہ کے حالات معلوم ہوئے متواتر شکر الٰہی بجالایا اور اس ترقی کو اپنی دعا کا نتیجہ جان کر اور زیادہ خوش ہوا خصوصاً عدالت العالیہ میں فتح پانا اور حق حقیقی کا ظہور میں آنا کیا کہوں کیا مسرت و شادمانی کا موجب اور کسطرح کی نشاط و انبساط کا سبب ہوا ہے۔ حق تعالیٰ یہ فتح مبارک و ہمایوں کرے۔ قطعہ

فتح سیّد غلام بابا خان	خود نشان دوام اقبال است
هم ازین رو بود که غالب گفت	که ظفر نامۂ ابد سال است

بہار باغ جاہ و جلال جاوداں باد۔ اسداللہ خان غالب۔ فقط۔

ایضاً - جناب نواب صاحب! میں آپکے اخلاق کا شاکر اور آپکی یادآوری کا ممنون اور آپکے دوام دولت کا دعا گو ہوں۔ اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا تو ریل کی سواری میں فوراً آپ تک پہنچتا اور آپکے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا۔ آپ میرے شفیق اور میرے محسن ہیں خدا آپکو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے خط کے دیر لکھنے کا سبب ضعف و نقاہت ہے اگر میری اوقات شبا روزی اور میرے حالات آپ دیکھیں تو تعجب کرینگے کہ یہ شخص جیتا کیونکر ہے صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہنا اور پھر دمبدم پیشاب کو اٹھنا ان مجموعۂ مصائب میں سے ایک ادنیٰ مصیبت یہ ہے کہ ۱۲۸۲ھ شروع ہوا سنہ ۱۲۱۲ھ کی ولادت ہے اب کے رجب کے مہینے سے ستّرواں سال شروع ہوگا ستّرا بہتّرا بہرہ بوڑھا اپاہج آدمی ہوں جو عنایت تم میرے حال پر رحم فرماتے ہو صرف تمہاری خوبی ہے میں کسی لائق نہیں۔ نجات کا طالب غالب۔ چہارشنبہ ۱۲ مئی سنہ ۱۸۶۷ء

ایضاً - بجناب نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون الاسلام و دعائے دوام دولت و اقبال کہ ہمیشہ ورد زبان ہے گھڑی کے عطیہ کا شکر ہر گھڑی اور ہر ساعت بجالاتا ہوں پہلے تو آپ دوست اور پھر امیر اور پھر سیّد نظران تین امور پر اس ارمغان کو میں نے بہت عزیز سمجھا اور اپنے سر آنکھوں پر رکھا خدا ئے عالم آرائے آپکو سلامت رکھے اور ہر گھڑی آپکا ممد و مددگار رہے۔ ظاہرا بوقت روانگی کنجی کا رکھنا سہو ہوگیا۔ خیر یہاں بن جائیگی والسلام بالوف الاحترام۔ خوشنودی احباب کا طالب۔ غالب سہ شنبہ سوم دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء

ایضاً - نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان امید گاہ درویشان زاد افضالکم آپکا بندہ منت

پذیر غالب خونیں صغیریوں نوا سنج ہوتا ہے کہ عنایت نامہ عز ورود لایا اور مژدہ قبول سے میرا رتبہ بڑھایا جو کچھ میرے حق میں ارشاد ہوا ہے اگر اسکو قدر دانی کہوں تو لازم آتا ہے کہ اپنے کو ایک طرح کے کمال کا مالک جانتا ہوں البتہ آپنے ازراہ حق پسندی سخن کی قدر دانی اور میری قدر افزائی کی ہے جو اغلاط فارسی دانان ہند کے ذہن میں راسخ ہو گئے تھے ان کو دفع کیا ہے تو کیا برائی کی ہے بات یہ ہے کہ اوچھی پونجی والے گمنام اپنی شہرت کے لئے مجھ سے لڑتے ہیں۔ واہ واہ اپنے نامور بنانے کو ناحق احمق بگڑتے ہیں عطیہ حضرت بتوسط جناب سیف الحق پہنچا اور میں نے اسکو بے تکلف عطیہ مرتضوی سمجھا علی مرتضے علیہ التحیۃ والثنا آپکا دادا اور میرا آقا خدا کا احسان ہے کہ میں احسانمند بھی ہوا تو اپنے خداوند کے پوتے کا۔ آج سے کاپی لکھی جانے لگی اور تصحیح کو میرے پاس آنے لگی چھاپے کے واسطے برسات کا موسم اچھا ہے۔ بس اب اسکے چھپ جانے میں دیر کیا ہے نجات کا طالب۔ غالب صبح یکشنبہ ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۰ء

بنام منشی میاں داد خاں المخاطب بہ سیف الحق المتخلص بہ سیاح

سعادت و اقبال نشان منشی میاں داد خاں سے میں بہت شرمندہ ہوں کہ انکے خطوط کا جواب نہیں لکھا۔ غزلوں کے مسودے گم ہو گئے اس شرمندگی سے پاسخ نگار نہ ہوا اب یہ سطریں جو لکھتا ہوں اس خط کے جواب میں ہیں جو بنارس سے آیا ہے بھائی بنارس خوب شہر ہے اور میرے پسند ہے ایک مثنوی میں نے اسکی تعریف میں لکھی ہے اور چراغ دیر اسکا نام رکھا ہے وہ فارسی دیوان میں موجود ہے اسکو دیکھنا اشرف حسین خاں صاحب میرے دوست ہیں فتنہ و فساد کے زمانے سے بہت پہلے انکا خط اور کچھ انکا کلام میرے پاس آیا ہے تم انکو میرا سلام کہنا اور میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ جس طرح تم نے لکھنؤ سے بنارس تک کے سفر کی سرگذشت لکھی ہے اسیطرح آئندہ بھی لکھتے رہو گے میں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں ؎

گریہ دل نہ خلد ہرچہ در نظر گذرد ۔۔۔ زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد

خیر اگر سیر و سیاحت میسر نہیں نہ سہی ذکر العیش نصف العیش پر قناعت کی میاں داد خاں سیاح کی سرگذشت سیر و سفر ہی سہی غزل تمہاری رہنے دیتا ہوں اسکے دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ہے جیسا تمنے وعدہ کیا ہے جب اور غزلیں بھیجو گے انکے ساتھ ہی اس کو بھی دیکھ

نوں گا بلکہ احتیاط مقتضی اس کا ہے۔ کہ ان غزلوں کے ساتھ اس غزل کو بھی لکھ بھیجنا۔ ناتوانی زور پر ہے بڑھاپے نے نکما کر دیا ہے ضعف۔ سستی۔ کاہلی۔ گرانجانی۔ رکاب میں پاؤں ہے۔ باگ پر ہاتھ ہے بڑا سفر دور و دراز درپیش ہے۔ زاد راہ موجود نہیں۔ خالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر ناپرسیدہ بخش دیا تو خیر۔ اگر بازپرس ہوئی۔ تو سقر مقر ہے۔ اور ہاویہ زاویہ۔ دوزخ جاوید ہے۔ اور ہم ہیں۔ ہائے۔ کسی کا کیا اچھا شعر ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

اللہ اللہ اللہ۔ نجات کا طالب غالبؔ۔ صبح دوشنبہ ۳۱ر دسمبر ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ صاحب یہ سر پیٹنے کی جگہ ہے۔ کہ تمہارا کوئی خط ڈاک میں ضائع نہیں ہوتا۔ اور میرا کوئی خط تم کو نہیں پہنچتا ہے سنو چھوٹے صاحب کا خط آیا۔ اس میں قطعہ کا شکریہ اور اجرائے کتاب کے بھیجنے کی تاکید تھی۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا ہے۔ کہ اس کتاب کا چھاپہ یہاں ہی شروع ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد انطباع ایک جلد آپ کے واسطے اور ایک جلد میاں داد خاں کے واسطے بسبیل ڈاک پارسل بھیجوں گا۔ اب تم نواب صاحب سے میرا سلام کہو۔ اور یہ اپنے نام کا خط اُن کو پڑھا دو۔ اور ایک پیسہ تم کو دیتا ہوں۔ نواب صاحب کا جو خط طلب کتاب کے باب میں آیا تھا۔ اُس میں مندرج تھا۔ کہ اب میں سورت کو جاتا ہوں۔ تم اجزائے کتاب کا پارسل اس پتہ سے سورت بھیجنا بھائی میں نے اُسی پتہ سے خط بھیجا تھا۔ نہ پہنچے تو میرا کیا گناہ بیرنگ خط گاہ گاہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں: تاکہ ضائع نہ ہونے کا احتمال قوی تر ہے۔ فقط صبح دوشنبہ ۱۴ر ربیع الثانی۔ مطابق ۱۷ر ستمبر سالِ حال غالبؔ۔

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں سلمکم اللہ تعالیٰ! فقیر کی طرف دعا سلام قبول کریں۔ چھوٹے صاحب کی تصویر کی رسید میں بھائی محمد حسین خاں سے کہا گیا تھا۔ کہ تم تصویر کے پہنچنے کی اطلاع دے دینا۔ سو اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے اطلاع دی ہے۔ حال تصویر کا یہ کہ میں نے اُسے سر پہ رکھا۔ آنکھوں سے لگایا گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا لیکن اس کا سبب نہ معلوم ہوا۔ کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی۔ خیر! دیدار تو میسر ہوا گفتار بھی اگر خدا چاہیگا۔ تو سن لیں گے۔ دیکھو منشی صاحب آئینہ کی تصویر کی صنعت کو سب پسند کرتے ہیں مگر فقیر اس کا معتقد نہیں۔ اب دیکھو حضرت کی تصویر میں کہنیوں تک ہاتھ کی تصویر ہے آگے پہنچے اور پنجے کا پتہ نہیں۔ مکالمہ ایک طرف مصافحہ کی بھی حسرت رہ گئی۔ اسوقت

جداگانہ خط لکھنے کی فرصت نہیں۔ نواب صاحب سے میرا بہت بہت سلام اور اشتیاق کہنا۔ بلکہ یہ خط اُن کو ضرور دینا کہ وہ پڑھ لیں ہیں سادات کا نیازمند اور علی کا غلام ہوں۔ ع
بندۂ شاہ شمائیم و ثناخوان شمائیم نجات کا طالب۔ غالب ۱۷۔ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ہجری

ایضاً۔ برخوردار کامگار سعادت نشان منشی میاں داد خاں سیاح طول عمرہٗ۔ درویش گوشہ نشین غالب حزیں کی دعائے درویشانہ سے کامیاب و بہرہ مند ہوں۔ لکھنؤ کی ویرانی پر دل جلتا ہے مگر تم کو یاد رہے کہ وہاں بعد اس فساد کے کون ہوگا۔ یعنی راہیں وسیع ہو جائینگی۔ بازار اچھے نکل آئینگے جو دیکھے گا وہ داد دیگا۔ اور دلی کے فساد کے بعد کون نہیں ہے۔ یہاں فساد در فساد چلا جائے گا۔ شہر کی صورت سوائے اس بازار کے جو قلعہ کے لاہوری دروازہ سے شہر کے لاہوری دروازہ تک ہے۔ سراسر بگڑ گئی اور بگڑ جاتی ہے دیوان کا چھپنا کیسا؟ وہ شخص ناآشنا موسوم بہ عظیم الدین جس نے مجھ سے دیوان منگا بھیجا آدمی نہیں بھوت ہے پلید ہے غول ہے قصہ مختصر سخت نامعقول ہے مجھ کو اُس کے طور پر انطباع دیوان نامطبوع ہے اب میں اُس سے دیوان مانگ رہا ہوں۔ اور وہ نہیں دیتا۔ خدا کرے ہاتھ آجائے۔ تم بھی دعا مانگو۔ زیادہ کیا لکھوں۔

دوشنبہ ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۰ء۔ غالب

ایضاً۔ صاحب مہربانی نامہ کہ گویائی الفاظ اُس کے سراسر نواب میر غلام بابا خان صاحب کی زبانی تھے۔ پہنچا۔ جواب لکھتا ہوں۔ اور پرسش کا شکریہ بجا لاتا ہوں۔ ایک قرن (زیادہ برس) سے فردوس مکان نواب یوسف علی خان والی رام پور اپنے اشعار میرے پاس بھیجتے تھے اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماہ بسبیل ہنڈوی بھجواتے تھے اس مغفور کی اندازہ دانی دیکھئے کہ مجھ سے کبھی اُس روپیہ کی رسید نہیں لی۔ اپنے خط میں ہنڈوی بھیجا کرتے میں خط کا جواب لکھ بھیجتا اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دو سو کبھی ڈھائی سو بھیجتے رہتے۔ فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود۔ انگریزی پنشن مسدود یہ بزرگوار وجہ مقرری ماہ بماہ اور فتوح گاہ گاہ بھیجتا رہا۔ تب میری اور میرے متوسلوں کی زیست ہوئی رئیس حال کو خدا بدولت و اقبال ابداً مویداً سلامت رکھے۔ وجہ مقرری کی ہنڈوی ہر مہینے بحسب دستور قدیم اپنے خط میں بھیجے جاتا ہے فتوح کی رسم دیکھئے جاری رہتی ہے۔ یا نہیں۔ میرے پاس روپیہ کہاں جو قاطع برہان کو دوبارہ چھپواؤں پہلے بھی نواب مغفور نے دو سو روپے بھیجے تھے۔ تب پہلا مسودہ صاف ہو کر چھپایا گیا تھا۔ اب بھی وعدہ کیا تھا۔ کہ اپریل کی وجہ مقرری کے ساتھ دو سو بھیجیں گے۔ وہ آخر اپریل سنہ ۱۸۶۵ء حال میں مر گئے۔ اپریل کا روپیہ رئیس حال سے

بیٹے پایا۔ یا بمصرف کتاب کا روپیہ نہ آیا۔ یا دلواؤں گا۔ مگر اُس مرحوم وعدہ سررشتہ دفتر سے نہ تھا جو از روئے دفتر اس کی تصدیق ہو۔ بہر حال فکر میں ہوں۔ اگر اسباب نے مساعدت کی فہو المراد ورنہ ع آنچہ ما در کار داریم اکثرے در کار نیست۔ منشی صاحب! اس خط کو ضروری جان کر بیرنگ بھیجتا ہوں۔

نجات کا طالب غالب۔ ۳ جولائی ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ منشی صاحب شفیق بدل مہربان عزیز تر از جان سیف الحق میاں داد خان کو فقیر غالب علیشاہ کی دعا پہنچے۔ پرسوں نواب صاحب کا خط اور کل تمہارا خط آیا۔ صاحب ٹوپیوں کی حقیقت یہ ہے۔ کہ تم نے لطائف غیبی کی ۵ جلدیں سات روپے آٹھ آنے دام بھیجکر منگوائیں پھر دو روپے کے ٹکٹ بھیجکر ٹوپیاں منگوائیں بیٹے تمہارے بھیجے ہوئے روپیوں کی ٹوپیاں خرید کر تم کو بھیجدیں چاہے تم پہنو چاہو چھوٹے صاحب کی نذر کرو۔ میں نے جو سیف الحق خطاب دیا ہے۔ اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے نطق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہیگی۔ لطائف غیبی نے اعدا کی دھجیاں اُڑا دیں۔ ایک نئی بات سنو۔ محمد مرزا خان میرے سیبی بھائی کا نواسہ ہے۔ اُس نے ایک اخبار نکالا ہے مسمّٰی بہ اشرف الاخبار۔ اس کا ایک لفافہ تم کو بھیجتا ہوں۔ اس کو پڑھکر معلوم کرلوگے۔ کہ تمہارا ایک اعتراض قتیل کے کلام پر چھاپا گیا ہے اس ارسال و اعلام سے صرف اطلاع منظور ہے۔ ہاں ایک بات یہ بھی ہے۔ کہ چھوٹے صاحب کی بھی نظر سے گذر جائے۔ اور اس سرکار میں یہ اخبار خرید کیا جاوے۔ اور تم کو اُن کی طرف سے حکم خریداری ابتداء جنوری ۱۸۶۶ء سے بنام محمد مرزا خان لکھو۔ اور وہ خط اس پتہ سے دلی روانہ کرو۔ جو اُن کے اخبار کے آخر میں لکھا ہے حیران ہوں کہ چھوٹے صاحب کے خط کا کیا جواب لکھوں۔ انھوں نے مجھے شرمندہ کیا اپنے کو چھوٹا اور مجھ کو بزرگ لکھا۔ سید تو سب مسلمانوں کے بزرگ ہوتے ہیں میں تو مسلمانوں میں بھی ایک ذلیل۔ علیل۔ فقیر۔ حقیر آدمی ہوں۔ یہ اُن کی بزرگی ان کی خوبی اُن کی مہربانی ہے۔ حق تعالی اُن کو سلامت رکھے۔ اور ان مقدمات میں من کل الوجوہ۔ اُن کو فتح و ظفر نصیب ہو۔ میرا سلام کہنا اور یہ عبارت پڑھا دینا۔ ہاں صاحب برادر بجان برابر میرزا معین الدین حسین خاں بہادر کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ بھائی میرا جی دیکھنے کو بہت چاہتا ہے پہلے برخوردار شہاب الدین خاں سے پوچھو وہ اجازت دے تو فوراً ریل پیل کرتے چلے آؤ۔ فقط

دیدار کا طالب غالب۔ سہ شنبہ ۷ شوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ صاحب کل آپ کا خط آیا۔ میرا دھیان لگا ہوا تھا کہ آیا میاں سیاح کہاں ہیں اور مجھ کو کیوں

بھول گئے ہیں۔ پہلا خط تمہارا جس کا حوالہ اس خط میں دیتے ہو میں نے نہیں پایا۔ ورنہ کیا امکان تھا۔ کہ جواب نہ لکھتا جناب منشی امیر علی صاحب سے مجھ سے ملاقات نہیں لیکن ان کے محامد و مکارم سنتا ہوں جناب مولوی اظہار حسین صاحب سے البتہ اسی شہر میں دو ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ لیکن میں نے ان کو فقیر دوست اور درویش نواز نہ پایا۔ اغنیا کے واسطے اچھے ہیں۔ ہائے مولوی محمد محسن اور مولوی عبد الکریم اس عہد میں اگر اُن بزرگوں میں سے ایک ہوتا تو میں کیوں اپنی قسمت کو روتا وقت گذر جاتا ہے بات رہ جاتی ہے ہاں خاں صاحب آپ جو کلکتہ پہنچے ہو۔ اور سب صاحبوں سے ملے ہو۔ تو مولوی... فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو۔ کہ اُس نے رہائی کیوں نہ پائی اور وہاں جزیرہ میں اُس کا کیا حال ہے۔ گذارا کس طرح ہوتا ہے۔ غالب جمعہ ۴ ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ آیئے بیٹھئے مولانا سیاح! سلام وعلیکم۔ مزاج مبارک۔ سورت کا پہنچنا بہر صورت مبارک ہو بھائی میرا دل بہت خوش ہوا۔ کہ تم اپنے وطن پہنچے لیکن تم کو چین کہاں خدا جانے کب تک یاں کے بیٹھے ٹھیرو گے۔ اور پھر سیاحت کو نکلو گے۔ جی میں کہو گے آؤ اب دکن کی سیر کریں۔ حیدر آباد۔ اورنگ آباد دو تو شہر اچھے ہیں۔ اُن کو دیکھیں میرزا معین الدین حسین خان اور میرزا محمد حسین خاں یہ دو تو بیٹے ہیں۔ نواب قدرت اللہ بیگ خان کے۔ اور قدرت اللہ بیگ خان ابن عم تھے۔ نواب احمد بخش خان کے اور معین حسین خان کی بہن منسوب ہے بھائی ضیاء الدین خان سے۔ یہاں کوئی امر نیا نہیں واقع ہوا وہی حالات واطوار ہیں جو دیکھ گئے ہو۔ مسجد جامع کے باب میں کچھ پرسشیں لاہور سے آئی تھیں یہاں سے اُن کے جواب گئے ہیں۔ یقین ہے کہ واگذار کا حکم آئے اور مسلمانوں کو مل جائے۔ ہنوز بدستور پہرہ بیٹھا ہوا ہے اور کوئی جانے نہیں پاتا۔ والسلام مع الاکرام۔ صبح شنبہ ۲ ذیقعدہ ومئی سنہ غالب ؎

ایضاً۔ نورچشم اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو غالب نیمجان کی دعا پہنچے واقعی تمہارے دو خط آئے ہیں آگے میں لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ میں رعشہ آنکھوں میں ضعفِ بصر۔ کوئی متصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آجاتا ہے تو اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ بھائی میں تو کوئی دن کا مہمان ہوں۔ اور اخبار والے میرا کیا حال جانیں۔ ہاں اکمل الاخبار اور اشرف الاخبار والے کہ یہ یہاں کے رہنے والے ہیں اور مجھ سے ملتے رہتے ہیں۔ سو اُن کے اخبار میں میں نے اپنا مفصل حال چھپوا دیا ہے۔ اور اس میں میں نے عذر چاہا خطوں کے جواب اور اشعار کی اصلاح سے اُس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار

واسطے اصلاحوں کے چلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا۔ اپاہج پورا بہرہ۔ آدھا اندھا دن رات پڑا رہتا ہوں حاجتی پلنگ کے تلے دھری رہتی ہے۔ تشت چوکی پلنگ کے پاس لگا رہتا ہے سو تشت چوکی پر تیسرے چوتھے دن اتفاق جانے کا ہوتا ہے اور حاجتی کی حاجت بسبب سرعت بول کے گھنٹہ بھر میں پانچ چھ بار ہوتی ہے۔ تصویر کھینچنے والا جو ہندوستانی ایک دوست تھا۔ وہ شہر سے نکل گیا۔ ایک انگریز ہے وہ کھینچتا ہے مجھ میں اتنا دم کہاں کہ کوٹھے پر سے اتروں۔ پالکی میں بیٹھوں اور اس کے گھر جاؤں اور گھنٹہ دو گھنٹہ کرسی پر بیٹھوں اور تصویر کھنچوا کر جیتا جاگتا اپنے گھر پھر آؤں۔ اب تم از راہ مہربانی میر ابراہیم علیخان بہادر اور حکیم سید احمد حسن صاحب اور جب بمبئی سے آ جائیں تو نواب غلام بابا خان کو یہ خط پڑھوا دینا تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور اس کا مر جانا معلوم ہو کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو کہ ۷۴ برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے لڑکے اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہ ہوئی۔ تم ابھی جوان ہو۔ حق تعالیٰ تمہیں صبر اور نعم البدل دے۔ والسلام۔

۲۵ اگست ۱۸۶۷ء غالب

ایضاً۔ خان صاحب سعادت و اقبال نشان میاں داد خاں سیاح کو فقیر گوشہ نشین کا سلام پہنچے۔ تمہارا کوئی خط سوائے اس خط کے جس کا جواب لکھتا ہوں۔ ہرگز نہیں پہنچا بہت دن سے مجھ کو خیال تھا۔ کہ مولانا سیاح نے مجھ کو یاد نہیں کیا کل ناگاہ تمہارا خط پہنچا آج اس کا جواب لکھتا ہوں۔ مہر میں تو کھودنے کا نہیں جو اس قدر عذر چاہتے ہو۔ کھدوا دینے میں کیا تکلیف اور کیا زحمت میں احباب کا خادم ہوں۔ میر غلام بابا خان سے میرا سلام کہئے۔ اور وہ نگین مع نقشہ بے تکلف بھیج دیجئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل اور اس نگین کی درستی ہو جاوے گی۔ خاطر عاطر جمع رہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ اجی سیاح صاحب ہمارا دھیان تم میں لگا رہتا ہے۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہا کرو۔ میں ایسا گمان کرتا ہوں۔ کہ اگر میر غلام بابا خان صاحب کو مہر کھدوانی نہ ہوتی اور وہ تم سے نہ کہتے تو تم ہرگز مجھ کو خط نہ لکھتے۔ یہ خط تمہارا گویا میر غلام بابا خان کے حسب الحکم تھا۔ جی میں آیا تھا۔ کہ انہیں کو اس کا جواب لکھوں اور اُن کے نام کا خط بھیجوں۔ مگر پھر سوچا۔ کہ تم آزردہ ہو جاؤ گے تمہیں کو خط لکھا۔ بھائی یہ طریقہ فراموش کاری اچھا نہیں گاہ گاہ خط لکھا کرو۔ والسلام۔ نجات کا طالب غالب۔ سہ شنبہ یکم مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب یہ کیا اتفاق ہے۔ کہ میری بات کوئی نہیں سمجھتا سہ

کس زبانِ مرا نمی فہمد
بہ عزیزاں چہ التماس کنم

یاد کرو اصل مقدمہ یہ تھا کہ میں قاطع برہان کو دوبارہ چھپوایا چاہتا ہوں۔ نواب صاحب مدد دیں۔ یعنی سو سو جلدیں خرید لیں۔ حضرت نے ایک گھڑی عنایت فرمائی۔ بھلا یہ میرے کس کام کی۔ چار دن سوچا کیا کہ پھیر دوں پھر سوچا کہ برا مانیں گے۔ آخر کو گھڑی رکھ لی۔ اور یہ خیال کیا۔ کہ کتاب کے انطباع کے بعد سو ڈیڑھ سو جلدیں بھیج دوں گا۔ اس خط کے ساتھ نواب صاحب کے نام کا خط گھڑی کی رسید کا پہنچتا ہے۔ اور یہ بھی تم کو معلوم رہے کہ گھڑی کی کنجی نہیں آئی۔ ظاہرا سہو سے وہیں رہ گئی ہوگی۔ ہاں صاحب تیس جلدیں لطائف غیبی کی دو پارسلوں میں آگے بھیجی ہیں جسکی قیمت دس روپے مجھ کو پہنچی فی الحال ایک جلد اور اپنی طرف سے بھیجی ہے۔ رسید جلد لکھو۔ غالب ۳ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ء

ایضاً۔ سعادت و اقبال نشان سیف الحق منشی میاں داد خان سیاح کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ خط میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے مگر تیس کتابوں کی دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی۔ یہ ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے۔ اس میں وہی لطائف غیبی ہے۔ جس کو میں نے اپنے مطالعہ میں رکھ کر صحیح کیا ہے۔ اس کے بھیجنے سے یہ مدعا ہے۔ کہ تم ان تیس رسالوں کو۔ اس کے مطابق صحیح کر لو۔ اگر چھوٹے صاحب نے رکھ لیا ہے تو ان سے مستعار لیکر اپنی سب کتابیں صحیح کر لو اور وہ نسخہ ان کے نذر کر دو صاحب میں نے صرف اپنے زر سے لطائف غیبی کی جلدیں نہیں چھپوائیں مالک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپی ہیں۔ بیس میں نے مول لیں۔ تیس تم کو دلوا دیں بیس بھائی ضیاء الدین نے لیں۔ دس مصطفےٰ خاں صاحب نے لیں باقی کا حال مجھے نہیں معلوم دیکھو سیف الحق شیخ سعدی کا قول کیا سچا ہے ؎

اگر دنیا نباشد دردمندم　　وگر باشد بمہرش پائے بندم
بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست　　کہ رنج خاطرست ار ہست ور نیست

جہاں دولت نہیں وہاں مصیبت ہے جہاں دولت ہے وہاں خصومت ہے۔ میں تو میر غلام بابا خان کا دوست ہوں۔ ان کی دعا مانگتا ہوں۔ آپ اتنی مہربانی کریں کہ یہ حالات جو واقع ہوا کریں وہ مجھ کو لکھا کریں۔ غربیلہ کی ہندی نخرہ ہے فارسی میں غربیلہ بولتے ہیں۔

نجات کا طالب غالب۔ پنجم شعبان سنہ ۱۲۸۱ھ

ایضاً۔ بھائی سیف الحق تمہارا خط پہنچا۔ قاضی صاحب جاورہ کو معاف رکھو۔ اگر کوئی وجہ اپنے پر ان کے عتاب کی پاتا تو ان سے عذر کرتا اور اپنا گناہ معاف کرواتا۔ جب سبب ملال کا ظاہر نہیں۔ تو میں کیا کروں۔ تم برا نہ مانو کس واسطے کہ اگر میں برا ہوں۔ تو اس نے سچ کہا۔ اور اگر میں اچھا ہوں اور اس نے برا کہا تو اس کو خدا کے حوالے کرو ؎

غالبؔ بُرا نہ مان جو دشمن بُرا کہیں ... ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

صاحب اس بڑھاپے میں تصویر کے پردے میں کہاں کھچا کھچا پھروں۔ گوشہ نشین آدمی۔ عکس کی تصویر اُتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں۔ دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھچی ہوئی ہے اگر ہاتھ آجاویگی تو وہ ورق بھیجدوں گا۔ ابھی وہ تو میں نے نواب صاحب کو ہنسی سے ایک بات لکھی تھی دوستانہ اختلاط تھا۔ کہ بمبئی میں بہرا ہوں گا ناکیا سنوں گا۔ بوڑھا ہوں ناچ کیا دیکھوں غذا ۶ ماشہ آٹا کھانا کیا کھاؤں۔ بمبئی۔ سورت میں انگریزی شرابیں ہوتی ہیں۔ اگر وہاں آنا اور شریک محفل ہونا تو پی لیتا۔ نجات کا طالب غالب ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ صاحب تمہارے خط پہنچنے سے کمال خوشی ہوئی۔ ٹوپیاں اگرچہ تمہارے سر پر ٹھیک نہ آئیں لیکن ضائع نہ گئیں میرے شفیق اور تمہارے مربی کے صرف میں آئیں۔ تم کو اور ٹوپیاں بھیجوں گا مصوّر سے سخت عاجز ہوں۔ وعدہ ہی وعدہ ہے وفا کا نام نہیں۔ کلیات میر تقی کا انتخاب تمہارے خط کے پہنچنے سے دو دن پہلے میر فخر الدین نے ارسال کر دیا۔ ٹکٹ اُن کے حوالے کر دیئے۔ حضرت بہتان لگانے کی خو کس سے سیکھے ہو۔ میرے پاس کوئی غزل تمہاری نہیں ہے۔ نواب صاحب کو سلام کہنا اور میری زبانی کہنا کہ ٹوپیوں کو میرا ارمغان سمجھنا۔ سیف الحق کی نذر تصوّر نہ کرنا۔ نجات کا طالب غالب ۲۵ جنوری ۱۸۶۸ئہ

ایضاً اقبال نشین سیف الحق کو دعا پہنچے۔ پانچ اشتہار اخبار کی خریداری کے اور تین اشتہار کتاب کی خریداری کے آپ کے پاس پہنچتے ہیں۔ چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کروایئے اور اطراف و جوانب دور و نزدیک بھیجئے۔ جو صاحب کتاب اور اخبار دونوں کے خریدار ہوں وہ دونوں کی خریداری کی اطلاع کا خط میر فخر الدین مہتمم اکمل المطابع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس بھیجدیں۔ جو صاحب فقط اخبار کے خریدار ہوں وہ اُس کے خریدنے کی اطلاع کا خط۔ جو صاحب فقط کتاب کے خریدار ہوں وہ اس کی اطلاع کا خط لکھیں۔ غالب ۲۲ مارچ ۱۸۶۶ئہ

ایضاً مولانا سیف الحق اب تو کوئی خط تمہارا نوٹ اور ہنڈوی اور ٹکٹ سے خالی نہیں ہوتا۔ بھلا یہ تو فرمایئے کہ یہ ڈھائی روپے کس بابت کے اور کس جنس کی قیمت کے ہیں اگلے پانچ روپے پر میں بے مزہ ہوا تھا۔ یہ ڈھائی اور طرہ ہوئے۔ بہر حال ان کا حال لکھو کہ کیسے ہیں۔ اور کاہے کے ہیں اس رقعہ کا جواب جلد لکھو۔ ٹوپیاں بعد عید بھیجی جائینگی۔ عنایت کا طالب غالب ۲۳ اپریل ۱۸۶۶ئہ

ایضاً منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان کو فقیر اسد اللہ کا سلام

سہ شنبہ ۲۰ر فروری صبح کے وقت چھ پارسل ۲×۳ فرش کا دیانی کے نواب میر غلام بابا خان صاحب کی خدمت میں ارسال کئے کل ہی شام کے وقت آپ کا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ خیر اب اور نہ بھیجوں گا۔ صاحب یہ تم نے پانچ روپے کے ٹکٹ کیوں بھیجے ہیں نہ کتاب فروش نہ دلال یہ حرکت مجھے پسند نہ آئی۔ اور تم نے بُرا کیا۔ حضرت ۱۶ جلدیں لطائف غیبی کی بھیجکر اس کے پان سات دن کے بعد میں نامۂ غالب کا پارسل ارسال کیا ہے۔ لطائف کی رسید تم نے بھیجدی یقین ہے کہ نامۂ غالب کا پارسل بھی پہنچ جائے گا۔ گھبراؤ نہیں نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام اور اشتیاق ملاقات عرض کرنا۔

نجات کا طالب غالب ۲۱ر فروری سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب وہی جہان وہی زمین وہی آسمان وہی سورتا وہی دلّی وہی نواب میر غلام بابا خان وہی سیف الحق سیاح وہی غالب ہیچمدان انگریزی ڈاک جاری ہرکاروں کو ریل کی سواری ربیع الاوّل میں تمہارا خط آیا ربیع الثانی جمادی الاوّل جمادی الثانی۔ رجب آج شعبان کی ۶ ہے۔ صبح کے وقت یہ خط لکھ رہا ہوں ۸ بج گئے ہیں اسوقت تک نہ کوئی تمہارا خط آیا۔ نہ کوئی نواب صاحب کا عنایت نامہ۔ واسطے خدا کے میرے اس خط کا جواب جلد لکھو۔ اور اس خط میں ترک نامہ و پیام کا سبب لکھو۔ آج ہی کے دن ایک پارسل چھ ٹوپیوں کا ارسال کرتا ہوں خدا کرے پارسل پہنچ جائے۔ اور ٹوپیاں تمہارے پسند آئیں۔ نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا۔ اور عتاب کی وجہ سے دریافت کر کے لکھنا نجات کا طالب غالب ۳ر جنوری ۱۸۶۷ء خط بیرنگ ہے اور پارسل پیڈ

ایضاً برخوردار تمہارا خط پہنچا لکھنؤ کا کیا کہنا ہے۔ وہ ہندوستان کا بغداد تھا۔ اللہ اللہ وہ سرکار امیر تھی جو بے سروپا وہاں پہنچا امیر بن گیا۔ اس باغ کی یہ فصل خزاں۔ میں بہت خوشی سے تم کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ اردو کا دیوان غاصب نا انصاف سے ہاتھ آگیا۔ اور میں نے نورچشم منشی شو نرائن کو بھیجدیا یقین کلی ہے۔ کہ وہ چھاپینگے۔ جہاں تم ہو گے ایک نسخہ تم کو پہنچ جائیگا۔ طریقہ سعادتمندی یہ ہے کہ ہم کو اپنی خیر و عافیت کا طالب جان کر جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھتے رہو۔ اور اپنے مسکن کا پتہ ہم پر ظاہر کرتے رہو۔ ہم تم سے راضی ہیں۔ اور چونکہ تمہاری خدمت اچھی طرح نہیں کی شرمندہ بھی ہیں۔

راقم اسد اللہ خان مرقومہ شنبہ۔ روز عید۔ مطابق ۳۰ر جون سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان تم سلامت رہو۔ تمہارے خط کے صفحۂ سادہ پر یہ سطریں رقم کرتا ہوں۔ تا کہ تم اپنے خط کے پہنچنے پر اطلاع پاؤ۔ نامۂ غالب صاحب مطبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپے جو میں مول لیکر بھیجوں اور تم سے اسکی قیمت مانگ لوں میں

نے آپ تین سو جلدیں چھپوائیں وورنہ دیک بانٹ دیں۔ آج یکشنبہ ہے پارسل روانہ نہ ہوگا۔ جتنے نسخے اب میرے پاس باقی ہیں کل تمہیں بھیج دونگا۔ ہاں صاحب سو روپیہ کا نوٹ پہنچا اور روپیہ وصول ہوا۔ کاپی آج شروع ہوگئی ہے جس دن نوٹ پہنچا اُس کے دوسرے دن روپیہ مل گیا۔ تیسرے دن میں نے تم کو تمہاری رجسٹری وار خط کا جواب لکھ بھیجا یقین ہے کہ میرا خط پہنچ گیا ہوگا اور تم نے بموجب میری خواہش کے نواب صاحب کو دکھا دیا ہوگا۔ کل حضرت کا بھی ایک خط آیا ہے۔ اس کا جواب بھی آج تمہارے خط کے ساتھ ارسال ہوتا ہے۔ بندہ پرور! سچ کہتے ہو۔ رحیم بیگ کا وطن اصلی سردھنہ اور فی الحال میرٹھ میں مقیم اور معلمی اس کا پیشہ ہے اور آٹھ دس برس سے اندھا۔ نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔

راقم غالب علیشاہ۔ یکشنبہ۔ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ صاحب آج تمہارے کئی خطوں کا جواب لکھتا ہوں۔ مولوی کرامت علی صاحب میرے شفیق ہیں۔ جس زمانہ میں وہ دلّی آئے تھے۔ میری اُن کی ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ میرے دوست ہیں شاگرد نہیں اور ہرگز قصیدہ اُنہوں نے میری مدح میں نہیں لکھا۔ آغا عبدالرزاق شیرازی نے گویا میری خستگی اور تہمت زدگی کا انتقام لیا۔ بہرحال میں تمہارا احسانمند ہوں۔ اگر تم وہاں نہ ہوتے تو میری اور میر منشی کی صفائی نہ ہوتی۔ اِن دنوں ضعف دماغ و دوران سر میں ایسا مبتلا ہوں۔ کہ والی رامپور کا بھی بہت سا کلام یوں ہی دھرا ہوا ہے دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی تمہاری بھیجی ہوئی غزلیں سب محفوظ دھری ہوئی ہیں۔ خاطر جمع رکھو۔ جب نواب صاحب کی غزلیں دیکھوں گا۔ تو یہ بھی دیکھی جائینگی۔ جب حال یہ ہو۔ کہ اصلاح نہ دے سکوں تو فکر تاریخ کیا کروں۔ اگر میرا حال درست ہوتا۔ تو جناب مولوی عبدالغفور خان صاحب نسّاخ کے دیوان کی تاریخ ضرور لکھتا۔ اگر اس خدمت گذاری کو اپنی سعادت سمجھتا۔ آپ جناب مولوی صاحب سے میرا سلام کہیں۔ اور یہ میرا رقعہ ان کو دکھا دیں۔

نجات کا طالب غالب۔ چہارشنبہ ۲۰ نومبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ جناب منشی صاحب آپ کا خط کچہری لفٹنٹ گورنر آگرہ کہ وہ میرا بھیجا ہوا تھا پہنچا اس کے بھیجنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ جب گورنمنٹ اعلیٰ نے مجھ کو خط لکھنا موقوف کیا تو لفٹنٹ گورنروں کے اگلے زمانے کے خطوط سے میرا کیا دل خوش ہوگا۔ ایسے ایسے پچاس ساٹھ خط میرے پاس موجود ہیں مجھ کو تو چھ آنے کے پیسوں کا افسوس ہے جو تم نے بابت محصول دیئے۔

راقم اسد اللہ مرقوم ۱۰ فروری ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ صاحب میرا سلام! تمہارا خط پہنچا دونوں غزلیں دیکھیں خوش ہُوا فقیر کا شیوہ خوشامد نہیں۔ فن شعر میں اگر اس شیوہ کی رعایت کی جاوے تو شاگرد ناقص رہ جاتا ہے یاد کرو کبھی کوئی غزل تمہاری اس طرح کی نہیں ہوئی کہ جس میں اصلاح نہ ہوئی ہو خصوصاً روزمرہ اُردو میں دونوں غزلیں لفظاً اور معنیً بے عیب ہیں کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ آفریں صد ہزار آفریں میر غلام بابا خاں صاحب واقعی ایسے ہی ہیں۔ جیسے تم لکھتے ہو۔ سیاحت میں دس ہزار آدمی تمہاری نظر سے گذرا ہوگا۔ اس گروہ کثیر میں جو تم ایک شخص کے مداح ہو تو بیشک وہ شخص ہزاروں میں ایک ہے لاریب فیہ۔ کیا فرمائش کروں اور تم سے منگاؤں وہاں کونسی چیز ہے کہ یہاں نہیں۔ آم مجھ کو بہت مرغوب ہیں۔ انگور سے کم عزیز نہیں لیکن بمبئی اور سورت سے یہاں پہنچنے کی کیا صورت۔ مالدہ کا آم یہاں پیوندی اور ولائتی کرکے مشہور ہے۔ اچھا ہوتا ہے۔ کمال یہ کہ وہاں بہت اچھا ہوگا۔ سورت سے دلّی آم بھیجنے محض تکلف ہے روپیہ کے آم اور چار روپیہ محصول ڈاک اور سو میں سے شاید دس پہنچیں میرے سر کی قسم کبھی ایسا ارادہ نہ کرنا یہاں دیسی آم انواع و اقسام کے بہت پاکیزہ اور لذیذ اور خوشبو افراط سے ہیں۔ پیوندی آم بھی بہت ہیں۔ رامپور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں میں سے اکثر بسبیل ارمغان بھیجتے رہتے ہیں اے لو آج بریلی سے ایک بہنگی ایک دوست کی بھیجی ہوئی آئی۔ دو ٹوکرے۔ ہر ٹوکرے میں سو آم کلّو داروغہ نے میرے سامنے وہ ٹوکرے کھولے۔ دو سو میں سے تراسی آم اچھے نکلے اور ایک سو سترہ آم بالکل سڑے ہوئے اوائل ماہ جون حال میں ایک ہفتہ مینہ برس کر پھر اب وہی آگ برس رہی ہے اور لُو چل رہی ہے۔ سہ شنبہ ۱۷ر جون ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ صاحب میں تم سے شرمندہ۔ پہلا خط تمہارا مع قصیدہ پہنچا میں قصیدہ کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا اب دوسرا خط دیکھ کر قصیدہ یاد آیا۔ ہرچند ڈھونڈا نہ پایا۔ بڑی بات یہ ہے کہ اسقدر مجھ کو یاد ہے کہ اُسی وقت میں نے ان اشعار کو سراسر دیکھ لیا تھا۔ اشعار سب ہموار تھے۔ تم اندیشہ نہ کرو اور قصیدہ نظر گذرا نو اور مع الخیر وطن کو جاؤ۔ لیکن بھائی وطن پہنچکر ضرور مجھ کو خط لکھنا اور اپنے گھر کا پتہ لکھنا تاکہ میں اس نشان سے تم کو خط بھیجوں۔ نواب میر غلام بابا خاں کو فقیر کی طرف سے سلام کہنا فقط صبح سہ شنبہ ۱۸ر نومبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان۔ شکوہ تمہارا میرے سر آنکھوں پر۔ مگر کوئی خط تمہارا جواب طلب نہ تھا۔ اشعار کی اصلاح سے میں نے ہاتھ اُٹھایا۔ کیا کروں اگلے برس سے عارضہ فساد خون میں مبتلا ہوں بدن پھوڑوں کی کثرت سے سرو چراغاں ہوگیا ہے۔ طاقت

نے جواب دیا۔ دن رات لیٹا رہتا ہوں۔ کھانا کھاتے وقت پلنگ پر سے اُتر بیٹھتا ہوں۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھو کر پھر پڑ رہتا ہوں۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے۔ اُٹھ کے پیشاب کیا جاتا ہے بیت الخلا جانا ایک مصیبت ہے۔ طشت چوکی سہی مگر کئی قدم جانا پھر آنا کیا ایسا آسان ہے ایک کم ستر برس کی عمر ہوئی۔ اب نجات چاہتا ہوں بہت جیا کہاں تک جیوں گا اب تم دوسرے صفحہ کو پڑھو)

جناب نواب سید غلام بابا خان صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور ولادت فرزند کی مبارکباد دینا اور یہ قطعہ تاریخ نذر کرنا۔ **قطعہ**

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہ چاردہ　　برفرازِ لوحِ گردوں گردۂ تمثالِ اوست

فرخی بینی و یابی بہرہ از ناز و طرب　　از سرِ ناز و طرب فرزند فرخ سالِ اوست

۱۲۸۰ھ ناز کے نون کے پچاس اور طرب کی ط کے نو فرزند فرخ پر بڑھانے ہونگے۔[5]

غالب روز پنجشنبہ ۱۶۔ اگست ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی میاں داد خان سیاح سیف الحق سلمکم اللہ تعالیٰ دعا اور سلام شکریہ اور رسید۔ تمہارا خط مرقومہ ۳۰ اگست پرسوں بتاریخ ۹ ستمبر ۱۸۶۵ء کو پہنچا۔ کل دسویں ستمبر ماہ حال کو سو روپے ہنڈی جو اُس کے ایک صراف سے وصول ہو گئے۔ چھوٹے صاحب نے بڑی جوانمردی اور بڑی ہمت کی اس صرف میں میرا کام ہوا اور اُن کا نام ہوا۔ اللہ اللہ اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں۔ کہ نہ میں نے ان کو دیکھا نہ اُنہوں نے مجھ کو دیکھا۔ نہ میرا کوئی حق ان پر ثابت نہ ان کو کوئی خدمت مجھ سے لینی منظور۔ خیر فقیر ہوں۔ جب تک جیوں گا۔ دعا دوں گا۔ تمام عمر ممنون اور شرمندہ رہونگا۔ تمہارا بھی احسان مانوں گا۔ اب دو ایک دن میں کاغذ آجائے تو اس کا انطباع شروع ہو جائے۔ تم میرا نواب صاحب کو میرا سلام کہو اور یہ خط دکھادو۔ اور عرض کرو۔ کہ آج تک کسی بھائی یا کسی دوست کا روپے پیسے کا احسان مند نہیں ہوا تھا۔ اب احسان بھی اٹھایا۔ تو اپنے آقا یعنی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند کا۔ وہ جو ایک کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملّائے مکتب دار کا خط ہے۔ رحیم بیگ اس کا نام میرٹھ کا رہنے والا کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے باوجود نابینائی کے احمق

---

[5] اگر مادۂ تاریخ میں کچھ عدد کم ہوں۔ تو کوئی حرف ان عددوں کا ملا دیتے ہیں۔ اور اس باشارۂ لطیف بیان کرتے ہیں۔ اس عمل کو تعمیہ کہتے ہیں ۔

بھی ہے اس کی تحریر میں نے دیکھی تم کو بھی بھیجوں گا۔ مگر ایک بڑے منہ کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جن کو لطائف غیبی میں رد کر چکے ہو۔ بہرحال اب اس کے جواب کی فکر نہ کرنا والسلام والاکرام۔ نجات کا طالب غالبؔ۔ دوشنبہ ۱۱۔ ستمبر ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ صاحب میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ تم اپنے وطن گئے۔ اور عزیزانِ وطن کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور مع الخیر والعافیت اپنے محسن و مربی کی خدمت میں پھر آپہنچے۔ نواب صاحب سے میرا بہت سلام کہنا کہ اس خط میں سلام صرف وفورِ اشتیاق سے لکھا ہے محبت نامہ جداگانہ جلد بھیجوں۔ اجی ہاں میاں سیف الحق رام پور سے آکر تین سو جلدیں درفش کاویانی کی تیار پائیں۔ نواب میر غلام بابا خان صاحب کے حصّہ برادرانہ کو ڈیڑھ سو جلد کا پشتارہ بنایا۔ اُس پر ٹاٹ لپٹوایا ڈاک گھر بھجوایا مسترد آیا سرکاری ڈاک والوں نے ہرگز اس کا بھیجنا قبول نہ کیا۔ ٹھیکے والے۔ بم فلٹ پاکٹ والے۔ ریل والے متفق اللفظ اس کے ارسال سے انکار کرتے ہیں۔ تم یہ رقعہ حضرت کو پڑھواؤ اور اس باب میں جو وہ فرمائیں وہ مجھ کو لکھو۔ مدعا یہ ہے۔ کہ کسی طرح یہ پشتارہ وہاں تک پہنچ جائے۔ اس خط کا جواب جسقدر جلد لکھوگے مجھ پر زیادہ احسان کروگے۔ نجات کا طالب غالبؔ سہ شنبہ۔ ۲۳۔ جنوری ۱۸۶۶ء

ایضاً بھائی تم جیتے رہو۔ اور مراتب علیا کو پہنچو! لو ایک ہنسی کی بات سنو۔ تمہارا خط منشی کنھیا لال کے نام میرے پاس آیا۔ ہرچند میں نے خیال کیا اس نام کا کوئی آشنا مجھے یاد نہ آیا۔ یہ نادانی انکی کہ مجھ سے کہہ نہ دیا۔ کہ میرے نام کا خط آئے تو میرے پاس بھیجدینا۔ بیخبری میں جو خط آیا میں نہ نام سے واقف نہ مقام سے واقف۔ خط پھیر نہ دوں تو کیا کروں۔ خط کے واپس کرنے کے بعد ایک دن آپ بھائی مرزا محمد حسین خاں کے ساتھ میرے پاس آئے اور تعارف قدیم یاد دلایا۔ دیکھنا میاں! کیا خوب بیان ہے فرماتے ہیں کہ "میں غدر سے پہلے دو تین بار تیرے پاس حاضر ہوا ہوں" انصاف کرو دو تین ملاقاتیں اور دس گیارہ برس کی بات میں نسیان کا مبتلا میرا قصور کیا۔ بہرحال یہ تشریف ہیں اور عمدہ روزگار کئے ہوئے ہیں صاحب میں نے اودھ اخبار میں دیکھا کہ چھوٹے صاحب مقدمہ جیتے اور بمبئی کے صاحبوں میں اُن کی افزائش جاہ و جلال و تعظیم و توقیر کمال ہوئی۔ میں تو تہنیت میں خط لکھوں گا۔ مگر رشک آتا ہے کہ بحوالہ اودھ اخبار لکھوں۔ اور بحوالہ سیف الحق نہ لکھوں زیادہ زیادہ

اسد اللہ خان غالبؔ ۱۴۔ مارچ ۱۸۶۷ء

ایضاً منشی صاحب سعادت و اقبال نشان عزیز تر از جان سیف الحق میاں داد خان سیاح کو غالبؔ کی دعا پہنچے۔ پرسوں ایک خط تمہارا اور ایک خط چھوٹے صاحب کا پہنچا۔ تمہارے خط میں

پچاس پچاس روپے کے دو نوٹ پہنچے سو روپے وصول ہو گئے۔ آج تم کو اطلاع اور نواب صاحب کو شکریہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ بھائی تم نے اخبار اطراف و جوانب میں میرا حال دیکھا ہوگا۔ میں اب محض نکما ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے پچاس جگہ سے اشعار واسطے اصلاح کے آئے ہوئے بکس میں دھرے ہیں۔ از انجملہ تین صاحبوں کے نام لکھتا ہوں۔ میر ابراہیم علی خان صاحب۔ میر عالم علی خان صاحب۔ نواب عباس علی خان رئیس حال رام پور کے حقیقی ماموں۔ غرضیکہ انہیں اوراق میں تمہارے کاغذ بھی دھرے ہوئے ہیں۔ جس دن ذرا افاقت پاؤں گا۔ تو ان سب کاغذ کو دیکھوں گا۔

۲۳- اپریل ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان سیاح کو غالب ناتوان نیم جان کی دعا پہنچے۔ بھائی میرا حال اسی سے جانو کہ اب میں خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹے لیٹے لکھتا تھا۔ اب رعشہ و ضعف بصارت کے سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جب حال یہ ہے تو کہو صاحب میں اشعار کو اصلاح کیونکر دوں اور پھر اس موسم میں کہ گرمی سے سر کا بھیجا پگلا جاتا ہے۔ دھوپ کے دیکھنے کی تاب نہیں رات کو صحن میں سوتا ہوں۔ صبح کو دو آدمی ہاتھوں میں لیکر دالان میں لے آتے ہیں۔ ایک کوٹھری ہے اندھیری میں ڈال دیتے ہیں۔ تمام دن اس گوشہ تاریک میں پڑا رہتا ہوں شام کو پھر دو آدمی بدستور لیجا کر پلنگ پر صحن میں ڈال دیتے ہیں۔ تمہاری غزلیں۔ میر ابراہیم علیخان بہادر کی غزلیں۔ میر عالم علیخان کی غزلیں حکیم میر احمد حسن صاحب کی غزلیں اور کیا کہوں کس کس کی غزلیں یہ سب ایک جگہ دھری ہوئی ہیں۔ اگر کوئی دن زندگی اور ہے اور یہ گرمی خیر سے گزر گئی تو سب غزلوں کو دیکھونگا تصویر کا حال یہ ہے۔ کہ ایک مصور صاحب میرے دوست میرے چہرے کی تصویر اُتار کر لے گئے اس کو تین مہینے ہوئے آج تک بدن کا نقشہ کھینچنے کو نہیں آئے۔ میں نے گوارا کیا آئینہ پر نقشہ اُتروانا بھی۔ ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں۔ عید کے دن وہ آئے تھے میں نے اُن سے کہا۔ کہ بھائی میری شبیہ کھینچدو۔ وعدہ کیا تھا۔ کہ کل نہیں تو پرسوں اسباب کھینچنے کا لے کر آؤں گا۔ شوال ذیقعدہ ذوالحجہ۔ محرم یہ پانچواں مہینہ ہے آج تک نہیں آئے۔ آغا غلام حسین خان صاحب کا قطعہ پہنچا اس میں کچھ تو شعر اصلاح طلب بھی تھے۔ اب اصلاح دے کون۔ میں تو اپنی مصیبت میں گرفتار بارے ایک میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ بسواری ریل میرے دیکھنے کو آیا تھا اس کو موقع و محل بتا دیا جو میں کہتا گیا۔ اس طرح وہ بناتا گیا۔ وہ قطعہ کا کاغذ بعد اصلاح کے اکمل المطابع میں بھیجدیا۔ ہفتہ آئندہ میں تم بھی دیکھ لو گے۔ مرگ ناگاہ کا طالب غالب ۱۱ جون ۱۸۶۷ء

بنام مولوی منشی حبیب اللہ خاں المتخلص بہ ذکاؔ

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ ۱۵ فروری ۱۸۶۷ء بھائی میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے ظاہرا معاملہ عالم ارواح ہے۔ اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہیں۔ تمہارے خط کا جواب معہ اوراق مسودہ روانہ ہو چکا ہے وقت پر پہنچے گا۔ سترا بہترا اردو میں ترجمہ پیر خرف ہے میری تہتر برس کی عمر ہے پس میں اخرف ہوا۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں سامعہ باطل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظہ کی مانند معدوم ہو گیا۔ اب مہینہ بھر سے یہ حال ہے۔ کہ جو دوست آتے ہیں۔ رسمی پرسش مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے۔ وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر۔ دوپہر کو گوشت کا پانی۔ سرِ شام تلے ہوئے چار کباب۔ سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب۔ اور اسی قدر گلاب خرف ہوں۔ پوچ ہوں۔ عاصی ہوں۔ فاسق ہوں۔ رُو سیاہ ہوں۔ یہ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے ؎

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اسوقت کچھ افاقت تھی۔ ایک اور خط ضروری لکھنا تھا بکس کھلا تو پہلے تمہارا خط نظر پڑا۔ مکرر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب کے جواب لکھے نہیں گئے۔ ناچار اب کتابت جداگانہ میں لکھتا ہوں: تاکہ خلعت کا حال اور میرے حالات تم کو معلوم ہو جائیں کہ میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا۔ سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جب طوائف الملوکی کا ہنگامہ گرم ہوا۔ تو وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبد اللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چندے حیدر آباد جا کر۔۔ نواب نظام علی خان کا نوکر ہوا تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصر اللہ بیگ خاں بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا اُس نے مجھے پالا ۱۸۰۶ء میں جب جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا۔ صوبہ داری کمشنری ہو گئی۔ اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا۔ میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا

حکم دیا۔ چار سو سوار کا بر گڈیر ہوا۔ ایک ہزار سات سو روپیہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کے تھی۔ کہ بمرگ ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطرف ہو گیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی وہ اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا۔ جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مر گیا ۱۸۳۰ء میں میں کلکتے گیا۔ نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ۔ سرپیچ مالائے مروارید۔ یہ تین رقم کا خلعت ملا۔ زاں بعد جب دہلی میں دربار ہوا مجھ کو یہی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر بجرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و خلعت دونو بند ہو گئے۔ میری بریت کی درخواست گذری تحقیقات ہوتی رہی تین برس کے بعد پنشن چھٹا۔ اب خلعت معمولی ملا۔ غرضیکہ یہ خلعت ریاست کا ہے۔ عوض خدمت نہیں۔ انعامی نہیں۔ معوج الذہن نہیں ہوں بدگمان نہیں ہوں جو جس کو سمجھ لیا۔ اُس میں فرق نہیں آتا۔ دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کسی صاحب نے حیدر آباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بند بُری طرح کیا تھا۔ کھولنے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطلب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بھیجنے والے کی غرض یہ تھی۔ کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ قدرت خدا کی میری محبت اور بڑھ گئی اور میں نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو۔ وہ خط بجنسہٖ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ زنہار دستخط پہچان کر کاتب سے جھگڑا نہ کرنا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے۔ کہ تمہاری منصب اور افزونی مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

ایضاً۔ بندہ پرور تمہارے دونوں خط پہنچے۔ غالب گسستہ دم۔ کو نہ قلم نہ لکھے۔ تو یہ اور بات ہے۔ دونوں خط آپ کے اور ایک پارسل محمد نجیب خان کا بہ تقدیم و تاخیر دو سہ روز موصول ہوئے۔ آپ کا پارسل بعد مشاہدہ آپ کو بھیجا جائیگا۔ خان صاحب کے پارسل میں ایک کتاب ارمغان اور اوراق اصلاح بھیجے جائینگے۔ ہا ہا ہا! محرق قاطع کا تمہارے پاس پہنچنا ع کاسے کہ خواستم ز خدا شد۔ میسرم جو میں اس خرافات کا جواب کیا لکھتا مگر ہاں سخن فہم دوستوں کو غصہ آگیا۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں اس کے عیوب ظاہر کئے۔ دو طالب علموں نے اُردو زبان میں دو رسالے جدا جدا لکھے۔ دانا ہو اور منصف ہو محرق کو دیکھ کر جانو گے۔ کہ مولف اس کا احمق ہے۔ اور جب وہ احمق دافع ہذیان و سوالات عبدالکریم اور لطایف غیبی کو پڑھ کر متنبہ نہ ہوا اور محرق کو دھونڈ ڈالا تو معلوم ہوا۔ کہ بے حیا بھی ہے۔ دافع ہذیان۔ سوالات۔ لطائف غیبی تینوں نسخے ایک پارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ بتقدیم و تاخیر یک دو روز نظر انور سے گذریں۔ فی الحال اس پارسل کی رسید بفور ورود لکھئے گا۔ جب آپ کا بھیجا ہوا نسخہ مسترد پہنچے تو اس کی رسید رقم کی جائیگی۔ چار نسخے پارسل

میں ہیں۔ دو آپ لیجیے اور دو محمد نجیب خاں صاحب کو دیجیے۔

دو شنبہ ۲۸۔ نومبر ۱۸۶۴ء۔ غالب

ایضاً۔ میرے شفیق میرے شفیق مجھ سے ہیچ و پوچ کے ماننے والے مجھ سے بُرے کو اچھا جاننے والے میرے محب۔ میرے محبوب تم کو میری خبر بھی ہے؟ آگے ناتوان تھا۔ اب نیم جان ہوں آگے بہرا تھا۔ اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رہ آورد ہے رعشہ وضعف بصر جہاں چار سطریں لکھیں اُنگلیاں ٹیڑھی ہوگئیں حروف سوجھنے سے رہ گئے۔ اکہتر برس جیا بہت جیا۔ اب زندگی برسوں کی نہیں۔ مہینوں اور دنوں کی ہے۔ پہلا خط تمہارا پہنچا۔ اُس سے تمہارا مریض ہونا معلوم ہوا تھا۔ متواتر دوسرا خط معہ غزل آیا۔ غزل کو دیکھا۔ سب شعر اچھے اور لطیف۔ حافظہ کا یہ حال ہے۔ کہ غزل کی زمین یاد نہیں اتنا یاد ہے۔ کہ ایک شعر میں کوئی لفظ بدلا گیا تھا۔ غرضیکہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی اور لکھا گیا۔ کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو۔ کل ایک خط جسٹری دار آیا۔ گویا ستارۂ دنبالہ دار آیا۔ حیران کہ ماجرا کیا ہے بارے کھولا اور دیکھا خط نوید رفع مرض وحصول صحت سے خالی۔ اور شکوہ ہائے بیجا سے لبریز۔ صاحب میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو دیں۔ رہ جائے تو رہ جائے۔ ورنہ دلی کے ڈاکخانہ میں پہنچکر کیا مجال ہے۔ جو مجھ تک نہ پہنچے۔ وہاں کے ڈاک کے کار پردازوں کو اختیار ہے۔ مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں۔ آپ مرزا صابر کا تذکرہ مانگتے ہیں۔ اس کا یہ حال ہے۔ کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہوگیا۔ اب ایک مجلد اس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ پس اب مجھے اتنا لکھنا باقی ہے۔ کہ اس خط کی رسید اور اپنی خیر و عافیت جلد لکھو۔ جواب خط کا طالب غالب۔ صبح جمعہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ ۱۲ مئی ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ مولانا ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔ اُس کے جواب میں یہاں سے خط کا جواب طلب لکھا گیا تھا۔ پھر ایک اور مہربانی نامہ آیا۔ اس میں میں نے اپنے خط کا جواب نہ پایا۔ ناچار اس خط کے جواب کی نگارش اپنے خط جواب طلب کے پاسخ آنے پر موقوف اور ہمت آزادانہ فطرت کیا۔ دانہ اس تحریر کے آنے پر مصروف رکھی گئی۔ بارے وہ کل نظر فروز اور طبیعت اس کے مشاہدہ سے طرب اندوز ہوئی اب درنگ و دیری کی تقصیر معاف کیجیے۔ اور اپنی دونوں نگارشوں کا جواب لیجیے۔ صاحب! تاریخ انطباع کلیات خوب لکھی ہے مگر ہزار حیف کہ بعد اتمام انطباع پہنچی۔ اور کتاب کی رونق افزا نہ ہوئی۔ بندہ پرور تم چراغ دودمان مہر و وفا اور منجملہ اخوان الصفا ہو۔ مجھ سے تمہیں محبت روحانی ہے۔ گویا یہ جملہ تمہاری زبانی ہے۔ دوست کی بھلائی کے

طالب ہو۔ اس شیوہ میں شریک غالب ہو۔ ایک خواہش میری قبول ہوتا کہ مجھ کو راحت حصول ہو۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ واقعہ حال دلنشیں کرتا ہوں۔ جناب مولوی موید الدین خان صاحب کے بزرگوں میں اور فقیر کے بزرگوں میں باہم وہ خلت وصفت مرعی تھی کہ وہ مقتضی اسکی ہوئی کہ ہم میں اور انمیں برادرانہ ارتباط و اختلاط باہم ہے اور ہمیشہ یونہی بلکہ روز افزوں رہیگا۔ خط میں خط ملفوف کرنا جناب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو میں اُنکے نام کا خط میں ملفوف کرکے بھیجتا ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب سے ملیں اور انکو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں اور میری طرف سے بعد سلام میرے کلیات کی پارسل کا اُنکے پاس پہنچنا اور اُن کے ذریعہ اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب مختار الملک بہادر کی نظر سے گذرنا اور جو کچھ اُسکے گذرنیکے بعد واقع ہو۔ دریافت کرکے مجھ کو مطلع فرمائیں۔ جمعہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۸۶۳ء۔ غالب

ایضاً۔ منشی صاحب الطاف نشان سعادت و اقبال توامان منشی حبیب اللہ خان کو غالب سوختہ اختر کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط پہنچا پڑھکر دل خوش ہُوا۔ تم میری بات پوچھتے ہو۔ مگر میں کیا لکھوں ہاتھ میں رعشہ۔ انگلیاں لکھنے میں نہیں ایک آنکھ کی بینائی زائل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے۔ تو اُس سے خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔ مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی کسی اپنے عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے۔ تو مُردے کی رُوح کو اس کی بو پہنچتی ہے۔ ایسے ہی میں غذا کو سونگھ لیتا ہوں۔ پہلے مقدار غذا کی تولوں پر منحصر تھی اب ماشوں پر ہے زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے بھائی اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ بالکل میرا یہی حال ہے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

اپنی مرگ کا طالب غالب۔ دوم شوال ۱۲۸۴ھ

ایضاً۔ جان غالب! تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میرا ضروری جواب طلب گیا ہُوا ہے اور آمد و رفت ڈاک کی مدّت گذر گئی۔ اس کا جواب تو سو کام چھوڑ کر لکھنا تھا۔ مُویدِ برہان میرے پاس بھی آگئی ہے اور میں اس کی خرافات کا حال بقید شمار صفحہ و سطر لکھ رہا ہوں وہ تمہارے پاس بھیجوں گا۔ شرطِ مودت (بشرط آنکہ جاتی نہ رہی ہو اور باقی ہو) یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں تم اس کا جواب اور میرے لکھے ہوئے اقوال جہاں جہاں مناسب جانو درج کر دو میں اب قریب مرگ ہوں۔ غذا بالکل مفقود اور امراض مستولی بہتّر برس کی عمر انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ میاں محمد میرل کو دعا۔ جواب کا طالب غالب ۱۴ مارچ ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ بندہ پرور آج تمہارا عنایت نامہ آیا۔ اور آج ہی میں نے اس کا جواب ٹکٹ میں بھجوایا اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیات کا بھی ارسال کیا۔ دسویں بارہویں دن خط اور مہینہ بیس دن میں پارسل پہنچیگا۔ خط کا جواب ضروری الارسال نہیں لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھئیگا۔ آپ کے خط کی عبارت تو میں سمجھا لیکن مدعا مجھ پر نہ کھلا۔ میں نے پارسل کب آپ کے پاس بھیجا؟ اور کب آپ کو لکھا کہ آپ یہ پارسل

موئدالدین خاں کو دیدیجئے گا؟ پارسل کا لفافہ مولوی صاحب کے نام کا اور آپ کو اس کے ارسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ مولوی موئدالدین خاں صاحب سے ملئے اور میرا خط جو آپ کے نام کا ہے۔ انہیں دکھا دیئے اور اُن سے پارسل کا حال دریافت فرمائیے۔ آپ ولایتی بھی نہیں جو میں یہ تصور کروں۔ کہ اردو عبارت سے استنباطِ مطلب اچھی طرح نہ کر سکے۔ بہرحال اب مدعا سمجھ لیجئے۔ اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمائیے۔ اور پارسل کا حال معلوم کر کے لکھیئے۔

داد کا طالب غالب ۵۔ جمادی الاول و نوزدہم اکتوبر روز ورود نامی نامہ۔

ایضاً۔ بندہ پرور کل آپ کا تفقد نامہ پہنچا۔ آج میں پاسخ طراز ہوا جس کاغذ پر میں یہ نقوش کھینچ رہا ہوں۔ آپ کے خط کا دوسرا ورق ہے پہچان لیجئے اور معلوم کیجئے۔ کہ آپ کا مجموعہ کلام معجز نظام اور اس کے بعد پیہم دو خط پہنچے۔ میں صحیفۂ شریفہ کی رسید لکھ چکا ہوں بلکہ اُسی خط میں محمد نجیب خاں کو سلام اور ارمغان کا شکر اور اوراق اشعار اصلاح طلب کی رسید میں نے لکھ دی ہے پارسل کے سرنامے سے میرا نام مٹا نہیں پارسل ملف ہوا نہیں آٹھ دس روز ہوئے ہونگے کہ وہ مجلد اسی پارسل میں کہ اس کو روگردان کر لیا ہے۔ بعد ادائے محصول آپ کا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ بعد آپ کے خط کی روانگی کے آپ کے پاس پہنچ گیا ہوگا۔ ہاں صاحب! خط دیروزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام کا مع اس حکم کے کہ میں اس کو مولوی صاحب پہنچاؤں میں نے پایا۔ حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں صرف اتحاد معنوی کے اقتضا سے اُنھوں نے واقع ہذیان لکھ کر فنِ سخن میں مجھ کو مدد دی ہے۔ منشی گوبند سنگھ دہلوی ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں ان کو وہ خط بجنسہٖ بھیجدیا یقین ہے۔ کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو بھجوا دیں گے انہیں کے اظہار سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشدآباد بنگالہ میں ہیں۔ نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے بقدر حال ایک ایک قدردان پایا

غالب سوختہ اختر کو ہنر کی داد بھی نہ ملی ؎

کسم نجود نہ پذیرفت ودہر بازم برد چو نامۂ کہ بود نا نوشتہ عنوانش

یہ شعر میرا ہے ولی عہد خسرو دہلی میرزا فتح ملک بہادر مغفور کے قصیدہ کا اور دیکھو ایک رباعی میری ؎

دستم بہ کلید فخر نے بایست در بود تہی بہ دامنے مے بایست

یا ہیچ گہم بکس نیفتادے کار یا خود زمانہ چون منے می بایست

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ دوستِ روحانی و برادرِ ایمانی مولوی حبیب اللّٰہ خاں میرمنشی کو فقیر غالب کا سلام۔ تم نے یوسف علی

خان کو کہاں سے ڈھونڈھ نکالا اور ان کا تخلص اور ان کا خطاب کس سے معلوم کیا۔ بغیر نشان محلہ کے اُن کو خط کیونکر بھیجا اور وہ خط ان کو کیونکر پہنچا ع حیرت اندر حیرت ہست اے یار من پہلے یہ تو کہو کہ درفش کاویانی اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے تم کو پہنچا ہے یا نہیں اگر پہنچا تو مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی۔؟

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ درخصوص گفتگوئے پارس انشا کردہ اوست

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے۔ تو رسید لکھو اور دیباچہ ثانی جدید کی داد دو۔ اور اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔ زیستن دشوار۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے نہترواں برس شروع ہؤا۔ غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ۔ دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی قریب شام کبھی کبھی تلے ہوئے کباب چھ گھڑی رات گئے پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز اور اسی قدر عرق شیر۔ اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اُٹھ نہیں سکتا۔ اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر چارپایہ بن کر اُٹھتا ہوں۔ تو پنڈلیاں لرزتی ہیں۔ معہذا دن بھر دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے۔ اُٹھا اور پیشاب کیا۔ اور پڑ رہا۔ اسباب حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بدخواب نہیں ہوتا بعد اراقۂ بول بے توقف نیند آجاتی ہے ماعے کی آمد نہ ہزار کا خرچ ہر مہینے میں ماللعہ کا گھاٹا۔ کہو زندگی دشوار ہے یا نہیں۔ مرنا بدیہی طور پہ ناگوار ہوتا ہے پھر مرنا کیونکر گوارا ہوگا۔ جواب خط کا طالب غالب۔ سہ شنبہ از روئے جنتری ۲۶۔ اور از روئے روئیت ۲۵ رجب ۱۲۸۳ھ اور ۴ دسمبر ۱۸۶۶ء بھائی یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

ایضاً جاناں بلکہ جان مولوی منشی حبیب اللہ خان کو غالب خستہ دل کا سلام اور نور دیدہ سرور سینہ منشی محمد میراں کو دُعا اور مجھ کو فرزند ارجمند کے شہر کی نوید۔ جو نگارش صاحبزادہ کی طرف سے تھی۔ رسم الخط بعینہ تمہاری تھی اب تم بتاؤ۔ کہ رقعہ اسی کی طرف سے تم نے لکھا ہے۔ یا خود اس نے تحریر کیا ہے۔ لڑکا تمہارا تمہارے ساتھ حیدرآباد نہیں آیا ظاہر اب تم نے وطن سے بلایا ہے۔ مفصل لکھو۔ کہ نخل مراد کا ثمر یہی ہے۔ یا اس کے کوئی بھائی بہن اور بھی ہے یہ اکیلا آیا ہے یا قبائل کو بھی اس کے ساتھ تم نے بلایا ہے ہاں صاحب محمد میراں! یہ اسم مقتضی اس کا ہے کہ آپ قوم کے سید ہوں۔ منشا بر افراط پرسش و فور محبت ہے نہ فضولی۔ یوسف علی خان شریف و عالی خاندان ہیں بادشاہ دہلی کی سرکار سے تیس روپیہ مہینہ پاتے تھے۔ جہاں سلطنت گئی وہاں وہ تنخواہ بھی گئی۔ شاعر ہیں ریختہ کہتے ہیں۔ ہو س پیشہ ہیں۔ مضطرب ہیں ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں۔ علم اسی قدر ہے کہ لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ ان کا باپ میرا دوست تھا

میں ان کو بجائے فرزند سمجھتا ہوں۔ بقدر اپنی دستگاہ کے کچھ ماہینہ مقرر کر دیا ہے۔ مگر بسبب کثرت عیال وہ ان کو مکتفی نہیں۔ تم ان کی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کرو گے۔ تو کیا کرو گے۔ صاحب میں بہ عنایت الٰہی کثیر الاحباب ہوں ایک دوست نے کلکتہ سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے نام اُس کا موید برہان ہے۔ اُس رسالہ میں دفع کئے ہیں۔ تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پہ کئے ہیں اور تیری تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کئے ہیں۔ اور اہل مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں۔ پس بھائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا۔ اور کئی ورق اس دوست کو اور چار جلدیں درفش کاویانی علاوہ اوراق مذکور بھیج دیئے اسی زمانہ میں تین چار ورق خوب یاد ہے۔ کہ درفش کی جلدیں رکھ کر تمکو بھیجے ہیں۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے۔ یا تم نے درفش کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع درفش زینت طاق نسیان ہیں۔ دو ورق اس لفافہ میں اپنے نزدیک مکرر بھیجتا ہوں۔ تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھے اور یہ جانے کہ فی الحال نظم فارسی یہی ہے۔ اور بس۔ ہاں صاحب اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا۔ مکان تنگ ہست جہان تنگ ہست مدح مختار الملک میں متضمن استدعائے مسکن وسیع پھر مہینہ بھر بعد اسی اودھ اخبار میں یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا مگر تیس روپیہ بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا۔ کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے۔ اور ان کے شاگرد وضیح تخلص نے اس کا جواب لکھا ہے۔ آپ سے اس روئداد کی تفصیل اور جواب و اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں۔ بسبیل استعجاب۔ دوشنبہ ۱۷۔ شعبان سنہ ۱۲۳۸ھ ؛

بنام منشی ہرگوپال صاحب المخاطب بمیرزا تفتہ

آج منگل کے دن ۵۔ اپریل کو تین گھڑی دن رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا ایک خط منشی صاحب کا اور ایک خط تمہارا اور ایک خط بابو صاحب کا لایا۔ بابو صاحب کے خط سے اور مطالب تو معلوم ہو گئے مگر ایک امر میں حیران ہوں کہ کیا کروں یعنی اُنہوں نے ایک خط کسی شخص کا آیا ہوا میرے پاس بھیجا ہے۔ اور مجھ کو یہ لکھا ہے۔ کہ اس کو اُلٹا میرے پاس بھیج دینا حال آنکہ خود لکھتے ہیں۔ کہ میں اپریل کی چوتھی کو سیالکوٹ یا آبو جاؤنگا۔ اور آج پانچویں ہے۔ پس وہ تو کل روانہ ہو گئے۔ اب میں وہ خط کس کے پاس بھیجوں۔ ناچار تم کو لکھتا ہوں۔ کہ میں خط کو اپنے پاس رہنے دونگا۔ جب وہ آکر مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع دینگے تب وہ

خط اُن کو بھیجوں گا۔ تم کو تردد نہ ہو کیا خط ہے۔ خط نہیں ہنڈ ہوالا کا نتیجہ غماز کی عرضی تھی۔ بنام مہاراجہ بیکنٹھ باشی سعایت[1] بابو صاحب پر مشتمل کہ اس نے لکھا تھا۔ کہ ہردیو سنگھ جانی جی کا دیوان اور ایک شاعر دہلی کا دیوان مہاراجہ جے پور کے پاس لایا ہے اور جانی کی ریختی دربار جے پور کی سرکار میں گزرانا ہے۔ اور اس کے بھیجنے کی یہ وجہ کہ پہلے اُن کے لکھنے سے مجھ کو معلوم ہوا تھا۔ کہ کسی نے ایسا کہا ہے۔ میں نے ان کو لکھا تھا۔ کہ تم کو میرے سر کی قسم اب ہردیو سنگھ کو بلوالو میں امر جزوی کے واسطے امر کلی کا بگاڑ نہیں چاہتا۔ اُس کے جواب میں اُنہوں نے وہ عرضی بھیجی اور لکھ بھیجا کہ راجہ مرنے والا ایسا نہ تھا۔ کہ ان باتوں پر نگاہ کرتا اُس نے یہ عرضی گزرتے ہی میرے پاس بھیج دی فقط بارے خط کے آنے سے جانی جی کی طرف سے میری خاطر جمع ہو گئی۔ مگر اپنی فکر پڑی یعنی بابو صاحب آبو ہونگے۔ اگر ہردیو سنگھ پھر کر آئیگا۔ تو وہ بغیر اُن کے ملے اور ان کے کہے مجھ تک کاہے کو آئیگا۔ خیر وہ بھی لکھتا ہے۔ کہ راول کہیں گیا ہوا ہے اُس کے آنے پر رخصت ہوگی۔ دیکھئے وہ کب آوے اور کیا فرض ہے کہ اُس کے آتے ہی رخصت ہو بھی جائے۔ تمہاری غزل پہنچی۔ یہ البتہ کچھ دیر سے پہنچیگی۔ تمہارے پاس پھر آنا نہیں۔

والدعا از اسد اللہ نگاشتہ سہ شنبہ روز ورود نامہ و مرسلہ چہارشنبہ ششم اپریل ۱۸۶۱ء

جواب طلب ۔

ایضاً۔ تمہاری خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ غزل نے محنت کم لی۔ بھائی کا ناترس سے آنا معلوم ہوا آویں تو میرا سلام کہہ دینا۔ یہ تمہارا دعاگو اگرچہ اور امور میں پایۂ عالی نہیں رکھتا۔ مگر احتیاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے۔ یعنی بہت محتاج ہوں۔ سو دو سو میں میری پیاس نہیں بجھتی۔ تمہاری ہمت پر سو ہزار آفرین جے پور سے مجھ کو اگر دو ہزار ہاتھ آجاتے تو میرا قرض اتر جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی زندگی ہوتی تو اتنا ہی قرض اور مل جاتا۔ ان پانسو میں سے تو بھائی تمہاری جان کی قسم متفرقات میں جا کر سو ڈیڑھ سو بچینگے۔ سو وہ میرے صرف میں آوینگے۔ مہاجنوں کا سودی جو قرض ہے وہ بقدر پندرہ سولہ سو کے باقی رہیگا اور وہ جو سو بابو صاحب سے منگوائے گئے تھے۔ وہ صرف انگریزی سوداگر کے دینے تھے۔ قیمت اس چیز کی جو ہمارے مذہب میں حلال اور تمہارے مذہب میں حرام ہے۔ سو وہ دیئے گئے۔ یقین کہ آج کل میں بابو صاحب کا خط معہ ہنڈوی آجائے۔ بابو صاحب کے جو خطوط ضروری اور کاغذ ضروری میرے پاس آئے ہوئے تھے وہ میں نے پنجشنبہ ۲۶ مئی کو پارسل میں اُن کے پاس روانہ کر دیئے۔ اور اس میں لکھ بھیجا۔ کہ ہنڈوی اور میرے بھیجے ہوئے نقل فیصلہ بھیج دو۔ پنجشنبہ

---

[1] سعایت بکسر اوّل و حروف چہارم تحتانی غمازی بدگوئی۔

آج پندرہ دن پورے ہوئے۔ از اسد اللہ نگاشتہ پنجشنبہ نہم جون ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ بھائی جس دن تم کو خط بھیجا تیسرے دن ہردیو سنگھ کی عرضی اور پچیس روپے کی رسید اور پانسو کی ہنڈوی پہنچی۔ تم سمجھے بابو صاحب نے پچیس روپے ہردیو سنگھ کو دیئے اور مجھ سے مجرا نہ لئے بہرحال ہنڈوی ۱۲ دن کی میعادی تھی۔ ۶ دن گذر گئے تھے۔ ۶ دن باقی تھے مجھ کو صبر کہاں منّی کاٹ کر روپے لے لئے قرض متفرق سب ادا ہوا۔ بہت سبکدوش ہو گیا آج میرے پاس مد اللعہ نقد بکس میں اور بہ تو تل شراب اور تین شیشے گلاب کے توشہ خانہ میں موجود ہیں۔ الحمد للہ علی احسانہ بھائی صاحب آ گئے ہوں۔ تو میر قاسم علی خان کا خط ان کو دیدو اور میرا سلام کہو۔ اور مجھ کو لکھو۔ تاکہ میں ان کو خط لکھوں بابو صاحب بھرت پور آ جائیں۔ تو آپ کاہلی نہ کیجئے گا۔ اور ان کے پاس جائیے گا۔ کہ وہ تمہارے جویائے دیدار ہیں۔ اسد اللہ سہ شنبہ ۲۴ جون ۱۸۵۳ء۔

ایضاً۔ صاحب! کیوں مجھے یاد کیا کیوں خط لکھنے کی تکلیف اُٹھائی۔ پھر یہ کہتا ہوں کہ خدا تم کو جیتا رکھے کہ تمہارے خط میں مولوی قمر الدین خان کا سلام بھی آیا۔ اور بھائی منشی نبی بخش کی خیر و عافیت بھی معلوم ہوئی وہ تو پنشن کی فکر میں تھے۔ ظاہرا یہی مناسب دیکھا ہوگا۔ جو پھر نوکری کی خواہش کی حق تعالیٰ انکی جو مراد ہو بر لاوے۔ اُن کو میرا سلام کہہ دینا۔ بلکہ یہ رقعہ پڑھوا دینا۔ مولوی قمر الدین خان کو بھی سلام کہنا تم اپنے کلام کے بھیجنے میں مجھ سے پرسش کیوں کرتے ہو۔ چار جزو ہیں تو۔ بیس جزو ہیں تو بے تکلّف بھیجدو۔ میں شاعر سخن سنج اب نہیں رہا۔ صرف سخن فہم رہ گیا ہوں۔ بوڑھے پہلوان کی طرح پیچ بتلانے کی گون کا ہوں۔ بناوٹ نہ سمجھنا۔ شعر کہنا مجھ سے بالکل چھوٹ گیا۔ اپنا اگلا کلام دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ یہ میں نے کیونکر کہا تھا۔ قصہ مختصر وہ اجزا جلد بھیجدو۔ غالب یکشنبہ ۱۲۔ اپریل ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ تمہارے اوراق مثنوی کا پُلندہ پاکٹ پرسوں ۱۵ اگست کو اور جناب میرزا حاتم علی کی نثر شاید آغاز اگست میں روانہ کر چکا ہوں۔ اس نثر کی رسید نہیں پائی اور نہیں معلوم ہوا کہ میری خدمت مخدوم کے مقبول پڑی ہوئی یا نہیں۔ نہیں معلوم بھائی نبی بخش صاحب کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں۔ اور کس خیال میں ہیں۔ نہیں معلوم مولوی قمر الدین خان الہ آباد سے آ گئے یا نہیں اگر نہیں آئے تو وہ وہاں کیوں متوقف ہیں۔ میر منشی قدیم وہاں پہنچ گئے اپنا کام کرنے لگے یا کر رہے ہیں۔ آپ کو تاکید لکھتا ہوں کہ ان تینوں باتوں کا جواب الگ الگ لکھئے اور جلد لکھئے۔ اس خط کے پہنچنے تک اغلب ہے کہ پارسل پہنچ جائے۔ اُس کے پہنچنے کی اطلاع کیجئے گا۔ اب ایک امر سنو میں نے آغاز یازدہم مئی ۱۸۵۷ء سے یکم جولائی ۱۸۵۸ء تک روداد شہر اور اپنی سرگذشت یعنی ۱۵ مہینے کا حال

نثر میں لکھا ہے اور التزام اس کا کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ جو نظم اس نثر میں درج ہے وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے۔ ہاں اشخاص کے نام نہیں بدلے جاتے وہ عربی۔ انگریزی۔ ہندی جو ہیں وہ لکھ دئے ہیں۔ مثلاً تمہارا نام منشی ہرگوپال منشی لفظ عربی ہے نہیں لکھا گیا۔ اسکی جگہ شیوا زبان لکھ دیا ہے یہی میرا خط جیسا اس رقعہ میں ہے۔ نہ چھدرا نہ گنجان اوراق بے مسطر پر اس طرح کہ کسی صفحہ میں ۲۰ کسی میں ۲۲ کسی میں ۱۹ ہی سطریں ہیں۔ اور چالیس صفحے یعنے ۲۰ ورق ہیں اگر ۱۲ سطر کے مسطر سے کوئی گنجان لکھے۔ تو شاید دو جزو میں آجاوے۔ یہاں کوئی مطبع نہیں ہے۔ سنتا ہوں کہ ایک ہے۔ اس میں کاپی نگار خوشنویس نہیں ہے۔ اگر آگرہ میں اس کا چھاپہ ہوسکے تو مجھ کو اطلاع کرو۔ اس تہیدستی اور بینوائی میں پچیس کا میں بھی خریدار ہوسکتا ہوں۔ لیکن صاحب مطبع اتنے پر کیوں مانیگا۔ البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ اگر ہزار نہ ہوں۔ تو پانسو جلد تو چھاپی جائیں یقین ہے کہ پانسو سات سو جلد چھاپنے کی صورت میں ۳ر ۴ر قیمت پڑے کاپی تو ایک ہی ہوگی رہا کاغذ وہ بھی بہت نہ لگیگا۔ لکھائی متن کی تو آپ کو معلوم ہوگئی۔ حاشیہ پر البتہ لغات کے معنی لکھے جائیں گے۔ بہرحال اگر ممکن ہو۔ تو اس کا تکلمہ کرو۔ اور حساب معلوم کرکے مجھ کو لکھو اگر منشی قمرالدین خاں آگئے ہوں۔ تو اُن کو بھی شریک مصلحت کرلو ان تینوں باتوں کا جواب اور پارسل کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب یہ سب ایک خط میں پاؤں ضرور ضرور۔ غالب نگاشتہ و روان داشتہ سہ شنبہ ہفتدہم اگست ۱۸۵۸ء جواب طلب واسطے تاکید کے بیرنگ بھیجا گیا۔

ایضاً۔ للہ الشکر تمہارا خط آیا۔ اور دل سودا زدہ نے آرام پایا۔ تم میرا خط اچھی طرح پڑھا نہیں کرتے میں نے ہرگز نہیں لکھا کہ یہ عبارت دو جزو میں آجاوے میں نے یہ لکھا تھا کہ عبارت اسقدر ہے کہ شاید دو جزو میں آجائے لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ حجم زیادہ ہو۔ بہرحال اس نمونہ کی تقطیع اور حاشیہ مطلوب ہے لغات کے معنے حاشیہ پر چڑھیں اس کی روش دلآویز اور تقسیم نظر فریب ہو۔ رباعی حاشیہ پر لکھ دی اچھا کیا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے جس محل پر کہ ان کو بتائے ہیں۔ ضرور لکھوا دینا میں نے جو تم کو میرزائی کا خطاب دیا ہے اُن فقروں میں اس کا اظہار کیا ہے۔ یہ امر بہت ضروری ہے۔ اور میں منشی شو نارائن صاحب کو آج صبح لکھ چکا ہوں تیسرے صفحہ کے آخر یا چوتھے صفحے کے اول یہ جملہ ہے۔ اگر وردم دیگر بہ نہیب مباش بہم زند۔ نہیب کی جگہ نوائے بنا دینا۔ بہ نوائے مباش بہم زند۔ نہیب لفظ عربی ہے اگر رہ جائیگا۔ تو لوگ مجھ پر اعتراض کریں گے تیز چاقو کی نوک سے نہیب کا لفظ چھیلا جائے۔ اور اسی جگہ نوائے لکھ دیا جائے۔ رائے امید سنگھ

نے مجھ پر عنایت اور مطبع کی اعانت کی حق تعالیٰ ان کو اس کارسازی اور فقیر نوازی کا اجر دے صاحب کبھی نہ کبھی میرا کام تم سے آپڑا ہے۔ اور پھر کام بھی کیسا کہ جس میں میری جان اُلجھی ہوئی ہے۔ اور میں نے اس کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے خدا کے واسطے پہلوتہی نہ کرو۔ اور بدل توجہ فرماؤ۔ کاپی کی تصحیح کا ذمہ بھائی کا ہو گیا ہے چھ جلدوں کی آراستگی کا ذمہ برخوردار عبد اللطیف کا کردو۔ میری طرف سے دعا کہو اور کہو کہ میں تمہارا بوڑھا اور مفلس چچا ہوں۔ تصحیح بھائی کریں تزئین تم کرو۔ کہتا ہوں۔ مگر نہیں جانتا کہ تزئین کیونکر کی جائے۔ سنتا ہوں کہ چھاپے کی کتاب کے حرفوں پر سیاہی کی قلم پھیر دیتے ہیں۔ تاکہ حروف روشن ہو جائیں سیاہ قلم سے جدولیں بھی کھنچ جاتی ہے۔ پھر جلد بھی پُر تکلف بن سکتی ہے۔ بھتیجے کی دستکاری اور صناعی اور ہوشیاری میرے کس دن کام آویگی۔ میرزا تفتہ تم بڑے بے درد ہو۔ دلّی کی تباہی پر تم کو رحم نہیں آتا۔ بلکہ تم اس کو آباد جانتے ہو۔ یہاں نیچہ بند تو میسّر نہیں۔ صحاف اور نقاش کہاں شہر آباد ہوتا تو میں آپ کو تکلیف کیوں دیتا۔ یہیں سب درستی میری آنکھوں کے سامنے ہو جاتی قصہ مختصر یہ عبارت منشی عبد اللطیف کو پڑھا دو۔ میں تو اُن کے باپ کو اپنا حقیقی بھائی جانتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنا حقیقی چچا جانیں اور میرا کام کریں۔ تو کیا عجب ہے۔ دو روپے فی جلد اس سے زیادہ کا مقدور نہیں۔ جب مجھ کو لکھوگے۔ ہنڈوی بھیجدونگا۔ چھ روپے آٹھ آنے دس روپے عد بارہ روپے میاں کو سمجھا دینا۔ کمی کی طرف نہ گیں۔ چیز اچھی بنے۔ نہایت بارہ روپے میں چھ جلدیں تیار ہوں منشی شیو نرائن کو سمجھا دینا۔ کہ زنہار عرف نہ لکھیں نام اور تخلص بس۔ اجزائے خطابی کا لکھنا نامناسب بلکہ مضر ہے۔ مگر ہاں نام کے بعد لفظ بہادر کا اور بہادر کے لفظ کے بعد تخلص۔ اسد اللہ خاں بہادر غالب بھائی تم نے اوراق مثنوی کی رسید نہ لکھی کہیں وہ پارسل ہی سے گر نہ گئے ہوں۔ دیکھو کس لطف سے میرے نام کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ اور اُن کے چھاپنے کی ممانعت ضرور ہے۔ مگر میں اس کی عبارت کیا بتاؤں۔ صاحب مطبع اس امر کو اردو میں آخر کتاب پر لکھ دیں۔ منشی جی سے نثر لکھوا لو۔ منشی عبد اللطیف کو یہ خط پڑھا دو۔ نہیب کی جگہ نوا بنا دو۔ صاحب مطبع کو میرا پتہ دو۔ خاتمہ پر ممانعت کا حکم صاحب مطبع سے لکھوا دو۔ برخوردار عبد اللطیف سے مقدار روپیہ کی دریافت کر کے مجھ کو لکھ بھیجو اپنی مثنوی کی رسید لکھو اپنے بجان و دل مصروف ہونے کا اقرار کرو۔ ان سب امور کی مجھے خبر دو۔

غالب جمعہ سوم ستمبر ۱۸۵۸ء ہنگام نیم روز

ایضاً۔ میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ دونوں فقرے جس محل پر بتاتے ہیں۔ حاشیہ پر لکھ دیئے ہونگے نہیب کے

نقطہ کو تحصیل کروا کے بنا دیا ہوگا۔ برخوردار منشی عبد اللطیف کو میرا خط اپنے نام کا دکھا دیا ہوگا۔ اُنکی سعادتمندی سے یقین ہے۔ کہ میری التماس قبول کریں۔ اور ادھر متوجہ ہوں۔ کاپی لکھی جانی اور چھاپا ہونا شروع ہو گیا ہوگا۔ اگر پتھر بڑا ہے۔ تو چاہئیے آٹھ آٹھ صفحے بلکہ بارہ بارہ صفحے چھاپے جائیں اور کتاب جلد طبع ہو جائے بھائی منشی صاحب کی شفقت کا حال پوچھنا ضرور نہیں مجھ پر مہربان اور حسن کلام کے قدردان ہیں اگر تصحیح میں بے پروائی کریں گے۔ تو کیا میری تفضیح کے روادار ہونگے؟ بھائی تم نے بھی اور منشی شیو نرائن صاحب نے بھی لکھا میں بھی ایک عبارت لکھتا ہوں۔ اگر پسند آئے۔ تو خاتمہ عبارت میں چھاپ دو نامہ نگار غالب خاکسار کا یہ بیان ہے۔ کہ یہ جو میری سرگذشت کی داستان ہے اس کو میں نے مطبع مفید خلائق میں چھپوایا ہے۔ اور میری رائے میں اس کا یہ قاعدہ قرار پایا ہے۔ کہ اور صاحبان مطابع جب تک مجھ سے طلب رخصت نہ کریں۔ اپنے مطبع میں اُس کے چھاپنے پر جراُت نہ کریں۔ اس کے سوا اگر کوئی اور طرح کی تحریر منظور ہو۔ تو منشی شیو نرائن صاحب کو اجازت ہے کہ میری طرف سے چھاپ دیں یہ سب باتیں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ اب جو امر ضروری الاظہار تھے۔ اس واسطے یہ خط لکھا ہے۔ ایک تو اردو عبارت۔ دوسرے یہ کہ میرے شفیق مکرم سید مکرم حسین صاحب کا خط میرے نام آیا ہے اور انھوں نے ایک بات جواب طلب لکھی ہے۔ اس کا جواب اسی خط میں لکھتا ہوں تم کو چاہئیے۔ کہ اُن سے کہدو بلکہ یہ عبارت اُن کو دکھا دو۔ بندہ پرور نواب عطاء اللہ خان میرے بڑے دوست اور شفیق ہیں۔ ان کے فرزند رشید میر غلام عباس المخاطب بہ سیف الدولہ یہ دونو صاحب صحیح و سالم ہیں۔ شہر سے باہر دو چار کوس پر کوئی گاؤں ہے۔ وہاں رہتے ہیں۔ شہر میں اہل اسلام کی آبادی کا حکم نہیں اور ان کے مکانات قرق ہیں۔ ضبط ہو گئے ہیں۔ نہ واگذاشت کا حکم ہے۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ اس عمر کی ہیں مجھ کو ہنسانا تمہارا ہی کام ہے۔ بھائی تضمین گلستان چھپوا کر کیا فائدہ اُٹھایا ہے۔ جو الطبائع سنبلستان سے نفع اُٹھاؤ گے۔ روپیہ جمع رہنے دو۔ آمد اچھی چیز ہے اگرچہ قلیل ہو۔ اور اگر روپیہ لینا منظور ہے۔ تو ہرگز اندیشہ نہ کرو۔ اور درخواست دیدو۔ بعد نو مہینے کے روپیہ تم کو مل جائیگا۔ یہ میرا ذمہ کہ اس نو مہینے میں کوئی انقلاب واقع نہ ہوگا۔ اگر ادبار نا ہو ابھی تو ہوتے ہوتے اسکو مدت چاہیئے۔ رستخیز بیجا ہو چکا۔ اب ہو تو رستخیز ہو۔ یعنی قیامت اور اس کا حال معلوم نہیں کہ کب ہوگی۔ اگر اعداد کے حساب سے دیکھو تو بھی رستخیز کے ۱۲۷۷ ہوتے ہیں بدیں صورت احتمال فتنہ سال آئندہ پر رہا۔ سو بھی موہوم۔ میاں میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آگیا ہوں۔ تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔

ایک گروہ کا قول ہے۔ کہ یہ شخص والئے رامپور کا اُستاد تھا۔ اور وہاں گیا تھا۔ اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا۔ تو بھی پانچہزار روپے سے کم نہ دیا ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہے۔ کہ نوکری کو گئے تھے۔ مگر نوکر نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے۔ کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا۔ دو سو روپیہ مہینہ کر دیا تھا۔ لفٹنٹ گورنر الہ آباد جو رامپور آئے۔ اور اُن کو غالب کا وہاں ہونا معلوم ہُوا۔ تو اُنہوں نے نواب صاحب سے کہا۔ کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتے ہو۔ تو اس کو جواب دو۔ نواب نے برطرف کر دیا۔ یہ تو سب سُن لیا۔ اب تم اصل حقیقت سُنو۔ نواب یوسف علی خان بہادر تیس اکتیس برس کے میرے دوست اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیجدیا کرتے تھے۔ اب جولائی ۱۸۵۹ء سے سو روپے مہینہ ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ بلاتے رہتے تھے۔ اب میں گیا دو مہینے رہ کر چلا آیا۔ بشرط حیات بعد برسات کے پھر جاؤں گا۔ وہ سو روپیہ مہینہ یہاں رہوں وہاں رہوں۔ خدا کے ہاں سے میرا مقرر ہے۔ غالب ۳۱۔ مارچ ۱۸۶۲ء

ایضاً کیوں صاحب۔ کیا یہ آئین جاری ہُوا ہے۔ کہ سکندر آباد کے رہنے والے دلّی کے خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں بھلا اگر یہ حکم ہُوا ہوتا تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا۔ کہ زنہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جائے بہر حال ع کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے مے کنم۔ کل جمعہ کے دن ۱۲ تاریخ نومبر کو ۳۲ جلدیں بھیجی ہوئی برخوردار شونرائن کو پہنچیں۔ کاغذ۔ خط۔ تقطیع۔ سیاہی۔ چھاپا سب خوب دل خوش ہُوا اور شیو نرائن کو دعا دی۔ سات کتابیں جو میرزا جانی علی صاحب کی تحویل میں ہیں۔ وہ بھی یقین ہے آجکل پہنچ جائیں معلوم نہیں منشی شیو نرائن نے اندور کو واسطے راؤ امید سنگھ کے کس طرح بھیجی ہیں یا ابھی نہیں بھیجیں۔ صاحب تم اس خط کا جواب جلد لکھو۔ اور اپنے قصد کا حال لکھو۔ سکندر آباد کب تک رہوگے۔ آگرہ کب جاؤ گے۔ شنبہ ۱۳۔ نومبر ۱۸۵۸ء۔ جواب طلب۔

ایضاً۔ صاحب ۲۵۔ اپریل کو ایک خط اور ایک پارسل ڈاک میں ارسال کر چکا ہوں۔ آج ۳۰ ہے یقین ہے خط اور پارسل دونوں پہنچ گئے ہونگے۔ ایک امر ضروری باعث اس تحریر کا ہے کہ جو میں اس وقت روانہ کرتا ہوں۔ ایک میرا دوست اور تمہارا ہمدرد ہے۔ اُس نے اپنے حقیقی بھتیجے کو بیٹا کر لیا تھا اُنیس اُنیس برس کی عمر قوم کا کھتری۔ خوبصورت وضعدار نوجوان ۱۲۷۳ھ میں بیمار پڑ کر مر گیا اب اس کا باپ مجھ سے آرزو کرتا ہے۔ کہ ایک تاریخ اس کے مرنے کی لکھوں لیکن وہ فقط تاریخ نہ ہو۔ بلکہ مرثیہ ہو۔ کہ وہ اس کو پڑھ پڑھ کر رویا کرے۔ سو بھائی اس سائل کی خاطر مجھ کو عزیز اور فکر شعر متروک معہذا واقع تمہارے حسب حال ہے۔ جو خونچکان شعر تم نکالوگے۔ وہ مجھ سے کہاں نکلیں گے بطریق مثنوی بیس تیس

شعر لکھ دو مصرعہ آخر میں مادۂ تاریخ ڈال دو۔ نام اس کا برج موہن تھا۔ اور اس کو بابو بابو کہتے تھے۔ چنانچہ میں بحر ہزج مسدس مخبون میں ایک شعر تم کو لکھتا ہوں چاہو اس کو آغاز میں رہنے دو۔ اور آئندہ اسی بحر میں اور اشعار لکھ لو۔ چاہو کوئی اور طرح نکالو۔ لیکن یہ خیال میں رہے۔ کہ سائل کو متوفی کے نام کا درج ہونا منظور ہے۔ اور بابو برج موہن سوائے اس بحر کے یا بحر رمل کے اور بحر میں نہیں آسکتا وہ شعر میرا یہ ہے ؎

چکد خون دل ریش از لب من　　　بمرم چوں نام بابو برج موہن

غالبؔ۔ نگاشتہ روز جمعہ۔ سی ام۔ اپریل ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی تمہارا وہ خط جس میں اوراق مثنوی ملفوف تھے پہنچا۔ اوراق مثنوی اوراق دستنبو کے ساتھ پہنچیں گے۔ اب تمہارے مطالب کا جواب جدا جدا لکھتا ہوں۔ الگ الگ سمجھ لینا۔ صاحب تم نے مرزا حاتم علی صاحب سے کیوں کہا۔ بات اتنی تھی۔ کہ وہ مجھ کو لکھ کر بھیجتے کہ نثر آئی ہے۔ اور مرزا صاحب نے پسند کی اب اُن سے میرا سلام کہو اور یہ کہو کہ آپکے شکر بجالانے کا شکر بجالاتا ہوں۔ چھاپے کے باب میں جو آپ نے لکھا وہ معلوم ہوا۔ اس تحریر کو جب دیکھو گے۔ تب جانو گے۔ اہتمام اور عجلت اس کے چھپوانے میں اس واسطے ہے۔ کہ اس میں سے ایک جلد نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر بھیجوں گا۔ اور ایک جلد بذریعہ اُن کے جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی نذر کرونگا۔ اب سمجھ لو کہ طرز تحریر کیا ہوگی اور صاحبان مطبع کو اس کا انطباع کیوں نامطبوع ہوگا۔ جیتے رہو۔ اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسایا وہ کون ملا تھا۔ جس کو تم نے پڑھایا ع گرچہ عمل کار خردمند نیست ؛ عمل کار اہل کا۔ یہ شعر شیخ سعدی کا بادشاہ کی نصیحت میں ہے۔ ع جز بخردمند فرما عمل ؛ یعنی خدمت و اعمال سوائے علما اور عقلا کے اور کی تفویض نہ کر پھر خرد کہتا ہے ع گرچہ عمل کار خردمند نیست ؛ یعنی اگرچہ خدمات و اشغال سلطانی کا قبول کرنا خردمندوں کا کام نہیں اور عقل سے بعید ہے۔ کہ آدمی اپنے کو خطرے میں ڈالے عمل الگ ہے۔ اور کار مضاف ہے بطرف خردمند کے۔ ورنہ دہائی خدا کی عمل کار اہل کا کسے معنے پر نہیں آتا۔ مگر قتیل اور واقف یا اور پوربی کے ملکیں کی فارسی ہے۔

ایضاً۔ میری جان کیا سمجھے ہو۔ سب مخلوقات تفتہ و غالب کیونکر بن جائیں ع ہر کسے را بہر کارے ساختند انت متا سے تھا۔ مصری میٹھی نمک سلونا کبھی کسی شئے کا مزہ نہ بدلیگا۔ اب جو میں اُس شخص کو نصیحت کروں وہ کیا نہ سمجھے گا۔ کہ غالب کیا جانے کہ عبدالرحمان کون ہے اور مجھ سے اُس سے کیا رسم و راہ ہے بے شبہ جانیگا۔ کہ تفتہ نے لکھا ہوگا۔ میں اس کی نظر میں سبک ہو جاؤں گا۔ اور تم سے وہ اور بھی سرگراں

ہو جائیگا۔ اور یہ جو تم لکھتے ہو۔ کہ تم نے اُس شخص کو اپنے عزیزوں میں گنا ہے۔ بندہ پرور میں تو بنی آدم کو مسلمان ہو یا ہندو۔ یا نصرانی عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔ دوسرا مانے یا نہ مانے باقی رہی وہ عزیز داری۔ جس کو اہل دنیا قرابت کہتے ہیں۔ اُس کو قوم اور ذات اور مذہب اور طریق شرط ہے اور اس کے مراتب و مدارج ہیں۔ نظر اس دستور پر اگر دیکھو تو مجھ کو اُس شخص سے خس برابر علاقہ عزیز داری کا نہیں۔ از راہ حسن اخلاق اگر عزیز لکھ دیا یا کہہ دیا تو کیا ہوتا۔ زین العابدین خان عارف میرے سالے یہ شخص اُس کے سالے کا بیٹا اس کو جو چاہو سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ جب ادھر سے آدمیت نہ ہوئی۔ تو اب اس کو لکھنا لغو بے فائدہ بلکہ مضر ہے۔ تمہارا میرٹھ جانا اور نواب مصطفٰے خان سے ملنا ہم پہلے ہی دریافت کر چکے ہیں۔ اب تمہارے خط سے مراد آباد ہو کر سکندر آباد آنا معلوم ہو گیا۔ حق تعالے شانہ تم کو خوش و خرم رکھے۔ مرقومہ ۲۳۔ ستمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط مع رقعہ مرد سخن فہم پہنچا۔ تمہاری خوشامد نہیں کرتا۔ سچ کہتا ہوں تمہارے کلام کی تحسین کرنے والا فی الحقیقت اپنے فہم کی تعریف کرتا ہے جواب میں درنگ اس راہ سے ہوئی کہ میں مصطفٰے خان کی ملاقات کو بسبیل ڈاک میرٹھ گیا تھا تین دن وہاں رہا۔ کل وہاں سے آج تم کو یہ خط بھجوایا محررہ و مرسلہ چہارشنبہ ۲۶۔ جنوری سنہ ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ کل قریب دوپہر کے ڈاک کا ہرکارہ وہ جو خط بانٹا کرتا ہے آیا اور اس نے پارسل موم جامے میں لپٹا ہوا دیا۔ پہلے تو میں بھی حیران رہا۔ کہ پیکٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا۔ بارے جو اسکی تحریر دیکھی تو تمہارے ہاتھ کا پتہ غلط لکھا ہوا۔ اور دو ٹکٹ لگے ہوئے مگر اس کے آگے کالی مہر اور کچھ انگریزی لکھا ہوا ہرکارہ نے چھ دلوائے۔ دلوا دیئے اور پارسل لے لیا مگر حیران کہ یہ کیا پیچ پڑا۔ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا اس کو خطوں کے بکس میں ڈال آیا۔ ڈاک کے کارپردازوں نے غور نہ کی اور اس کو بیرنگ خطوں کی ڈاک میں بھیج دیا۔ وہ صاحب جو میرے عرف سے آشنا اور میرے نام سے بیزار ہیں یعنی منشی بھگوان پرشاد متل خواں میرا سلام قبول کریں غالب جولائی ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی مجھ میں تم میں نامہ نگاری کاہے کو ہے مکالمہ ہے آج صبح کو ایک بھیج چکا ہوں۔ اب اس وقت تمہارا خط اور آیا۔ سنو صاحب لفظ مبارک میم حا میم دال اس کے ہر حرف پر میری جان نثار ہے۔ مگر چونکہ یہاں سے ولایت تک حکام کے ہاں سے یہ لفظ یعنی محمد اسد اللہ خان نہیں لکھا جاتا میں نے بھی موقوف کر دیا ہے۔ رہا میرزا و مولانا و نواب اس میں تم کو اور بھائی کو اختیار ہے جو چاہو سو لکھو۔ بھائی کو کہنا۔ اُن کے خط کا جواب صبح کو روانہ کر چکا ہوں۔ مرزا تفتہ اب تم تزئین جلد ہائے کتاب کے باب

ہیں برادرزادہ سعادتمند کو تکلیف نہ دو۔ مولانا مہرباں کو اختیار ہے جو چاہیں سو کریں۔ خط تمام کرکے خیال میں آیا۔ کہ وہ جو مرزا صاحب سے مجھ کو مطلوب ہے تم پر بھی ظاہر کروں۔ صاحب وہاں ایک اخبار موسوم بہ آفتاب عالمتاب نکلتا ہے اُس کے مہتمم نے التزام کیا ہے کہ ایک صفحہ یا ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دہلی کے حالات لکھتا ہے نہیں معلوم آغاز کس مہینے سے ہے حکیم احسن اللہ خاں یہ چاہتے ہیں۔ کہ سابق کے جو اوراق ہیں جب سے ہوں وہ چھاپہ خانہ میں مسودہ رہتے ہیں۔ اس کی نقل کاتب سے لکھوا کر یہاں بھیجی جائے اُجرت جو لکھی آئیگی وہ بھیجی جائیگی۔ اور ابتدائے ۱۸۵۳ء سے اُن کا نام خریداروں میں لکھا جائے دو ہفتہ کے دو نمبر اُن کو ایک لفافہ میں کھیجدیئے جائیں۔ اور پھر ہر مہینے ہفتہ در ہفتہ اُن کو لفافہ اخبار کا پہنچا کرے۔ یہ مراتب جناب مرزا حاتم علی صاحب کو لکھ چکا ہوں۔ اور ابتک آثار قبول ظاہر نہیں ہوئے نہ لفافے حکیم صاحب کے پاس پہنچے۔ نہ ان صفحات کی نقل میرے پاس آئی۔ آپ کو اس میں سعی ضرور ہے اور ہاں صاحب آفتاب عالمتاب کا مطبع تو کشمیری بازار میں ہے۔ مگر آپ مجھ کو لکھیں کہ مفید خلائق کا مطبع کہاں ہے۔ عجب ہے کہ ان صاحب شفیق نے میری تحریرات کا جواب نہیں لکھا فرمائش حکیم احسن اللہ خاں صاحب کی بہت اہم ہے۔ عند الملاقات میرا سلام کہہ کر اس کا جواب بلکہ وہ اخبار اُن سے بھجواؤ۔ جمعہ ۷ ستمبر ۵۳ء

ایضاً۔ بھائی میں نے مانا۔ تمہاری شاعری کو میں جانتا ہوں۔ کہ کوئی دم تم کو فکر سخن سے فرصت نہ ہوگی پر جو تم نے التزام کیا ہے ترصیع کی صنعت کا اور دو لخت شعر لکھنے کا اس میں ضرور نشست معنی بھی ملحوظ رکھا کرو۔ اور جو کچھ لکھا کرو دوبارہ سہ بارہ دیکھا کرو۔ کیوں صاحب یہ ڈبل خط پوسٹ پیڈ بھیجا اور وہ بھی دلی سے سکندرآباد کو آیا۔ حاتم کے سوا اور میرے سوا کسی نے کیا کہا ہوگا؟ کیا ہنسی آتی ہے۔ تمہاری باتوں پر خدا تم کو جیتا رکھے۔ اور جو کچھ تم چاہو تم کو دے۔ جانی جی کی بڑی فکر ہے۔ میں تم کو لکھا چاہتا تھا۔ کہ اُن کا حال لکھو۔ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں یقین ہے کہ اجمیر میں ہونگے۔ اگر وہاں مقیم ہیں۔ تو خط پھر بھی نہیں بھیجا جا سکتا اس لئے کہ اگر ہو سکے تو کسی کو لکھ کر خبر منگوالو۔ اور جو کچھ تم کو معلوم ہو وہ مجھ کو بھی لکھو۔ منشی صاحب مع منشی عبداللطیف کول میں آگئے کل ان کا خط مجھ کو آیا تھا۔ آج اس کا جواب بھی روانہ کر دیا۔

اسد اللہ یکشنبہ ۲۱۔ ماہ اگست ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ بھائی آج مجھ کو بڑی تشویش ہے۔ اور یہ خط میں تم کو کمال سراسیمگی میں لکھتا ہوں۔ جس دن میرا خط پہنچے۔ اگر وقت ڈاک کا ہو۔ تو اسی وقت جواب لکھ کر روانہ کرو۔ اور اگر وقت نہ رہا تو چار و ناچار

دوسرے دن جواب بھیجو۔ منشا اتشویش واضطراب کا یہ ہے کہ کئی دن سے راجہ بھرت پور کی بیماری کی خبر سُنی جاتی تھی۔ کل سے اور بُری خبر شہر میں مشہور ہے۔ تم بھرت پور سے قریب ہو۔ یقین ہے کہ تم کو تحقیق حال معلوم ہوگا۔ جلد لکھو کہ کیا صورت ہے۔ راجہ کا مجھ کو غم نہیں۔ مجھ کو فکر جانی جی کی ہے۔ کہ اسی علاقہ میں تم بھی شامل ہو۔ صاحبان انگریز نے ریاستوں کے باب میں ایک قانون وضع کیا ہے۔ یعنی جو رئیس مر جاتا ہے۔ سرکار اس ریاست پر قابض ومتصرف ہو کر رئیس زادہ کے بالغ ہونے تک بندوبست ریاست کا اپنے طور پر رکھتی ہے۔ سرکاری بندوبست میں کوئی قدیم الخدمت موقوف نہیں ہوتا۔ اس صورت میں یقین ہے کہ جانی صاحب کا علاقہ بدستور قائم رہے۔ مگر یہ وکیل ہیں۔ معلوم نہیں مختار کون ہے اور ہمارے باپو صاحب ہیں اور اس مختار میں صحبت کیسی ہے۔ رانی سے ان کی کیا صورت ہے تم اگر چہ باپو صاحب کی محبت کا علاقہ رکھتے ہو۔ لیکن انہوں نے از راہِ دور اندیشی تم کو متوسل اُس سرکار کا کر رکھا ہے۔ اور تم مستغنیانہ اور لااوبالیانہ زندگی بسر کرتے تھے زنہار اب وہ روش نہ رکھنا اب تم کو لازم آپڑا ہے۔ جانی جی کے ساتھ ہو کر روشناس حکام والا مقام ہونا پس چاہیئے کول کی آرائش کا ترک کرنا اور خواہی نخواہی باپو صاحب کے ہمراہ رہنا۔ میری رائے میں یوں آیا ہے۔ اور میں نہیں لکھ سکتا کہ موقع کیا ہے۔ اور مصلحت کیا ہے۔ جانی جی بھرت پور آئے ہیں۔ یا اجمیر میں ہیں؟ کس فکر میں ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ واسطے خدا کے نہ مختصر نہ سرسری بلکہ مفصل اور منقح جو کچھ واقع ہوا ہو اور جو صورت ہو مجھ کو لکھو۔ اور جلد کہ مجھ پر خواب وخور حرام ہے۔ کل شام کو میں نے سُنا آج صبح قلعہ نہیں گیا اور یہ خط لکھ کر از راہِ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہے۔ تم بھی اس کا جواب بیرنگ روانہ کرنا۔ آدھ آنہ ایسی بڑی چیز نہیں ڈاک کے لوگ بیرنگ خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں۔ اور پوسٹ پیڈ پڑا رہتا ہے۔ جب اس محلہ میں جانا ہوتا ہے تو اس کو بھی لے جاتے ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں کہ پریشان ہوں۔ نوشتۂ چاشتگاہ دوشنبہ ۲۸ مارچ ۱۸۵۳ء ضروری۔ جواب طلب۔

ایضاً میاں میرزا تفتہ ہزار آفرین کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے واہ واہ چشم بددور تسلسل معنی سلاست الفاظ ایک مصرعہ میں تم کو محمد اسحٰق شوکت بخاری سے توارد ہوا یہ بھی محل فخر وشرف ہے کہ جہاں شوکت پہنچا وہاں تم پہنچے وہ مصرعہ یہ ہے ع چاک گردیدم واز جیب بداماں رفتم۔ پہلا مصرعہ تمہارا اگر اس کے پہلے مصرعہ سے اچھا ہوتا تو میرا دل اور زیادہ خوش ہوتا۔ خدا تم کو اتنا جلائے۔ کہ ایک دیوان ۲۰ ر جزو قصائد کا کہہ لو۔ مگر خبردار قصاید بقید حروف تہجی نہ جمع کرنا۔ صاحب! مجھے اس بزرگوار کا معاملہ اور یہ جو تم نے اس کا وطن اور پیشہ اب لکھا ہے سابق کا تمہارا لکھا ہوا سب

یاد ہے میں نے اسکو دوست بطریق دلّی لکھا ہے بہرحال وہ جو میں نے خاقانی کا شعر لکھ کر اس کو بھیجا
اس کی ماں مرے اگر میرے اس خط کا جواب لکھا ہو۔ بڑا پرانا قصہ تم نے یاد دلایا۔ داغ کہنہ حسرت
کو چمکایا۔ میاں یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے
نصیر الدین حیدر کے پاس گذرا۔ اور جس دن گذرا اُسی دن پانچہزار روپے کے بھیجنے کا حکم ہوا۔ متوسط یعنی
منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی بمظفر الدولہ مرحوم لکھنؤ سے آئے۔ اُنہوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا
اور کہا خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ کو لکھا۔ کہ تم دریافت
کرکے لکھو۔ کہ میرے قصیدہ پر کیا گذری انہوں نے جواب لکھا۔ کہ پانچہزار ملے۔ تین ہزار روشن الدولہ
نے کھائے دو ہزار منشی محمد حسن کو دیئے۔ اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو۔ غالب کو بھیجدو۔ کیا
اُس نے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا۔ اگر نہ بھیجا ہو تو مجھ کو لکھو میں نے لکھ بھیجا۔ کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں
پہنچے اس کے جواب میں اُنہوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو اس کا مضمون یہ ہو۔ کہ میں نے بادشاہ
کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ قصیدہ حضور میں گذرا۔ مگر یہ میں نے
نہیں جانا۔ کہ اس کا صلہ کیا مرحمت ہوا میں کہ ناسخ ہوں۔ اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر اُن کا
کھایا ہوا روپیہ اُن کے حلق سے نکال کر تم کو بھیجدونگا۔ بھائی یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا
آج خط روانہ ہوا تیسرے دن شہر میں خبر اُڑی۔ کہ نصیر الدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں۔
اور ناسخ کیا کرے۔ غالب دوشنبہ ۱۹۔ اگست ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ اوُ مرزا تفتہ میرے گلے لگ جاؤ۔ بیٹھو اور میری حقیقت سنو۔ یکشنبہ کو مولوی مظہر الحق آئے تھے
اُن سے یہ حال معلوم ہوا۔ پہلا خط تم کو ان کے بھائی مولوی انوار الحق نے بموجب حکم رنگٹن صاحب کے
لکھا تھا۔ پھر ایک خط صاحب نے آپ مسودہ کرکے اپنی طرف سے تم کو لکھا۔ دو دیوان تمہارے اور
نشتر عشق اور ایک تذکرہ یہ چار کتابیں تمہاری بھیجی ہوئی اُن کو پہنچیں۔ صاحب تم سے بہت خوش
اور تمہارے بہت معتقد ہیں کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ اتنا بڑا شاعر کوئی اور ہندوستان میں
نہ ہوگا۔ کہ جو پچاس ہزار بیت کا مالک ہو۔ فائدہ اس التفات کا یہ کہ تمہارا ذکر بہت اچھی طرح سے لکھ بھیجیں گے
بلکہ مانچسٹر شما بسلامت ہاں ان کے تحت میں عہدہ عمدہ شاہرہ کے علاقے میں اگر تمہاری اجازت ہو تو اس
امر میں اُن سے کلام کروں۔ میرا عجب حال ہے۔ حیران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں نہیں ادراک آتا ؎

گمان زیست بود بر منت ز بے دردی — بد است مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست

سامعہ مر گیا۔ اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا۔ جتنی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں۔ سب مضمحل ہیں۔ تو اس

سامعہ مختل ہیں۔ حافظہ گویا کبھی نہ تھا۔ شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی۔ رئیس رامپور سو روپے مہینہ دیتے ہیں۔ سال گذشتہ ان کو لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم حواس کا کام ہے۔ اور میں اپنے میں حواس نہیں پاتا۔ متوقع ہوں۔ کہ اس خدمت سے معاف رہوں۔ جو کچھ مجھے آپ کی سرکار سے ملتا ہے۔ عوض خدمات سابقہ میں شمار کیجئے۔ تو میں سکہ لمبر سہی ورنہ خیرات خوار سہی۔ اور اگر یہ عطیہ بشرط خدمت ہے۔ تو جو آپکی مرضی ہے وہی میری قسمت ہے۔ بہرحال اس دن سے ان کا کلام نہیں آتا۔ فتوح مقرری تو میرے تک آتی۔ اب دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔ آجتک نواب صاحب اندازہ جراتدری دئے جاتے ہیں۔ اور بھائی تمہاری مشق چشم بدور صاف ہوگئی رطب و یابس تمہارے کلام میں نہیں رہا۔ اور اگر خواہی نخواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے۔ تو میری جان میرے بعد کیا کرو گے۔ میں چراغ دم صبح و آفتاب بسر کوہ ہوں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ۱۴۔ رجب نجات کا طالب غالب۔

ایضاً مرزا تفتہ عجیب اتفاق ہوا۔ پنجشنبہ کے دن ۲۲ اپریل کو کلیان خط ڈاک میں ڈال کر آیا۔ اُس کے متعاقب پارسل کا ہرکارہ آیا۔ اور تمہارا بھیجا ہوا پاکٹ لایا۔ رسید لکھ دی میں نے تائید سمجھی اور اس کا دیکھنا شروع کیا۔ بیکار محض اور تنہا ہوں۔ پانچ پہر کا دن میری بڑی جان لگی ہو گئی۔ خوب دیکھا صحیح تو یہ لیا ہے۔ کہ ان اشعار میں میں نے بہت حظ اُٹھایا۔ جیتے رہو۔ تمہارا دم غنیمت ہے۔ بھائی کا حال مفصل لکھو۔ پنشن کے طالب ہیں یا نوکری کے منشی عبد اللطیف کہاں ہے اور کس طرح ہے۔ علاقہ بنا ہوا ہے یا جاتا رہا۔ صاحب لفٹنٹ گورنری کا محکمہ بالکل الہ آباد کو گیا یا ہنوز کچھ یہاں بھی ہے منشی غلام غوث صاحب کہاں ہیں۔ نوکر ہیں یا مستعفی۔ عدالت دیوانی کا محکمہ یہیں رہیگا۔ یا الہ آباد جائیگا۔ اس کا اور گورنری کے محکمہ کا ساتھ ہے چلا ہے یہ بھی وہیں جاوے۔ آج تمہارے اشعار کا کاغذ بمعہ پاکٹ اسی خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجا گیا ہے۔ یقین ہے کہ یہ خط کل پرسوں اور وہ پاکٹ پانچ چار دن میں پہنچ جائے۔

غالب یکشنبہ ۲۵۔ اپریل ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ مرزا تفتہ۔ ایک امر عجیب تم کو لکھتا ہوں اور وہ امر بعد تعجب مفرط کے موجب نشاط مفرط ہوگا۔ میں اجرائے پنشن سرکار انگریزی سے مایوس تھا۔ بارے وہ نقشہ پنشن داروں کا جو یہاں سے بنا کر صدر کو گیا تھا اور یہاں کے حاکم نے بہ نسبت میرے صاف لکھ دیا تھا۔ کہ یہ شخص پنشن پانے کا مستحق نہیں ہے۔ گورنمنٹ نے برخلاف یہاں کے حاکم کی رائے کے میری پنشن کے اجرا کا حکم دیا۔ اور وہ حکم یہاں آیا۔ اور مشہور ہوا میں نے بھی سنا اب کہتے ہیں۔ کہ ماہ آئندہ یعنی مئی کی پہلی کو تنخواہوں کا بٹنا شروع ہوگا۔ دیکھا چاہیے پچھلے روپے کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے۔ غالب ۱۶ اپریل ۱۸۶۰ء

ایضاً - صاحب تمہارا خط آیا میں نے اپنے سب مطالب کا جواب پایا - امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے اللہ اللہ ایک وہ ہیں - کہ دو بار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں - اور ایک ہم ہیں - کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ تو پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے - اس کو سمجھاؤ - کہ تیرے بچوں کو میں پال لونگا تو کیوں بلا میں پھنستا ہے - وہ جو مصرعہ تم نے لکھا ہے - وہ حکیم سنائی کا ہے - اور وہ نقل حدیقہ میں مرقوم ہے ؎

پسرے با پدر بزاری گفت　　کہ مرا یار شو بہ بہرہ جفت
گفت با یار ماکن و زن نہ　　پند از خلق گیر و از من نہ
ورنہ ناگر بگیردت عیسے　　بہلد کو گرفت چوں تو بسے
زن کنی ہرگزت رہا نہ کند　　ور تو بگزاریش چہا نہ کند

بس تو اب تم سکندر آباد میں رہے کہیں اور کیوں جاؤ گے - بنک گھر کا روپیہ اُٹھا چکے ہو اب کہاں سے کھاؤ گے - میاں نہ تو میرے سمجھانے کو دخل ہے - نہ تمہارے سمجھنے کی جگہ ہے ایک چرخ ہے کہ وہ چلا جاتا ہے - جو ہوتا ہے وہ ہوا جاتا ہے اختیار ہو تو کچھ کیا جائے - کہنے کی بات ہو تو کچھ کہا جائے - مرزا عبدالقادر بیدل خوب کہتا ہے ؎

رغبت جاہ چہ نفرت اسباب کدام　　زیں ہوسہا بگذر و یا مگذر می گذرد

مجھ کو دیکھو کہ نہ آزاد ہوں نہ مقید نہ رنجور ہوں نہ تندرست نہ خوش ہوں نہ ناخوش نہ مردہ ہوں نہ زندہ - جیے جاتا ہوں باتیں کیے جاتا ہوں روٹی روز کھاتا ہوں - شراب گاہ گاہ پیے جاتا ہوں جب موت آئیگی مر رہونگا نہ شکر ہے نہ شکایت ہے جو تقریر ہے بہ سبیل حکایت ہے - بارے جہاں رہو جس طرح رہو - ہر ہفتہ میں ایک بار خط لکھا کرو - یکشنبہ ۱۹ - دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً دیکھو صاحب یہ باتیں ہم کو پسند نہیں ۱۸۵۸ء کے خط کا جواب ۱۸۵۹ء میں بھیجتے ہو - اور مزہ یہ ہے کہ جب تم سے کہا جائیگا تو یہ کہو گے کہ میں نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے لطف اس میں ہے کہ میں سچا اور تم بھی سچے آج تک رائے امید سنگھ یہیں ہیں - اور ابھی نہیں جائینگے تمہارا مدعا حاصل ہو گیا ہے - جس دن وہ آئے تھے - اُسی دن مجھ سے کہہ گئے تھے - میں بھول گیا - اور اس خط میں تم کو نہ لکھا - صاحب وہ فرماتے تھے کہ میں نے کئی جلد مرزا قتیل کے دیوان کے اور کئی نسخے تضمین اشعار گلستان کے ان کی خواہش کے بموجب کوئی پارسی ہے - بمبئی میں اس کے پاس بھیجے ہیں یقین ہے - کہ وہ ایران کو ارسال کریگا - امید سنگھ نے اُس پارسی کا نام بھی لیا تھا میں بھول گیا اب

جو تم کو اس خیال میں مبتلا پایا تو ان کا بیان مجھ کو یاد آیا۔ جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتے ہیں دوبارہ ان کے گھر گیا بھی ہوں۔ مگر محلہ کا نام نہیں جانتا نہ میرے آدمیوں میں کوئی جانتا ہے۔ اب کسی جاننے والے سے پوچھ کر تم کو لکھ بھیجونگا میر بادشاہ صاحب سے عند الملاقات میری دعا کہہ دینا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لکھنے کے قابل بات پھر بھول گیا۔ کل میر کرامت علی صفا تخلص کہ میں نے آگے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ناگاہ مجھ سے آ کر ملے اور تمہارا حال پوچھتے رہے۔ میں نے کہہ دیا۔ کہ بخیر و عافیت سکندر آباد میں ہیں۔ جب میں نے ان سے کہا کہ کیا وہ تمہارے آشنا ہیں۔ انہوں نے کہا صاحب وہ بزرگ اور استاد ہیں۔ میں ان کا شاگرد ہوں کہیں مدرسہ کے علاقوں میں نوکر ہیں۔ ببیل ڈاک آئے تھے۔ اور آج ہی ببیل ڈاک انبالہ کو گئے۔ انبالہ ان کا وطن ہے اور نوکری وہ اسی ضلع میں ہیں۔ غالب نگاشتہ دو شنبہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء

ایضاً صاحب قصیدہ کے چھاپے جانے کی بشارت صاحب مطبع نے مجھ کو بھی دی ہے خدا ان کو سلامت رکھے کل مرزا صاحب کے خط میں ان کو ایک مصرعہ کسی اوستاد کا لکھ چکا ہوں۔ میں سراسر ان کا ممنون احسان ہوں۔ میرا سلام کہنا اور لفافے اخبار کے نہ پہنچنے کی اطلاع دینا میرے نام کا کوئی لفافہ ضائع نہیں جاتا۔ خدا جانے اس پر کیا بھوگ پڑا۔ ظاہرا انہوں نے پورٹ پیڈ بھیجدیا ہوگا۔ پھر پوسٹ پیڈ بھی کیوں تلف ہو۔ شبہ بمعنی صدائے اسپ لغت فارسی ہے۔ بشین مکسور و یائے معروف و ہائے ہوز مفتوح و ہائے ثانی زدہ اور عربی میں اسکو صہیل کہتے ہیں۔ صیہہ کوئی لغت نہیں ہے۔ نہ عربی نہ فارسی اگر غنیمت کے کلام میں صیہہ لکھا ہے۔ تو کاتب کی غلطی ہے۔ غنیمت کا کیا گناہ۔ در خود زرو ہے ہندسہ گا بے شمار یافت۔ اصل مصرعہ یوں ہے۔ میں نے سہو سے خدا جانے کیوں لکھ ہے۔ بھائی مہرخان کے دو معنی ہیں ایک تو خطاب جو سلاطین امرا کو دیں اور دوسرے وہ نام جو لڑکوں کا پیار سے رکھیں یعنی عرف حاشیہ پر شوق سے لکھوا دو۔ مگر تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ اس عبارت سے جو تمہارے ذکر میں ہے۔ پہلے مہرخان کے معنی حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں۔ مکرر لکھنے کی حاجت کیا ہے۔ اور اگر لکھ بھی دو۔ تو قباحت کیا ہے۔ بھائی صاحب کیوں مضائقہ فرمائیں۔ حال اوراق کی تحریر کا معلوم ہوا۔ صاحبان کونسل کی رائے ولایت آگرہ یعنی میرے محکمہ میں منظور و مقبول۔ تمام میرا جس طرح چاہو لکھ دو ؎

بنام آنکہ او نامے ندارد　　بہر نامے کہ خوانی سر بر آرد

شفیق بالتحقیق مولانا مہر فدوی بیمقدار کا سلام قبول کریں۔ کل آپ کو خط لکھ چکا ہوں آج یا کل پہنچ جائیگا۔ رات سے ایک بات اور خیال میں آئی ہے۔ مگر چونکہ محکمہ و کار فرزاجی ہے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ دو جلدیں طلائی لوح کی ولایت کیواسطے تیار

ہونگی اور وہ چار جلدیں جو یہاں کے حکام کے واسطے درکار ہونگی۔ ان کی صورت یہی ٹھیری ہے۔ کہ سیاہ قلم کی لوح اور انگریزی جلد۔ کیوں بھائی صاحب قرارداد اور تجویز یہی ہے۔ اور پھر سمجھا چاہئیے کہ یہ چار جلدیں کس کس نذر ہیں۔ نواب گورنر جنرل بہادر۔ چیف کمشنر بہادر۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی۔ ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی۔ یہ کیا میری بدوضعی ہے کہ جناب اڈمنسٹین صاحب کی نذر نہ بھیجوں۔ آخر گورنمنٹ کی نذر انہیں کی معرفت بھیجوں گا۔ صاحب ایک جلد اُن کی نذر بہت ضروری ہے۔ آپ گنتی اُٹھ نکال کر جیسی یہ چار جلدیں بنوائیں ایک اور بھی ایسی ہی بنوالیں۔ یقین ہے کہ آپ اس رائے کو پسند فرماویں گے۔ اور چار کی جگہ پانچ بنوائیں گے۔ یہ عرض معقول اور یہ گستاخی کی بار بار آزار دیتا ہوں معاف ہو بھائی مرزا تفتہ کل کے مرزا صاحب کے خط میں سے اُس مادہ تاریخ کا قطعہ لکھ لینا۔ تم کو لکھ چکا ہوں ایک قطعہ مرزا صاحب کا ایک قطعہ تمہارا بلکہ ایک قطعہ مولانا حقیر سے بھی لکھوا لیجیو۔

صبح پنجشنبہ سلخ ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ اجی مرزا تفتہ تم نے روپیہ بھی کھویا اور اپنی فکر کو اور میری اصلاح کو بھی ڈبویا۔ ہائے کیا بُری کاپی ہے۔ اپنے اشعار کی اور اس کاپی کی مثال جب تم پر کھلتی کہ تم یہاں ہوتے اور بیگمات قلعہ کو پھرتے چلتے دیکھتے صورت ماہ دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے پائنچہ لیر لیر جوتی ٹوٹی یہ مبالغہ نہیں بلکہ بے تکلف سنبلستان ایک معشوقۂ خوبرو ہے۔ بدلباس ہے۔ بہرحال دونوں لڑکوں کو دونو جلدیں اور معلم کو حکم دیا۔ کہ اسی کا سبق دے۔ چنانچہ آج سے شروع ہو گیا۔ مرقومہ صبح سہ شنبہ ۱۹ ماہ اپریل ۱۸۶۱ء غالب۔

ایضاً۔ آج پنجشنبہ کے دن ۱۸ نومبر کو تمہارا خط آیا۔ اور میں آج ہی جواب لکھتا ہوں کیا تماشہ ہے کہ خط تمہارا پہنچتا ہے اور میرا خط نہیں پہنچتا میرے خط کے نہ پہنچنے کی دلیل یہ ہے کہ تم نے اصلاحی غزل کی رسید نہیں لکھی میں نے کتب کا پہنچنا تم کو لکھا تھا اس کا تم نے ذکر نہ لکھا صاحب ۳۴ کتابیں پہنچ گئیں اور تقسیم ہو گئیں سات کتابیں مرزا مہر کی بھیجی ہوئی موافق اُن کی تحریر کے آج شام تک اور مطابق منشی شیونرائن کی اطلاع کے کل تک میرے پاس پہنچ جائینگی اور بھی منشی شیونرائن نے اندور کی کتابوں کی روانگی کی اطلاع دی ہے منشی نبی بخش صاحب تمہارے خط نہ لکھنے کا بہت گلہ رکھتے ہیں۔ شاید میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں۔ میر قاسم علی صاحب کی بدلی کا حال معلوم ہو۔ یہ میرے بڑے دوست ہیں۔ دلّی ان دنوں میں آئے تھے مجھ سے مل گئے ہیں۔ اُن کو ایک کتاب ضرور بھیج دینا۔ بھائی میں ہرگز نہیں۔ جانتا کہ میر بادشاہ دہلوی کون ہیں اور پھر ایسے کہ جو کہیں کے منصف ہوں۔ کچھ ان کے خاندان کا حال اور ان کے والد کا نام لکھو تو میں غور کروں

ورنہ میں تو اس نام کے آدمی سے آشنا نہیں ہوں۔ پنجشنبہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۶ء وقت دوپہر

ایضاً۔ بندہ پرور ایک مہربانی نامہ سکندرآباد سے اور ایک علی گڈھ سے پہنچا یقین ہے۔ کہ بابو صاحب تمہارے خط کے جواب میں کچھ حال لکھینگے اور تم موافق اپنے وعدہ کے مجھ کو لکھو گے اب جب اس خط کا جواب تمہارے پاس سے آئیگا تب تمہارے اشعار تم کو بھیجینگے ہائے ہائے میر تفضل حسین خان ہائے ہائے

رفتی و مرا خبر نہ کردی ۔۔۔ بر بیکسیم نظر نہ کردی

یہاں یہ سُنا گیا ہے۔ کہ میر احمد حسین بڑا بیٹا اُن کے کام پر مقرر ہوا اور میر ارشاد حسین بدستور نائب ہے۔ اسد اللہ ۲۳ فروری ۱۸۵۷ء

ایضاً۔ صاحب ایک خط تمہارا پرسوں آیا۔ اُس میں مندرج تھا۔ کہ میں میرٹھ جاؤنگا۔ آج صبح کو ایک خط تمہارا آیا۔ اُس میں مندرج کہ پہلی جولائی کو جاؤنگا۔ اور تجھ سے ملتا جاؤنگا۔ پرسوں کے خط میں بھی اور آج کے خط میں بھی پارسل کا ذکر تھا۔ کہ بیس جون کو ہم نے بھیجا ہے۔ بیسویں جون کو آج دسواں دن ہے۔ اس دن میں کوئی پارسل کی پمفلٹ پاکٹ میرے پاس نہیں پہنچا۔ آخر وہ پمفلٹ پاکٹ دو مثنویوں کا وہ تھا کہ جس میں ایک مثنوی بلند شہر کے واقعہ کی تھی کہ ایک لڑکا مر گیا۔ اُس کی انّا بھٹکتی رہی اُس کا عاشق سامنے کھڑا جلتا رہا سو ان دونوں مثنویوں کو میں نے اصلاح دیکر تمہارے پاس بھیجدیا ہے۔ بلکہ یوں یاد پڑتا ہے۔ کہ تم نے اس کی رسید بھی لکھ بھیجی ہے۔ لیکن مجھ کو گمان یہ ہے۔ کہ یہ امر ۲۰ جون سے آگے کا ہے۔ بہر تقدیر بعد اس پارسل کے کوئی اور پارسل میرے پاس نہیں آیا۔ اصلاحی کاغذ ہر طرف کے عموماً اور تمہارے خصوصاً دو دن سے زیادہ میں نہیں رکھتا۔ جو کاغذ مجھ تک نہ پہنچے میں ناچار ہوں۔ بلکہ خود میرے ایک خط کا جواب تم پر فرض ہے۔ یا تو وہ نہ پہنچا۔ یا تم نے اس کا جواب لکھنا ضرور نہ جانا۔ وہ خط جس میں میر بادشاہ کا دِلّی آنا۔ اور اُن کا مجھ سے ملنا۔ اور تمہارا ذکر مجھ میں اُن میں ہونا مع ہذا راجہ امید سنگھ کا دلّی میں آنا اور بیخبر میرے گھر آجانا اور تمہارا اُن سے ذکر ہونا اور اُن کا یہ کہنا کہ اُن کا کل ایک خط میرے پاس آیا تھا سو میں نے اس کا جواب لکھ بھیجا تھا۔ اب میں کیا جانوں کہ تم کو یہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا تمہارا وہ پارسل جس کو تم اب مانگتے ہو میرے پاس ہرگز نہیں آیا۔ غالب چہارشنبہ ۲۹ جون ۱۸۵۹ء وقت نیمروز

ایضاً۔ اچھا میرا بھائی نہیب والے دو ورقے چار سو ہوں۔ سب بدلوا ڈالنا۔ کاغذ کا جو نقصان ہو وہ مجھ سے منگوا لینا۔ اس لفظ کے رہجانے میں ساری کتاب نکمی ہوجائیگی۔ اور میرے کمال کو دھبہ لگ جائیگا۔ یہ لفظ عربی ہے ہرچند مسودہ میں بنا دیا تھا۔ لیکن کاتب کی نظر سے رہ گیا لکھتے ہو۔ کہ مرزا صاحب دو جلدیں درست کریں گے یہ تو صورت اور ہے۔ یعنی میں نے چھ جلدیں بارہ روپیہ کی لاگت میں

بکار سازی و ہنر پردازی برخوردار منشی عبداللطیف چاہیں تھیں منتظر تھا۔ کہ اب ان کا قبول کرنا مجھ کو لکھیں گے اور روپیہ مجھ سے منگواؤ گے۔ ظاہرا عبداللطیف نے پہلوتہی کی۔ مرزا صاحب اگر کفیل ہوئے تھے۔ تو چھ جلدیں بنواتے نہ کہ دو۔ البتہ اس احتمال کی گنجائش ہے کہ وہ بہت پُر تکلف اور چار یہ نسبت اُس کے کچھ کم اگر یوں ہے۔ تو یہ مدعائے دلی میرا ہے مگر اطلاع ضرور ہے۔ رائے امید سنگھ کے نام کا خط باحتیاط رہنے دو۔ جب وہ آئیں ان کو دیدو۔ جو تم لکھتے ہو۔ کہ نہیب کا لفظ لکھ دیا گیا تھا اما اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھاپا شروع ہو کر دو ورق تک پہنچ گیا کیا عجب ہے کہ کتابیں جلد منطبع ہو جائیں ہمارے منشی شیو نارائن صاحب اپنے مطبع کے اخبار میں اس کتاب کے چھاپے کا اشتہار کیوں نہیں چھاپتے تاکہ درخواستیں خریداروں کی فراہم ہو جائیں۔ میرزا تفتہ ستوان دنوں میں میرے محسن حکیم احسن اللہ خاں آفتاب عالمتاب کے خریدار ہوئے۔ اور میں نے بموجب اُن کے کہنے کے برادر دینی مولانا مہر کو لکھا ہے۔ حضرت کا تم نے جواب میں نہیں لکھا۔ تم ان سے کہو کہ وہ ستمبر ۱۸۵۹ء سے خریدار ہیں۔ آج ۱۶ ستمبر کی ہے دو نمبر اخبار کے حکیم صاحب کے نام کا سرنامہ خان چند کے کوچہ کا پتہ لکھ کر روانہ کریں۔ آئندہ ہفتہ بہ ہفتہ بھیجے جائیں۔ اور حکیم احسن اللہ خان کا نام خریداروں میں لکھ لیں۔ دوسرے اخبار مذکور میں ایک صفحہ ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دہلی کے اخبار کا ہوتا ہے جس دن سے کہ وہ اخبار شروع ہوا ہے۔ اُس دن سے صرف اخبار شاہی کا صفحہ نقل کر کے ارسال کریں کاتب کی اُجرت اور کاغذ کی قیمت یہاں سے بھیجدی جائیگی۔ بھائی تم مرزا صاحب سے اس کو کہہ کر جواب لو۔ اور مجھ کو اطلاع دو۔ نہیب کے نہیب سے مرا جاتا ہوں۔ اسکی درستی کی خبر بھیجو۔ باقی جو چھاپے کے حالات ہوں۔ اُسکی آگہی ضرور ہے غالب پنجشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً میری جان آخر لڑکے ہو بات کو نہ سمجھے اور تفتہ کا اپنے پاس ہونا غنیمت نہ جانوں میں نے یہ لکھا تھا۔ کہ بشرط اقامت بلاؤنگا۔ اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھیری تو بے تمہارے نہ رہونگا۔ نہ رہونگا نہ رہونگا۔ منشی بالمکند بے صبر کا خط بلند شہر سے دلی اور دلی سے رامپور پہنچا۔ ملتفت نہیں ہوا اگر میں یہاں رہ گیا۔ تو یہاں سے اگر دلی چلا گیا۔ تو وہاں سے اصلاح دیکر اُن کے اشعار بھیجدونگا۔ بے صبر کو ایک بار تھپکیہ پھر صبر چاہیئے۔ وہ لفافہ بدستور رکھا ہوا ہے۔ از بسکہ یہاں کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں۔ اور ہر وقت آتے ہیں۔ فرصت مشاہدہ اوراق نہیں ملی تھ اُسی رقعہ کو اُن کے پاس بھیجدیتا۔

غالب سہ شنبہ ۱۴ فروری ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ کیوں صاحب مجھ سے کیوں خفا ہو آج مہینہ بھر ہو گیا ہو گا۔ یا بعد دو چار دن کے ہو جائے گا۔ کہ

آپکا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو۔ کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا۔ کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاروں میں ایک شیوجی رام برہمن اور بالمکند اس کا بیٹا یہ دو شخص ہیں کہ گاہ گاہ آتے ہیں۔ اس سے گذر کر لکھنؤ اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوط آتے رہتے تھے۔ ان دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔ وہ آمد خطوط کی موقوف صرف تم تین صاحبوں کے آنے کی توقع اس میں وہ دونوں صاحب گاہ گاہ۔ ہاں ایک تم ہو کہ ہر مہینے میں ایک دو بار مہربانی کرتے ہو۔ سنو صاحب اپنے پہ لازم کرلو۔ ہر مہینے میں ایک خط مجھ کو لکھنا اگر کچھ کام آپڑا دو خط تین خط ورنہ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایک بار بھیجدی بھائی صاحب کا بھی خط دس بارہ[12] دن ہوئے کہ آیا تھا اس کا جواب بھیجدیا گیا۔ مولوی قمر الدین خاں یقین ہے۔ کہ الہ آباد گئے ہوں کیواسطے کہ مجھ کو مٹی میں لکھا تھا۔ کہ اوائل جون میں جاؤں گا۔ بہر حال اگر آپ آزردہ نہیں تو جس دن میرا خط پہنچے اس کے دوسرے دن اس کا جواب لکھئے اپنی خیر و عافیت منشی صاحب کی خیر و عافیت مولوی صاحب کا احوال اس سے سوا گوالیار کے فتنہ و فساد کا ماجرا جو معلوم ہوا ہو وہ الفاظ مناسب وقت میں ضرور لکھنا۔ راجہ جو وہاں آیا ہوا ہے۔ اس کی حقیقت دھولپور کا رنگ صاحبان عالیشان کا ارادہ وہاں کے بندوبست کا کس طرح پہ ہے۔ آگرہ کا حال کیا ہے۔ وہاں کے رہنے والے کچھ خائف ہیں یا نہیں۔ غالبؔ نگاشتہ شنبہ ۱۹ جون ۱۸۵۹ء

ایضاً بخوردار میرزا تفتہ دوسرا مسودہ بھی کل پہنچا۔ تم اچھے اور میں معذور۔ اب میری کہانی سنو۔ آخر جون میں صدر پنجاب سے حکم آگیا کہ پنشن داران ماہ بماہ نہ پائیں۔ سال میں دوبارہ بطریق ششماہہ فصل بہ فصل پایا کریں۔ ناچار ساہو کار سے سود کاٹ کر روپیہ لیا گیا تا رامپور کی آمد میں مل کر صرف ہو یہ سود ۶ مہینے تک اسی طرح کٹوان دینا پڑیگا۔ ایک معقول رقم گھاٹے میں جائیگی ؎

رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک   خلق ہے اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات   اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار

دس گیارہ برس سے اس تنگنا میں رہتا تھا سات برس تک ماہ بماہ چار روپیہ دیا گیا اب تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپیہ یکمشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا۔ جس نے لیا ہے۔ اس نے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا کہ مکان خالی کردو۔ مکان کہیں ملے تو میں اٹھوں۔ بیدرد نے مجھ کو عاجز کیا اور مدد لگادی وہ صحن بالاخانے کا جسکا دو گز کا عرض اور دس گز کا طول اس میں پاڑ بندھ گئی رات کو وہیں سویا گرمی کی شدت پاڑ کا قرب۔ گمان یہ گزرتا تھا۔ کہ کٹکڑا ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملیگی تین راتیں اسی طرح گذریں دو شنبہ ۹ جولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آگیا وہاں جا رہا جان بچ گئی یہ مکان بہ نسبت اس

مکان کے بہشت ہے اور یہ خوبی کہ محلّہ وہی بلّی ماروں کا۔ اگرچہ یہ یوں کہ میں اگر اور محلّہ میں جا رہتا تو قاصدان ڈاک مجھ تک پہنچتے یعنی اب اکثر خطوط لال کنوئیں کے پتے سے آتے ہیں۔ اور بے تکلف یہیں پہنچتے ہیں۔ بہرحال تم وہی دلّی بلّی ماروں کا محلّہ لکھ کر خط بھیجا کرو۔ دو مسودے تمہارے اور ایک مسودہ بے صبر کا یہ تین کاغذ در پیش ہیں۔ دو ایک دن میں بعد اصلاح ارسال کئے جائیں گے۔ خاطر جمع رہے۔ صبح جمعہ ۲ جولائی ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ کاشانۂ دل کے ماہ دو ہفتہ منشی ہرگوپال تفتہ تحریریں کیا کیا سحر طرازیاں کرتے ہیں اب ضرور آ پڑا ہے۔ کہ ہم بھی جواب اُسی انداز سے لکھیں۔ سنو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خان مرحوم میرا فرزند تھا۔ اور اب اس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں۔ میرے پاس آ رہے ہیں۔ اور دم بدم مجھ کو ستاتے ہیں اور میں تحمّل کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے۔ جب اُن عالم کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے مجھ کو دوپہر کو سونے نہیں دیتے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں۔ کہیں پانی لڑھاتے ہیں کہیں خاک اُڑاتے ہیں۔ میں نہیں تنگ آتا تو ان معنوی پوتوں سے کہ اُن میں یہ باتیں نہیں ہیں کیوں گھبراؤنگا۔ آپ ان کو جلد میرے پاس بسبیل ڈاک بھیج دیجئے۔ کہ میں ان کو دیکھوں دوبارہ کرتا ہوں۔ کہ پھر جلد اُن کو تمہارے پاس بسبیل ڈاک بھیجدونگا۔ حق تعالیٰ تمہارے عالم صورت کے بچوں کو جیتا رکھے۔ اور اُن کو دولت و اقبال دے اور تم کو اُن کے سر پر سلامت رکھے۔ اور تمہارے معنوی بچوں یعنی نتائج طبع کو شہرت فروغ شہرت اور حسنِ قبول عطا فرمائے بابو صاحب کے نام کا خط ان کے خط کے جواب میں پہنچتا ہے۔ اُن کو دیدیجئے گا اور ہاں صاحب بابو صاحب اور تم آگرہ کو جانے لگو تو مجھ کو اطلاع کرنا۔ اور تاریخ روانگی لکھ بھیجنا۔ تاکہ میں بیخبر نہ رہوں۔ والدعا۔ اسد اللہ نگاشتہ جمعہ ۱۸ جون ۱۸۵۲ء

ایضاً۔ شفیق بالتحقیق منشی ہرگوپال تفتہ ہمیشہ سلامت رہیں۔ آپ کا وہ خط جو آپ نے کانپور سے بھیجا تھا۔ پہنچا بابو صاحب کے سیر و سفر کا حال اور آپ کا لکھنؤ جانا اور وہاں کے شعرا سے ملنا سب معلوم ہوا اشعار جناب ممدوح کے پہنچنے کے ایک ہفتہ کے بعد درست ہو گئے۔ اور اصلاح اور اشارے اور فوائد جیسا کہ میرا شیوہ ہے عمل میں آیا۔ جب تک کہ ان کا یا تمہارا خط نہ آوے۔ اور اقامت گاہ معلوم نہ ہو میں وہ کاغذ ضروری کہاں بھیجوں اور کیونکر بھیجوں اور کیوں بھیجوں۔ اب تمہارے لکھنے سے جانا کہ ۱۹ فروری تک اکبرآباد آ جاؤ گے۔ تو میں نے یہ خط تمہارے نام لکھ کر لفافہ کر رکھا ہے۔ آج انیسویں ہے پرسوں اکیسویں کو لفافہ آگرہ کو روانہ ہوگا۔ بابو صاحب کو میں نے خط اس واسطے نہیں لکھا کہ جو کچھ لکھنا چاہیے تھا۔ وہ خاتمہ اوراق اشعار پر لکھ دیا ہے۔ تم کو چاہیئے۔ کہ ان کی خدمت میں میرا سلام پہنچاؤ اور سفر کے انجام اور حصول مرام کی

مبارکباد دو اوراق اشعار گذرا تو اور یہ عرض کرد۔ کہ جو عبارت خاتمہ پر مرقوم ہے اسکو غور سے پڑھیئے اور اپنا دستور العمل گردانئے نہ کہ یہ سرسری دیکھئے۔ اور بھول جایئے بس تمام ہوا۔ وہ پیام کہ جو بابو صاحب کے ضمن میں تھا۔ اب پھر تم سے کہتا ہوں۔ کہ وہ جو تم نے اس شخص کو لی کا حال لکھا تھا معلوم ہوا ہر چند اعتراض ان کا لغو اور پرسش اُنکی بے مزہ ہو۔ مگر ہمارا یہ منصب نہیں۔ کہ معترض کو جواب نہ دیں۔ یا سائل سے بات نہ کریں۔ تمہارے شعر پر اعتراض اس راہ سے کہ وہ ہمارا دیکھا ہوا ہے گویا ہم پر ہے۔ اس سے ہمیں کام نہیں کہ وہ مانیں یا نہ مانیں کلام ہمارا اپنے نفس میں معقول و استوار ہے۔ جو زبان دان ہوگا۔ وہ سمجھ لیگا۔ غلط فہم و کج اندیش لوگ نہ سمجھیں نہ سمجھیں ہم کو تمام خلق کی تہذیب و تلقین سے کیا علاقہ تعلیم و تلقین واسطے دوستوں کے اور یاروں کے ہے نہ واسطے اغیار کے۔ تمہیں یاد ہوگا۔ کہ میں نے تمہیں بارہا سمجھایا ہے۔ کہ خود غلطی پر نہ رہو اور غیر کی غلطی سے کام نہ رکھو۔ آج تمہارا کلام وہ نہیں کہ کوئی اس پر گرفت کر سکے۔ مگر ہاں ع
حسود را چہ کنم کو ز خود برنج در است۔ السلام والاکرام۔ اسد اللہ رقم زدہ ۱۹ فروری و مرسلہ بست و یکم فروری ۱۸۵۲ء۔

ایضاً منشی صاحب تمہارا خط اس دن یعنی کل بدھ کے دن پہنچا کہ میں چار دن سے لرزے میں مبتلا ہوں۔ اور فقرہ یہ ہے۔ کہ جس دن سے لرزہ چڑھا ہے۔ کھانا مطلق میں نے نہیں کھایا۔ آج پنجشنبہ پانچواں دن ہے۔ کہ نہ کھانا دن کو میسر ہے۔ اور نہ رات کو شراب۔ حرارت مزاج میں بہت ہے ناچار احتراز کرتا ہوں بھائی اس لطف کو دیکھو کہ پانچواں دن ہے کھانا کھائے ہرگز بھوک نہیں لگی۔ اور طبیعت غذا کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ بابو صاحب والا مناقب کا خط تمہارے نام کا دیکھا اب اس ارسال میں وہ آسانی نہ رہی اور ذہن دشواری سے بھاگتا ہے کیوں تکلیف کریں اور اگر بہر حال ان کی مرضی ہے۔ تو خیر میں فرمان پذیر ہوں۔ اشعار باقی و حال میرے پاس امانت ہیں۔ بعد اچھے ہونے کے ان کو دیکھوں گا۔ اور تم کو بھیج دونگا۔ اتنی سطریں مجھ سے ہزار جر ثقیل لکھی گئی ہیں۔ اسد اللہ روز پنجشنبہ ۲ مارچ ۱۸۵۲ء

ایضاً صاحب تم جانتے ہو۔ کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اور کیا واقع ہوا۔ وہ ایک جنم تھا۔ کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے۔ اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت درپیش آئے۔ شعر کہے دیوان جمع کئے۔ اُسی زمانہ میں ایک بزرگ تھے۔ کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے۔ اور منشی نبی بخش ان کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط نہ وہ انبساط بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا۔ اس کا جواب مجھ کو آیا۔ اور ایک خط تمہارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہرگوپال و متخلص بہ تفتہ ہو۔ آج

آیا۔ اور میں جس شہر میں ہوں۔ اس کا نام بھی دلی اور اس محلہ کا نام بلی ماروں کا محلہ ہے لیکن ایک دوست اُس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا واللہ ڈھونڈنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر کیا غریب کیا اہل حرفہ اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔ اب پوچھو تو کیونکر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا۔ صاحب بندہ میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں۔ اور یہاں قریب کیا۔ بلکہ دیوار بدیوار ہیں۔ گھر حکیموں کے اور وہ نوکر ہیں۔ راجہ نرندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے۔ راجہ صاحب نے صاحبان عالی شان سے عہد لیا تھا۔ کہ بروقت غارت دہلی یہ لوگ بچ رہیں۔ چنانچہ بعد فتح راجہ کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں مبالغہ نہ جاننا۔ امیر غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے وہ نکالے گئے۔ جاگیردار پنشن دار۔ دولتمند اہل حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمان قلعہ پر شدت ہے۔ اور باز پرس اور دار و گیر میں مبتلا ہیں۔ مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں نوکر ہوئے ہیں۔ اور ہنگامے میں شریک رہے ہیں۔ میں غریب شاعر دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی اصلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں۔ خواہی اسکو نوکری سمجھو خواہی مزدوری جانو۔ اس فتنہ و آشوب میں کسی مصلحت میں میں نے دخل نہیں دیا۔ صرف اشعار کی خدمت بجا لاتا رہا اور نظر اپنی بے گناہی پر شہر سے نکل نہیں گیا میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات نہیں پائی گئی۔ لہذا طلبی نہیں ہوئی۔ ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیردار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آئے ہیں۔ میری کیا حقیقت تھی۔ غرضیکہ اپنے مکان میں بیٹھا ہوں دروازہ سے باہر نہیں نکل سکتا سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا یہ کہ کوئی میرے پاس آوے۔ شہر میں ہے کون جو آوے۔ گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں جرنیلی بندوبست یازدہم مئی سے آجتک یعنی شنبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال مجھ کو نہیں معلوم۔ بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجہ بھی نہیں دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے یہاں باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا ابھی دیکھا چاہیئے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں بہر حال منشی صاحب کو میرا سلام کہنا اور یہ خط دکھا دینا اس وقت تمہارا خط پہنچا اور اسی وقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کے ہرکارہ کو دیا۔

ایضاً۔ آج سنیچر دیاں کو دوپہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور تمہارا خط لایا۔ میں نے پڑھا۔ اور جواب لکھا۔ اور کلیان کو دیا۔ وہ ڈاک کو لیگیا خدا چاہے تو کل پہنچ جائے۔ میں تم کو لکھ چکا ہوں کہ دلی کا قصد کیوں کرو۔ اور یہاں آکر کیا کرو گے۔ بنک گھر میں سے خدا کرے تمہارا روپیہ ملجائے بھائی میرا

حال یہ ہے کہ دفترِ شاہی میں میرا نام مندرج نہیں نکلا۔ کسی مخبر نے بہ نسبت میرے کوئی خبر بدخواہی کی نہیں دی حکامِ وقت میرا ہونا شہر میں جانتے ہیں۔ فراری نہیں ہوں۔ رُوپوش نہیں ہوں۔ بُلایا نہیں گیا۔ دار و گیر سے محفوظ ہوں کسی طرح کی باز پُرس ہو تو بُلایا جاؤں۔ مگر ہاں جیسا کہ بُلایا نہیں گیا خود بھی برائے کار نہیں آیا کسی حاکم سے نہیں ملا خط کسی کو نہیں لکھا۔ کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی۔ مئی سے پنشن نہیں پایا کہو یہ دس مہینے کیونکر گذرے ہونگے۔ انجام کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ زندہ ہوں۔ مگر زندگی وبال ہے۔۔۔

ہرگوبند سنگھ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک بار میرے پاس بھی آئے تھے۔ والدعا۔

غالبؔ روز شنبہ۔ سیوم جنوری ۱۸۵۸ء۔ وقت نیمروز۔

ایضاً۔ کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے۔ یا کبھی منو گے بھی اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں۔ یعنی جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا خدا کا احسان ہے۔ کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا۔ جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں۔ بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے۔ کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے۔ ایک دو صبح کو ایک دو شام کو میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گذر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ یعنی تم نہیں آئے۔ خط لکھو۔ صاحب نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھ آنے میں بخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے۔ تو بیرنگ بھیجو۔ غالبؔ سوموار ۲۷ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ مہاراج آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ دل میرا اگرچہ خوش نہ ہوا۔ لیکن ناخوش بھی نہ رہا۔ بہرحال مجھ کو کہ نالائق و ذلیل ترین خلائق ہوں۔ اپنا دعاگو سمجھتے رہو۔ کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کریں۔ میرے قصیدے دیکھو۔ تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے۔ اور مدح کے شعر کمتر نثر میں بھی یہی حال ہے نواب مصطفےٰ خان کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو۔ کہ اُن کی مدح کتنی ہے۔ میرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص کے دیوان کے دیباچہ کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ دیوان حافظ کے بموجب فرمائش جان جاکوب بہادر کے لکھی ہے۔ اسکو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں ان کا نام اور ان کی مدح آئی ہے اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ہی اور مطالب ہیں۔ واللہ باللہ۔ اگر کسی شہزادے یا امیرزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا۔ تو اس کی مدح نہ کرتا کہ جتنی تمہاری مدح کی ہے۔ ہم کو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے۔ قصہ مختصر تمہاری خاطر کی، اور ایک فقرہ تمہارے نام کا بدل کر اس کی عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ بھی میری روش نہیں۔ ظاہراً تم خود فکر نہیں کرتے اور حضرات کے بہکانے میں آ جاتے ہو۔ وہ صاحب تو بیشتر اس نظم و نثر کو مہمل کہیں گے

کس واسطے کہ اُن کے کان اس آواز سے آشنا نہیں۔ جو لوگ کہ قتیل کو اچھے لکھنے والوں میں جانیں گے وہ نظم و نثر کی خوبی کو پہنچا نہ لینگے۔ ہمارے شفیق منشی نبی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو۔ ماء الجبن سے بھی نہ گیا۔ ایک نسخہ طب محمد حسین خانی میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور سود مند ہے۔ مگر اثر اس کا دیر میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ نسخہ یہ ہے۔ کہ پانچ سات سیر پانی لیویں۔ اور اس میں سیر پیچھے تولہ بھر چوب چینی کوٹ کر ملادیں اور اس کو جوش کریں۔ اور اسقدر کہ چہارم پانی جل جاوے پھر اُس باقی پانی کو چھان کر کوری ٹھلیا میں بھر رکھیں۔ اور جب باسی ہوجاوے۔ اسکو پئیں جو غذا کھایا کرتے ہیں کھایا کریں۔ پانی دن رات جب پیاس لگے یہی پیئیں۔ تبرید کی حاجت پڑے اسی پانی میں پیئیں روز جوش کرواکر چھنوا کر رکھ چھوڑیں بیس دن میں اس کا فایدہ معلوم ہوگا میرا سلام کہہ کر یہ نسخہ عرض کر دینا۔ آگے اُن کو اختیار ہے ؂

ایضاً۔ تمہارا خط پہنچا مجھ کو بہت رنج ہوا۔ واقعی اُن چھوٹے لڑکوں کا پالنا بہت دشوار ہوگا۔ دیکھو میں بھی تو اسی آفت میں گرفتار ہوں۔ صبر کرو۔ اور صبر نہ کروگے۔ تو کیا کروگے۔ کچھ بن نہیں آتی میں مسہل میں ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ بیمار ہوں۔ حفظ صحت کے واسطے مسہل لیا ہے تمہارے اشعار غور سے دیکھ کر بھائی نبی بخش صاحب کے پاس لفافہ تمہارے نام کا بھیجدیا ہے۔ جب تم آوگے تب وہ تم کو دیں گے جہاں جہاں تردد و تامل کی جگہ تھی۔ وہ ظاہر کردی ہے۔ اور باقی سب اشعار بدستور رہنے دئے ہیں۔ اب تم کو یہ چاہئے۔ کہ کول پہنچکر مجھ کو خط لکھو اس لفافہ کی رسید اور اپنا سارا حال مفصل لکھو۔ اس میں تساہل نہ کرو۔ بابو صاحب کے خط کا جواب اجمیر کو روانہ کردیا جائیگا آپ کی خاطر جمع رہے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ صاحب تم نے لکھا تھا۔ کہ میں جلد آگرہ جاؤنگا۔ تمہارے اس خط کا جواب لکھ سکا جواب لکھ سکتا تھا۔ مگر کلیان کا پاؤں سوجھ گیا تھا۔ وہ چل نہیں سکتا تھا مسلمان آدمی شہر میں سڑک پر بن ٹکٹ پھر نہیں سکتا۔ ناچار تم کو خط نہ بھیج سکا۔ بعد چند روز کے جو بہار اچھا ہوا تو میں تم کو آگرہ میں سمجھ کر سکندر آباد خط نہ بھیج سکا۔ مولوی قمر الدین خاں کے خط میں تم کو سلام لکھا۔ کل ان کا خط آیا وہ لکھتے ہیں۔ کہ میرزا تفتہ ابھی یہاں نہیں آئے۔ اسواسطے آج یہ رقعہ تم کو بھیجتا ہوں۔ میرا حال بدستور ہے۔ دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے۔ حاکم اکبر نے اب کوئی نیا بندو بست جاری نہیں کیا۔ یہ صاحب میرے آشنائے قدیم ہیں۔ مگر میں بل نہیں سکتا خط بھیجدیا ہے۔ ہنوز کچھ جواب نہیں آیا۔ تم لکھو کہ اکبر آباد کب جاؤ گے۔ والدعا۔ غالب جمعہ ۵ مارچ ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ صاحب میرٹھ سے آکر تم کو خط لکھ چکا ہوں شاید نہ پہنچا ہو۔ اس واسطے از روئے احتیاط لکھتا ہوں۔ کہ نواب مصطفےٰ خاں کے ملنے کو بسبیل ڈاک میرٹھ گیا۔ اور سہ شنبہ کے دن دلّی آگیا۔ اور چہار شنبہ کے دن تم کو خط بھیجا۔ کل آخر روز راجہ امید سنگھ بہادر میرے گھر آئے تھے۔ تمہارا خط اُن کے دکھانے کو رکھ چھوڑا تھا۔ وہ اُن کو دکھایا۔ پڑھ کر یہ فرمایا کہ کبھی اور بندر میں قصد اقامت نہیں ہے۔ نیا ایک تکیہ بنایا چاہتا ہوں۔ آدمی بندرابن گئے ہیں۔ کوئی مکان مول لیں گے۔ وہاں اپنی وضع پر رہونگا۔ میرا سلام لکھنا اور یہ پیام لکھنا کہ آپکا کلام بمبئی تک پہنچ گیا۔ اب طہران کو بھی روانہ ہو جائیگا ؎

سواد ہند گرفتی بہ نظم خود تفتہ　　بیا کہ نوبت شیراز و وقت تبریز است

صبح یکشنبہ۔ سیوم جنوری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ از عمر و دولت برخوردار باشند۔ بدھ کا دن تیسری تاریخ فروری کی ڈیڑھ پہر دن باقی رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور خط مع رجسٹری لایا خط کھولا۔ سو روپیہ کی ہنڈوی بل جو کچھ کہئے وہ ملا۔ ایک آدمی رسید مہری لیکر بنک گھر چلا گیا۔ سو روپے چہرہ شاہی لے آیا۔ آنے جانے کی دیر ہوئی۔ اور بس چوبیس روپے داروغہ کی معرفت اُٹھے تھے وہ دیئے گئے پچاس روپیہ محل میں بھیج دیئے چھبیس روپیہ باقی رہے۔ وہ بکس میں رکھنے لئے روپیہ کے رکھنے کیلئے بکس کھولا تھا سو یہ رقعہ بھی لکھ لیا۔ کلیان سودا لینے بازار گیا ہوا ہے۔ اگر جلد آگیا۔ تو آج ورنہ کل یہ خط ڈاک میں بھیجدونگا خدا تم کو جیتا رکھے اور اجر دے۔ بھائی بُری آبنی ہے۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا قصہ مختصر یہ کہ قصہ تمام ہوا۔

غالب چار شنبہ ۳ فروری ۱۸۵۹ء وقت دوپہر

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط میرٹھ سے آیا مراۃ الصحائف کا تماشا دیکھنا سنبلستان کا چھاپا خدا تم کو مبارک کرے۔ اور خدا ہی تمہاری آبرو کا نگہبان ہے بہت گذر گئی ہے تھوڑی رہی اچھی گذری اچھی گذر جائیگی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عرفی کے قصائد کی شہرت سے عرفی کے کیا ہاتھ آیا جو میرے قصائد کے اشتہار سے مجھ کو نفع ہوگا۔ سعدی نے بوستان سے کیا پھل پایا۔ جو تم سنبلستان سے پاؤگے اللہ کے سوا جو کچھ ہے۔ موہوم۔ معدوم ہے نہ سخن ہے نہ سخنور ہے۔ نہ قصیدہ ہے نہ قصد ہے لاموجود الا اللہ جناب بھائی صاحب یعنی نواب مصطفےٰ خان بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا۔ ہمشیرہ کی پنشن کا جاری ہو جانا بہت خوشی کی بات ہے مگر خوشی سے تعجب زیادہ ہے کیا عجب ہے۔ کہ اس سے بھی زیادہ خوشی اور تعجب کی بات ہو وے کار آوے۔ یعنی آپ کا پنشن بھی واگذاشت ہو جاوے۔ انشاءاللہ صبح یکشنبہ۔ ۲ جنوری

ایضاً - بھائی میں نے دلّی کو چھوڑا اور رامپور کو چلا۔ پنجشنبہ ۱۹؍ کو مرادنگر اور جمعہ ۲۰؍ کو میرٹھ پہنچا آج شنبہ ۲۱؍ کو بھائی مصطفیٰ خان کے کہنے سے مقام کیا۔ یہاں سے یہ خط تم کو لکھ بھیجا کل شاہجہان پور پرسوں گڈھ مکتیسر رہونگا۔ پھر مرادآباد ہوتا ہوا رامپور جاؤنگا۔ اب جو مجھ کو خط بھیجو رامپور بھیجنا سرنامہ پر رامپور کا نام اور میرا نام کافی ہے۔ اب اسی قدر لکھنا کافی تھا۔ باقی جو کچھ لکھنا ہے۔ وہ رامپور سے لکھوں گا۔ راقم غالب۔ مرقومہ چاشتگاہ شنبہ ۲۱؍ جنوری سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً - برخوردار سعادت آثار منشی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس سے آگے تم کو حالات مجمل لکھ چکا ہوں۔ ہنوز کوئی رنگ قرار نہیں پایا۔ بالفعل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مرادآباد اور وہاں سے رامپور آئیں گے۔ بعد اُن کے جانے کے کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھہریگا۔ منظور مجھ کو یہ ہے کہ اگر یہاں رہنا ہوا تو فوراً تم بلاؤنگا۔ وہ دن جو زندگی کے باقی ہیں۔ وہ باہم بسر ہو جائیں۔

راقم غالب یکم مارچ سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً - میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ بہت دن سے خط کیوں نہیں لکھا۔ آگرہ میں ہو یا نہیں میر حاتم علی صاحب کا شفقت نامہ آیا۔ یہاں سے اس کا جواب بھیجا گیا۔ وہاں سے اس کا جواب آگیا۔ میر مکرم حسین صاحب کا خط پرسوں آیا۔ دو چار دن میں اس کا جواب لکھونگا۔ میرا حال بدستور ہے۔ ع نہ نوید کامیابی نہ نہیب ناامیدی۔ بھائی صاحب کا خط کئی دن ہوئے کہ آیا ہے۔ اور وہ میرے خط کے جواب میں ہے دو ایک دن کے بعد جیسی جی باتیں کرنے کو چاہیگا۔ تب اُن کو خط لکھونگا۔ تم اگر ملو تو اُن سے کہہ دینا کہ بھائی قاسم علی خاں کے شعر نے مجھ کو بڑا مزہ دیا۔ حسن اتفاق یہ کہ کئی دن ہوئے تھے۔ جو میں نے ایک لانبی چغہ اور ایک شالی رومال ڈھائی گز اولال کو دیا تھا۔ اور وہ اُس وقت روپیہ لیکر آیا تھا میں روپیہ لیکر اور خط پڑھ کر خوب ہنسا کہ خط اچھے وقت آیا۔ غالب ۱۸؍ جولائی سنہ ۱۸۵۹ء

ایضاً - صاحب تم اپنے خاصے عارف اور تمہارا کشف سچا ہے۔ میں راہ دیکھ رہا تھا۔ کہ تمہارا خط آئے تو جواب لکھوں۔ کل تمہارا خط شام کو آیا۔ آج صبح کو جواب لکھا گیا بات یہ ہے کہ ناموَر آدمی کے واسطے محلّہ کا پتہ ضرور نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ مگر فارسی انگریزی جو خط میرے نام کے آتے ہیں تلف نہیں ہوتے بعض فارسی خط پر پتہ محلّہ کا نہیں ہوتا۔ اور انگریزی خط پر تو مطلق پتہ ہوتا ہی نہیں شہر کا نام ہوتا ہے۔ تین چار خط انگریزی ولایت سے مجھ کو آئے۔ جانے اُن کی بلا کہ بلّی ماروں کا محلّہ کیا چیز ہے۔ وہ تو بہ نسبت میرے بہت بڑے آدمی ہیں سینکڑوں خط انگریزی ہر روز ان کو آتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ میں نے پھر اُن کے پاس آدمی بھیجا اور آپکا خط اپنے نام کا بھیجدیا۔ اُنھوں نے میرے آدمی سے کہا کہ نواب صاحب کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ جی

اس کا جواب کیا لکھوں۔ محلے کا پتہ آپ ہی لکھ بھیجئے سو میں پہلے امر واقعی تم کو لکھ کر تمہاری خواہش کے موافق لکھتا ہوں۔ ان کے مکان کا پتہ بلّیماروں کا محلّہ دسون کا کوچہ۔ دستنبو کا حال یہ ہے کہ میں نے ایک بار سات روپیہ کی ہنڈوی بھیجکر بارہ جلدیں اور ایک جُزبندی اُن سے منگوائی پھر اُن کو ۱۰ کے ٹکٹ بھجوا کر دو جلدیں میں نے سر دھنے کو بھجوائیں۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ میں بعد اس پچاس جلد کے سولہ جلدیں اور اُن سے لے چکا ہوں۔ مگر نقد ہرگز قرض میں نے نہیں منگائے ہیں ایک بار ہنڈوی اور دو بار ٹکٹ بھیج چکا ہوں۔ تم کو میری جان کی قسم سہل طور پر مجھکو لکھ بھیجو کہ غالب نے کتنی کتابیں منگوائی ہیں اور نقد منگوائی ہیں یا قرض اور جو روپیہ بھیجا ہے مجھکو لکھو۔ محررہ شنبہ ۱۹ [illegible] ۱۸۵۹ء غالب

ایضاً صاحب ہم تمہارے اخبار نویس ہیں۔ اور تم کو خبر دیتے ہیں۔ کہ برخوردار میر بادشاہ آئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر خوش ہُوا وہ اپنے بھائیوں سے مل کر شاد ہوئے۔ تمہارا حال سنکر مجھ کو رنج ہُوا کیا کروں۔ نہ اپنے رنج کا چارہ کر سکتا ہوں نہ اپنے عزیزوں کی خبر لے سکتا ہوں ع ہر آنچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است۔ آج چوتھا دن ہے۔ یعنی منگل کے دن کوئی پہر دن چڑھا ہوگا۔ کہ راجہ امید سنگھ بہادر ناگاہ میرے گھر تشریف لائے۔ پوچھا گیا کہ کہاں سے آئے ہو۔ فرمایا کہ آگرہ سے آتا ہوں بیساکھن کی گلی میں جو حکیموں کی گلی کے قریب ہے۔ جورس صاحب کی کوٹھی انہوں نے مول لی ہے اور اس کے قریب زمین افتادہ بھی خرید لی ہے۔ اور اس کو بنوا رہے ہیں۔ تمہارا میں نے ذکر کیا کہ ہر خط میں تم کو پوچھتے ہیں کہ میں نے کئی خط بھیجے جواب نہیں آیا۔ بولے کہ ایک خط ان کا آیا تھا۔ اس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ پھر اُن کا کوئی خط نہیں آیا۔ بہر حال میرے پھوڑے نکل رہے ہیں۔ میں بانمرہ جو کو نہیں گیا۔ شاید وہ آج گئے ہوں۔ یا جاویں۔ پھر اکبر آباد کو جائیں گے میں آج آدمی اُن کے پاس بھیجونگا۔ کل مرزا حاتم علی مہر کا خط آیا تھا۔ تم کو بہت پوچھتے تھے۔ کہ آیا میر نقعۃ کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں۔ بھائی اُن کو خط لکھ بھیجو۔ محررہ۔ ۱۷ جون ۱۸۵۹ء۔

ایضاً صاحب تمہارا خط آیا دل خوش ہُوا تمہاری تحریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ تم کو آگرہ سے کتابوں کا منگوانا لیے اُرسال قیمت منظور ہے چنانچہ حق تعریف تم نے لکھا ہے بھائی کیا میں تم کو جھوٹ لکھونگا۔ اور شیونرائن نے اگر ذکر ارسال قیمت کا نہیں لکھا کہ بے ارسال قیمت منگوائی ہیں۔ تم کو میرے سر کی قسم اور میری جان کی قسم شیونرائن سے اتنا پوچھو۔ کہ اُس پچاس جلد کے بعد کی جلدیں غالب نے اور منگوائیں اور قیمت بھیجکر منگوائیں یا قیمت اُس سے لینی ہے دیکھو میں نے قسم لکھی ہے۔ یوں ہی عمل میں لانا راجہ امید سنگھ صاحب یہیں ہیں۔ مجھ سے ان دنوں میں ملاقات نہیں ہوئی۔ جو تمہارے خط کا ذکر کرتا یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا اور یہ جو تم نے مجھ کو لکھا تھا۔ اگر دسون کا کوچہ نہ ملیگا۔ تو وہ خط تیرے پاس آئیگا۔ سو وہ میرے پاس نہیں آیا۔ صاحب تم کو وہم کیوں ہے ایک امیر نامور آدمی ہے اس کے

تمام خط کیوں نہ پہنچے گا۔

ایضاً۔ اجی میرزا تفتہ۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کو تمہارے حال کی بڑی پرسش ہے تم نے اُن کو خط لکھنا کیوں موقوف کیا ہے۔ وہ مجھ کو لکھتے تھے۔ کہ اگر آپ کو میرزا تفتہ کا حال معلوم ہو تو مجھ کو ضرور لکھیئے گا۔ غالبؔ یکشنبہ ۲۰ فروری ۱۸۵۹ء۔

ایضاً۔ کیوں میرزا تفتہ تم بے وفا یا میں گنہگار یہ بھی تو مجھ کو معلوم نہیں۔ کہ تم کہاں ہو ابھی ایک صاحب میری ملاقات کو آئے تھے۔ تقریباً تمہارا ذکر درمیان آیا وہ کہنے لگے۔ کہ وہ کول میں ہیں۔ اب میں حیران ہوں۔ کہ خط کول بھیجوں یا سکندرہ آباد۔ اگر کول بھیجوں تو مسکن کا کیا لکھوں بہرحال سکندرہ آباد بھیجتا ہوں۔ خدا کرے پہنچ جائے۔ تمہارا دیوان بطریق پارسل میرے پاس آیا۔ میں نے ہرکارے کو راجہ امید سنگھ بہادر کے گھر کا پتہ بتا کر وہاں بھجوا دیا یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ پانچ چار دن سے سنتا ہوں۔ کہ وہ متھرا اور اکبرآباد کی طرف گئے ہیں۔ مجھ سے مل کر نہیں گئے۔ بہرحال اس خط کا جواب جلد لکھو اور ضرور لکھو۔ بھائی تم سیاح آدمی ہو۔ جہاں جایا کرو۔ مجھ کو لکھ بھیجا کرو کہ میں وہاں جاتا ہوں۔ یا جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھو۔ تمہارے خط کے نہ آنے سے مجھے تشویش رہتی ہے۔ میری تشویش تم کو کیوں پسند ہے۔ محررہ یکشنبہ ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء۔ غالبؔ

ایضاً۔ شنبہ ششم مئی ۱۸۶۰ء ہنگام نیمروز۔ بھائی آج اس وقت تمہارا خط پہنچا۔ پڑھتے ہی جواب لکھتا ہوں۔ زر سہ سالہ مجتمعہ ہزاروں کہاں سے ہوئے سات سو پچاس روپے سال پاتا ہوں۔ تین برس کے دو ہزار دو سو پچاس ہوئے سو روپے مجھے مدد خرچ ملے تھے وہ کٹ گئے ڈیڑھ سو متفرقات میں گئے رہے دو ہزار روپے میرا مختار کار ایک بنیا ہے اور میں اس کا قرضدار قدیم ہوں اب جو وہ دو ہزار لایا۔ اُس نے اپنے پاس رکھ لئے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجئے۔ سات کم پندرہ سو اس کے سود مول کے ہوئے۔ قرض متفرق کا اسی سے حساب کروایا۔ گیارہ سو کئی روپے وہ نکلے۔ پندرہ اور گیارہ ۲۶ سو ہوئے۔ اصل میں یعنی دو ہزار میں چھ سو کا گھاٹا ہے۔ وہ چھتیس بغیر پندرہ سو ہیں بے دو پانسو سات روپے باقی ہے کہ تم لے لو۔ میں کہتا ہوں متفرقات گیارہ سو چکا دے نو سو باقی رہے آدھے تو لے۔ آدھے مجھ کو دے۔ پرسوں چوتھی کو وہ روپے لایا ہے۔ کل تک قصہ نہیں چکا میں غلطی نہیں کرتا۔ دو ایک مہاجن بیچ میں ہیں۔ ہفتہ بھر میں جھگڑا فیصل ہو جائیگا خدا کرے۔ یہ خط تم کو پہنچ جائے۔ جس دن برات سے پھر کر آؤ۔ وہ اسی دن مجھ کو اپنے ورود مسعود کی خبر دینا۔

والدعا۔ غالبؔ

ایضاً۔ نورِ نظر و لختِ جگر مرزا تفتہ تم کو معلوم ہے۔ کہ لاٹ صاحب مکرم و معظم راجہ امید سنگھ بہادر

یہ رقعہ تم کو بھیجیں گے تم اس رقعہ کو دیکھتے ہی اُن کے پاس حاضر ہونا۔ اور جب تک وہاں ہیں تب تک حاضر ہوا کرنا۔ اور دستنبو کے باب میں جو اُن کا حکم ہو بجا لانا اُن کو پڑھا بھی دینا اور فی جلد کا حساب سمجھا دینا۔ پچاس جلد کی قیمت عنایت کریں گے وہ لے لینا۔ جب کتاب چھپ چکے دس جلدیں رائے صاحب کے پاس اندور بھیج دینا۔ اور چالیس جلدیں بموجب اُن کے حکم کے میرے پاس ارسال کرنا اور وہ جو میں نے پانچ جلد کی آرائش کے باب میں تم کو لکھا ہے اس کا حال مجھ کو ضرور لکھنا ہاں صاحب ایک رباعی میرے سہو سے رہ گئی ہے۔ اُس رباعی کو چھاپہ ہونے سے پہلے حاشیہ پر لکھ دینا۔ جہاں یہ فقرہ ہے تے نے اختر بخت خسرو در بلندی بجائے رسید کہ چرخ از خاکیان نہفت ؏

جائے کہ ستارہ شوخ چشمی ورزد   افسر فسار دگر زنان ارزد
خورشید ز اندیشۂ جادو گردش   بر چرخ نہ بینی کہ چساں مے لرزد

چونکہ حاشیہ معنی لغات سے بھرا ہوا ہے تو تم اس فقرے کے آگے نشان کر کے اوپر کے حاشیہ پر رباعی لکھ دینا۔ اور حاشیہ میں پر جہاں اور معنے لکھے ہوئے ہیں وہاں رباعی کے لغات کے معنے خفی قلم سے لکھ دینا افسر۔ افسار۔ گزند۔ بر برو فتوح جادو گردش۔

غالب نگاشتہ ۲۳۔ اگست ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ تمہارا خط آیا۔ نفیر کخفہ کا حال معلوم ہوا۔ خدا فضل کرے اگر تم اس راز کے اظہار کو منع نہ کرتے تو بھی میرا شیوہ ایسا لغو نہیں ہے ۔ کہ میں   اُن کو لکھ سکتا لکھتے ہو۔ کہ مرزا جی کے دو چار روپے زائد صرف ہو گئے۔ تو کیا اندیشہ ہے حال یہ ہے کہ میں نے اُن سے استفسار کیا تھا۔ انہوں نے مجھ کو لکھا کہ کتاب کی درستی میں بارہ روپے صرف ہوئے ہیں۔ محصول کی ایک رقم خفیف اگر میں نے اپنے پاس سے دی تو اس کا کیا مضائقہ مجھ کو تمہارا قول مطابق واقع نظر آتا ہے البتہ اُن کے دو تین روپے اٹھ گئے ہونگے لالہ گنگا پرشاد شاد تخلص اپنے کو تمہارا شاگرد بتلاتے ہیں۔ مگر ریختہ کہتے ہیں۔ کئی دن ہوئے۔ کہ یہاں آئے اور بالمکند بے صبر کی غزلیں اصلاح کو لائے۔ وہ دیکھ کر اُن کے حوالے کر دیں۔ ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی کے مدرسوں کے ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے صاحب ہیں ان کے دنوں میں ایک ملاقات میری اُن کی ہوئی تھی۔ میں نے اب ایک سادہ بے جلد اُن کو بھیجی تھی کل اُن کا خط مجھ کو اس کتاب کی رسید میں آیا۔ بہت تعریف لکھتے تھے۔ اور وہاں بھی ایک تماشا اور ہے وہ مجھ کو لکھتے تھے۔ کہ یہ دستنبو پہلے اس سے کہ تم بھیجو مطبع مفید خلائق نے ہمارے پاس بھیجی ہے۔ اور ہم اس کو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہنچا۔ اُن کے اس لکھنے سے یہ معلوم ہوا۔ کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گئی ہوگی کیا اچھی بات ہے۔ کہ وہاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہنچ جائے گا۔ میں چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں۔ اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر اور سکرٹریوں

کی نذر یہ پارسل انشاء اللہ تعالیٰ آج روانہ ہو جائیں گے۔ دیکھو چیف کمشنر کیا لکھتے ہیں۔ اور گورنر کیا فرماتے ہیں ؎

تا نہال دوستی کے بر دہد　　حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۸ء غالب۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ صاحب پرسوں تمہارا دوسرا خط پہنچا۔ تم نے پردہ کیا ہے ایک فتوح کا منتظر ہوں اُس میں میں نے اپنے ضمیر میں تم کو شریک کر رکھا ہے زمانہ فتوح کے آنے کا قریب آگیا ہے۔ انشاء اللہ خط میرا معہ حصہ فتوح جلد پہنچیگا۔ پنڈت بدری داس ڈاک منشی کرنال با آنکہ مجھ سے اُس سے ملاقات ظاہری نہیں ہے مگر میں جب جیتا تھا۔ تو وہ اپنا کلام میرے پاس اصلاح کے واسطے بھیجتا تھا۔ بعد اپنے مرنے کے میں نے اس کو لکھ بھیجا کہ اب تم اپنا کلام منشی ہرگوپال تفتہ کے پاس بھیجا کرو اب تم کو بھی لکھتا ہوں۔ کہ تم میرے اس لکھنے کی ان کو اطلاع لکھو میں زندہ ہوں۔ اوپر کی سطر میں جو اپنے کو مردہ لکھا ہے۔ وہ باعتبار ترک اصلاح نظم لکھا ہے ورنہ زندہ ہوں۔ مُردہ نہیں بیمار بھی نہیں بوڑھا ناتوان مفلس قرضدار کانوں کا بہرا قسمت کا بے بہرہ زیست سے بیزار مرگ کا امیدوار غالب۔

ایضاً۔ بھائی تم سچ کہتے ہو۔ کہ بہت مسودے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ہی قصائد پڑے ہیں۔ نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمہیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو۔ کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے۔ کرائے کی حویلی میں رہتا ہوں۔ جولائی سے مینہ شروع ہوا شہر میں سینکڑوں مکان گرے اور مینہ کی نئی صورت دن رات میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہ نکلیں بالاخانہ کا جو دالان میرے بیٹھنے اُٹھنے سونے جاگنے جینے مرنے کا محل اگرچہ گرا نہیں لیکن چھت چھلنی ہو گئی کہیں لگن کہیں چلمچی کہیں اگالدان رکھدیا۔ قلمدان کتابیں اُٹھا کر توشہ خانہ کی کوٹھری میں رکھدیئے مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں کشتی نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا اب نجات ہوئی ہے۔ نواب صاحب کی غزلیں اور تمہارے قصائد دیکھے جائینگے میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمہاری خیر و عافیت اُن سے معلوم ہوئی تھی۔ میر قاسم علی صاحب مجھ سے نہیں ملے پرسوں سے نواب مصطفےٰ خان صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات اُن سے ہوتی ہے۔ ابھی یہیں رہیں گے بیمار ہیں احسن اللہ خان معالج ہیں فصد ہو چکی ہے جونکیں لگ چکی ہیں۔ اب مسہل کی فکر ہے سوا اس کے سب طرح خیر و عافیت ہے۔ میں ناتواں بہت ہو گیا ہوں گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا آجائے۔ تو اُٹھ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹے لیٹے خط لکھتا

ہوں لیٹے لیٹے مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ۔ اللہ۔ صبح جمعہ ۱۴ ماہ اکتوبر ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ پرسوں تمہارا خط آیا۔ حال جو معلوم تھا۔ وہ پھر معلوم ہوا۔ غزلیں دیکھ رہا تھا۔ آج شام کو دیکھنا تمام ہوا تھا۔ غزلوں کو رکھ دیا چاہتا تھا کہ ان کو بند کر کے لپیٹ دوں۔ کل نو بجے دس بجے ڈاک میں بھیجدوں خط کچھ ضرور نہیں ہے۔ اسی خیال میں تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ آیا جانی جی کا خط لایا۔ اُسکو پڑھا۔ اب مجھ کو ضرور ہوا کہ خلاصہ اُس کا تمام لکھوں یہ قصہ لکھا تھا۔ خلاصہ بطریق ایجاز یہ ہے کہ عرضی گذری دیوان گذرا۔ راول جی کے نام کا خط گذرا۔ راجہ صاحب دیوان کے دیکھنے سے خوش ہوئے جانی جی نے جو ایک معتمد اپنا سعد اللہ خان وکیل کے ساتھ کر دیا ہے وہ منتظر جواب کا ہے۔ راول جی نئے ایجنٹ کے استقبال کو گئے ہیں۔ اور اب ایجنٹ علاقہ جے پور کی راہ سے نہیں آتا۔ آگرہ اور گوالیار کو ہوتا ہوا اجمیر آئیگا اور اس راہ میں جے پور کا عمل نہیں۔ بس چاہیئے۔ کہ راول جی اُلٹے پھر آویں اُن کے آئے پر عرضی کا جواب ملیگا۔ اور اس میں دیوان کی رسید بھی ہوگی۔ بھائی جانی جی تم کو بہت ڈھونڈتے اور تمہارے بغیر بہت بے چین ہیں۔ میں نہ تم کو کچھ کہہ سکتا ہوں نہ انکو سمجھا سکتا ہوں۔ تم وہ کرو۔ کہ جس میں سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے ہاں۔ یہ بھی جانی جی نے لکھا تھا۔ کہ بہت دن کے بعد منشی جی کا خط آیا ہے۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ بھائی پرسوں شام ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور ایک خط تمہارا ———— اور ایک خط جانی جی کا لایا تمہارے خط میں اوراق اشعار اور بالو صاحب کے خط میں جے پور کے اخبار تھے۔ دو دن سے مجھ کو وجع الصلب ہے۔ اور میں بہت بے چین ہوں۔ ابھی اشعار کو دیکھ نہیں سکتا۔ بالو صاحب کے بھیجے ہوئے کو اغذ تم کو بھیجتا ہوں۔ اشعار بعد دو چار روز کے بھیجے جاویں گے۔ اسد اللہ مرسلہ جمعہ ۱۵ فروری ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا حال معلوم ہوا ؎

جہانیاں نہ تو برگشتہ اند گر غالبؔ ترا چہ باک خدائے کہ داشتی داری

خدا کے واسطے میرے باب میں لوگوں نے کیا خبر مشہور کی ہے یہ نسبت حکیم احسن اللہ خان کے جو مشہور ہے۔ وہ محض غلط ہاں مرزا الٰہی بخش جو شہزادوں میں ہیں۔ اُن کو حکم کرانچی بندر جانے کا ہے اور وہ انکار کر رہے ہیں۔ دیکھئے کیا ہو۔ حکیم جی کو اُن کی حویلیاں مل گئی ہیں۔ اب وہ مع قبائل ان مکانوں میں جا رہے ہیں۔ اتنا حکم انکو ہے۔ کہ شہر سے باہر نہ جائیں رہا میں ؏ تو بیکسی و غریبی ترا کہ می پرسد نہ جزا نہ سزا نہ نفرین نہ آفرین نہ عدل نہ ظلم نہ لطف نہ قہر دلّا ردن پہلے تک دن کو روٹی رات کو شراب ملتی تھی۔ اب صرف روٹی ملے جاتی ہے۔ شراب نہیں کپڑا ایام تنعم کا بنا ہوا ابھی ہے اس کی کچھ فکر نہیں ہے مگر تم کو میرے سر کی قسم یہ لکھ بھیجو کہ میری خبر تم نے کیا سنی مجھے اس کے معلوم ہونے سے مزا ملیگا۔

غالب۔ شنبہ ۵ نومبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب عجیب اتفاق ہے۔ آج صبح کو ایک خط تم کو اور ایک خط جاگیرے گانو کی تہنیت میں اپنے شفیق کو ڈاک میں بھیج چکا تھا۔ کہ دوپہر کو رضی الدین نیشاپوری کا کلام ایک شخص بیچتا ہوا لایا میں تو کتاب کو دیکھ لیتا ہوں مول نہیں لیتا۔ قضارا جب میں نے اسکو کھولا اسی ورق میں یہ مطلع نکلا ؎

اگر بہ گنج گہر میسلم او فتاد چہ باک — کف جواد ترا اند برائے آں دادم

چاہتا تھا۔ کہ تم کو لکھوں کہ ناگاہ تمہارا خط آیا مجھ کو لکھنا ضرور ہوا آج تمہیں دو خط بھیجے ہیں ایک تو صبح کو پوسٹ پیڈ اور ایک اب بارہ پر تین بجے بیرنگ اس شعر کو اب چاہو رہنے دو۔ ہائے ہائے تم بھائی سے ملے غیاث اللغات کھلوائی جواد کا لغت دیکھا۔ مگر میرا ذکر نہ کیا۔ کہ وہ تمہارا جویائے حال ہے۔ دستنبو اور اس کے چھاپے کا ذکر نہ کیا البتہ تم ذکر کرتے تو وہ دونوں کے باب میں کچھ فرماتے اور مجھ کو دعا سلام کہہ دیتے چونکہ تم نے اپنے خط میں کچھ نہیں لکھا اس سے معلوم ہوا کہ بھائی نے کچھ نہیں کہا۔ اگر انھوں نے کچھ نہیں کہا تو اُن کا ستم اور اُن کا کہا ہوا تم نے نہیں لکھا تو تمہارا کرم بہرحال خوب مصرعہ حافظ کا تم نے مجھ کو یاد دلایا ہے ع۔ یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت۔ خواہی تم خواہی منشی نبی بخش سلمہ اللہ تعالیٰ یہ یاد رہے۔ یہ مصرعہ اگر مجھ پر زنجیر سے باندھو گے تو بھی نہیں بندھے گا۔ اگر دستنبو کو سراسر غور سے دیکھو گے۔ تو اپنا نام پاؤ گے۔ اور یہ بھی جانو گے۔ کہ وہ تمہاری اس تحریر سے سو برس پہلے کی ہے۔

آخر روز دوشنبہ ۲۳ اگست۔

ایضاً جانِ من و جانانِ من کل میں نے تم کو سکندرآباد میں سمجھ کر خط بھیجا۔ شام کو تمہارا خط آیا معلوم ہوا کہ تم اکبرآباد پہنچے۔ خیر وہ خط پوسٹ پیڈ ہو گیا ہے شاید الٹا نہ پھرے اگر پھر آئیگا تو خیر آج یہ خط تم کو اکبرآباد بھیجتا ہوں پہنچے پر جواب لکھنا۔ تقطیع رباعی کی بہت خوب اگر خیر ہر ایک بات کا وقت ہے۔ ہم کو ہر طرح لطف صحبت اور لطف شعر اٹھا لینا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کے نام کا خط پڑھ کر اُن کو دے دینا اور اس کا مضمون معلوم کر لینا جس حاکم کو میں نے خط اور رقعہ بھیجا ہے۔ اس کے سررشتہ دار کوئی صاحب ہیں من پھول اُن کا نام ہے مجھ سے نا آشنائے محض ہیں۔ اگر تعارف ہوتا تو استدعا کرتا کہ اس تحریر کو پیش کیجئے۔ کاش تم سے آشنائی ہوتی تو تمہیں اوپر اوپر ایک خط لکھ کر اُن کو بھیجدیتے کہ غالب ایک فقیر گوشہ نشین اور بے گناہ محض اور واجب الرحم ہے۔ اس کے حصول مطالب میں سعی سے دریغ نہ کرنا ؎

بے نواں آمدہ استغنا سفارش نامہ — پس رخ چہ دو لالہ گردانیم کز یاران کیست

باقی جو حال ہے وہ بھائی کے نام کے ورق میں لکھ چکا ہوں۔ تم پڑھ لو گے دوبارہ لکھنا کیا ضرور

شنبہ ۶ مارچ ۱۸۵۸ء جواب طلب۔

ایضاً۔ میرے مہربان میری جان میرزا تفتہ سخندان تمہارا سکندرآباد اور میرے خط کا تمہارے پاس پہنچنا تمہاری تحریر سے معلوم ہوا زندہ رہو اور خوش رہو۔ میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگنے نہیں آیا۔ بھیک مانگنے آیا ہوں روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھاتا سرکار سے ملتی ہے وقت رخصت میری قسمت اور منعم کی ہمت نواب صاحب اندروئے صورت روح مجسم اور باعتبار اخلاق آیت رحمت ہیں خزانہ فیض کے تحویلدار ہیں جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہے اس کے ٹلنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف کر دیا۔ ایک اہلکار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا۔ اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا۔ منشی نولکشور صاحب کی عرضی پیش ہوئی خلاصہ عرضی کا سن لیا۔ واسطے منشی صاحب کے کچھ عطیہ بتقریب شادی بھیجا تجویز ہو رہا ہے مقدار مجھ پر نہیں کھلی مصطفےٰ خاں صاحب بتقریب تہنیت مسند نشینی و شمول جشن آنیوالے ہیں۔ اسوقت تک نہیں آئے۔ جشن یکم دسمبر سے شروع ۵ دسمبر کو خلعت کا مسموع نجات کا طالب غالب

دوشنبہ ۲۸ نومبر ۱۸۶۵ء وقت چاشت۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ جو کچھ تم نے لکھا یہ بیدردی ہے اور بدگمانی۔ معاذ اللہ تم سے اور آزردگی مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں جس کا ہرگوپال نام اور تفتہ تخلص ہے تم ایسی کونسی بات لکھو گے۔ کہ موجب ملال ہو رہا غماز کا کہنا اس کا حال یہ ہے۔ کہ میرا حقیقی بھائی کل ایک تھا۔ وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مر گیا۔ مثلاً وہ جیتا ہوتا۔ اور ہوشیار ہوتا اور تمہاری برائی کہتا تو میں اس کو جھڑک دیتا۔ اور اس سے آزردہ ہوتا بھائی مجھ میں کچھ اب باقی نہیں ہے برسات کی مصیبت گذر گئی لیکن بڑھاپے کی شدت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں۔ بیٹھ نہیں سکتا اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں بہرحال یہی ہے کہ اب مشق تمہاری پختہ ہو گئی خاطر میری جمع ہے کہ اصلاح کی حاجت نہ پاؤنگا اس سے بڑھ کر یہ بات کہ قصائد تم سب عاشقانہ ہیں بیکار آمدنی نہیں خیر کبھی دیکھ لونگا جلدی کیا ہے۔ تین بات جمع ہوئیں میری کاہلی تمہارے کلام کا محتاج بہ اصلاح نہ ہونا کسی قصیدہ سے کسی طرح کے نفع کا تصور نہ ہونا نظر ازاں مراتب پر کاغذ بھیجے ہے لالہ بالمکند بے صبر کا ایک پارسل آیا ہے کہ جس کو بہت دن ہوئے آج تک سرنامہ بھی نہیں کھولا نواب صاحب کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں۔ ؎

ضعف نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ قصیدہ تمہارا کل آیا آج اسوقت کہ سورج بلند نہیں ہوا۔ اس کو دیکھ اصلاح کیا آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھجوایا۔ غالب ۲۷ نومبر ۱۸۶۲ء۔

ایضاً۔ منشی صاحب میں سال گذشتہ بیمار تھا بیماری میں خدمت احباب سے مقصر نہیں رہا اب مردہ ہوں مردہ کچھ کام نہیں کر سکتا کمشنر و ڈپٹی کمشنر وغیرہ حکام شہر سے ترک ملاقات ہے مگر ڈپٹی کلکٹر شہر سے کہ وہ مہتمم خزانہ ہے ہر مہینے میں ایک بار ملنا ضرور ہے اگر نہ ملوں تو مختار کار کو تنخواہ نہ ملے۔ ڈکرودر صاحب ڈپٹی کلکٹر چھ مہینے کی رخصت لیکر پہاڑ پر گئے ان کی جگہ رینگین صاحب مقرر ہوئے۔ ان سے ناچار ملنا پڑا۔ وہ تذکرہ شعراء ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں۔ مجھ سے بھی انہوں نے مدد چاہی میں نے سات کتابیں بھائی ضیاء الدین خان صاحب سے مستعار لیکر ان کے پاس بھیجدیں پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ جن شعراء کو تو اچھی طرح جانتا ہے ان کا حال لکھ بھیج میں نے ۱۶ آدمی لکھ بھیجے بقید اس کے کہ اب زندہ موجود ہیں۔ اور اس سوار کی صورت یہ ہے نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر رئیس لوہارو فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں فارسی میں نیر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے ہیں اسد اللہ خان غالب کے شاگرد۔ نواب مصطفیٰ خان بہادر علاقہ دار جہانگیر آباد اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے ہیں۔ اردو میں مومن خان کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ منشی ہرگوپال معزز قانون گو سکندر آباد کے فارسی شعر کہتے ہیں۔ تفتہ تخلص کرتے ہیں۔ اسد اللہ خان غالب کے شاگرد ظاہر بعد اس فہرست کے بھیجنے کے انہوں نے کچھ اپنے منشی سے تم کو لکھوایا ہوگا۔ پھر کچھ آپ لکھا ہوگا۔ مجھ کو اس حال سے کچھ اطلاع نہیں تمہارے خط کی رو سے میں نے اطلاع پائی اب میں مولوی مظہر الحق کے منشی کو بلواؤں گا۔ اور سب حال معلوم کرونگا۔ اصل یہ ہے کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل نہ کیا جائیگا صرف شاعر کا اور اس کے استاد کا نام اور شاعر کے مسکن و وطن کا نام مع تخلص صحیح ہوگا خدا کرے کچھ تم کو فائدہ ہو جاوے۔ ورنہ بظاہر سوائے درج ہونے نام کے اور کسی بات کا احتمال نہیں ہے۔ رینگین صاحب اب عدالت خفیفہ کے جج ہو گئے ڈکرودر صاحب بہادر پہاڑ سے آ گئے اپنا کام کرنے لگے۔ رینگین صاحب شہر سے باہر دو کوس کے فاصلے پر جا رہے ہیں جاڑے کا موسم بڑھاپے کا عالم وہاں تک جانا دشوار اور پھر کوئی نکلتا ہوا نظر میں نہیں آتا بہرحال مولوی مظہر الحق پرسوں یکشنبہ کے دن میرے پاس آئیں گے۔ حال معلوم کر کے اگر میرا جانا یا لکھنا تمہاری فلاح کا موجب ہوگا۔ تو ضرور جاؤنگا۔

غالب روز جمعہ ۹۔ دسمبر ۱۸۶۴ء۔

ایضاً۔ بھائی آج صبح کو بسبب حکیم صاحب کے تقاضے کے شکوہ آمیز خط جناب مرزا صاحب کی خدمت میں لکھ کر بھیجا ہے۔ کلیان خط ڈاک میں ڈال کر آیا ہی تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ ایک خط تمہارا اور ایک خط مرزا صاحب کا لایا۔ اب کیا کروں خیر چپ ہو رہا شکوہ محبت بڑھائیگا۔ مرزا صاحب کی عنایت کا شکر بجا لاتا ہوں۔ یقین ہے کہ جلد میں میری خاطر بن جائینگی کس واسطے کہ جو آج کے خط میں انہوں نے

لکھا ہے۔ وہ بعینہ میرا مکنون ضمیر ہے۔ خدا اُن کو سلامت رکھے۔ میرا سلام کہہ دینا اُن کے خط کا جواب کل پرسوں بھیجونگا رائے امید سنگھ بہادر خوبانِ روزگار میں سے ہیں۔ فقیر کا سلام نیاز اُن کو کہہ دینا خدا کرے۔ اُن کے سامنے کتابیں چھپ چکیں بارے جب وہ گوالیار کو تشریف لیجائیں۔ تو مجھ کو اطلاع لکھنا۔ تہذیب کی جگہ توضیح بن جانے سے خاطر جمع ہوگئی۔ بھائی میں فارسی کا محقق ہوں۔ کاتب اُن اجزا کا جن کی رُو سے کاپی لکھی جاتی ہے فارسی کا عالم ہے اس کا غیاث اللغات رامپوری اور بکٹہ محمد حسین دکنی سے زیادہ ہے تصحیح سے غرض یہ ہے۔ کہ کاپی سراسر موافق ان اوراق کے ہو نہ یہ کہ فرہنگوں میں دیکھا جائے آگے اس قسم کی اغلاط کو لکھ چکا ہوں۔ اب صرف اس تحریر کا اشارہ لکھنا منظور تھا۔ آج جس طرح مجھ کو تمہارا اور مرزا صاحب کا خط پہنچا۔ لازم تھا۔ کہ حکیم صاحب کو بھی لفافہ اخبار پہنچ جاتا مگر اسوقت تک نہیں پہنچا۔ اور یہ دوپہر کا وقت ہے۔ خیر پہنچ جائیگا میں نے تمہارا خط اُن کے پاس بھیجدیا تھا۔ اُنہوں نے تمہاری رائے منظور کی اب تم وہ اخبار جس طرح کہ تم نے لکھا ہے اُن کے پاس بھیجدو اور صاحب مطبع قیمت اخبار اور اُجرت کاتب اُن کو لکھ بھیجے اپنے نام اور مسکن سے ان کو اطلاع دے پس اسکو اپنے طور پر روپیہ بھیجدینگے ہم تم واسطہ شناسائی ہم دگر ہو گئے ہاں اگر احیاناً روپیہ کے بھیجنے میں دیر ہوگی تو میں کہہ کر بھجوا دوں گا۔ یہ البتہ میرا ذمہ ہے۔

ایضاً شفیق میرے کرمفرما میرے تمہارا خط اور تین دو ورقہ چھاپے کے پہنچے۔ شاید میرے دکھانے کیواسطے بھیجے گئے ہیں ورنہ رسم تو یوں ہے کہ پہلے صفحہ پر کتاب کا نام اور مصنف کا نام اور مطبع کا نام چھاپتے ہیں۔ اور دوسرے صفحہ پر لوح سیاہ قلم سے بنتی ہے اور کتاب لکھی جاتی ہے۔ اس کا بھی چھاپا اسی طرح ہوگا۔ غرضیکہ تقطیع اور شمار سطور اور کاپی کا حسن خط اور الفاظ کی صحت سب میرے پسند صحت الفاظ کا کیا کہنا۔ واللہ بے مبالغہ کہتا ہوں۔ اگر بھائی منشی نبی بخش صاحب بدل متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ میں سہو کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اس کو بھی صحیح کر دینگے۔ تم میری طرف سے اسکو سلام کہنا بلکہ یہ خط دکھا دینا خدا کرے انجام تک یہی قلم اور یہی خط اور یہی طرز تصحیح چلی جائے۔ جدول بھی مطبوع ہے پہلے صفحہ کی صورت اور دوسرے صفحہ کی لوح بھی خدا چاہے تو دلپسند اور نظر فریب ہوگی۔ کاغذ کے باب میں یہ عرض ہے کہ فرخ کا غذ اچھا ہے۔ چھ جلدیں جو نذر کی ہیں۔ وہ اس کاغذ پر ہوں۔ اور باقی چاہو شیو رامپوری پر اور چاہو نیلے کاغذ پر چھاپو۔ اور یہ بات کہ دو جلدیں جو ولایت جانے والی وہ اس کاغذ پر چھاپی جائیں اور باقی شیو رامپوری ہوں۔ باقی جلدوں میں تمہیں اختیار ہے ہاں صاحب اگر ہوسکے تو کاپی کی سیاہی ذرا اور سیاہ اور درخشندہ ہو۔ اور آخر تک رنگ نہ بدلے آگے اس سے میں نے برخوردار منشی عبداللطیف کو لکھا تھا۔ کہ ان چھ کتابوں کی کچھ تزئین اور آرائش کی

کریں معلوم نہیں تم نے وہ پیغام اُنکو پہنچایا یا نہیں آپ اور منشی عبد اللطیف اور میرزا حاتم علی صاحب مہر باہم صلاح کریں اور کوئی بات خیال میں آوے تو بہتر ورنہ ان چھ نسخوں کی جلدیں انگریزی ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو روپے کی لاگت بنوا دینا اور اس کا روپیہ تیاری سے پہلے مجھ سے منگوا لینا۔ آنکہ ہمہ را در یک رقم بہ تو پیوستہ پدید آورد اگر در رقم دیگر بہ نہیب معاش بہم زند الخ۔ یہاں نہیب کا لفظ کچھ میری سہل انگاری سے اور کچھ سہو کاتب سے رہ گیا ہے اسکو تیز چاقو سے چھیل کر بہ نوائے لکھ دینا۔ یعنی بہ نوائے معاش بہم زند۔ ضرور ضرور اور اس کا انتظار نہ کیجو کہ جب یہاں چھپا پاؤ گے تو بنا دیں گے نہ اصل کتاب میں غلط ہے نہ چھاپنے میں غلط ہو۔ اگر اجزائے اصل میر امیر علی صاحب کاپی نویس کے پاس ہوں تو ان کو یا بھائی منشی نبی بخش صاحب کو یہ رقعہ دکھا کر سمجھا دینا اور بنوا دینا۔ از غالب روز شنبہ ہفتم ستمبر ۱۸۵۷ء

ایضاً۔ جیتے رہو اور خوش رہو۔ ع اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔ زیادہ خوشی کا سبب یہ کہ تم نے تحریر کو تقریر کا پیرایہ دیا تھا۔ گرمی ہنگامۂ انطباع دیوان وغیرہ میں پہلے سے جانتا ہوں۔ بنک گھر کا روپیہ مصرف کاغذ و کاپی ہے خدا تم کو سلامت رکھے مقتضیات سے ہو رجب علی بیگ سرور نے جو افسانہ عجائب لکھا ہے۔ آغاز داستان کا شعر مجھ کو بہت مزا دیتا ہے ؎

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ
یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

مصرعِ ثانی کتنا گرم ہے اور یاد رکھنا فسانہ کے واسطے کتنا مناسب۔ منشی عبد اللطیف کے گھر میں لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر مجھ کو ہو چکی ہے اور تہنیت میں بھائی کو خط لکھ چکا ہوں۔ اب جو اُن سے ملو۔ تو میرا سلام کہہ کر اس خط کے پہنچنے کی اطلاع لے لینا۔ مولوی معنوی صاحب کانپور سے معاودت فرماویں مجھ کو اطلاع دینا۔ میرا حال بدستور ع ہماں پہلو ہماں بستر ہماں۔ شنبہ ۲۶ جون۔ روز نامہ و روز نامہ غالب

ایضاً۔ برخوردار۔ تمہارا خط پہنچا اصلاحی غزلوں کی رسید معلوم ہوئی۔ مقطع اب اچھا ہو گیا ہے۔ سنو کل جمعہ کے دن ۱۹ نومبر کو سات کتابوں کا پارسل بھیجا ہوا مولانا مہر کا پہنچا۔ زبان نہیں جو تعریف کروں شاہانہ آرائش ہے آفتاب کی سی نمائش ہے مجھے یہ فکر کہ کہیں ان کا روپیہ تیاری میں صرف نہ ہوا ہو۔ اچھا میرے بھائی اس کا حال جو تم کو معلوم ہو مجھ کو لکھ بھیجو۔ رقعات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے۔ لڑکوں کی سی ضد نہ کرو۔ اور اگر تمہاری اسی میں خوشی ہے تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو تم کو اختیار ہے۔ یہ امر میرے خلاف رائے ہے میر بادشاہ کی اور اپنی ناشناسائی آگے تم کو لکھ چکا ہوں اب تمہارے اس خط سے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے اور امراؤ سنگھ کے آشنا ہیں۔ کچھ ان کے خاندان کا نام و نشان دریافت ہو تو مجھ کو بھی لکھ بھیجنا کہ میں جانوں کہ یہ کس گروہ میں سے ہیں۔ میاں وہ راستہ درخ

بہ گردنِ راوی نے مجھ کو بہت پریشان کیا ہے واسطے خدا کے جو راوی نے روایت کی ہے وہ مجھ کو ضرور لکھو اور تاج گنج کے رہنے والوں کی ابتری کی حقیقت سے بھی اطلاع دو۔ حکم عفو تقصیر عام ہو گیا ہے لڑنے والے آتے جاتے ہیں اور آلات حرب و پیکار دے کر توقیع آزادی پاتے ہیں یہ دو شخص کیسے مجرم تھے جو مقید ہوئے۔ محررۂ صبح شنبہ ۲۰۔ نومبر ۱۸۵۸ء غالبؔ۔

ایضاً۔ بھائی وہ خط پہلا تم کو بھیج چکا تھا۔ کہ بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا توقع زیست کی نہ رہی قولنج اور پھر کیسا شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپا کیا۔ آخر عصارۂ ریوند اور ارنڈی کا تیل پیا اسوقت تو بچ گیا۔ مگر قصہ قطع نہ ہوا۔ مختصر کہتا ہوں۔ میری غذا تم جانتے ہو کہ تندرستی میں کیا ہے دس دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی۔ گلاب اور املی کا تیاا اور آلو بخارہ کا افشردہ اسپر مدار رہا کل سے خوف مرگ گیا ہے صورت زیست کی نظر آتی ہے۔ آج صبح کو بعد دو لیٹنے تم کو یہ خط لکھا ہے یقین تو ہے۔ کہ آج پیٹ بھر کر روٹی کھا سکوں۔ صاحب وہ جو میں نے ۲۲ شعر مرثیہ کے لکھ کر تم کو بھیجے۔ اُس سے مقصود یہ تھا کہ تم اپنے اشعار دوسرے ماتم زدہ کو دیدو کس واسطے کہ تمہاری تحریر سے معلوم ہوا تھا۔ کہ اور بھی کوئی ماتم زدہ ہے۔ اور یہ جو تم لکھتے ہو۔ کہ کچھ اوپر اسّی شعر میں سے ایک شعر بھی تو نے نہ لیا اس کا حال یہ ہے کہ وہ شعر سب دست و گریبان تھے ایک کو ایک سے ربط ایک دو شعر اس میں سے کیونکہ لئے جاتے اشعار سب میرے پسند بے ستم بے عیب۔ وہ جو تم لکھتے ہو۔ کہ صرف بابو بنج موہن سے ترنم اور اس کا دوسرا مصرعہ میں بھول گیا ہوں مر قافیہ میں من سے یہ شعر غالب کو برا معلوم ہوا ہوگا۔ واللہ باللہ جب تک کہ تم نے نہیں لکھا۔ میرے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی بہرحال بات وہی ہے۔ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ ہائے اب بھی بھائی نبی بخش صاحب اور مولوی قمرالدین خان صاحب روزوں کے متوالے ہوش میں آئے یا نہیں آئے۔ آج دس شوال کی ہے شش عید کا بھی زمانہ گذر گیا خدا کے واسطے اُن کی خیر و عافیت لکھو۔ اور یہ عبادت بھائی صاحب کی نظر انور سے گذرانو شاید وہ مجھ کو خط لکھیں۔ غالبؔ محررہ درسلہ دوشنبہ ۴ مئی ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ اللہ اللہ ہم تو کول سے تمہارے خط کے آنے کے منتظر تھے۔ ناگاہ کل جو خط آیا۔ معلوم ہوا کہ دو دن کول میں رہ کر سکندرآباد گئے ہو اور وہاں سے تم نے خط لکھا ہے دیکھئے اب یہاں کب تک رہو۔ اور آگرہ کب جاؤ۔ پرسوں برخوردار شیو نرائن کا خط آیا تھا۔ لکھتے تھے۔ کہ کتابوں کی شیرازہ بندی ہو رہی ہے اب قریب ہے۔ کہ بھیجی جائیں۔ مرزا تفتہ بھی ایک ہفتہ بتاتے ہیں۔ دیکھئے کس دن کتابیں آجائیں۔ خدا کرے سب کام دلخواہ بنا ہو۔ ہاں صاحب منشی بالمکند بے صبر کے ایک خط کا جواب ہم پر فرض ہے۔ میں کیا کروں۔ کہ اس خط میں اُنھوں نے اپنا سیر و سفر میں

مصروف ہونا لکھا تھا۔ پس میں اُن کے خط کا جواب کہاں بھیجتا۔ اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہہ دینا۔ اور مطبع آگرہ سے کتابوں کا حال تو تم خود دریافت کر ہی لوگے میرے کہنے اور لکھنے کی کیا حاجت۔ چارشنبہ سوم۔ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً یکشنبہ معلوم ذی العقدہ و پنجم جون سال حال۔ صاحب آج تمہارا خط صبح کو آیا۔ میں دوپہر کو جواب لکھتا ہوں تمہاری ناسازگاری طبیعت سنکر دل کڑھا۔ حق تعالیٰ تم کو زندہ اور تندرست اور خوش رکھے اوراق مثنوی بھیجے ہوئے بہت دن ہوئے جس میں حکایت طالب علم اور سنار کی تھی۔ واقعہ ٹانڈہ شہر کا اور وہ اوراق میں نے سرِ غلاف پاکٹ نہیں بھیجے خط میں لپیٹ کر چونکہ خط ڈبل تھا دو ٹکٹ لگا کر ارسال کئے ہیں رسید ملے تو اُس کو دیکھ کر تاریخ معلوم ہو جائے۔ قیاس سے ایسا جانتا ہوں کہ پانچ سات دن ہوئے ہونگے۔ منشی نبی بخش کا خط بہت دن سے نہیں آیا۔ گھر ان کا تاج گنج۔ وہ خود مع بعض متعلقین آگرہ ایک بار تاج گنج کے پتہ سے خط ان کو بھیجا تھا جواب نہ آیا۔ اب ناچار برخوردار شونراٹن سے اُن کا حال پوچھونگا۔ تم باہمہ کمالات خفقانی بھی ہو۔ رائے امید سنگھ سے خط کی امید کیوں رکھتے ہو۔ جب آگرہ جاؤ گے اور وہ وہاں ہونگے تو ملاقات ہو جائیگی۔ میں خود واقف نہیں کہ وہ کہاں ہیں از روئے قیاس کہہ سکتا ہوں کہ آگرہ یا بندرابن کبھی کہیں سے اُنکا کوئی خط مجھ کو آیا ہو تو میں گنہگار غالب

ایضاً۔ لو صاحب کھچڑی کھائی دن بہلائے کپڑے پھاڑے گھر کو آئے۔ ۸ جنوری ماہ و سال حال دوشنبہ کے دن غضب الٰہی کی طرح اپنے گھر پہ نازل ہوا۔ تمہارا خط مضامین دردناک سے بھرا ہوا رامپور میں میں نے پایا جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ بعد روانگی کے مرادآباد میں پہنچکر بیمار ہوگیا۔ پانچ دن صدرالصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔ اُنہوں نے بیمارداری اور غمخواری بہت کی۔ کیوں ترک لباس کرتے ہو پہننے کو تمہارے پاس ہے۔ کیا جس کو اُتار کر پھینکو گے ترک لباس سے قید ہستی مٹ نہ جائیگی۔ بغیر کھائے پئے گذارہ نہ ہوگا سختی و سُستی رنج و آرام کو ہموار کرو جس طرح ہو اسی صورت سے بہرصورت گذرنے دو ؎

تاب لائے ہی بنے گی غالب — واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

اس خط کی رسید کا طالب غالب

ایضاً ؎

میرزا تفتہ کہ پیوستہ بدل جا دارد — ہرکجا ہست خدایا بسلامت دارش

صاحب کئی بار جی چاہا کہ تم کو خط لکھوں مگر متحیر کہ کہاں بھیجوں۔ اب جو تمہارا خط آیا معلوم ہوا کہ حضرت

ابھی لکھنؤ میں رونق افروز ہیں خط نہ بھیجوں تو گنہگار۔ میں نے یہ عرض کیا ہے۔ کہ مجھ میں اصلاح کی مشقت کی طاقت نہیں بلکہ تمہارا کلام پختگی کو پہنچ گیا ہے اصلاح طلب نہیں رہا ہے۔ شیر اپنے بچے کو ایک مدت تک آئین شکار سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے یہ میں نے نہیں کہا۔ کہ تم مجھے اپنے کلام کے دیکھنے سے محروم رکھو۔ جو غزل قصیدہ لکھا کرو۔ نہ مسودہ بلکہ ایک نقل اس کی ضرور مجھ کو بھیجا کرو۔

ایضاً۔ سہ شنبہ ۳ ربیع الثانی و ششم ستمبر۔ صاحب کل پارسل اشعار کا ایک آنے کا ٹکٹ لگا کر اور اس پہ یہ لکھ کر کہ یہ پارسل ہے خط نہیں ہے ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈال دو۔ خدمتگار ناخواندہ آدمی اس کا حکم بجا لایا۔ اور اس کو خطوں کے صندوق میں ڈال آیا۔ وہ لفظ کہ یہ خط نہیں ہے۔ پارسل ہے دستاویز معقول ہے۔ اگر وہاں کے ڈاک والے تم سے خط کا محصول مانگیں تو تم اس جملہ کے ذریعہ سے گفتگو کر لینا۔ مکان میرے گھر کے قریب حکیم محمود خان کے گھر کے نزدیک عطار بھی پاس بازار بھی قریب ڈھائی روپیہ کرایہ کو موجود مگر مالک مکان سے یہ وعدہ ہے کہ ہفتہ بھر کسی اور کو نہ دونگا۔ بعد ایک ہفتہ کے اگر تمہارا مسافرانہ آیا۔ تو مجھ اور کرایہ دار کے دینے کا اختیار ہے رامپور کے باب میں مختصر کلام یہ ہے کہ نہ میں والی رامپور کو لکھ سکتا ہوں۔ نہ اس لکھنے کی وجہ تم کو لکھ سکتا ہوں۔ اگر ریل میں بیٹھ کر آ جاؤ گے۔ تو زبانی کہہ دونگا۔ غالب۔

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی ہرگوپال صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ غالب کی دعائے درویشانہ قبول کریں۔ ہم آپ کو سکندر آباد قانونگویوں کے محلے میں سمجھے ہوئے ہیں۔ اور آپ لکھنؤ راجہ مان سنگھ کی حویلی مطبع اودھ اخبار میں بیٹھے ہوئے مداریہ حقہ لکھنؤ کا پی رہے ہیں۔ اور منشی نولکشور صاحب سے پایا کر رہے ہیں۔ بھلا منشی صاحب کو میرا سلام کہنا۔ آج یکشنبہ ہے اخبار کا لفافہ ابھی تک نہیں پہنچا۔ ہر ہفتے کو پنجشنبہ و جمعہ کو پہنچتا تھا۔ مرزا تفتہ کیا فرماتے ہو کیسے رٹیگن صاحب کہاں رٹیگن صاحب پنجشنبہ کے دن ۱۹ جنوری سنہ حال کو وہ پنجاب کو گئے ملتان یا پشاور کے ضلع میں کہیں کے حاکم ہوئے ہیں۔ اپنی نادانی کے سبب ان کی ملاقات و تودیع کو نہیں گیا انوار الحق گھاٹ پر نوکر ہیں ۵۰ روپیہ مشاہرہ پاتے ہیں۔ زیادہ زیادہ نجات کا طالب غالب صبح یکشنبہ ۱۲ فروری سنہ ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ نور چشم غالب انور درفتہ مرزا تفتہ خدا تم کو خوش اور تندرست رکھے۔ نہ دوست بخیل نہ میں کاذب مگر بقول میر تقی ع اتفاقات ہیں زمانہ کے۔ بہر حال کچھ تدبیر کی جائیگی اور انشاء اللہ صورت وقوع جلد نظر آئیگی۔ تعجب ہے کہ اس سفر میں کچھ فائدہ نہ ہوا ؎

یا کرم خود نماند در عالم — یا مگر کس دریں زمانہ نکرد

اغنیائے دہر کی مدح سرائی موقوف کرو۔ انشاءاللہ تعالیٰ بطریق غزل کہا کرو اور خوش رہا کرو۔ نجات کا طالب۔

غالب سہ شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ صاحب بندہ میں نے بکس کا ایک ایک خانہ دیکھا سوائے تین کاغذوں کے کوئی کاغذ تمہارا نہ نکلا اور اس وقت بسبب کم فرصتی کے میں ردیف ان تینوں قصیدوں کو نہیں بتا سکتا اور وہ مقدمہ ششہزار کا باقتضائے حالات زمانہ سست ہو گیا ہے۔ مر نہیں گیا۔ دیر آید درست آید انشاءاللہ تعالیٰ

اب میرا حال سنو ؏

در نومیدی بسے امید است — پایان شب سیہ سپید است

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو ۷ پارچے اور تین رقم جواہر خلعت ملتا تھا۔ لارڈ کیننگ صاحب میرا دربار خلعت بند کر گئے ہیں۔ نا امید ہو کر بیٹھ رہا اور مدت العمر کو مایوس رہا اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے ہیں میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملینگے کل انہوں نے مجھ کو بلا بھیجا بہت سی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دہلی میں دربار نہ کرینگے میرٹھ ہوتے ہوئے اور دہرہ دون میں ان اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگذاروں کا دربار کرتے ہوئے انبالہ جائینگے۔ دلّی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا۔ تم بھی انبالہ جاؤ شریک دربار ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی کیا کہوں۔ کیا میرے دل پر گذری گویا مردہ جی اٹھا مگر ساتھ اس مسرت کے یہ بھی سنّاٹا گذرا کہ سامان سفر اتنا کہ وہ مصارف بے انتہا کہاں سے لاؤں اور طرّہ یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے ادھر قصیدہ کی فکر ادھر روپیہ کی تدبیر حواس ٹھکانے نہیں۔ شعر کام دل و دماغ کا ہے وہ روپیہ کی فکر میں پریشان میرا خدا یہ مشکل بھی آسان کریگا۔ لیکن ان دنوں میں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو نیند ہے۔ یہ کئی سطریں تمہیں اور ایسی ہی کئی سطریں جناب نواب صاحب کو لکھ کر بھیجدی ہیں جیتا رہا تو انبالہ سے آ کر خط لکھوں گا۔ روز چار شنبہ ۱۴ رمضان ۴ جنوری۔

ایضاً۔ بھائی تم نے مجھ کو نسا دو چار سو روپیہ کا نوکر یا پنشن دار قرار دیا ہے۔ جو دس بیس روپیہ مہینہ قسط کی آرزو رکھتے ہو تمہاری باتوں پر کبھی کبھی ہنسی آتی ہے۔ اگر اچھا تا تم کبھی دہلی کے ڈپٹی کلکٹر یا وکیل ہی ہوتے تو مجھ کو بڑی مشکل پڑتی بہرحال خوش رہو۔ اور متفکر نہ ہو۔ پانچ روپیہ مہینہ پنشن انگریزی میں سے قسط مقرر ہو گیا تھا اول سے نہ ابتدائے جون ۱۸۶۳ء یعنی ماہ آئندہ سے یہ قسط جاری ہو گی۔ بابو صاحب کا خط تمہارے نام کا پہنچا۔ عجب تماشہ ہے وہ درنگ کے ہونے سے خجل ہوتے ہیں اور میں ان کے عذر

چاہتے سے مرا جاتا ہوں۔ ماجرائے اتفاق آج میں نے اُن کو لکھا اور کل راجہ کے مرنے کی خبر سُنی۔ واللہ باللہ اگر دو دن پہلے خبر سُن لیتا تو اگر میری جان پر آبنتی تو بھی اُنکو نہ لکھتا جے پور کے آئے ہوئے روپے کی ہنڈوی اسوقت تک نہیں آئی شاید آج شام تک یا کل تک آجاوے تو خدا کرے وہ آبو پہاڑ پر سے ہنڈوی روانہ کردیں ورنہ پھر خدا جانے کہاں کہاں جائینگے اور روپیہ بھیجنے میں کتنی دیر ہو جائیگی خدا کرے زرِ مصارف ہردیو سنگھ اس سے مجرا لیں میری کمال خوشی ہے اور یہ نہ ہو تو بھئی ہردیو سنگھ کو میری طرف سے ضرور دیں۔ مفتی صاحب کا ایک خط اس کا جواب ہاترس کو روانہ کرچکا ہوں۔ والدعا از اسد اللہ محررہ دوشنبہ ۲ مئی ۱۸۵۳ء

ایضاً کل تمہارا خط آیا۔ رازِ نہانی مجھ پر آشکارا ہوا میں سمجھا ہوا تھا کہ تم دیوانگی اور شورش کر رہے ہو اب معلوم ہوا۔ کہ حق بجانب تمہارے ہے میں جو اپنے عزیز کو نصیحت کرتا ہوں۔ تو اپنے نفس کو مخاطب کرکے کہتا ہوں کہ اے دل تو اپنے کو اس عزیز کی جگہ سمجھ کر تصور کر۔ اگر تجھ پر یہ حادثہ پڑا ہوتا یا اس بلا میں گرفتار ہوا ہوتا تو کیا کرتا عیاذاً باللہ۔ اب میں تم کو کیونکر کہوں کہ بے حرمتی گوارا کرو اور رفاقت نہ چھوڑو بلکہ یہ بھی تائید ہے۔ جو دوست سے کہئے کہ تو ہمارے واسطے اس کو ترک کر بہرحال دوست کی دوستی سے کام اُس کے افعال سے کیا غرض جو محبت و اخلاص اُن میں تم میں ہے بدستور بلکہ روز افزوں رہے ساتھ رہنا اور پاس رہنا نہیں ہے نہ سہی ؎

وصلے کہ دراں ملال باشد   ہجراں بہ ازاں وصال باشد

آمدم برسرِ مدعا تمہاری رائے ہم کو اسی بات میں پسند عجب طرح کا پیچ پڑا کہ نکل نہیں سکتا نہ تم کو سمجھا سکتا ہوں۔ اور نہ اُن کو کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مجھے تو اس موقع میں سوائے اس کے کہ تماشائی نیرنگِ قضا و قدر بنا رہوں کچھ بن نہیں آتی ؎

بہ بینیم کہ تا کردگارِ جہاں   دریں آشکارا چہ دارد نہاں

جے پور کا امر محض اتفاقی ہے بے تقصد و بے فکر درپیش آیا ہے۔ ہو سکا نہ ادھر متوجہ ہوا ہوں۔ بوڑھا ہوگیا ہوں بہرا ہوگیا ہوں سرکار انگریزی میں بڑا پایہ رکھتا تھا۔ رئیس زادوں میں گنا جاتا تھا۔ پورا خلعت پاتا تھا اب بدنام ہوگیا ہوں اور ایک بہت بڑا دھبہ لگ گیا ہے کسی ریاست میں دخل کر نہیں سکتا تھا۔ مگر ہاں اوستاد یا پیر یا مداح بن کر راہ و رسم پیدا کروں۔ کچھ فائدہ اُٹھاؤں کچھ اپنے کسی عزیز کو وہاں داخل کردوں دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے ؎

تا نہالِ دوستی کے بر دہد   حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

صحاف کے ہاں سے دیوان ابھی نہیں آیا۔ آج کل آجاویگا پھر اس کے جزدان کی تیاری کرکے روانہ

کرونگا۔ ابھی کول ہی میں آرام کرو۔ اپنے بچوں میں اپنا دل بہلاؤ۔ اگر جی چاہے تو اکبرآباد چلے جائیو وہاں اپنا دل بہلائیو۔ دیکھو اس خود داری میں ادھر سے کیا ہوتا ہے۔ اور وہ کیا کرتے ہیں۔ والسلام

اسد اللہ۔ جمعہ دہم دسمبر ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ صبح دوشنبہ پنجم جمادی الاول و نوزدہم نومبر سال حال فرزند تفتہ کل تمہارا خط مع کاغذ اشعار آیا آج تم کو یہ خط لکھتا ہوں۔ اور اسی خط کے ساتھ خط موسومہ میر بادشاہ بھیجتا ہوں۔ کاغذ اشعار کل یا پرسوں روانہ ہوگا۔ فن تاریخ کو دون مرتبہ شاعری جانتا ہوں۔ اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے۔ کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔ بہرحال میں نے منشی نبی بخش مرحوم کی تاریخ رحلت میں یہ قطعہ لکھ کر بھیجا۔ منشی قمرالدین خانصاحب نے پسند کیا قطعہ یہ ہے ؎

شیخ نبی بخش کہ با حسن خلق　　داشت مذاق سخن و فہم تیز
سال وفاتش ز پئے یادگار　　با دل زار و شرہ دجلہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر　　گفت مدہ طول و بگو رستخیز

ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں۔ بلکہ قید معنی دار ہونے کی بھی مرتفع ہے۔ جیسا کہ یہ مصرعہ ع درسال عرس ہر آنکہ ماند بلند۔ انوری کے قصائد کو دیکھو دو چار جگہ ایسے الفاظ تمہید کے آغاز میں لکھے ہیں جس میں اعداد سال مطلوبہ نکل آتے ہیں۔ اور معنی کچھ نہیں ہوتے لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے۔ اور پھر واقع کے مناسب اگر تاریخ ولادت یا تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہ نا مستحسن تھا قصہ مختصر اگر تاریخ کی فکر موجب ادائے حق مودت ہے تو میں حق دوستی ادا کرچکا۔ زیادہ کیا لکھوں۔ داد کا طالب غالب

ایضاً۔ کیوں مہاراج کول میں آنا اور جناب منشی نبی بخش صاحب کے ساتھ غزل خوانی اور ہم کو یاد نہ لانا مجھ سے پوچھو کہ میں نے کیونکر جانا کہ تم مجھ کو بھول گئے کول میں آئے۔ اور مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع نہ دی نہ لکھا۔ کہ میں کیونکر آیا ہوں۔ اور کب تک رہونگا۔ اور کب جاؤنگا۔ اور بابو صاحب سے کہاں جاملونگا خیر اب جو میں نے بیحیائی کرکے تم کو خط لکھا ہے لازم ہے کہ میرا قصور معاف کرو اور مجھ کو ساری اپنی حقیقت لکھو۔ تمہارے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں بابو صاحب کی میرے پاس موجود ہیں۔ اور اصلاح پاچکی ہیں۔ اب میں حیران ہوں کہ ان کو بھیجوں ہر چند انہوں نے لکھا ہے کہ اکبرآباد ہاشم علی خان کو بھیجدو لیکن میں نہ بھیجونگا جب وہ اجمیر یا بھرتپور پہنچکر مجھ کو خط لکھیں گے تو میں ان کو وہ اوراق ارسال کرونگا یا جو تم لکھوگے اسپر عمل کرونگا بھائی ایک دن شراب نہ پیو یا کم پیو اور ہم کو دو چار سطریں لکھ

بھیجو کہ ہمارا دھیان تم میں لگا ہوا ہے اسد اللہ۔ رقم زدہ یک شنبہ۔ چارم جنوری ۱۸۵۲ء

ایضاً صاحب تمہاری سعادتمندی کو ہزار آفرین تم کو یوں ہی چاہئے تھا۔ لیکن میں نے تو ایک بات بطریق تمنا لکھی تھی۔ جیسا کہ عربی میں لیت اور فارسی میں کاشکے۔ اب تم رو داد سُنو عرضی میری سر ہنری لارنس چیف کمشنر بہادر کو گذری اس پر دستخط ہوئے کہ یہ عرضی مع کاغذ ضمیمہ سائل کے پاس بھیجدی جائے اور یہ لکھا جائے کہ معرفت صاحب کمشنر دہلی کے پیش کرو۔ اب سر رشتہ دار کو لازم تھا۔ کہ میرے نام موافق قاعدہ کے خط لکھتا یہ نہ ہوا وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی میرے پاس آگئی میں نے خط صاحب کمشنر دہلی چارلس سانڈرس کو لکھا اور وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی اُس میں ملفوف کر کے بھیجدی صاحب کمشنر نے صاحب کلکٹر کے پاس یہ حکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کی پنشن کی کیفیت لکھو۔ اب وہ مقدمہ صاحب کلکٹر کے ہاں آیا ہے ابھی صاحب کلکٹر نے تعمیل اُس حکم کی نہیں کی پرسوں تو ان کے ہاں یہ روبکاری آئی ہے دیکھئے کچھ مجھ سے پوچھتے ہیں یا اپنی ذاتی رائے لکھ بھیجتے ہیں۔ دفتر کہاں رہا ہے جو اس کو دیکھیں گے۔ بہر حال یہ خدا کا شکر ہے۔ کہ بادشاہی دفتر میں ہے میرا کچھ شمول فساد میں پایا نہیں گیا اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ پنشن کی کیفیت طلب ہوئی ہے اور میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو لگاؤ نہ تھا مولوی قمر الدین خان کا کول نہ جانا اور راہ سے پھر آنا معلوم ہوا حق تعالیٰ ان کو زندہ اور تندرست رکھے میرا سلام کہنا اور یہ خط پڑھا دینا بھائی منشی نبی بخش صاحب کو سلام اور ان کے بچوں کو دعا کہنا اور یہ خط ضرور ضرور پڑھا دینا اور کہنا کہ بھائی ہاپُڑ تو اچھی ہے نہایت بھی خدا اچھی کرے۔ وہ عزت اور وہ ربط وضبط جو ہم رئیس زادوں کا تھا۔ اب کہاں روٹی کا ٹکڑا ہی مل جائے تو غنیمت ہے۔ گورنری کلکتہ اور گورنری آگرہ اور اجنٹی و کمشنری و دیوانی و فوجداری و کلکٹری دہلی سے جو حکم میرے خط اور عرضی پر ہوا ہے مشتمل اس حکم پر خط میرے نام آیا ہے حاکم نے ابھی یہی حکم دیا تھا کہ لکھا جاوے کہ یوں کرو عملہ نے خط نہ لکھا صرف وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی بھیجدی خیر ع ہر چہ از دوست میرسد نیکوست ۔ ؎ سنو میرزا تفتہ اب میں جو اپنا حال تم کو لکھا کروں۔ وہ تم میرے بھائی کو اور مولوی قمر الدین خان کو دکھا دیا کرو۔ تین تین جگہ ایک بات کو کیوں لکھوں۔ جمعہ ۱۲ مارچ ۱۸۵۸ء

ایضاً بھائی ہاں میں نے زبدۃ الاخبار میں دیکھا کہ رانی صاحبہ مر گئیں۔ کل ایک دوست کا خط اکبرآباد سے آیا ہے وہ لکھتا ہے۔ کہ راجہ مرا رانی مری۔ ابھی ریاست کا کوئی رنگ قرار نہیں پایا صورت انتظام جانی بیجنا تھ کے آنے پر موقوف ہے۔ یہاں تک اس دوست کی تحریر ہے۔ ظاہرا اُس کو بابو صاحب کا نام نہیں معلوم اُن کے بھائی کا نام یاد رہ گیا۔ صرف اس دوست نے بطریق اخبار لکھا ہے اس کو میری اور جانی کی دوستی

کا بھی حال معلوم نہیں حاصل اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر یہ خبر سچ ہے تو ہمارے دشمن کا نام بنا رہیگا۔ آمین یا رب العالمین۔ صاحب جے پور کا مقصد اب لائق اس کے نہیں ہے۔ کہ ہم اس کا خیال کریں ایک بنا ڈالی تھی وہ نہ اٹھی۔ راجہ لڑکا ہے اور چھچھورا ہے۔ راول جی اور سعد اللہ خاں بنے رہتے تو کوئی صورت نکل آتی اور یہ جواب آپ لکھتے ہیں۔ کہ راجہ تیرے دیوان کو پڑھا کرتا ہے تو پیش نظر رکھتا ہے یہ بھی تو آپ از روئے تحریر منشی ہردیو سنگھ کہتے ہیں۔ ان کا بیان کیونکر دل نشین ہو۔ وہ بھی جو بابو صاحب لکھ چکے ہیں کہ پانسو روپیہ نقد اور خلعت مرزا صاحب کے واسطے تجویز ہو چکا ہے۔ ہولی ہو چکی اور میں لے کر چلا۔ پھاگن چیت بیسا کھ نہیں معلوم ہوئی۔ کس مہینہ میں ہوتی ہے آگے تو پھاگن میں ہوتی تھی۔ بندہ پرور بابو صاحب نے پہلی بار تو مجھ کو دو ہنڈیاں بھیجی ہیں۔ سو سو روپیہ کی ایک تو میر احمد حسین میکش کے واسطے راجہ صاحب کی طرف سے تاریخ تولد کنور صاحب کے انعام میں اور ایک اپنی طرف سے مجھ کو بطریق نذر شاگردی بعد اس کے دو ہنڈیاں سو سو روپیہ کی بعد چار چار یا پانچ پانچ مہینے کے آئیں۔ مع میر احمد حسین کے صلے کے روپیوں کے چار سو اور اس سے علاوہ تین سو اور چار چار سو یا تین سو کتنے دن میں آئے اس کا حساب کنور صاحب کی عمر پر حوالہ ہے اگر وہ دو برس کے ہیں تو دو برس میں اور اگر تین برس کے ہیں۔ تو تین برس میں۔ ہاں صاحب یہ وہی میر قاسم علی صاحب ہیں۔ جو میرے پرانے دوست ہیں پرسوں یا اترسوں ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا تھا۔ وہ ایک خط میر صاحب کے نام کا کوئی میاں حکمت اللہ ہیں انکا میرے مکان کے پتہ سے لیا تھا وہ میں نے لیکر رکھ لیا ہے۔ جب میر صاحب آجاویں تو ان کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ حضرت اگر میرے واسطے نہیں تو اس خط کے واسطے آپ دلی آیئے۔ غالب ؎

ایضاً۔ عجب تماشہ ہے۔ بابو صاحب لکھ چکے ہیں۔ کہ ہردیو سنگھ آگیا اور پانسو روپیہ کی ہنڈوی لایا۔ گو اس کے مصارف کی بابت انیس روپے کٹ آتے اس ہنڈوی میں محسوب ہو گئے ہیں سو میں اپنے پاس سے ملا کر پورے پانسو کی ہنڈوی تجھ کو بھیجتا ہوں۔ میں نے ان کو لکھا کہ مصارف ہردیو سنگھ کے میں مجرا دونگا تکلیف نہ کرو عہ یہ میری طرف سے ہردیو سنگھ کو اور دیدو۔ اور باقی کچھ کم ساڑھے چار سو کی ہنڈوی جلد روانہ کرو۔ سو بھائی آجتک ہنڈوی نہیں آئی میں حیران ہوں۔ وجہ حیرانی کی یہ کہ اس ہنڈوی کے بھروسے پر قرضداروں سے وعدہ جون کے اوائل کا کیا تھا۔ آج جون کی پانچویں ہے وہ تقاضا کرتے ہیں۔ اور میں آج کل کر رہا ہوں۔ شرم کے مارے بابو صاحب کو کچھ نہیں لکھ سکتا جانتا ہوں کہ وہ سینکڑا پورا کرنے کی فکر میں ہوں گے پھر وہ کیوں اتنا تکلف کریں۔ تیس روپے کی کونسی ایسی بات ہے۔ اگر مصارف ہردیو سنگھ میرے ہاں سے مجرا ہوئے۔ تو کیا غضب ہوا۔ انتیس اور پچیس چون روپیہ نکال ڈالیں اور باقی ارسال کریں۔ لفافے خطوط کے جو میں نے بھیجے تھے۔ وہ بھی ابھی نہیں آئے با اینہمہ یہ کیسی بات ہے کہ میں

یہ بھی نہیں جانتا۔ کہ بابو صاحب کہاں ہیں پہاڑ پر ہیں یا بھرت پور آئے ہیں اجمیر جانے کی تو ظاہراً کوئی وجہ نہیں ہے۔ ناچار کثرتِ انتظار سے عاجز آ کر آج تم کو لکھا ہے تم اس کا جواب مجھ کو لکھو۔ اور اپنی رائے لکھو۔ کہ وجہ درنگ کی کیا ہے۔ زیادہ۔ اسداللہ مرقومہ پنجم جون ۱۸۶۳ء روز پنجشنبہ جواب طلب

ایضاً۔ میرا سلام پہنچے خط اور کاغذ اشعار پہنچا۔ سابق و حال ابھی سب یوں ہی دھرے رہیں گے اگرچہ گرمی رفع ہوگئی۔ مینہ برسنے لگا۔ ہوائے سرد چلنے لگی مگر دل مکدّر ہے اور حواس ٹھکانے نہیں بادشاہ کا قصیدہ سالانہ اور ولیعہد کا قصیدہ بے خاتمہ آگے سے کہہ رکھا تھا۔ اس کا خاتمہ بہزار مشقت رمضان میں کہہ لیا اور عید کو دونوں پڑھ دیئے۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کو پرسوں یا اترسوں بھیجونگا۔ ان سے لے کر تم بھی دیکھنا میں نے ان کو لکھ بھیجا ہے کہ منشی ہرگوپال صاحب کو بھی دینا۔ کہ وہ پڑھ لیں اور چاہیں تو نقل لے لیں اس کے سوا اور جو کچھ تمہارے خط میں لکھا تھا۔ وہ جواب طلب نہیں اور یوں ہی ہے جو تم سمجھے ہو۔ اسداللہ۔

ایضاً۔ کیوں صاحب اس کا کیا سبب ہے۔ کہ بہت دن سے آپکی ملاقات نہیں ہوئی۔ مرزا صاحب ہی آئے نہ منشی صاحب ہی تشریف لائے۔ ہاں ایکبار منشی شیونرائن صاحب نے کرم کیا تھا۔ اور خط میں یہ رقم کیا تھا کہ اب ایک فرمہ باقی رہا ہے اس راہ سے میں یہ تصور کر رہا ہوں۔ کہ اگر ایک فرمہ نثر کا باقی تھا۔ تو اب قصیدہ چھاپا جاتا ہوگا۔ اور اگر فرمہ قصیدہ کا تھا تو اب جلدیں بننی شروع ہوگئی ہونگی تم سمجھے ہیں، تمہارے اور بھائی منشی نبی بخش صاحب اور جناب مرزا حاتم علی صاحب کے خطوط کے آنے کو تمہارا اور ان کا آنا سمجھتا ہوں۔ تحریر گویا وہ مکالمہ ہے جو باہم ہوا کرتا ہے۔ پھر تم کہو مکالمہ کیوں موقوف ہے۔ اور اب کیا دیر ہے۔ اور وہاں کیا ہو رہا ہے۔ بھائی صاحب کو کاپی کی تصحیح سے فراغت ہوگئی۔ مرزا صاحب نے جلدیں صحاف کو دیدی ہیں۔ میں اب ان کتابوں کا آنا کیا تک تصور کروں۔ دسہرے میں ایک دو دن کی تعطیل مقرر ہوئی ہوگی۔ کہیں دیوالی کی تعطیل تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ ہاں صاحب تم نے کبھی کچھ حال قمرالدین خان صاحب کا نہ لکھا آگے اس سے تم نے اگست۔ ستمبر میں ان کا آگرے کا آنا لکھا۔ پھر وہ اکتوبر تک کیوں نہ آئے وہاں تو منشی غلام غوث خان صاحب اپنا کام بدستور کرتے ہیں۔ پھر یہ اس دفتر میں کیا کرتے ہیں۔ کہیں کسی اور کام پر معین ہوگئے ہیں۔ اس کا حال جلد لکھو مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ تم نے لکھا تھا۔ کہ منشی غلام غوث خانصاحب کو ایک گاؤں جاگیر میں ملا ہے مولوی قمرالدین خان صاحب اس کے بندوبست کو آیا چاہتے ہیں۔ اس کا ظہور کیوں نہ ہوا۔ ان سب باتوں کا جواب جلد لکھیئے۔ جناب مرزا صاحب کو میرا سلام کہیئے۔ اور یہ پیغام کہیئے کہ کتاب کا حسن کا ذبے

سُنا دل کو دیکھنے سے زیادہ یقین آیا۔ مگر آنکھوں کو رشک ہے کانوں پر اور کان چشمک زنی کرتے ہیں۔ آنکھوں پر یہ ارشاد ہو کہ آنکھوں کا حق آنکھوں کو کب تک ملیگا۔ بھائی صاحب کو بعد از سلام کہئے گا۔ کہ حضرت اپنے مطلب کی تو مجھ کو جلدی نہیں ہے۔ آپ کی تخفیف تصدیع چاہتا ہوں۔ یعنی اگر کاپی کا قصہ تمام ہو جائے تو آپ کو آرام ہو جائے جناب منشی شیونرائن صاحب کی عنایتوں کا شکر میری زبانی ادا کیجئے گا اور یہ کہئے گا کہ آپ کا خط پہنچا چونکہ میرے خط کا جواب تھا۔ اور معہذا کوئی امر جواب طلب نہ تھا۔ اس واسطے اس کا جواب نہ لکھا زیادہ

نگاشتہ و رواں داشتہ صبح شنبہ ۱۲ ، اکتوبر ۱۸۵۷ء   راقم غالب

ایضاً صاحب عجب تماشہ ہے۔ تمہارے کہنے سے منشی شیونرائن صاحب کو خط لکھا۔ سو کل ان کا خط آیا اور انہوں نے دستنبو کی رسید لکھی ہے۔ ڈاک کا ہرکارہ تو ان کے پاس لے گیا ہوگا۔ آخر تمہیں نے بھیجا ہوگا۔ یہ کیا تم نے مجھ کو اس کی رسید اور میرے خط کا جواب نہ لکھا۔ اگر یہ گمان کیا جائے کہ تم نے رائے اُمید سنگھ کی ملاقات ہو لینے پر خط کا لکھنا منحصر رکھا ہے تو وہ بھی ہو چکی ہوگی۔ مجھے تو صورت ایسی نظر آتی ہے کہ گویا تم الگ ہو گئے ہو۔ کتاب مطبع میں حوالے کر دی۔ اب اس کی تزئین و تصحیح سے کچھ غرض نہیں پاس اگر یوں ہے تو میں اس انطباع سے درگذرا۔ سینکڑوں مطالب و مقاصد رہ جائیں گے۔ اور پھر اس وحشت کی وجہ کیا۔ اگر کہا جائے کہ وحشت نہیں ہے تو اس کتاب اور مثنوی کی رسید نہ لکھنے کی وجہ کیا بے تکلف قیاس چاہتا ہے کہ تم مجھ سے خفا ہو گئے ہو۔ خدا کے واسطے خفگی کی وجہ لکھو۔ صبح کو میں نے یہ خط روانہ کیا ہے۔ بدھ کا دن ستمبر کی پہلی تاریخ اگر شام تک تمہارا خط آیا۔ تو خیر ورنہ تمہاری رنجش کا بالکل یقین ہو جائیگا۔ اور بسبب وجہ نہ معلوم ہونے کے جی گھبرائیگا۔ میں تو اپنے نزدیک کوئی سبب ایسا نہیں پاتا۔ خدا کے واسطے خط جلد لکھو۔ اگر خفا ہو تو خفگی کا سبب لکھو۔ جانتا ہوں۔ کہ تم رائے اُمید سنگھ سے بھی نہ ملے ہو گے۔ عیاذاً باللہ میں اس سے شرمندہ رہا۔ کہ میں نے کہا تھا۔ کہ ہاں مرزا تفتہ دستنبو تم کو اچھی طرح پڑھا دیں گے۔ اگرچہ ایسے حال میں کہ تم کو الگ ہونے اور پہلو تہی کرنے کا گمان گذرا ہے کوئی مطلب تم کو لکھنا نہ چاہئے۔ مگر ضرورت کو کیا کروں ناچار لکھتا ہوں۔ صاحب مطبع نے خط کے لفافہ پر لکھا ہے۔ مرزا نوشہ صاحب غالب اللہ غور کرو۔ کہ یہ کتنا بے ڈھب جملہ ہے ڈرتا ہوں کہ کہیں صفحہ اول کتاب پر بھی نہ لکھ دیں۔ آیا فارسی کا دیوان یا اردو یا پنج آہنگ یا مہر نیمروز چھاپے کی یہ کوئی کتاب اس شہر میں نہیں چھپی جو وہ میرا نام لکھ دیتے تم نے بھی ان کو میرا نام نہیں بتایا صرف اپنی نفرت عرف سے وجہ اس واویلا کی نہیں ہے۔ بلکہ سبب یہ ہے۔ کہ دلی کے حکام کو تو عرف معلوم ہے اگر کلکتہ سے ولایت تک یعنی وزراء کے محکمہ میں اور ملکہ عالیہ کے حضور میں کوئی

اس نالائق عرف کو نہیں جانتا۔ پس اگر صاحب مطبع نے مرزا نوشہ صاحب غالب لکھ دیا۔ تو میں غارت ہوگیا۔ کھویا گیا۔ میری محنت رائگاں گئی۔ گویا کتاب کسی اور کی ہوگئی۔ لکھتا ہوں اور پھر سوچتا ہوں کہ دیکھوں تم یہ پیام مطبع میں پہنچا دیتے ہو یا نہیں۔ بارھکا دن ستمبر کی پہلی تاریخ۔ غالب

ایضاً بھائی صاحب ۳۳ کتابیں بھیجی ہوئی برخوردار منشی شیونارائن کی کل جمعہ کے ۱۲ نومبر کو پہنچیں کاغذ اور سیاہی اور خط کا حسن دیکھ کر میں نے از روئے یقین جانا کہ طلائی کام ہے۔ یہ کتابیں طاؤس بہشت بن جائینگی حوریں ان کو دیکھ کر شرمائینگی۔ یہ تو سب درست مگر دیکھئے مجھ کو ان کا دیکھنا کب تک میسر ہو۔ آپ پر گمان تساہل کا گذرے یہ کیونکر ہو۔ ہاں صحاف جلد کے بنانے کی نسبت سے میرے حق کا جلاد نہ بن جاوے یعنی مدت مناسب سے زیادہ دیر نہ لگائے اور ہاں حضرت کچھ ایسی سختگی ارسال کے وقت کر لیجئے گا۔ کہ وہ پارسل آشوب تلف سے محفوظ رہے بہت عزیز اور بہت کام کی چیز ہے مجھ کو وہ ایک ایک جلد اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے یا الٰہی یہ خط راہ میں ہو۔ اور وہ ساتوں کتابوں کا پارسل تیرے حفظ وامان میں مجھ تک پہنچ جائے اور یہ نہ ہو تو بھلا یہ ہو کہ اس خط کا جواب لکھئے۔ اس میں یہ مرقوم ہو کہ آج ہم نے کتابوں کا پارسل روانہ کیا ہے ؎

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش ست   تو بدیں آرزو مرا برسان

مرسلہ شنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف   آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

بندہ پرور پہلے تم کو یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے دوست قدیم میر مکرم حسین صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا اب تک جیتا ہوں اور اس سے زیادہ میرا حال مجھ کو بھی معلوم نہیں۔ مرزا قاسم علی صاحب مہر کی جناب میں میرا سلام کہنا اور یہ میرا شعر میری زبان سے پڑھنا ؎

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب   اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من ست

تمہارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا اور اس کے دو دن یا تین دن کے بعد دوسرا خط پہنچا سنو صاحب جس شخص کو جس شغل کا ذوق ہو۔ اور وہ اس میں بے تکلف عمر بسر کرے اس کا نام عیش ہے۔ تمہاری توجہ مفرط بطرف شعر و سخن۔ تمہاری شرافت نفس اور حسن کی دلیل ہے اور بھائی یہ جو تمہاری سخن گستری ہے۔ اس کی شہرت میں میری بھی تو نام آوری ہے میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرعہ یاد رہ گیا سو گاہ گاہ

جب دل اُلٹنے لگتا ہے تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے ؎

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالبؔ　　　ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں تو یہ مصرعہ پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں۔ ع

اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں۔ جو دکھ مجھ کو ہے اُن کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریز کی قوم میں سے جو ان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس میں کوئی میرا امیدگاہ تھا۔ اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد ہندوستانیوں میں کچھ عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد کچھ معشوق سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے۔ جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کو زیست کیونکر نہ دشوار ہو۔ ہائے اتنے یار مرے کہ جو اب میں مروں گا۔ تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؛

بنام شاہزادہ بشیر الدین صاحب

حضرت پیر و مرشد برحق سلامت تقصیر معاف میں مدعی اور آپ مدعا علیہ بھی اور حاکم بھی وجہ استغاثہ یہ کہ آپ نے مجھے اپنے حلقۂ ارادت سے خارج کر دیا۔ عرایض جواب طلب کا جواب نہیں ایک عنایت نامہ سابق میں۔ آپ زاہل میر و دبیر پر جنگ۔ یہ جملہ مرکبہ لکھا ہوا تھا۔ میں اس کو پڑھ بھی نہ سکا معنی تو علاوہ رہے۔ میں نے عریضہ لکھا۔ اور جملہ کی حقیقت حال کا انکشاف چاہا۔ اب تک جواب نہیں پہنچا۔ جی گھبرا رہا ہے۔ جب تک اس کا جواب نہ پاؤنگا۔ آرام نہ آئیگا۔ برخوردار اقبال نشان میرزا شہاب الدین خان بہادر کی زبانی آپ کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت سنی مگر وہ جو تحریر دستخطی سے تسلی ہوتی ہے۔ وہ کہاں۔ حضرت اب تو خالصاً للہ و للرسول میرا گناہ معاف اور دستخط خاص سے مجھ کو اس جملہ کے معانی لکھ بھیجئے۔ زیادہ حدِ ادب۔ عفو جرم کا طالب غالبؔ

ایضاً

در پرستش سستم و در کامجوئی استوار　　　پادشہ را بندۂ کم خدمت و پُر خواہشم

حضرت پیر و مرشد برحق روز افزونی کاہش اب اس حد کو پہنچی ہے کہ ع

تقسیم جزو ناتجزا ے محال ہے

آگے بادِ زمہریر نے امو خشک کر دیا تھا۔ اب آتش دوزخ نے رہا سہا جلا دیا۔ کل عنایت نامہ آیا آپ جو رقم فرماتے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں بھیجا مجھ کو باوصف استیلائے نسیان خیال میں آتا ہے۔ کہ میں حضرت کے فرمان کا جواب لکھ چکا ہوں۔ ڈاکئے اب ڈاکو ہو گئے ہیں اگر وہ لفافہ ڈاک میں تلف ہو گیا۔ تو کچھ بعید نہیں۔ متوقع ہوں۔ کہ اس کا نہ پہنچنا میری نارسائی بخت کی تاثیر سمجھا چاہیئے۔ میں مجرم نہ ٹھیروں۔ زیادہ حد ادب۔ نجات کا طالب غالب۔ روز دوشنبہ ۱۱ اپریل ۱۸۶۸ء

ایضاً

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آج منگل ۱۶ جون ۱۸۶۷ء ۱۲ بجے عنایت نامہ آیا۔ سرنامہ دیکھ کر سفیدہ صبح مراد سمجھا۔ ننگا ایک چھوٹی سی خس کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ خط پڑھ کر وہ حال طاری ہوا کہ اگر ننگا نہ ہوتا تو گریبان پھاڑ ڈالتا۔ اگر جان عزیز نہ ہوتی تو سر پھوڑتا اور کیونکر اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو چھوا کر بصورت تصویر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ لفافہ انگریزی اقبال نشان شہاب الدین خان سے لکھوا کر بیرنگ ارسال کیا اس فرمان میں اس لفافے کی رسید نہ پائی۔ ظاہراً ڈاک پر ڈاکو گرے۔ اور میرے پیکر بے روح کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ بیتاب ہو کر یہ عبارت حضرت کو بھیجی ہوئی لفافہ میں لپیٹ کر روانہ کی اب جب آپ اور لفافہ بھیجیں گے تو مطالب باقی کا جواب معہ اوراق اشعار بھیجوں گا۔ غالب

بنام سیّد بدرالدّین احمد المعروف بہ فقیر صاحب

حضرت مخدوم مکرّم و معظم جناب فقیر صاحب دامت برکاتہم۔ بعد بندگی عرض کیا جاتا ہے۔ کہ آپکا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ بابو صاحب کے واسطے میرا جی بہت جلا۔ زمانہ ان دنوں میں اُن سے بسر امتحان ہے۔ پروردگار اُن کو سلامت رکھے اور صبر و شکیب عطا کرے علاقہ مساعدت روزگار کی وہ صورت شدائد رنج سفر کی وہ حالت ناسازگاری مزاج کا وہ رنگ۔ ان سب باتوں سے علاوہ یہ نئی بڑی مصیبت ہے کہ جوان داماد مر جاوے۔ اور بیٹی بیوہ ہو جاوے۔ مرگ و زیست کا سررشتہ خدا کے ہاتھ ہے آدمی کیا کرے۔ دل پر مرے جو گذری ہے وہ میرا دل جانتا ہے۔ ہاں بجب ظاہر تعزیت نامہ لکھنا چاہیئے۔ حیران ہوں کہ اگر خط لکھوں۔ تو کس پتہ سے لکھوں۔ ناچار ابھی تامل ہے جب وہ بھرت پور آ جائیں۔ تو آپ اُن کے آنے کی مجھ کو اطلاع دیجیئے گا۔ کچھ لکھ بھیجوں گا۔ نواب علی نقی خان صاحب نے خط جواب میں جو آپ نے مجھ کو لکھا تھا۔ وہ مجھ کو یاد رہے گا۔ جب نواب صاحب

آجائینگے۔ میں ان کو سمجھادوں گا۔ آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی ہاں ہندی غزلیں قلعہ کے مشاعرہ میں دو چار لکھی تھیں۔ سو وہ یا تمہارے دوست حسین مرزا صاحب کے پاس ہونگی یا ضیاء الدین خانصاحب پاس میرے پاس کہاں آدمی کو یہاں اتنا توقف نہیں کہ یہاں سے دیوان منگوا کر نقل اُتروا کر بھیجدوں۔ سید محمد صاحب کو اور اُن کے دونو بھائیوں کو میری دعا پہنچے

اسد اللہ نگاشتہ چارشنبہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ مطابق ۳ جنوری ۱۸۵۵ء

ایضاً۔ مخدوم و مکرم جناب فقیر صاحب کی خدمت عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ بہت دن سے آپ نے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ اور مجھ کو آپ کا حال معلوم نہیں بابو صاحب خدا جانے کہاں ہیں اور کس کام میں ہیں۔ اُن کا بھی کچھ حال مجھ کو معلوم نہیں۔ منشی ہرگوپال تفتہ کی تحریر سے بابو صاحب کا حال اکثر اور تمہاری خیر و عافیت گاہ گاہ دریافت ہو جاتی تھی۔ سو وہ بہت دنوں سے علی گڈھ میں ہیں۔ اگرچہ اُنکے خط آتے رہتے ہیں۔ مگر اُن کو بھی بابو صاحب کا حال معلوم نہیں۔ اور تم سے تو بعد ہی ہے پھر تمہاری خیر و عافیت کیا لکھیں بہرحال مقصود اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ نواب میر علی نقی خانصاحب آپ سے ملینگے یہ بہت عالی خاندان ہیں۔ نواب ذوالفقار خان اور نواب اسد خان کی اولاد میں سے ہیں اور تمہارے ماموں صاحب یعنی نواب محمد میر خان مغفور کے بڑے دوست ہیں۔ اب یہ نوکری کی جستجو کو نکلے ہیں اب اُن کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں نہ کریں اور راج کا حال سب اُن پر ظاہر کریں اور اپنی سرکار سے اُن کو ملوادیں۔ اور بابو صاحب سے جو ان کو ملوائیے۔ تو یہ میرا خط جو آپ کے نام کا ہے جناب بابو صاحب کو پڑھوا دیجئے۔ کیا خوب ہو۔ کہ یہ اس سرکار میں نوکر ہو جائیں اور اگر نوکری کی صورت نہ بنے تو راج سے اُنکی رخصت بآئین شائستہ عمل میں آوے۔ نواب اسد اللہ خان عالمگیر کے وزیر تھے۔ اور فرخ سیر اُن کا بیٹھایا ہوا تھا۔ جب فرخ سیر نے ذوالفقار خان کو مارڈالا۔ تو از روئے کتب تواریخ ظاہر ہے۔ کہ سلطنت کیسی برہم ہوگئی اور خود فرخ سیر پر کیا گذری۔ قصہ کوتاہ اُنکی تقریب میں جو مدارج آپ صرف کریں گے۔ اور جس قدر آپ ان کی بہبودی میں کوشش کریں گے۔ احسان مجھ پر ہوگا۔ زیادہ زیادہ۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ سید صاحب جمیل المناقب عالی خاندان سعادت و اقبال توامان مجھ کو اپنی یاد سے غافل اور سید احمد کی خدمتگزاری سے فارغ نہ سمجھیں۔ پر کیا کروں۔ صورت مقدمہ عجیب و غریب ہے۔ یہ نہیں اور اُن کا بھائی باہم موافق رہینگے تو کوئی صورت نکل آئیگی۔ ضمانت و ناقل سیم و زر روپیہ اشرفی سنتا ہوں کہ کچھ نہیں ہاں جاوا و سو سید کے اظہار سے معلوم ہوا۔ کہ وہ تقسیم نہ ہوگی۔ کرائیہ اس کا تقسیم ہو جائیگا۔ میں رائے کیا دوں۔ اور سمجھاؤں کیا کئی دن ہوئے کہ میں حسین مرزا صاحب کے ہاں گیا تھا۔ وہاں میاں بھی بیٹھا تھا۔ باہم ان دونوں

صاحبوں میں یہی باتیں ہو رہی تھیں وہ بھی میری طرح مانند حیرت زدہ تھے۔ قضائی قدر کو چھوڑو۔ نیرنگ تقدیر کے تماشائی رہو گھاٹا نہیں ٹوٹا نہیں نقد مال کا پتہ نہیں املاک کا کرایہ بٹ رہیگا گھبراتے کیوں ہو یہ دل والوں کی حقفانیت کے حالات ہیں۔ تمہارا بھتیجا یعنی حیدر حسین خاں بچ گیا۔ عارض کی آندھی دفع ہو گئی توقع زیست کی قوی ہے صرف طاقت کا آنا باقی ہے۔ صدمہ بڑا اٹھایا ہے۔ مہینہ بھر میں جیسے تھے ویسے ہی جاوینگے۔ انشاءاللہ العلی العظیم۔ صبح دوشنبہ ۲۵ مئی ۱۸۶۳ء

ایضاً پیرو مرشد آج نواں دن ہے۔ حسین مرزا صاحب الور گئے اگر ہوتے تو اُن سے پوچھتا کہ حضرت میرا دیوان کس مطبع میں طبع ہوا۔ اور حاشیے اُس پر کس نے چڑھائے۔ خدا جانے حسین مرزا نے کیا کہا۔ اور حضرت کیا سمجھا ب یہ حقیقت مجھ سے سُنئے ۱۸۶۲ء یعنی سال گذشتہ میں قاطع برہان چھپی پچاس جلدیں میں نے مول لیں اور یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ آپ دلی آئے ہیں میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ تمہارے کس کام کی ہے۔ تمہیں نہ دی تم مانگتے اور میں نہ دیتا تو گنہگار تھا۔ اب کوئی جلد باقی نہیں ہے۔ رہا دیوان اگر ریختہ کا منتخب کہتے ہو تو وہ اس عرصہ میں دلی اور کانپور دو جگہ چھاپا گیا۔ اور تیسری جگہ آگرہ میں چھپ رہا ہے۔ فارسی کا دیوان بیس پچیس برس کا عرصہ ہوا۔ جب چھپا تھا۔ پھر نہیں چھپا۔ مگر ہاں سال گذشتہ میں منشی نولکشور نے شہاب الدین خاں کو لکھ کر کلیات فارسی جو ضیاءالدین خاں نے غدر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا۔ وہ منگا لیا۔ اور چھاپنا شروع کیا وہ پچاس جزو ہیں یعنی کوئی مصرعہ میرا اس سے خارج نہیں اب سُنا ہے کہ وہ چھپ کر تمام ہو گیا ہے روپیہ کی فکر میں ہوں۔ ہاتھ آجائے۔ تو ے بھیج کر بیس جلدیں منگواؤں۔ جب آجائینگی ایک آپ کو بھی بھیجدونگا۔ نواب محی الدین خانصاحب کا حال سُنکر جی بہت خوش ہوا۔ میری طرف سے سلام و نیاز کے بعد مبارک باد دینا۔

ایضاً حضرت آپکے خط کا جواب لکھنے میں دو دن اس راہ سے ہوئی کہ میں منتظر رہا۔ میاں کے آنے کا جواب وہ مجھ سے مل گئے۔ اور اُن کی زبانی سارا حال سُن لیا۔ تو جواب لکھنے بیٹھا۔ سنو صاحب! ایک منشی محمد تقی ہی تو نہیں۔ یہاں تو سارا دہن ہے۔ محمد تقی ایک اُسکی دو بہنیں تین۔ منشی آغا جان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا چار یہ سات مدعی۔ ایک ان میں سے سید کی بی بی بھی سہی نہ وہ کام ہیں جنکو میں جانتا تھا نہ وہ عملہ ہے جس سے میری ملاقات تھی۔ نہ وہ عدالت کے قواعد ہیں۔ جن کو پچاس برس میں نے دیکھا ہے ایک کونے میں بیٹھا ہوا نیرنگ روزگار کا تماشہ دیکھ رہا ہوں۔ یا حافظ یا حفیظ ورد زبان ہے تمہارے بھائی غلام حسین خان مرحوم کا بیٹا حیدر حسن خان تھا بھی تھا ہے۔ چونکہ آج تیرھواں دن ہے۔ کہ نہ تپ مفارقت کرتی ہے۔ نہ دست بند ہوتے ہیں۔ نہ قے موقوف ہوتی ہے چار پائی کاٹ دی ہے جو اس زائل ہو گئے ہیں۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ کاتم تمام ہے والسلام والاکرام۔ مرقومہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ

عافیت کا طالب غالبؔ ۔

بنام چودھری عبدالغفور المتخلص بہ سرور

جناب چودھری صاحب آپ کا عنایت نامہ اس وقت پہنچا اور یہ وقت صبح کا ہے دن بدھ کا ربیع الثانی کی چوبیسویں اور دسمبر کی پہلی۔ کتاب کے پارسل کی رسید معلوم ہوئی۔ حکیم عبدالرحیم خان کوئی نامی اور نامور نہیں ہیں۔ یہاں کے قاضی زادوں میں سے ایک شخص ہیں۔ طبابت کرنے لگے۔ میرے بھی آشنا ہیں صرف سلام علیک زیادہ ربط نہیں ہے۔ سو اُن کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں۔ آگے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ کہ آپ جو کچھ لکھیں وہ تعلیم چودھری صاحب لکھا جائے۔ حضرت نے نہ مانا۔ اور پھر عبارت بخط خاص لکھی واللہ باللہ نہ مجھ سے نہ اور کسی سے پڑھی گئی۔ ناچار آپ کا خط پھر آپکو بھیجتا ہوں۔ حضرت سے کچھ نہ فرمائیگا۔ مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے مجھ کو بھجوائیے گا۔ ضرور اور جلد۔ شفیق مکرم جناب چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ایضاً - جناب عالی آپ کا تفقدنامہ مرقوم یازدہم شعبان مطابق پنجم مارچ بقید روز دوشنبہ پہنچا پہلے تو ان تاریخوں کے حساب سے تطابق میں الجھا پھر خط کے پہنچنے سے بہت خوش ہوا ڈاک کیا ہے خاک ہے خیر ادھر پوچھا۔ اُدھر جواب لکھا خدا کرے یہ میرا خط جلد پہنچے ورنہ یہ آپ کو خیال ہوگا۔ کہ غالبؔ نے ہمارے خط کا جواب نہ لکھا حقیقت میری مجملاً یہ ہے۔ کہ راہ و رسم مراسلت احکام عالی مقام سے بدستور جاری ہو گئی ہے۔ نواب لفٹنٹ بہادر غرب و شمال کو نسخہ دستنبو ببیل ڈاک بھیجا تھا۔ ان کا خط فارسی شعر تحسین عبارت و قبول صدق ارادت ببیل ڈاک آگیا۔ پھر قصیدہ بہاریہ تہنیت و مدحت میں بھیجا گیا اس کی رسید آگئی وہی خانصاحب بسیار مہربان دوستانہ القاب اور کاغذ افشانی ازاں بعد ایک قصیدہ جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب کی مدح میں بتوسط صاحب کمشنر بہادر دہلی گیا۔ اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بتوسط کمشنر بہادر کل مجھ کو آگیا۔ پنشن ابھی تک مجھ کو نہیں ملی جب ملیگی حضرت کو اطلاع دی جائے گی۔ پیر و مرشد عالم ہیں۔ اور میں جاہل ہوں ان کی تسلیم نہ کرنے کو میں نے تسلیم کیا۔ اور پھر تسلیم بجالایا۔ اے حضرت جناب مخدوم مکرم چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں انہیں الفاظ میں رسم مبارکباد ادا کی گئی تھی۔ نہ عبارت آرائی نہ طبع آزمائی کچھ عجب نہیں کہ وہ خط بھی مئی و جون میں آپ کو پہنچ جائے آپ کا بھی تو مارچ کا خط مجھ کو اب آخر اپریل میں پہنچا ہے جناب شیخ صاحب کیوں مجھ کو محجوب کرتے ہیں۔ اس باب میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ کہ افادہ مشترک ہے قصیدہ و مثنوی بھیج دیئے بلطف

اٹھاؤں گا۔ اور یہ جو کچھ میرے خیال میں آئیگا بے تکلف عرض کرونگا۔ میرا سلام کہیے اور مثنوی اور قصیدہ اُن سے لیکر جلد بھیجئے اپنے عم عالی مقدار کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے۔ اور کہئے کہ حضرت خلاصہ مکتوب سابق ہی الفاظ ہندی تھے شاید کچھ تغیر بالمرادف ہو تو ہو یہ شادی بصد ہزار مسرت آپکو مبارک ہو اور انکی اولاد دیکھنی اور اسی طرح انکی شادی کرنی نصیب ہو فیض علی خانصاحب کو میرا سلام پہنچے۔ میں بھی آپ کی ملاقات کا مشتاق اور آپ کا مداح رہونگا خط کا لفافہ اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ یہ آج پہنچا۔ اور آج ہی میں نے اس کا جواب لکھا کاتب وہی ہے۔ جو لفافہ ملفوفہ کا مکتوب الیہ ہے۔

ایضاً۔ جناب چودہری صاحب آپ کے ملاطفت نامہ کے وورد کی مسرّت اور پارسل کے نہ پہنچنے کی حیرت باعث اس کی ہوئی کہ آپ کو پھر تکلیف دوں۔ اور آپکا خط جواب طلب نہ تھا جواب لکھوں بندہ پرور میں نے پارسل کی رسید لے لی تھی۔ اب آپ کے خط کو پڑھ کر کارپردازان ڈاک کے پاس وہ رسید بھجوائی۔ انہوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدمی سے کہہ دیا۔ کہ سکندرراؤ کی رسید یہ موجود ہے۔ اب پارسل کی جواب دہی وہاں والوں کے ذمہ ہے یہ سُن کر میں نے یہ مناسب جانا کہ وہ رسید آپ کے پاس بھیجدوں آپ سکندرراؤ کے ڈاک خانہ میں بھجوا کر اُن سے پارسل منگوالیں اور اب اس رسید کا میری طرف راجع ہونا کسی صورت میں ضرور نہیں۔

والسّلام۔

ایضاً۔ جناب چودہری صاحب کی یاد آوری اور مہر گستری کا شکر بجالاتا ہوں۔ آپ کا خط مع قصیدہ و مثنوی پہنچا مثنوی کو جداگانہ بطریق پمفلٹ پاکٹ بھیجتا ہوں۔ اور یہ خط جداگانہ ارسال کرتا ہوں۔ لفافہ اُس کا بھی آپ کے نام کا ہے۔ آپ کے خط کا ماجرا دیکھ کو ادھر کا قصد اور پھر اپنے چچا صاحب کے کہنے سے نظر بامتحان پاس عزم کا ملتوی رکھنا معلوم ہوا۔ آپ کے چچا صاحب نے کرامت کی کہ جو آپ کو منع کیا۔ ڈاک کی سواری پر اگر آپ اس شہر میں میرے مکان تک آجاتے۔ تو ممکن تھا۔ مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرر رکھتا ہے۔ اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے زنہار کبھی یہ گمان نہ کیجیے گا۔ کہ دلی کی عملداری میرٹھ اور آگرہ اور بلاد شرقیہ کی مثل ہے یہ پنجاب احاطہ میں شامل ہے۔ نہ قانون نہ آئین جس حاکم کی جو رائے میں آوے وہ ویسا ہی کرے بہرحال ع اے وائے زمحرومی دیدار گرد ہیچ: انشاء اللہ العظیم دو تین مہینے میں یہاں بھی صورت امن وامان کی ہو جائے گی مگر میری آرزو باستیفا اس صورت میں بھی بر نہ آئیں۔ میں یہ تاکے ہوئے ہوں کہ میری اور تمہاری ملاقات اس طرح سے ہو کہ ہم تم ہوں۔ اور حضرت صاحب عالم صاحب ہوں۔ اور باہم حرف وحکایت کریں۔ اگر زمانہ میری خواہش کے موافق نقش قبول کرتا ہے۔ تو میں مارہرہ کو آتا ہوں۔ حضرت پیر ومرشد کا اشتیاق اور اسی جلسہ میں

تمہارے دیدار کا شوق ایسا نہیں کہ مجھ کو آرام سے بیٹھا رہنے دیگا۔ صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہو گئی ہے اُس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گھاؤ پڑے ہونگے۔ تب یہ تراوش خوننابہ ظہور میں آئی ہوگی۔ مزا یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب انہیں کے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اصل کاغذ میری نظر میں نہیں اور حقیقت حال مجھ پر مجہول ہے اس واسطے انجام و آغاز اندازہ و اندازہ کچھ نہیں سمجھا حک و اصلاح کو آپ بنظر اصلاح ملاحظہ فرمائیں میں نے بحسب دستور ہر جگہ بقدر اصلاح لکھ دیا ہے شیخ صاحب سے میرا سلام کہئے گا کہ کیا کروں دور ہوں معذور ہوں۔ مدد نہیں کرسکتا اعانت کے مراسم تقدیم کو نہیں پہنچا سکتا۔ خدا تمہارا نگہبان ہے والسلام۔

ایضاً۔ شفیق مکرم مظہر لطف و کرم جناب چوہدری صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ میرا رنج و تشویش مٹایا میری خدمت مقبول ہوئی خوشی حصول ہوئی میر امداد علی شاہ کو میری دعا کہنا ان کا باپ میرا یار تھا۔ میری طرف سے خاطر جمع کر دیجئے گا۔ اب سبیل اچھی نکل آئی۔ چوہدری صاحب کے ذریعہ سے جو کچھ مجھ کو بھیجنا ہوگا بھجواؤں گا۔ جناب چوہدری صاحب آج کا میرا خط کاسۂ گدائی ہے۔ یعنی تم سے کچھ مانگتا ہوں تفصیل یہ کہ مولوی باقر دہلوی کے مطبع میں سے ایک اخبار ہر مہینے میں چار بار نکلا کرتا ہے مسمی بہ "دہلی اردو اخبار" بعض اشخاص سنین ماضیہ کے اخبار جمع کر رکھا کرتے ہیں اگر احیاناً آپ کے یا کسی آپ کے دوست کے ہاں جمع ہوتے چلے آئے ہوں تو اکتوبر ۱۸۳۷ء سے دو چار مہینے کے آگے کے اوراق دیکھے جائیں جس میں بادشاہ کی تخت نشینی کا ذکر اور میاں ذوق کے دو سکے اُن کے نام کے کہہ کر نذر کرنے کا ذکر مندرج ہو بے تکلف وہ اخبار چھاپہ کا اصل بجنسہ میرے پاس بھیج دیجئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اکتوبر کی ساتویں آٹھویں تاریخ ۱۸۳۷ء میں یہ تخت پر بیٹھے ہیں۔ اور ذوق نے اس مہینے میں یا دو ایک مہینے کے بعد سکے کہہ کر گذرانے ہیں۔ احتیاطاً پانچ چار مہینے تک کے اخبار دیکھ لئے جائیں۔ یہاں تک میری طرف سے ابرام ہے کہ اگر بمثل کسی اور شہر میں کوئی آپ کا دوست جامع ہو۔ اور آپ کو اس پر علم ہو۔ تو وہاں سے منگوا بھیجئے۔ والسلام مع الاکرام ؎

ایضاً۔ شفیق میرے عنایت فرما تمہاری مہربانی کا شکر بجا لاتا ہوں۔ نہایت سعی یہ تھی کہ آپکی طرف سے ظہور میں آئی۔ میں نے کلکتہ میں مہتمم مطبع جام جہاں نما کو لکھ بھیجا ہے۔ اور ترک سعی کیا ہے آپ بھی فکر نہ کیجئے۔ اگر کہیں سے آپ کے پاس آجائے تو مجھ کو بھیج دیجئے میرے پاس آئیگا۔ تو میں تم کو اطلاع دیدوں گا۔ عنایت الٰہی کا کون شخص مشتاق نہ ہوگا اس کی پرستش زاہد میں خدمت گذاری کو حاضر ہوں۔ وہ جب چاہیں اپنا کلام بھیج دیں میرا سلام اور یہ پیام کہہ دیجئے گا۔ صاحب تم نے ہمارے پیر و مرشد کو ہم پہ خفا کر دیا۔ علاوہ خط لکھیں نہ لکھیں کبھی تم کو فرما دیں۔ کہ غالب کو میری دعا لکھ بھیجنا۔ بہرحال میرا سلام نیاز عرض کیجئے اور اُن کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت لکھئے اور یہ لکھئے کہ اگر خدانخواستہ وہ مجھ سے ناخوش ہے تو ناخوشی کی وجہ کیا ہے۔ اپنے چچا صاحب

کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے گا۔ اور مولانا غالب کو سلام شوق کہیے گا۔

ایضاً۔ میرے شفیق دلی چودھری عبدالغفور صاحب کو خدا سلامت رکھے۔ دیکھو میرے حواس کا اب یہ عالم ہے کہ تمہارے نام کی جگہ تمہارے چچا صاحب کا نام لکھ گیا تھا اسی طرح سابق کے خط میں سرنامے پر یہ لکھا ہوگا ؎

بہار بیشۂ جوانی کہ غالبش نامند ۔ کنوں ہمیں کہ بہ خوں میچکد ز ہر نفسش

جو خط کہ آپ کے نسبت کے جواب میں آئے ہیں۔ ان کے بھیجنے کی کیا حاجت تھی۔ آپ کی سعی اور اپنی ناکامی پہلے سے میرے دلنشیں اور خاطر نشان ہے جیسا کہ کوئی استاد کہتا ہے ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ۔ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

وہ اخبار نہ کہیں سے ہاتھ آیا۔ اور نہ آئیگا میں اپنے خدا سے امیدوار ہوں کہ میرا کام بغیر اس کے نکل جائیگا۔ بندہ پرور میرا کلام کیا نظم کیا نثر کیا۔ اردو کیا فارسی کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کا التزام تھا کہ وہ سودات مجھ سے لیکر جمع کر لیا کرتے تھے۔ سو ان کے لاکھوں روپے کے گھر لٹ گئے جس میں ہزاروں روپے کے کتب خانے بھی گئے ان میں وہ مجموعہ ہائے پریشان بھی غارت ہوئے میں خود اس مثنوی کے واسطے خون در جگر ہوں۔ ہائے کیا چیز تھی۔ پارسل میں خط بھیجنے محل اندیشہ ہے۔ خدا نے بچایا چونکہ اب وہ خط آپ کے کچھ کام کے نہ سمجھا از راہ احتیاط پارسل میں سے نکال لئے۔

ایضاً۔ میرے کرمفرما میرے شفیق ؎

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب ۔ اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من است

آپ کے اس خط کا جواب بعد لکھنے اس شعر کے معروض التماس یہ ہے کہ میری طرف سے تحریر جواب خط میں کبھی تقصیر نہ ہوئی ہوگی یقین غالب ہے کہ اکثر ابتدا بہ تحریر نہ ہوئی ہوگی۔ یہ خط چار از روئے اضطرار واپس بھیجتا ہوں۔ واسطے خدا کے میرے پیر و مرشد کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیج دیجئے تاکہ مجھ بدنصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے جناب چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔ استاد نیاز استاد شیخ عطا حسین صاحب کی جناب میں سلام۔

ایضاً۔ میرے شفیق دلی کو میرا سلام پہنچے۔ کل انتخاب کا پارسل پہنچا۔ اور آج خط۔ انشا کا نام بہارستان اور آپ کا تخلص سرور۔ بہارستان مضاف اور سرور مضاف الیہ بہارستان سرور اچھا نام ہے قطعہ کا وعدہ نہیں کرتا کس واسطے کہ اگر بے وعدہ پہنچ جائیگا تو لطف زیادہ دیگا۔ اور نہ پہنچیگا تو محل شکایت نہ ہوگا۔ رفع فتنہ و فساد اور بیداد میں مستم۔ یہاں کوئی طرح آسائش کی نہیں ہے اہل دہلی عموماً بُرے پھنس گئے۔ یہ

دماغ اِن کے جیتن حال سے عموماً مٹ نہیں سکتا۔ میں اموات میں ہوں، مُردہ شعر کیا کہیگا۔ غزل کا ڈھنگ بھول گیا۔ معشوق کس کو قرار دوں جو غزل کی روش ضمیر میں آوے۔ رہا قصیدہ، ممدوح کون ہے۔ ہائے انوری! گویا میری زبان سے کہتا ہے۔ ع

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوارِ مدیح   اے دریغا نیست معشوقے سزاوارِ غزل

گورنمنٹ کے دربار میں ہمیشہ سے میری طرف سے قصیدہ نذر گذرتا ہے۔ اشرفیاں نہیں اور خلعت، ریاست دو رہانی کا سات پارچہ اور تین رقم جیغہ، سرپیچ، مالائے مروارید مجھ کو ملا کرتا ہے۔ اب نواب گورنر جنرل بہادر یہاں آتے ہیں۔ دربار میں بلائے جانے کی توقع نہیں، پھر کس دل سے قصیدہ لکھوں۔ صناعت شعر، جوارح کا کام نہیں، دل چاہیئے، دماغ چاہیئے، ذوق چاہیئے، امنگ چاہیئے۔ یہ سامان کہاں سے لاؤں جو شعر کہوں۔ چونسٹھ برس کی عمر، ولولہ شباب کہاں۔ رعایت فن اور کے اسباب کہاں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ پیر و مرشد سلام نیاز پہنچے۔ کف الخضیب صُوَر جنوبی میں سے ایک صورت ہے۔ اس کے طلوع کا حال مجھ کو کچھ معلوم نہیں۔ اختر شناسانِ ہند کو اس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ عرب کی زبان میں اس کا نام بھی یقین ہے کہ نہ ہوگا۔ قبول دعا وقت طلوع سہیل یمن، شعری ہے جیسے کتان کا، ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا۔ آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا۔ اور قطعات زمرد اس کے محاذی چشم رکھے۔ کچھ اثر نہ ہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے انواع کپڑے منگوائے، چاندنی میں پھیلائے، ایک بھی نہیں پھٹا۔ تحویل آفتاب بہ حمل کے باب میں کوئی بات یہ ہے کہ ۲۲ مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱ کبھی ۲۳ آپڑتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں رہا۔ طالع وقت تحویل درست کرنا بے آلات و فنون و مبلغ علم ممکن نہیں۔ میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں۔ ع

ندانم کہ گیتی چساں مے رود   چہ نیکو چہ بد در جہاں مے رود

میں تو اب روز و شب اسی فکر میں ہوں کہ زندگی تو یوں گذری اب دیکھئے موت کیسی ہو۔ ع

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ   مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

میرا ہی شعر ہے اور میرے ہی حسب حال ہے۔ ... وارث مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھرا۔ پاس کر اب کس سے کہوں، کس کو گواہ لاؤں۔ یہ دونوں سکے ایک وقت میں کہے گئے ہیں یعنی بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو ذوق نے یہ دو سکے کہہ کر گذرانے۔ بادشاہ نے پسند کئے۔ مولوی محمد باقر جو ذوق کے معتقدین میں تھے انہوں نے دلی اردو اخبار میں یہ دونوں سکے چھاپ دیئے۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ موجود ہیں کہ جنہوں نے اس زمانے

ہیں مرشد آباد اور کلکتہ میں یہ سکے سُنے ہیں۔ اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سکے سرکار کے نزدیک ہر گھر کے ہوئے اور گذرانے ہوئے ثابت ہو گئے۔ میں نے ہر چند قلمرو ہند میں دلی اردو اخبار کا پرچہ ڈھونڈھا کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ دستبرد پر رہا، پنشن بھی گئی اور وہ ریاست کا نام و نشان خلعت و دربار بھی مٹا۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا جو کچھ ہوا موافق رضائے الٰہی ہے۔ کیا گلہ

چوں جنبش سپہر بہ فرمان داور است ۔ بیداد نبود آنچہ بما ز آسمان رسد

یہ تحریر بطریق حکایت نہ بسبیل شکایت گویند از ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پرسش رفت کہ چہ حال داری فرمود کدام حال خواہد بود کسے را کہ خدا از وے فرض طلبد و پیمبر سنت و زن مال خواہد و ملک الموت جان۔ قصہ مختصر زیست بامید مرگ ہے۔ قطعہ منطبعہ دیکھا جائے۔ اور بے حیف و بے میل از راہ انصاف دیکھا جائے۔ مرشد زادوں کو سلام مسنون اور دعائے افزونی عمر و دولت پہنچے۔

ایضاً: میرے شفیق آپ کا خط آیا۔ اور اس کے آنے نے تمہاری رنجش کا وسوسہ میرے دل سے مٹایا۔ ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں۔ اگر اس کو منظور کیجئے گا تو خطوط کے نہ پہنچنے کا احتمال اٹھ جائیگا اور رجسٹری کا درد سر جاتا رہیگا۔ آدھ آنہ نہ سہی ایک آنہ سہی آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجئے اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ بیرنگ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں۔ اس قاعدہ کا جیسا کہ میں واضع ہوا ہوں۔ بانی بھی ہوا اور یہ خط بیرنگ بھیجا۔ پنشن جاری ہو گیا۔ تین برس کا چڑھا ہوا روپیہ مل گیا۔ ادائے قرض سے ۵ بچے اب ماہ بماہ روپیہ ملتا ہے مگر یہی تین مہینے ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر ملینگے۔ دسمبر ۱۸۶۰ء سے تنخواہ ششماہی ہو جائیگی۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ چار روپیہ سیکڑا سالانہ عموماً وضع ہوا کریگا۔ اس حساب سے میرے حصہ میں ڈھائی روپیہ مہینہ آیا ۶۲ کے ساٹھ رہیں گے۔ کچھ رامپور سے ماہ بماہ آتا ہے۔ یہ دونوں آمدنیں ملکر خوش و ناخوش گذارا ہو جاتا ہے۔ یہاں شہر ڈھے رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی بازار خاص بازار اور اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر اک بجائے خود ایک قصبہ تھا اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحبان امکنہ اور دکاکین نہیں بتلا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا۔ اور دکان کہاں تھی۔ برسات بھر مینہ نہیں برسا آب تیشہ اور کلند کی طغیانی سے مکانات گر گئے۔ غلہ گراں ہے موت ارزاں ہے۔ میوہ کے مول اناج بکتا ہے۔ ماش کی دال ۸ سیر۔ باجرا ۱۶ سیر۔ گیہوں ۱۲ سیر۔ چنے ۱۶ سیر۔ گھی ۱ سیر۔ ترکاری مہنگی۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ کنوار کا مہینہ جسے جاڑے کا دوار کہتے ہیں۔ پانی گرم۔ دھوپ تیز۔ لو چلتی ہے جیٹھ اساڑھ کی سی گرمی پڑتی ہے۔ حضرت پیر و مرشد جناب صاحب عالم کی خدمت میں دوستانہ سلام اور مریدانہ بندگی بہ اخلاص تمام عرض کرتا ہوں۔ حضرت کو کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے میں نے مرشد زادہ کے خط میں کب اپنا عزم لکھا یا کسی

آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روزِ روانگی کے تقرر سے اطلاع چاہتے ہیں۔ ہاں آپ کی قدمبوسی کی تمنا اور انوارالدولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ ہے۔ اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لے جاؤں گا۔ تنخواہ کے اجرا کا حال اور مستقبل میں اُس کے وصول کی صورت اُن سطروں سے جو آغاز مکتوب چودھری عبدالغفور صاحب کی خدمت میں لکھی گئی ہیں معہ روداد شہر معلوم کر لیجئے گا۔ لالہ گوبند پرشاد صاحب ہنوز میرے پاس نہیں آئے ہیں۔ دنیادار نہیں فقیر خاکسار ہوں تو اضع میری خُو ہے۔ انجاح مقاصد خلق میں حتی الوسع کمی کروں تو ایمان نصیب نہ ہو۔ انشاء اللہ العزیز وہ فقیر سے راضی و خوشنود رہیں گے۔ جناب مستطاب حضرت محمد امیر صاحب کی خدمت میں بعد سلام نیاز یہ گذارش ہے کہ میرے پاس حضرت کا سلام پیام سوائے آپ کی بارے کے کبھی نہیں پہنچا اب ان سطور کو اپنا ذریعہ افتخار سمجھا۔ اور نوید مقدم مبارک سے بہت خوش ہوا یہ جو خانہ کوچی و گریز پائی اور بے اطمینانی کا آپ کو مجھ پر گمان ہے اور اس کا رنج ہے یہ خلاف واقع کسی نے آپ سے کہا ہے میں معہ زن و فرزند ہر وقت اُسی شہر میں قلزم خون کا شناور رہا ہوں۔ دروازہ سے باہر قدم نہیں رکھا نہ پکڑا گیا۔ نہ نکالا گیا نہ قید ہوا نہ مارا گیا کیا عرض کروں کہ میرے خدا نے مجھ پر کیسی عنایت کی اور کیا نفس مطمئنہ بخشا جان و مال و آبرو میں کسی طرح کا فرق نہیں۔ تنخواہ جس کو حضرت نے یومیہ لقب دیا ہے اس کا حال اوپر کی تحریر سے دریافت ہو گا۔ فقیر کو اپنا دوست اور معتقد اور مشتاق تصور فرماتے رہیگا۔ مرشد زادہ مرتضوی دودمان سیّد عالم و دعا۔ ڈپٹی صاحب سے ملاقات کثرت سے نہیں ہے۔ ان کو کثرت اشغال سے فرصت نہیں۔ مجھ کو افراط ضعف سے طاقت نہیں اگر بحسب اتفاق کہیں ملاقات ہو گئی تو آپ کا سلام کہہ دونگا۔ آپ اپنے اخوان عالی شان کو میرا سلام پہنچا دیجئے گا۔ ع

بندۂ شاہِ شمائیم و ثناخوانِ شما

ایضاً۔ میرے شفیق چودھری عبدالغفور صاحب اپنے خط اور قصیدہ بھیجنے کا مجھ کو شکر گذار اور قصیدہ سابق کی اب تک اصلاح نہ پانے سے شرمسار تصور فرمائیں۔ اور ان دونوں قصیدوں کے باہم پہنچنے کا انتظار کریں ؎

نوید وصل دہم مے دہد ستارہ شناس
نکردہ ژرف نگاہے مگر در اختر من

تحقیق کہ اب روئے سخن جناب فیض نصاب جامع مدارج جمیع الجمع بزم وحدت کے فروزندہ شمع مستغرق مشاہدۂ شاہد ذات حضرت صاحب عالم صاحب قدسی صفات کی طرف ہے۔ اور یہ شعر افتتاح کلام ہے۔ پہلے کچھ

باتیں کہ بادی النظر میں خارج از بحث معلوم ہونگی لکھی جاتی ہیں۔ میں پانچ برس کا تھا۔ کہ میرا باپ مرا تو برس کا تھا
کہ چچا مرا۔ اس کی جاگیر کے عوض میری اور میرے شرکائے حقیقی کے واسطے شامل جاگیر نواب احمد بخش خان دس ہزار
روپیہ سال مقرر ہوئے انہوں نے نہ دیئے۔ مگر تین ہزار روپیہ سال میں نے سرکار انگریزی میں یہ غبن ظاہر
کیا۔ کولبرک صاحب بہادر رزیڈنٹ دہلی اور استرلنگ صاحب بہادر سیکرٹری گورنمنٹ کلکتہ متفق
ہوئے میرا حق دلانے پر رزیڈنٹ معزول ہو گئے۔ سیکرٹری گورنمنٹ بمرگ ناگاہ مر گئے۔ بعد ایک زمانے کے
بادشاہ دہلی نے پچاس روپیہ مہینہ مقرر کیا۔ ان کے ولیعہد نے چارسو روپیہ سال۔ ولیعہد اس تقرر کے دو برس
بعد مر گئے۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی سرکار سے بہ صلۂ مدح گستری پانسو روپے سال مقرر ہوئے
وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جیئے۔ یعنی اگر اب تک جیتے ہیں۔ مگر سلطنت جاتی رہی۔ اور شاہی سلطنت دہلی بھی ہوئی دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی سات برس مجھ کو روٹی دیکر
بگڑی۔ ایسے طالع مربی کش اور محسن سوز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اب میں جو والئے دکن کی طرف رجوع کروں۔ یاد
رہے۔ کہ متوسط یا مر جائیگا یا معزول ہو جائیگا اور اگر یہ دونوں امر واقعہ نہ ہوئے۔ تو کوشش اس کی ضایع
ہو جائیگی۔ اور والی شہر مجھ کو کچھ نہ دیگا۔ اور احیاناً اس نے سلوک کیا۔ تو ریاست خاک میں مل جائیگی۔ اور
ملک میں گدھے کے ہل پھر جائیں گے۔ اے خداوند بندہ پرور یہ سب باتیں وقوعی اور واقعی ہیں۔ اگر ان سے
قطع نظر کرکے قصیدہ کا قصد کروں۔ قصد تو کر سکتا ہوں۔ تمام کون کریگا۔ سوائے ایک ملکہ کے کہ وہ بچپن پچپن
برس کی مشق کا نتیجہ ہے۔ کوئی قوت باقی نہیں رہی۔ کبھی جو سابق کی اپنی نظم و نثر دیکھتا ہوں۔ تو یہ جانتا
ہوں۔ کہ یہ تحریر میری ہے۔ مگر بجا حیران بہت ہوں۔ کہ میں نے یہ نثر کیونکر لکھی تھی۔ اور کیونکر یہ شعر کہے تھے عبد القادر
بیدل کا یہ مصرعہ گویا میری زبان سے ہے۔ ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

پایان عمر ہے دل و دماغ جواب دے چکے ہیں۔ سو روپیہ رامپور کے ساٹھ روپے پنشن کے روٹی کھانے
کو بہت ہیں۔ گرانی اور ارزانی امور عامہ میں سے ہے۔ دنیا کے کام خوش و ناخوش چلے جاتے ہیں۔ قافلے
کے قافلے آمادۂ رحیل ہیں۔ دیکھو منشی نبی بخش مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے ماہ گذشتہ میں گذر گئے۔ مجھ میں قصیدے
کے لکھنے کی قوت کہاں اگر ارادہ کروں۔ تو فرصت کہاں قصیدہ لکھوں آپ کے پاس بھیجوں آپ کن
کو بھیجیں۔ متوسط کب پیش کرنے کا موقع پائے پیش کئے پر کیا پیش آئے ان مراحل کے طے ہونے تک
میں کیونکر جیوں گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لا الہ الا اللہ و لا معبود الا اللہ و لا موجود الا اللہ کان
اللہ و لم یکن شئی و اللہ الان کما کان۔

ایضاً: جناب چوہدری صاحب کو سلام پہنچے۔ آپ نے اپنے مزاج کی ناسازی کا حال کچھ نہ لکھا۔ اگر بیرو

مرشد بھی نہ لکھتے تو میں کیونکر اطلاع پاتا۔ اور اگر اطلاع نہ پاتا۔ تو حصولِ صحت کی دعا کیونکر مانگتا۔ کل سے وقتِ خاص میں یہی دعا مانگ رہا ہوں۔ یقین ہے کہ پہلے تم تندرست ہو جاؤ گے اور اس بعد یہ خط پاؤ گے اکثر احباب اطراف و جوانب سے ماہِ نیم ماہ دیکھنے کو مانگ بھیجتے ہیں۔ اور میں یہی کہتا ہوں۔ کہ جب نیمروز کی عبارت کو نہیں سمجھے۔ تو ماہِ نیم ماہ کو کیا سمجھیں گے۔ صاحب مہرِ نیمروز کے دیباچہ میں میں نے لکھ دیا ہے۔ کہ اس کتاب کا نام پرتوستان ہے۔ اور اس کے دو مجلد ہیں۔ پہلی جلد میں ابتدائے خلقتِ عالم سے ہمایوں کی سلطنت کا ذکر دوسرے حصے میں اکبر سے بادشاہِ حال کی سلطنت کا بیان پہلے حصہ کا نام مہرِ نیمروز۔ دوسرے حصہ کا اسم ماہِ نیم ماہ۔ بارے پہلا حصہ تمام ہوا چھاپا گیا۔ یا یہ بھی ایک قصہ تھا۔ جلال الدین اکبر کے حالات لکھنے نہ پایا تھا کہ امیر تیمور تک کا نام و نشان مٹ گیا۔ آن دفتر را گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد قصاب در راہ مرد۔ جو کتاب میں نے لکھی ہی نہ ہو وہ بھیجوں کہاں سے۔ پیر و مرشد کو میری بندگی اور صاحبزادوں کو دعا۔ خداوند مجھے مارہرہ بلاتے ہیں۔ اور میرا قصہ مجھ یاد دلاتے ہیں۔ ان دنوں میں کہ دل بھی تھا۔ اور طاقت بھی تھی۔ شیخ محسن الدین مرحوم سے بطریق تمنا کہا گیا تھا۔ کہ جی یوں چاہتا ہے۔ کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لاؤں۔ طاقت کہاں سے پاؤں۔ نہ آموں کی طرف وہ رغبت نہ معدہ میں اتنی آموں کی گنجائش نہار منہ میں آم نہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھاتا ہی نہیں جو کہوں بین الطعامین۔ ہاں آخر روز بعد ہضمِ معدہ آم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں۔ اتنے آم کھاتا تھا۔ پیٹ بھر جاتا تھا۔ اور دم پیٹ میں نہ سماتا تھا۔ اب بھی اسی وقت کھاتا ہوں۔ مگر دس بارہ اگر پیوندی آم بڑے ہوئے تو پانچ سات

۵

دریغا کہ عہدِ جوانی گذشت
جوانی مگو زندگانی گذشت

اب اس کے واسطے کیا صبر کروں۔ مگر حضرت کا دیکھنا اس کے واسطے متحملِ رنجِ سفر ہوں تو جاڑے میں نہ برسات میں۔ ع

اے وائے ز محرومیٔ دیدار دگر ہیچ ؛

ایضاً۔ بندہ پرور بہت دن ہوئے پرسوں آپ کا خط آیا۔ سرنامہ پر دستخط اوروں کے اور تمام آپ کا پایا۔ دستخط دیکھ کر مغموم ہوا۔ خط کے پڑھنے سے معلوم ہوا۔ کہ تمہارے دشمن بعارضۂ تپ و لرزہ رنجور ہیں۔ اللہ اللہ ضعف کی یہ شدت کہ خط کے لکھنے سے معذور ہیں۔ خدا وہ دن دکھلائے

کہ تمہارا خط تمہارا دستخطی آئے۔ سرنامہ دیکھ کر دل کو فرحت ہو۔ خط پڑھ کر دونی مسرت ہو۔ جب تک ایسا خط نہ آئے گا۔ دل سودا زدہ آرام پائیگا۔ قاصد ڈاک کی راہ دیکھتا رہونگا۔ جناب ایزدی میں سرگرم دعا رہونگا۔ آپ کے عم عالی عالی مقدار اور بزرگ آموزگار کو میرا سلام مع صنوف اشتیاق والوف احترام جناب چودہری صاحب آؤ۔ ہم تم حضرت عالم کے پاس چلیں اور اپنی آنکھیں اُن کے کفِ پائے مبارک سے ملیں میں سلام کرونگا تو معروف ہوناکہ غالب یہی ہے۔ اہل دہلی میں آپ کے دیدار کا طالب یہی ہے میں نے عزم قدمبوسی کیا پیر و مرشد نے مجھے گلے لگایا فرماتے ہیں۔ کہ غالب تو اچھا ہے۔ عرض کرتا ہوں۔ کہ الحمد للہ حضرت کا مزاج مقدس کیسا ہے۔ ارشاد ہوا کہ مولوی سیّد برکات حسن تیری بہت تعریف کرتے ہیں۔ جناب یہ اُن کی خوبیاں ہیں میں ایسا نہیں ہوں۔ جیسا وہ کہتے ہیں۔ کاش وہ میری رنجوری کا حال کہتے ضعف قویٰ اور اضمحلال کہتے تاکہ میں اُن کے کلام کی تصدیق کرتا۔ ان کی غمخواری اور دردمند نوازی کا دم بھرتا ؎

درکشاکش ضعفم نگسلد روان از تن

اینکہ من نمی میرم ہم زنا توانیہاست

حضرت نے میری گرفتاری کا نیا رنگ نکالا۔ بوستان خیال کے دیکھنے کا دانہ ڈالا۔ مجھ میں اتنی طاقت پرواز کہاں کہ بلا سے اگر پھنس جاؤں دام پہ گر کے دانہ زمین پر سے اُٹھاؤں حضرت سچ تو یوں ہے کہ غم ہائے روزگار نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ سانس نہیں لے سکتا اتنا تنگ کر دیا ہے۔ ہر بات سو طرح سے خیال میں آئی پہ دل نے کبھی کسی طرح تسلی نہ پائی۔ اب دو باتیں سوچا ہوں ایک تو یہ کہ جبتک جیتا ہوں یوں ہی رویا کروں گا۔ دوسری یہ کہ آخر ایک نہ ایک دن مرونگا۔ یہ صغریٰ و کبریٰ دلنشین ہے۔ نتیجہ اس کا تسکین ہے ہیہات ؎

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

اے حضرت شاہ عالم صاحب میرا سلام لیجئے کاغذ باقی نہیں رہا۔ اپنے سب بھائیوں کو مع میر وزیر علی صاحب میرا سلام کہہ دیجیئے گا۔

ایضاً: جناب چودھری صاحب سیاہی پھیکی۔ کاغذ پتلا۔ پیر و مرشد کی عبارت ایک طرف آپکی تحریر بھی مغشوش ہوگئی۔ بہرہ ہو گیا ہوں۔ مگر حضرت بصر ہنوز باقی ہے تمہاری عبارت کا جو لفظ پڑھ لیا۔ قرینہ سے اُس کا محاورہ بھی معلوم ہوگیا حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت توام شاہ عالم کے اگر پڑھا گیا ہو تو پیارے پھوپھیں ایمان نصیب نہ ہو۔ وہ خط بدستور آپ کے پاس واپس بھیجتا ہوں اور دلی سفید کاغذ پر حرف بحرف اس کی نقل کرکے پھر مجھے بھیجدیجئے۔ تاکہ اس کے جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں لیکن

بہت جلد آپ کی نگارش سے اتنا دریافت ہوگیا۔ کہ اب آپ اچھے ہیں۔ الحمد للہ ۔

ایضاً بندہ پرور پرسوں تمہارا خط آیا۔ آج جواب لکھ رکھتا ہوں۔ کل ڈاک میں بھجوا دونگا میرا حال کیوں پوچھو اپنے کو دیکھو جو تمہارا ڈھنگ ہے وہی میرا ڈھنگ ہے۔ شور وادام مرض خاص ہا ور رنج عام۔ یہ ایک اجمال۔ دوسرا اجمال سنو کہ مہینہ بھر سے صاحب فراش ہوں۔ صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا۔ رہتا ہوں محل سرائے اگرچہ دیوان خانہ کے بہت قریب ہے۔ پر کیا امکان جو جا سکوں صبح کو ۹ بجے کھانا یہیں آجاتا ہے پلنگ پر سے کھسل پڑا ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا پھر ہاتھ دھوئے کلی کی پلنگ پر جا پڑا پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے اُٹھا اور حاجتی میں پیشاب کیا۔ اور پڑ رہا۔ مدتوں سے یہ مرض ہے کہ پیش جلد جلد آتا ہے۔ اُس صاحب فراش ہونے کو دیکھو اور دم بدم تقاضائے بول کو دیکھو پاخانے اگرچہ دن رات میں ایک دفعہ جاتا ہوں۔ مگر صحت کو تصور کرو ایک پھوڑا داہنے پنجے میں جس کو ساعد کہتے ہیں۔ دو پھوڑے بائیں پنجے میں یہ سہل ہیں بائیں پاؤں میں کفِ پا و پشت پا سے لیکر آدھی پنڈلی تک ورم اور ورم بھی سخت لداوعات و عالالات سے کچھ نہ ہوا۔ اب تجویز ہے۔ کہ نیب کا بھرتہ باندھیئے جب پکے پھوٹے تب مرہم لگائیے کہو کفِ پا میں جراحت کا عمل ہوا تو قیاس کا کہاں ٹھکانا یہ حال جیسا کہ میں اُوپر لکھ آیا ہوں۔ مجمل و جزوی ہے میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد حضرت صاحب عالم مجھ سے آزردہ ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا۔ اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں۔ حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل اور واقف سے لے کر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔ اور رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ ان حضرات کا کلام تھوڑی تھوڑی تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے فغانی اور ایک شیوہ خاص کا مبدع ہوا۔ خیال ہائے نازک و معانی بلند لایا۔ اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی۔ اس ہوش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چربا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہیں۔ اودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں۔ قانی اس کے اقران۔ ظہوری۔ اس کے امثال صائب اس کے نظائر خالصاً للہ ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے بے شبہ فرمائیے گا کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو ہم نے جانا۔ کہ ان کی طرز جد تھی۔ سے کیا کہتا ہے۔ اچھی طرز ہے۔ مگر فارسی نہیں ہے ہندی ہے دار الضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے۔ ٹکسال سے باہر ہے واہ واہ

انصاف انصاف سے

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار — ز یک جام اند در بزمِ سخن مست
ولے با بادہ بعضے حریفاں — خمارِ چشمِ ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعارِ ایں قوم — ورائے شاعری چیزے دگر ہست

وہ چیزِ دگر پارسیوں کے حصے میں آئی ہے ہاں اردو زبان میں اہلِ ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی علیہ الرحمۃ سے

بدنام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو
رکھیگا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

سے دکھلایئے لیجا کے تجھے مصر کا بازار — خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنسِ گراں کا
قائم سے قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں — ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں...
مومن خاں سے تم میرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ تیر و نشتر ہیں۔ مگر ان کا کوئی شعر اسوقت یاد نہیں آتا۔ یاد کیا آوے لیٹا ہوا ہوں۔ دمبدم پاؤں کے ورم کی ٹیس ہوش اُڑائے دیتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ ایک عبارت لکھتا ہوں۔ چونکہ لفافہ جناب چوہدری عبد الغفور صاحب کے نام کا ہوگا۔ پہلے وہ پڑھیں۔ پھر میرے پیر و مرشد کی نظر سے گذرانیں پھر مرشد زادہ شاہ عالم صاحب کو دکھائیں برس دن سے فسادِ خون کے عوارض میں مبتلا ہوں۔ پھوڑوں اور ورم میں لد رہا ہوں۔ برس دن میں اوجاع سہتے سہتے روح تحلیل ہو گئی نشست و برخاست کی طاقت نہ رہی اور پھوڑے تو خیر مگر دونوں پنڈلیوں میں ہڈیوں کے قریب دو پھوڑے ہیں۔ کھڑا ہوا اور ہڈیاں چرانے لگیں اور رگیں پھٹنے لگیں۔ بائیں پاؤں پر کفِ پا سے جہاں وہ پھوڑا ہے۔ پنڈلی پر ورم ہے۔ رات دن پڑا رہتا ہوں۔ پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے کھسل پڑا۔ بعد رفع حاجت پھر لیٹ رہا اسی صورت سے روٹی کھاتا ہوں۔ اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف خطوط ضروری لیٹے لیٹے لکھتا ہوں دو خط چوہدری صاحب کے آئے۔ اور ایک خط شاہ عالم صاحب کا اور دو خط حضرت صاحب کے آئے۔ جواب نہ لکھ سکا۔ آج اپنے کو طعنے دیکر مردہ بنایا۔ جب یہ عبارت لکھی۔ چوہدری صاحب کو سلام شاہ عالم صاحب کو بندگی غ

بنام میر سرفراز حسین صاحب

میری جان کے چین مجتہد العصر میر سرفراز حسین تم کو اور تمہارے بھائی اور تمہارے دوست کو دعا اور پھر یہ بیان کہ غدر سے پہلے میں دربار میں خلعت پاتا تھا۔ بعد غدر دربار اور خلعت اور ملاقات سکرٹروں کی یہ سب موقوف۔ اب جو لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب آئے تو انھوں نے خود مجھے بلا بھیجا۔ اور خلعت دیا اور فرمایا کہ یہ ہم اپنی طرف سے از راہِ محبت دیتے ہیں۔ اور یہ نوید علاوہ کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں کا بھی دربار اور خلعت کھل گیا۔ انبالے جاؤ گے تو پاؤ گے۔ میں انبالے نہ جا سکا۔ بالفعل نائب گورنر کے خلعت پر قناعت کی۔ اس خلعت کو بشرط حیات اور وقت پر موقوف رکھا۔ ہملٹن صاحب الور میں آگئے۔ راجہ صاحب دربار روز کرتے ہیں۔ اہل اغراض کی عرائض جو حضور میں گذرتے ہیں۔ وہ حضور کے پنچوں کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ خریطہ یعنی حکم تحریری اختیار لیجانے کا ابھی نہیں آیا۔ یقین ہے کہ لارڈ صاحب بعد اختتام سفر جب شملہ پہنچیں گے تو خریطہ جاری ہوگا۔ آج جمعہ ساتویں شوال کی اور ستائیسویں مارچ کی ہے۔ چار گھڑی دن چڑھلے میں یہ خط لکھ کر بھیجتا ہوں۔ تم بھی پڑھو اور میر مہدی کو بھی پڑھا دو۔ اب شاید تھوڑے دنوں تک میں خط نہ لکھ سکوں تفصیل اس کی یہ کہ رجب کے مہینے میں سیدھے پر ایک پھنسی ہوئی پھنسی پھوڑا ہوگئی پھوڑا پھوٹ کر زخم بنا زخم بگڑ کر غار ہو گیا۔ اب بقدر کف دست وہ گوشت مُردار ہو گیا انبالے نہ جانیکی بھی یہی وجہ ہوئی دو دفعہ سے انگریزی علاج ہوتا ہے۔ کالا ڈاکٹر روز آتا ہے۔ آج اس نے ارادہ اُس مُردار گوشت کے کاٹنے کا کیا ہے اب وہ آتا ہوگا۔ میں جلد جلد یہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ تاکہ پھر ہاتھ کے پرزے اُڑاؤں۔ نجات کا طالب غالب ۵

ایضاً نورِ چشم راحتِ جان میر سرفراز حسین جیتے رہو۔ تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو یوسف کے پیرہن نے یعقوب کے ساتھ کیا تھا۔ میاں یہ ہم تم بوڑھے ہیں۔ یا جوان ہیں توانا ہیں۔ یا ناتواں ہیں۔ بڑے بیش قیمت ہیں۔ یعنی بہر حال غنیمت ہیں۔ کوئی جلا بھنا کہتا ہے۔ ؎

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ　　یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالاخانہ ہے۔ اور وہی میں ہوں۔ سیڑھیوں پر نظر ہے۔ کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے وہ یوسف میرزا آئے وہ میرن آئے۔ وہ یوسف علی خاں آئے۔ مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنتا نہیں۔ اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتم دار ہوا میں مرونگا۔ تو مجھ کو کون روئیگا۔ سنو غالب رونا پیٹنا کیا کچھ اختلاط کی باتیں کرو۔ کہو میر سرفراز حسین سے کہ یہ خط میر مہدی کو پڑھوا دو۔ اور میرن صاحب کو بلاؤ کل شام کو یا پرسوں شام کو میر اشرف علی صاحب میرے

پاس آئے تھے۔ کہتے تھے۔ کہ کل یا پرسوں پانی پت کو جاؤنگا۔ میں نے اُن کی زبانی کچھ پیام میرن صاحب کو بھیجا ہے۔ اگر بھول نہ جائینگے۔ پہنچا ئینگے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے۔ کہ صاحب ابن نہیں ہے نہ ہو۔ غلام اشرف نہیں ہے نہ ہو۔ اگر منظور کیجئے تو میں صوفی ہوں۔ ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں۔ بموجب مصرعہ کہ ع دل بدست آور کہ حج اکبر است تم سے کب انکار کرتا ہوں۔ اگر مرزا گوہر کی جگہ مانو تو خوش۔ اگر غلام اشرف جانو تو راضی۔ رات کو اپنے گھر میں باتیں بناؤ دن کو مجھ سے جی بہلاؤ۔ قصہ مختصر آؤ۔ اور جلد آؤ۔ سیّد انور کا جو حال لکھتے ہو وہ سچ ہے راجپوت ایسا ہی کچھ کرتے ہیں۔ مگر مہاراجہ مسلمانوں کا دم بھرتے ہیں۔ کچھ دن جاتے ہیں۔ کہ یہ لوگ پھر وہاں آتے ہیں۔ کیا جمع برہم ہُوا ہے مجھ کو کیسا غم ہُوا ہے۔ تم اس جرگے سے جُدا ہو۔ تم کو اندیشہ کیا ہے۔ میر قربان علی صاحب جیسا لکھیں ویسا کرو۔ میر مہدی صاحب سارا خط پڑھ کر کہیں گے۔ مجھ کو دعا بھی نہ لکھی۔ بھائی میری دعا پہنچے۔ میر نصیر الدین ایک دن میرے ہاں آئے تھے۔ ایسا نہیں جانتا یہاں ہیں یا وہاں ہوں تو دعا کہنا میرن صاحب کے نام تو اتنا کچھ پیام ہے دُعا سلام کی حاجت کیا دیکھو۔ ہم اپنا نام نہیں لکھتے بھلا دیکھیں۔ تو ہی تم جان جاتے ہو کہ یہ خط کس کا ہے۔

بنام مہدی حُسین صاحب مجرُوح

بھائی تم سچ کہتے ہو۔ ع بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد۔ لیکن مجھے افسوس اُس بات کا ہے۔ کہ یہ زیر باری میری تحریر کے بھروسے پر ہوئی اور خلاف میری مرضی کے ہوئی۔ جس طرح یہ آئے ہیں۔ اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے۔ لیکن واللہ میرے عقیدہ اور تصور اور قیاس کے مطابق ہے۔ یعنی میں بھی سمجھا تھا کہ البتہ یوں ہی ہوگا۔ دیوان اردو چھپ چکا ہے۔ لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا۔ اُس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حُسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلی پر اور اُس کے بانی پر اور اس کے چھاپے پر لعنت۔ صاحب دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے۔ ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں۔ کاپی نگار اور تھا۔ متوسط جو کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا۔ وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکے حق التصنیف ایک ایک مجھ کو ملا تو ر کرتا ہوں۔ تو وہ الفاظ جو کٹے ہیں یعنی کاپی نگار نے نہ بنائے۔ ناچار غلط نامہ لکھا۔ وہ چھپا یہ حال خوش و ناخوش کئی جلدیں مول لونگا۔ اگر خدا چاہے۔ تو اسی ہفتہ میں تین مجلّد اصحاب ثلاثہ کے پاس پہنچ جائیں۔ نہ میں خوش ہُوا نہ تم خوش ہوگے۔ اور جو یہ لکھتے ہو۔ کہ یہاں خریدار ہیں۔ قیمت لکھو۔ میں دلال نہیں۔ سوداگر نہیں۔ مہتمم مطبع نہیں۔ مطبع احمدی کے مالک محمد حسین خاں مہتمم مرزا امیر علی۔ مطبع شاہدرہ میں محمد حسین خاں علی

شہر لائے مان کے کوچہ میں مصوّروں کی حویلی کے پاس قیمت کتاب چھ آنے محصول ڈاک خریدار کے ذمے طالبانِ کتاب کو اطلاع دو۔ دو چار دس پانچ جلدیں جس کو منگانی ہوں۔ محمد حسین خان کے نام پر دلی رائے مان کے کوچے مصوّروں کی حویلی کا پتہ لکھ کر خط ڈاک میں بھجوا دو۔ کتاب ڈاک میں پہنچ جائیگی قیمت چاہو نقد چاہو ٹکٹ ارسال کرو۔ مجھ کو اور تم کو کیا جو کہے اس کو یہ جواب دے دو۔ وبا تھی کہاں جو میں لکھوں کہ اب کم ہے یا زیادہ ایک چھیاسٹھ برس کا مرد۔ ایک چونسٹھ برس کی عورت ان دونوں میں سے ایک بھی مرتا۔ تو ہم جانتے کہ ہاں وبا آئی تھی۔ تُف بریں وبا پنجشنبہ ۸ر ماہ اگست کے جھیجے کا حال کچھ معلوم نہیں۔ کل شام کو دو دو مونڈھے رکھ کر کئی آدمی دیکھا کئے ہلال نظر نہیں آیا۔ نجات کا طالب غالبؔ ۔

ایضاً۔ بھائی نہ کاغذ ہے نہ ٹکٹ ہے اگلے لفافوں میں سے ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہے۔ کتاب میں سے یہ کاغذ پھاڑ کر تم کو خط لکھتا ہوں۔ اور بیرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں۔ غمگین نہ ہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سے پہنچ گئی ہے۔ آج کاغذ و ٹکٹ منگا لونگا سہ شنبہ ۸ر نومبر صبح کا وقت ہے۔ جسکو عوام بڑی فجر کہتے ہیں۔ پرسوں تمہارا خط آیا تھا۔ آج جی چاہا۔ کہ ابھی تم کو خط لکھوں۔ اس واسطے یہ چند سطریں لکھیں برخوردار امیر نصیر الدین پر ان کی بیٹی کا قدم مبارک ہو نام تاریخی تو مجھ سے ڈھونڈا نہ جائیگا ہاں عظیم النسا بیگم نام اچھا ہے۔ کہ اس میں ایک رعایت ہے۔ شاہ محمد عظیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی مجتہد العصر کو میری دعا کہنا۔ تم کو کیا ہوا ہے۔ کہ تم اُن کو اپنا چھوٹا بھائی جان کر مجتہد العصر نہیں لکھا کرتے یہ بے ادبی اچھی نہیں میرن صاحب کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔ شہر کا حال میں کیا جانوں کیا ہے پول ڈیوٹی کوئی چیز ہے۔ وہ جاری ہو گئی ہے۔ سوائے اناج اور اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلیگا دکانیں حویلیاں ڈھائی جاوینگی۔ دار البقا فنا ہو جائیگی۔ رہے نام اللہ کا۔ خان چند کا کوچہ شاہ بولا کی بڑھ تک ڈھیگا۔ دونوں طرف سے پھاوڑہ چل رہا ہے۔ باقی خیر و عافیت ہے۔ حاکم اکبر علی کی آمد آمد سن رہے ہیں۔ دیکھئے دلی آئیں یا نہیں آئیں تو دربار کریں یا نہیں۔ دربار کریں تو میں گنہگار بلایا جاؤں یا نہیں بلایا جاؤں تو خلعت پاؤں یا نہیں۔ پنشن کا نہ کہیں ذکر ہے نہ کسی کو خبر ہے۔ غالب سہ شنبہ ۸ر نومبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں آج یکشنبہ کا دن ساتویں فروری کی اور شاید بائیسویں الثانی کی ہے دوپہر کے وقت شیخ مشرف علی ریختہ والے استاد حامد کے کوچہ کے میرے پاس آئے۔ اور انہوں نے تمہارا خط لکھا ہوا ۱۵ر جمادی الثانی کا دیا۔ ڈاک کا خط ہرگز مجھ تک نہیں پہنچا اور نہ میں شہر سے کہیں گیا۔ جہاں رہتا تھا۔ وہیں ہوں۔ خدا جانے وہ خط مسترد کیوں ہوا۔ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارا خط

آئے اور میں پھیر دوں تم خود کہتے ہو۔ کہ اس پر یہ لکھا ہوا آیا۔ کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں ہے میں ہوتا اور یہ لکھتا کہ میں نہیں ہوں آگرہ اور الور اور کول سے برابر خط چلے آتے ہیں۔ تمہاری والدہ کا مرنا سن کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ تم کو صبر دے اور اس عفیفہ کو بخشے میرا حقیقی بھائی میرزا یوسف خاں دیوانہ بھی مرگیا کیسا پنشن اور کہاں اس کا ملنا یہاں جان کے لالے پڑے ہیں ؎

ہے موجزن اک قلزم خون کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

اگر زندگی ہے اور پھر مل بیٹھیں گے تو کہانی کہی جائیگی۔ تم کہتے ہو کہ آیا چاہتا ہوں۔ اگر آؤ تو بے ٹکٹ کے نہ آنا میر احمد علی صاحب کو لکھتے ہو۔ کہ یہاں ہیں۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ کہاں ہیں مجھ سے ملتے تو اچھا کرتے میں مخفی نہیں ہوں۔ روپوش ہوں۔ حکام جانتے ہیں۔ کہ یہاں ہے مگر نہ باز پرس وگیر و دار میں آیا ہوں نہ خود اپنی طرف سے قصد ملاقات کا کیا ہے با ایں ہمہ ایمن بھی نہیں ہوں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہے نثر کیا لکھوں گا اور نظم کیا لکھوں گا۔ وہ نثر جو تم دیکھ گئے ہو وہی دو چار ورق اور بھی سیاہ کئے گئے ہیں بھیجنا ممکن نہیں جب آؤ گے اور مجھ کو جیتا پاؤ گے۔ تو دیکھ لو گے کشن چین میں ہے باتیں بناتا پھرتا ہے سلطان جی میں تھا اب شہر میں آگیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے میرن صاحب کی خیر و عافیت معلوم ہوئی مگر نہ معلوم ہوا کہ وہ وہاں مع قبائل ہیں یا تنہا ہیں۔ اگر تنہا ہیں تو قبائل کہاں ہیں تمہارے چھوٹے بھائی کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں اور اچھی طرح ہیں۔ بڑے بھائی کا حال کیوں نہ لکھا یقین ہے کہ وہ اور تم یکجا ہو گوان کو ربط مجھ سے زیادہ نہیں۔ لیکن فرزند ہونے میں تم اور وہ برابر ہو۔ خط بھیجنے میں تردد نہ کرو۔ اور ڈاک میں بے تامل بھیجا کرو۔ زیادہ زیادہ۔ غالب یکشنبہ ہفتم فروری ۱۸۵۸؁ء وقت رسیدن نامہ۔

ایضاً۔ نور چشم میر مہدی کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ کہ کلیات فارسی کا پہنچنا مجھ کو معلوم ہوا میاں اس میں بھی اغلاط بہت ہیں مبارک ہو تمہیں اور میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور بھائی خدا کے مجھ کو بھی لو صاحب اجنٹ صاحب بہادر راجپوتانہ کا حکم الور کے اجنٹ کو آیا۔ کہ تم پہلی ستمبر کو راج کے کاغذ جو تمہارے پاس ہیں۔ اور راج کا اسباب جو تمہارے تحت میں ہے۔ وہ سب راجہ صاحب کو دو اور تم الگ ہو جاؤ۔ ستمبر کی بیسویں کو ہم الور جائیں گے۔ راجہ صاحب کو مسند پر بٹھائیں گے۔ خلعت شاہی انہیں پہنائیں گے ع ستم برستم بر دو آزرو داد۔ شنبہ ۲۲ اگست ۱۸۶۲؁ء غالب۔

ایضاً۔ برخوردار کامگار میر مہدی دہلوی اُردو بازار کے مولوی صاحب نوائے ولائے مرتضوی پرِ علم عباسؑ ابن علیؑ کا سایہ۔ راجہ صاحب کے سلوک کا حال ہم پہلے ہی چکے تھے الحمد للہ علی کل حال دیکھئے اب معاودت کب کرتے ہیں بموافق اپنے وعدہ کے ہم کو کیونکر طلب کرتے ہیں۔ کلکتہ جاتے وقت فرما گئے ہیں کہ میں اگر اسد کو بلاؤں گا۔ البتہ اگر وہ بلائیں گے تو میں کیونکر نہ جاؤں گا۔ ظاہر ہمارے تمہارے واسطے زمانہ انتہائے مصیبت اور وقت پیش آمد دولت ہے اب مجھ کو میرن صاحب کی خوشامد کرنی پڑے گی۔ وہ مقرب نہیں گے۔ اگر میری قسمت لڑ گئی تم کامیابی کا سامان کر رکھنا میرن صاحب کو مجھ پر مہربان کر رکھنا بھائی یہ جو میرن یا امیرن صاحب ہیں۔ حضور کے بڑے مصاحب ہیں۔ جس گروہ میں سے جس کو چاہیں حضور سے ملوادیں۔ فرقہ شعرا میں سے جس کو جو کچھ چاہیں۔ دلوادیں۔ اُن کو اور مجتہد العصر کو میری دعا کہنا۔ نجات کا طالب غالبؔ ۔

ایضاً۔ میاں تمہاری تحریر کا جواب یہ ہے۔ کہ وہ تصویر جو میں نے میاں محمد افضل کو دی تھی۔ وہ انہوں نے واپس دی اور اس کی نقل کے باب میں یہ کہا کہ ابھی تیار نہیں ہے۔ جب وہ تیار ہو جائیگی میں اُن کو روپیہ دیکر لے لونگا۔ خاطر جمع رکھو۔ پنشن سراسر سب کو ششماہی ملنے کا حکم ہو گیا ہر مہینے میں سو دے لو۔ اور کھانڈ۔ کشمیری کٹرہ بگڑ گیا ہے۔ وہ اُونچے اونچے در اور وہ بڑی بڑی کوٹھڑیاں دو روپیہ نظر نہیں آتیں کہ کیا ہوئیں آہنی سڑک کا آنا اور اس کی راہگذر کا صاف ہونا ہنوز ملتوی ہے چار دن سے پُروا ہوا چلتی ہے ابر آتے ہیں مگر صرف چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ مینہ نہیں برستا گیہوں۔ چنا۔ باجرا۔ تینوں اناج ایک بھاؤ ہیں۔ نو سیر ساڑھے نو سیر۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ کہ جیند میں ہیں یا یہاں ہیں۔ میر نصیر الدین دو بار میرے پاس آئے۔ اب مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ قاسم علی خاں قطب الاقطاب ایک دن کہتے تھے کہ میر احمد صاحب کے قبائل یہاں آئے ہوئے ہیں آخر وہ شادی بھی کب ہونے والی ہے اور کہاں ہونے والی ہے۔ اس خط کا جو جواب لکھو تو سب حالات مفصل لکھو۔

غالب صبح چہار شنبہ نہم جنوری ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ میاں تمہارے خط کا جواب منحصر تین باتوں پر ہے دو کا جواب لکھتا ہوں تیسری بات کا جواب تم بتاؤ۔ کہ تمہیں کیا لکھوں پہلی بات میاں محمد افضل تصویر لیگئے اب وہ تصویر کھینچا کریں۔ اور تم انتظار۔ دوسری بات میر نصیر الدین آئے اور تینوں صاحبوں کا جیند کے جلسے کا حال مفصل معلوم ہوا۔ حق تعالےٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائے تیسری بات میر صاحب کو جب تم کہو میں حالی نہ بلاؤں گویا اُن کے عاشق تمہیں ہو۔ میں نہیں بھائی ہوش میں آؤ۔ غور کرو۔ یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ ان کو یہاں بلا کر ایک الگ مکان رہنے کو دوں اور اگر زیادہ نہ ہو تو دس روپیہ مہینہ مقرر کروں۔ کہ بھائی یہ لو۔ اور روپیہ

اور چاوڑی اور اجمیری دروازہ کا بازار اور لاہوری دروازہ کا بازار تلپٹ ہوا اور اردو بازار اور خاص بازار اور بلاقی بیگم کا کوچہ اور خان دوران کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ میر مہدی تو درماندہ عاجز پانی پت میں پڑا ہے میرن صاحب وہاں پڑے ہوئے دلی دیکھنے کو ترسا کریں۔ سرفراز حسین نوکری ڈھونڈتا پھرے اور میں ان غم ہائے جانگداز کی تاب لاؤں مقدور ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ اللہ اللہ اللہ سہ شنبہ ۴ جمادی الثانی ۱۸ دسمبر ؁

ایضاً۔ قرۃ العینین میر مہدی و میر سرفراز حسین مجھ سے ناخوش اور گلہ مند ہونگے اور کہتے ہونگے۔ کہ دیکھو ہمیں خط نہیں لکھتا ؎

ہم بھی مُنہ میں زبان رکھتے ہیں کاش پوچھو کہ ماجرا کیا ہے۔

ماجرا یہ ہے کہ تمہارا ابھی تو کوئی خط نہیں آیا۔ میں جس کا جواب لکھتا۔ میرن صاحب سے تمہاری خیر و عافیت پوچھنی اور کہہ دینا کہ میری دعا لکھ بھیجنا۔ بس اب اتنا ہی دم باقی ہے۔ کل میرن صاحب آئے۔ پُوچھا۔ کہ اور سے کوئی خط آیا۔ فرمایا کہ اس ہفتہ میں کوئی خط میں نے نہیں پایا۔ کیا کہوں کیا حال ہے۔ پیش ازیں اپنا یہ شعر پڑھا کرتا تھا ؎

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائیں گے یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

اب اس زمزمہ کا بھی محل نہ رہا یعنی سعی بے حاصل کی لذت خاک میں مل گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون مرگ ناگاہ کا طالب غالب سہ شنبہ۔ ۱۸ شعبان ۱۲۸۱ھ ؁

ایضاً۔ صاحب دو خط تمہارے بسبیل ڈاک آئے کل دوپہر ڈھلے ایک صاحب اجنبی سانولے سلونے داڑھی منڈھے بڑی بڑی آنکھوں والے تشریف لائے۔ تمہارا خط دیا صرف اُن کی ملاقات کی تقریب میں تھا۔ اُن سے اسم شریف پوچھا گیا فرمایا اشرف علی تو میت کا استفسار ہوا معلوم ہوا۔ سید ہیں پیشہ پوچھا۔ حکیم نکلے یعنی حکیم اشرف علی۔ میں اُن سے مل کر بہت خوش ہوا خوب آدمی ہیں۔ اور کام کے آدمی ہیں۔ کتنے اوچھے ہو۔ مصطلحات الشعرا بھائی وہ کتاب تمہاری ہے میں نے غصب نہیں کی میرے پاس مستعار ہے دیکھ چکونگا۔ بھیجدونگا۔ تقاضا کیوں کرو۔ میاں محمد افضل تصویر کھینچ رہے ہیں۔ جلدی نہ کرو۔ دیر آید درست آید۔ سرفراز حسین اور میرن صاحب اور میر نصیر الدین کو دعائیں۔ غالب صبح چہار شنبہ ہفتم رمضان ہشتم مارچ۔

ایضاً میاں تم کو پنشن کی کیا جلدی ہے۔ ہر بار پنشن کیوں پوچھتے ہو۔ پنشن جاری ہو۔ اور میں تم کو اطلاع نہ دوں ابھی تک کچھ حکم نہیں دیکھوں کیا حکم ہو۔ اور کب حکم ہو۔ میرن صاحب جے پور پہنچے تم شاہ پور ہی بتاتے ہو شاید سچ ہی ہو۔ ہاں میر محمود علی اور یہ پیر برادر ابو الفضل تو تھے۔ مگر دیکھا چاہیئے۔ وہ ذخت جگہ سے

اکھڑ کر بدشواری جمتا ہے۔ خلاصہ میری فکر کا یہ ہے کہ اب بچھڑے ہوئے یار کہیں قیامت ہی کو جمع ہوں تو ہوں۔ سو وہاں کیا خاک جمع ہونگے۔ سنی الگ۔ شیعہ الگ۔ نیک جدا۔ بد جدا۔ میر سرفراز حسین کو دعا۔ میر نصیر الدین کو پہلے بندگی پھر دعا۔ کتاب کا نام دستنبو رکھا گیا آگرہ میں چھاپی جاتی ہے تم سے تمہارے حافظہ کے اوراق لکھے لونگا تب ایک کتاب تم کو دونگا۔ از غالب روز ورود نامہ پنجشنبہ ۷ ستمبر ۱۸۵۸ء؁

ایضاً۔ میر مہدی تم میرے عادات کو بھول گئے ماہ مبارک رمضان میں کبھی جامع مسجد کی تراویح ناغہ ہوئی ہے۔ میں اس مہینے میں رامپور کیوں رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے۔ اور بہت منع کرتے رہے برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے۔ مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاندرات کے دن یہاں آپہنچا یکشنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا اسی دن سے ہر صبح کو حامد علی خاں کی مسجد میں جا کر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سنتا ہوں۔ شب کو مسجد جامع جا کر نماز تراویح پڑھتا ہوں۔ کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ میں جا کر روزہ کھولتا ہوں۔ اور سرد پانی پیتا ہوں۔ واہ واہ کیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے۔ اب اصل حقیقت سنو۔ لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا انہوں نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ تنہا بھیج دینے میں وہم آیا۔ کہ خدا جانے اگر کوئی امر حادث ہو۔ تو بدنامی عمر بھر رہے اس سبب سے جلد چلا آیا ورنہ گرمی میں برسات وہاں کاٹتا اب بشرط حیات جریدہ بعد برسات جاؤنگا۔ اور بہت دنوں تک یہاں نہ آؤنگا۔ قرارداد یہ ہے۔ کہ نواب صاحب جولائی ۱۸۵۹ء سے کہ جس کو یہ دسواں مہینہ ہے۔ سو روپے مجھے ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ اب جو میں وہاں گیا تو سو روپے مہینہ بنام دعوت اور دیا یعنی امید ہوں تو دو سو روپے مہینہ پاؤں اور دلی رہوں تو سو روپے بھائی سو دو سو میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے۔ کہ نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں۔ مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے ہیں ملاقات بھی دوستانہ رہی۔ معانقہ و تعظیم جس طرح احباب میں رسم ہے۔ وہ صورت ملاقات کی ہے۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوائی تھی۔ بس بہرحال غنیمت ہے رزق کے اچھی طرح ملنے کا شکر چاہیئے۔ کمی کا شکوہ کیا۔ انگریزی سرکار سے دس ہزار روپے سال ٹھہری۔ اس میں سے مجھ کو ملے ساڑھے سات سو روپے سال ایک صاحب نے نہ دیئے مگر تین ہزار روپے سال۔ عزت میں وہ پایہ جو رئیس زادوں کے واسطے ہوتا ہے۔ نیا سا۔ خانصاحب بسیار مہربان دوستان القاب خلعت سات پارچہ اور جیغہ و سرپیچ و مالائے مروارید بادشاہ اپنے فرزندوں کے برابر پایہ رکھتے تھے بخشی۔ ناظر حکیم۔ کسی سے توقیر کم نہیں۔ مگر فائدہ وہی قلیل سو میری جان یہاں بھی وہی نقشہ ہے۔ کوٹھڑی میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آرہی ہے۔ پانی کا جھجر دھرا ہوا ہے حقہ پی رہا ہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا یہ باتیں کر لیں۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب اور میر نصیر الدین صاحب کو یہ خط پڑھا دینا۔ اللہ میری دعا کہہ دینا۔ جمعہ ۱۶ اپریل؁

ایضاً۔ جویائے حال دہلی والو سلام لو۔ مسجد جامع واگذاشت ہوگئی چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں نے دوکانیں بنالیں۔ انڈا مرغی۔ کبوتر بکنے لگا۔ دس آدمی مہتمم ٹھیرے مرزا الٰہی بخش مولوی صدرالدین تفضل حسین خاں تین یہ سات اور ۷ نومبر ۲ جمادی الاوّل سال حال جمعہ کے دن ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ وقید جسم سے رہا ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جاڑا پڑ رہا ہے ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے کل سے رات کو تری انگیٹھی پر گذارا ہے۔ بوتل گلاس موقوف راجہ پٹیالہ مرگیا۔ مہندر سنگھ اس کے خلف پہ خطاب فرزندی اور القاب بحال وبرقرار رہا بالفعل دیوان نہال چند کام کر رہا ہے۔ ظاہرا جونگ اس ریاست کا ہونیوالا ہے۔ وہ نواب گورنر جنرل کے آنے پر کھلیگا اور وہ فروری مہینے میں یہاں آئیں گے۔ الور کی ریاست کا حال بدستور ہے۔ گورنر صاحب ہی انہیں اختیار دیں گے یعنی پٹیالہ اور الور کے راج کا انتظام اسی وقت پر ہوگا۔ بالفعل امپی صاحب ایجنٹ الور دلی ہوتے ہوئے میرٹھ گئے ہیں۔ راجہ صاحب انجارہ تک ان کی مشایعت کو گئے یہاں امپی صاحب سے کوئی صاحب سنگھ ٹھیکیدار الور کی سرکار کا ہے۔ اس نے کچھ کہا تھا۔ جواب دیا کہ الور کے مقدمات میں پنچوں کو اختیار ہے ہم کچھ حکم نہ دینگے۔ اسفندیار بیگ متوفی کا کوئی متبنیٰ مستدعی پرورش ہوا۔ اس کو بھی یہی جواب ملا۔ اب اور بولو۔ کیا لکھوں دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ یوسف علی خاں اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں۔ کھانا تیار ہے خط لکھ کر بند کر کر آدمی کو دوں گا۔ اور میں گھر جاؤنگا وہاں ایک دالان میں دھوپ آتی ہے اس میں بیٹھوں گا۔ ہاتھ منہ دھوؤں گا ایک روٹی کا چھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤں گا۔ بیسن سے ہاتھ دھوؤں گا۔ باہر آؤنگا۔ پھر اس کے بعد خدا جانے کون آئیگا۔ کیا صحبت ہوگی۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب اور ذاکر الحسین میر افضل علی عرف میرن صاحب کو دعا۔ منگل کا دن ۲۳ جمادی الثانی ۱۶ دسمبر پہر دن چڑھے۔ غالب

ایضاً۔ پنجشنبہ ۱۵ ذیقعدہ و مئی یا ہم صاحب آج تمہارا خط دوپہر کو آیا۔ اس میں میں نے مسودہ تاریخ کا پایا۔ قلمدان میں رکھ لیا۔ خط پڑھ کر میر سرفراز حسین کو بھیج دیا۔ کل وہ کہتے تھے کہ انیس روپے کو تین گاڑیاں مقرر ہوگئی ہیں۔ کل یعنی آج شام کو سوار ہوجاؤں گا۔ اب اس وقت میں جو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ پہر دن باقی ہے لکھ کر کھلا رکھ چھوڑ دوں گا شام کو مجتہد میرے گھر ضرور آئیں گے۔ اگر آج جائیں گے تو واسطے تودیع کے اور اگر نہ جائیں گے تو موافق معمول کے آئیں گے۔ ان کے جانے نہ جانے کا حال صبح کو اسی ورق پر لکھ کر خط بند کرکے بھیج دونگا۔ خدا کرے اردو کی نثر کا لفافہ انھوں نے ڈاک میں بھیج دیا ہو شام کو مجھے دے جائیں۔ تو میں کل اس خط

کے ساتھ اُسے بھی بھجوا دوں مہاراج اگر دورہ کریں گے تو کیا اندیشہ ہے۔ گرمی کا موسم ہے لمبا چوڑا سفر کیوں کریں گے۔ آٹھ سات دن میں پھر آ بیٹھیں گے یہاں کی تلاش کا نتیجہ دیکھو تب کہیں جائیو۔ میرن صاحب کی تمہاری پوما چاچی کے آنے کا مجھ میں دم نہیں۔ تم جانو وہ جانیں کلیات کے چھاپے کی حقیقت سنو ۴۰ صفحے چھاپے گئے تھے۔ کہ مولوی ہادی علی مصحح بیمار ہو گئے کاپی نگار رخصتی اپنے گھر گیا۔ اب دیکھیے کب چھاپا شروع ہو۔ قاطع برہان کا چھاپہ ختم ہوا ایک جلد بطریق نمونہ آ گئی۔ میں نے پچاس جلدوں کی درخواست پہلے سے درخواست دے رکھی ہے اب پچاس روپے بھیجوں تو انچاس جلدیں منگاؤں دیکھیے نو من تیل کب میسر ہو اور رادھا کب ناچے۔ یہاں کل شام کو میر سرفراز حسین میرے گھر نہیں آئے [illegible] ہوں تو مجھ سے بغیر رخصت ہوئے گئے یا نہیں گئے ہیں تو آج جمعہ ۱۶ مئی صبح کے وقت یہ خط ڈاک میں بھیجتا ہوں

نجات کا طالب غالب ؎

ایضاً۔ لو صاحب یہ تماشہ دیکھو میں تو تم سے پوچھتا ہوں کہ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین کہاں ہیں حالانکہ میر نصیر الدین شہر میں ہیں۔ اور مجھ سے نہیں ملتے۔ میر سرفراز حسین آئے ہیں۔ اور میرے ہاں نہیں اُترے لاحول ولا قوۃ اتنے دن گئے کبھی نہیں آئے افسوس ہے جسکو میں اپنا سمجھتا ہوں۔ وہ مجھ کو بیگانہ جانتے ہیں۔ اب تم یہ پوچھو کہ نصیر الدین کا دلی میں ہونا اور مجتہد العصر کا یہاں آنا۔ تو نے کیونکر جانا۔ بھائی آج جمعہ کا دن ۱۴ جمادی الثانی کی اور ۱۱ جنوری کی صبح کے وقت منہ اندھیرے اسی وقت میری آنکھ کھلی تھی۔ لحاف میں لیٹا ہوا پڑا تھا۔ کہ ناگاہ میر نصیر الدین صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ اب میں جاتا ہوں۔ اور میر حسن صاحب بھی جاتے ہیں میں سمجھا میر سرفراز حسین جب بعد تکرار معلوم ہوا۔ تو میر حسن جی لو سے آئے۔ اور خدا جانے کہاں اُترے اور اب کہاں جاتے ہیں ہے ہے مجھے غیر سمجھا یا مرا ہوا سمجھا کہ میرے ہاں نہ آئے۔ اور مجھ سے نہ ملے اپنی سسرال میں رہے اور میکے کو چھوڑا۔ واللہ میرا جی ان کے دیکھنے کو بہت چاہتا تھا۔ اب اُٹھا ہوں سردی رفع ہو لے دھوپ نکل آئے۔ آغا جان کے ہاں آدمی کو بھیجتا ہوں۔ میں کم بخت یہ بھی تو نہیں جانتا۔ کہ آغا جان کہاں رہتے ہیں۔ اب میر احمد علی کی بی بی پاس جنش خان کے پھاٹک آدمی بھیجونگا۔ جب آغا جان کے گھر کا پتہ معلوم ہو جائیگا۔ اور آدمی دیکھ آئیگا۔ اور یہ بھی معلوم کر آئیگا۔ کہ میر حسن صاحب ہیں تو میں سوار ہو کر جاؤنگا اور اُن سے ملونگا۔ تم اس خط کا جواب جلد لکھو۔ اور اپنے چچا کے یہاں آنیکا منشاء اور اُنکا احوال مفصل لکھو تصویر کا حال آگے لکھ چکا ہوں۔ خاطر جمع رکھو اور مجتہد العصر اور میرن صاحب کا حال لکھو۔ نجات کا طالب غالب۔ صبح جمعہ ۱۱ جنوری سنہ ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ میاں لڑکے کہاں پھر رہے ہو۔ ادھر آؤ خبریں سنو۔ دربار، نواب صاحب کا میرٹھ میں ہونا اُسکے علاقہ کے

جاگیردار بموجب حکم کمشنر دہلی میرٹھ گئے۔ موافق دستور قدیم مل آئے۔ غرضکہ پنجشنبہ ۲۹ دسمبر کو پہر دن چڑھے لارڈ صاحب یہاں پہنچے کابلی دروازہ کی فصیل کے تلے ڈیرے ہوئے اسی وقت توپوں کی آواز سنتے ہی میں سوار ہو کر گیا۔ میر منشی سے ملا اُن کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب سیکرٹری کو خبر کروائی جواب آیا کہ فرصت نہیں یہ جواب سنکر نومیدی کی پوٹ باندھ کر لے آیا ہرچند پنشن کے باب میں ہنوز کلام نہیں۔ مگر کچھ فکر کر رہا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ لارڈ صاحب کل یا پرسوں جانیوالے ہیں۔ یہاں کچھ کلام پیام نہیں ممکن تحریر ڈاک میں بھیجی جائیگی۔ دیکھئے کیا صورت درپیش آئیگی۔ مسلمانوں کی املاک کی واگذاشت کا حکم عام ہو گیا ہے جنکو کرایہ پر ملی ہے۔ ان کو کرایہ معاف ہو گیا ہے آج یکشنبہ یکم جنوری سنہ ۱۸۶۰ء ہے۔ پہر دن چڑھا ہے کہ یہ خط تم کو لکھا ہے۔ اگر مناسب جانو تو آؤ۔ اپنی املاک پر قبضہ پاؤ۔ چاہو یہیں رہو چاہو پھر چلے جاؤ میر سرفراز حسین میر نصیر الدین میرن صاحب کو میری دعائیں کہنا اور حکیم میر اشرف علی کو بعد دعا کے یہ کہہ دینا کہ وہ جیب یا جو تم نے مجھ کو دی تھیں ان کا نسخہ جلد لکھ کر بھیجدو واللہ موجود ماسوا معدوم بانی مرگ

کا طالب غالبؔ

ایضاً۔ برخوردار تمہارا خط آیا حال معلوم ہوا میں اس خیال میں تھا۔ کہ الور کا کچھ حال معلوم کروں۔ اور کپتان الیگزنڈر کا خط آئے۔ اور میں اس کو میر سرفراز حسین کے مقدمہ میں لکھوں تو اسوقت تمہارے خط کا جواب لکھوں۔ چونکہ آجتک اُن کا خط نہ آیا۔ میں سوچا کہ اگر اسی انتظار میں رہونگا۔ اور خط کا جواب نہ بھیجوں گا تو میرا پیارا میر مہدی خفا ہو گا۔ ناچار جو کچھ الور کا حال سنا ہے وہ اور کچھ اپنا حال لکھتا ہوں۔ ہر چند میں نے دریافت کرنا چاہا حکیم محمود علی کا وہاں پہنچنا اور یہ کہ وہاں پہنچنے کے بعد کیا طور قرار پایا۔ کچھ معلوم نہیں ہوا۔ صرف خبر واحد ہے۔ کہ انکو راؤ راجہ نے صاحب ایجنٹ سے اجازت لیکر بلا لیا ہے کہتے ہیں کہ صاحب ایجنٹ الور نے راجہ کے بالغ اور عاقل ہونے کی رپورٹ صدر کو بھیجی ہے کیا عجب ہے۔ کہ ان کا راج انکو مل جائے۔ مولانا غالب علیہ الرحمتہ ان دنوں بہت خوش ہیں۔ پچاس ساٹھ جزو کی کتاب امیر حمزہ کی داستان کی اور اسی قدر حجم کی ایک جلد بوستان خیال کی آگئی ہے سترہ بوتلیں بادۂ ناب کی توشک خانہ میں موجود ہیں۔ دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں۔ رات بھر شراب پیا کرتے ہیں ؎

کسے کیں مرادش میسر بود اگر جم نباشد سکندر بود

میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور میر نصیر الدین صاحب کو دعائیں۔ اور ویلی کی آرزو مندیں۔

ایضاً۔ اے جناب میرن صاحب السلام علیکم حضرت آداب کہو صاحب اجازت ہے۔ مہدی کے خط کا جواب لکھنے کو حضور میں کیا منع کرتا ہوں۔ میں نے تو یہ عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں۔ بخار جاتا رہا ہے

صرف پچپش باقی ہے وہ بھی رفع ہو جائیگی۔ میں ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں۔ آپ پھر کیوں تکلیف کریں۔ نہیں میرن صاحب اُس کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں۔ وہ خفا ہوا ہوگا۔ جواب لکھنا ضرور ہے۔ حضرت وہ آپ کے فرزند ہیں۔ آپ سے خفا کیا ہونگے۔ بھائی آخر کوئی وجہ تو بتاؤ۔ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو۔ سبحان اللہ لے حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں۔ کہ تو باز رکھتا ہے۔ اچھا تم باز نہیں رکھتے مگر یہ تو کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں کیا عرض کروں سچ تو یہ ہے۔ کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سنتا اور حظ اٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں۔ تو نہیں چاہتا کہ تمہارا خط جاوے۔ میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں۔ میری روانگی کے تین دن کے بعد آپ خط شوق سے لکھیئے گا۔ میاں مٹھو ہوش کی خبر لو۔ تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ میں بوڑھا آدمی بھولا آدمی تمہاری باتوں میں آگیا۔ اور آج تک اُسے خط نہیں لکھا لاحول ولا قوۃ۔ سنو میر مہدی صاحب میرا کچھ گناہ نہیں میرے خط کا جواب لکھو۔ تپ تو رفع ہوگئی پچپش کے رفع ہونے کی خبر شتاب لکھو۔ پرہیز کا بھی خیال رکھا کرو۔ یہ بڑی بات ہے۔ کہ وہاں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں۔ تمہارا پرہیز اگر ہوگا بھی تو عصمت بی بی از بے چادری ہوگا۔ حالات یہاں کے مفصل میرن صاحب کی زبانی معلوم ہونگے۔ دیکھو بیٹھے ہیں۔ کیا جانوں حکیم میر اشرف علی ہیں اور اُن میں کچھ کونسل تو ہو رہی ہے پنجشنبہ روانگی کا دن ٹھیرا تو ہے۔ اگر چل نکلیں اور پہنچ جائیں تو وہاں سے پوچھو کہ جناب ملکہ انگلستان کی سالگرہ کی روشنی کی محفل میں تمہاری کیا گت ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم کر بھیجو کہ یہ جو فارسی مثل مشہور ہے۔ کہ دفتر را گاؤ خورد۔ اس کے معنی کیا ہیں۔ پوچھیو اور نہ چھوڑیو جب تک یہ نہ بتائیں۔ اس وقت پہلے تو آندھی چلی پھر مینہ آیا اب مینہ برس رہا ہے میں خط لکھ چکا ہوں سرنامہ لکھ کر رکھ چھوڑوں گا۔ جب ترشح موقوف ہو جائیگا تو کلیان ڈاک کو لے جائیگا میر سرفراز حسین کو دعا پہنچے۔ اللہ اللہ تم پانی پت کے سلطان العلما اور مجتہد العصر بن گئے۔ کہو وہاں کے لوگ تمہیں قبلہ و کعبہ کہنے لگے یا نہیں۔ میر نصیر الدین کو دعا کہنا۔

ایضاً۔ آہاہا میرا پیارا مہدی آیا۔ آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے بیٹھو یہ رامپور ہے دار السرور ہے جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے۔ پانی سبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے۔ اور کوسی اُس کا نام ہے بے شبہ چشمہ آبحیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر اگر یوں بھی ہے۔ تو بھائی آب حیات عمر بڑھاتا ہے۔ لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔ تمہارا خط پہنچا تردد عبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میرا دوستدار نہ عرف لکھنے کی حاجت نہ محلے کی حاجت بے وسواس خط بھیج دیا کیجئے اور جواب لیا کیجئے۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے۔ اور صحبت مرغوب ہے۔ اس وقت مہمان

ہوں دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہے لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

ایضاً۔ آؤ میاں سید زادہ آزادہ دلی کے عاشق دلدادہ۔ ڈھے ہوئے اُردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو بُرا کہنے والے۔ نہ دل میں مہر و آزرم نہ آنکھ میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنوں کہاں ذوق کہاں مومن خان کہاں ایک آزردہ سو خاموش دوسرا غالب وہ بیخود و مدہوش نہ سخنوری رہی نہ سخن دانی کس برتے پر تتا پانی ہائے دلی وائے دلی بھاڑ میں جائے دلی۔ سنو صاحب پانی پت کے رئیسوں میں ایک شخص ہیں۔ احمد حسین خان ولد سردار خان ولد لاور خان اور نانا اس احمد حسین خان کے غلام حسین خان ولد مصاحب خان اس شخص کا حال از روئے تحقیق مشرح اور مفصل لکھو۔ قوم کیا ہے عمر کیا ہے طریق کیا ہے۔ احمد حسین خان کی لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے طبیعت کا کیا ڈھنگ ہے۔ بھائی لکھو اور جلد لکھو۔

ایضاً۔ سید خدا کی پناہ عبارت لکھنے کا ڈھنگ کیا ہاتھ آیا ہے۔ کہ تم نے سارے جہان کو بسر پہ اٹھایا ہے۔ ایک غریب سید مظلوم کے چہرہ نورانی پر پھاسا نکلا ہے۔ تم کو سرمایہ آرائش گفتار بہم پہنچا ہے۔ میری ان کو دعا پہنچاؤ۔ اور ان کی خیر و عافیت جلد لکھو۔ بھائی یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور ہے سمجھ میں کسی کے نہیں آتا کہ کیا طور ہے۔ اوائل ماہ انگریزی میں روک ٹوک کی شدت ہوئی تھی۔ آٹھویں دسویں سے وہ شدت کم ہو جاتی تھی۔ اس مہینے میں برابر وہی صورت رہی ہے آج ۲۷ مارچ کی ہے پانچ چار دن مہینے کے باقی ہیں آنچ ویسے ہی تیز ہے۔ خدا اپنے بندوں پر رحم کرے مجھ پر میرے اللہ نے ایک اور عنایت کی ہے۔ اور اس غمزدگی میں ایک گونہ خوشی اور کیسی بڑی خوشی دی ہے تم کو یاد ہوگا۔ ایک دستنبو نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی نظر بھیجی تھی۔ آج پانچواں دن ہے۔ کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کا خط مقام الہ آباد سے بسبیل ڈاک آیا۔ وہی کاغذ افشانی وہی القاب قدیم کتاب کی تعریف عبارت کی تحسین مہربانی کے کلمات کبھی تم کو خدا یہاں لائیگا۔ تو اس کی زیارت کرنا پنشن کے ملنے کا بھی حکم آجکل آیا چاہتا ہے۔ اور یہ بھی توقع پڑی ہے۔ کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں سے بھی کتاب کی تحسین اور عنایت کے مضامین کی تحریر آجائے میرن صاحب کو سلام پہلے لکھ چکا ہوں۔ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین کو دعا کہہ دینا اور یہ خط دکھا دینا۔

ایضاً۔ برخوردار نور چشم میر مہدی کو بعد دعائے حیات و صحت کے معلوم ہو۔ بھائی تم نے بنجار کو کیوں آنے دیا۔ تپ کو کیوں چڑھنے دیا۔ کیا بنجار میرن صاحب کی صورت میں آیا تھا۔ جو تم مانع نہ آئے کیا تپ ابن بنا کر آئی تھی۔ جو اس کے روکتے ہوئے شرمائے حکیم اشرف علی ابھی آگئے ہیں۔ کہتے تھے۔ کہ میں نے

نسخہ لکھ کر آج ڈاک میں بھیج دیا ہے۔ چونکہ یہ خط بھی آج روانہ ہوتا ہے کیا عجب ہے کہ دونوں خط ایک دن بلکہ ایک وقت پہنچیں دل تمہارے واسطے بہت کڑھتا ہے۔ حق تعالیٰ تم کو جلد شفا دے اور تمہاری تندرستی کی خبر مجھ کو سنائے۔ سنو میاں سرفراز حسین ہزار برس میں تم نے مجھ کو ایک خط لکھا وہ بھی اس طرح کہ جیسا جلال اسیر کہتا ہے۔ ع بغیر در شکر آبست رُو بما دارد۔ پڑھتا ہوں اس خط کو اور ڈھونڈتا ہوں۔ کہ میرے واسطے کونسی بات ہے مجھ کو کیا پیام ہے کچھ نہیں شاید دوسرے صفحہ میں کچھ ہو وہ ادھر خاتمہ بالخیر ہے۔ یارب سرنامہ میرے نام کا آغاز تحریر میں القاب میر اسیر سارے خط میں میرن صاحب کا جھگڑا یہ کیا سبب ہے۔ میں ایسے خط کا جواب کیا لکھوں میری بلا لکھے اب جو خط لکھو گے اور اس میں اپنے بھائی کی خیر و عافیت رقم کرو گے۔ اور میرن صاحب کا نام اور ان کیلئے سلام تک بھی اس میں نہ ہوگا۔ تو میں اس کا جواب آنکھوں سے لکھوں گا۔ اور ہاں میاں پھر تم نے میر اشرف علی کو کیا لکھا۔ کہ ہم نے سنا ہے۔ کہ چچا نے اس کا مرنا سنا ہوگا اس غریب کا قول یہ ہے کہ میری دو تو بہنیں اور پانچ بھانجیاں پانی پت میں ہیں کیا چچا کو نہ معلوم ہوگا۔ کہ کونسی لڑکی مری کاش اس کے باپ کا نام لکھتے۔ تاکہ میں جانتا کہ کونسی بھانجی مری ہے اب میں کس کا نام لیکر روؤں اور کس کی فاتحہ دلواؤں اس امر میں حق بجانب اس مظلوم کے ہے۔ تو صحیح بقید نام لکھو۔

ایضاً بھائی ایک خط تمہارا پہلے پہنچا۔ اور ایک خط کل آیا۔ پہلے خط میں کوئی امر جواب طلب نہ تھا اگرچہ کل کے خط میں بھی صرف کتابوں کی رسید تھی۔ لیکن چونکہ دو امر لکھنے کے لائق تھے۔ اس واسطے ایک لفافہ تمہاری پسند کا تمہاری نذر کرنا پڑا۔ پہلا امر یہ کہ آج میر نصیر الدین دوپہر کو میرے پاس آئے تھے ان کو دیکھ کر دل خوش ہوا تم نے بھی خط میں لکھا تھا۔ کہ میر سرفراز حسین الور گئے تھے۔ اور میر نصیر الدین بھی کہتے تھے۔ کہ میں اور وہ ایک دن پانی پت سے چلے وہ ادھر گئے ہیں ادھر آیا ظاہرا پارسل کے پہنچنے سے پہلے وہ روانہ ہوئے ہیں۔ ان کی کتاب رہ گئی اب ان تک کیونکر پہنچے گی خدا خیر کرے۔ میاں لڑکے سنو میر نصیر الدین اولاد میں سے ہیں۔ شاہ محمد اعظم صاحب کے وہ خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا اس واسطے میر نصیر الدین کو پہلے بندگی لکھتا ہوں۔ اور پھر تمہارے علاقہ سے دعا صوفی صافی ہوں۔ اور حضرت صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں ع اگر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔ یہ جواب ہے تمہارے اس سوال کا کہ جو پہلے خط میں تم نے لکھا تھا۔ اب کے خط میں تم نے میرن صاحب کی خیر و عافیت کیوں نہ لکھی۔ یہ بات اچھی نہیں۔ میں تو ڈر گیا۔ اگر تمہارے خط میں ان کو دعا سلام لکھونگا۔ تو ان سے تم کاہے۔ کو کہو گے۔ پیرزادہ صاحب یعنی میر نصیر الدین نے ان کی بندگی

مجھ سے کہی ہے خدا کے واسطے میری دُعا اُن سے کہہ دینا ؛؛

الیضاً۔ میری جان سودا ستان صاحب کمشنر بہادر دہلی یعنی جناب سانڈرس صاحب بہادر نے مجھ کو بلایا پنجشنبہ ۲۴ رفروری کو میں گیا صاحب شکار کو سوار ہو گئے تھے میں اُلٹا پھر آیا۔ جمعہ ۲۵ رفروری کو گیا ملاقات ہوئی۔ کرسی دی بعد پرسش مزاج کے ایک خط انگریزی چار ورق کا اُٹھا کر پڑھتے رہے۔ جب پڑھ چکے تو مجھ سے کہا۔ کہ یہ خط ہے منٹگمری صاحب حاکم اکبر صدر بورڈ پنجاب کا تمہارے باب میں لکھتے ہیں۔ کہ ان کا حال دریافت کر کے لکھو سو ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ تم ملکہ معظمہ سے خلعت کیا مانگتے ہو۔ حقیقت کہی گئی ایک کاغذ آمدہ ولایت لیگیا تھا۔ وہ پڑھوا دیا۔ پھر پوچھا تم نے کتاب کیسی لکھی ہے اس کی حقیقت بیان کی کہا ایک منٹگمری صاحب نے دیکھنے کو مانگی ہے اور ایک ہم کو دو میں نے عرض کیا کل حاضر کرونگا پھر پنشن کا حال پوچھا وہ گذارش کیا اپنے گھر آیا۔ اور خوش آیا۔ دیکھو مربی حاکم پنجاب کو مقدمہ ولایت کی کیا خبر تھا بو سے کیا اطلاع پنشن کی پرسش سے کیا مدعا یہ استفسار بحکم نواب گورنر جنرل بہادر ہوا ہے۔ اور یہ صورت مقدمہ فتح و فیروزی ہے۔ غرضیکہ دوسرے دن یکشنبہ یوم التعطیل تھا میں اپنے گھر رہا دوشنبہ ۲۸ فروری کو گیا باہر کے کمرہ میں بیٹھ کر اطلاع کروائی کہا اچھا توقف کرو۔ بعد تھوڑی دیر کے گڈھ کپتان کی چھٹی آئی بلا بھیجا سواری مانگی جب سواری آگئی باہر نکلے میں نے کہا وہ کتابیں حاضر ہیں کہا منشی جیون لال کو دے جاؤ۔ وہ ادھر سوار ہو گئے ادھر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا سہ شنبہ یکم مارچ کو پھر گیا بہت التفات سے باتیں کرتے رہے کچھ سارٹیفکیٹ گورنمنٹ کیساتھ لے گیا تھا وہ دکھائے ایک خط منٹگمری صاحب بہادر کے نام کا لے گیا تھا وہ دیکر یہ استدعا کی کہ کتاب کیساتھ یہ بھی بھیجدیجیے انہوں نے اچھا کہہ کر رکھ لیا پھر مجھ سے کہا کہ ہم نے تمہاری پنشن کے باب میں اجرٹن صاحب کو کچھ لکھا ہے تم اُن سے بلو عرض کیا بہتر اجرٹن صاحب بہادر جیسا کہ تم کو معلوم تھا گئے ہوئے تھے کل وہ آئے آج میں نے ان کو خط لکھا ہے جیسا کہ وہ حکم دینگے۔ اس کے موافق عمل کرونگا۔ جب بلائیں تب جاؤں گا۔ دیکھو سید اسداللہ الغالب علیہ السلام کی مدد کو کہ اپنے غلام کو کس طرح سے بچایا ۲۲ مہینے تک بھوکا۔ پیاسا بھی نہ رہنے دیا۔ پھر کس محکمہ سے کہ وہ آج سلطنت کا دہندہ ہے میرے نقد کا حکم بھجوایا حکام سے مجھ کو عزت دلوائی میرے صبر و ثبات کی داد ملی۔ صبر و ثبات بھی اُسی کا بخشا ہوا تھا میں اپنے باپ کے گھر سے لایا تھا۔ میر سرفراز حسین کو یہ خط پڑھا دینا۔ اور اُن کو اور نصیر الدین چراغ دہلوی کو اور میرن صاحب کو دعا کہنا ؛؛

الیضاً واہ واہ سید صاحب تم بڑی عبارت آرائیاں کرنے لگے۔ نثر میں خود نمایاں کرنے لگے۔ کئی دن سے تمہارے خط کے جواب کی فکر میں ہوں۔ مگر جاڑے نے بے حس و حرکت کر دیا ہے آج جو بسبب ابر کے وہ سردی نہیں۔ تو میں نے خط لکھنے کا قصد کیا ہے۔ مگر حیران ہوں کہ کیا سحر سازی

کروں۔ بھائی تم تو اُردو کے مرزا قتیل بن گئے ہو۔ اُردو بازار میں نہر کے کنارے رہتے رہتے رود نیل بن گئے ہو گیا
قتیل کیا رود نیل یہ سب ہنسی کی باتیں ہیں۔ لو سنو اب تمہاری دلی کی باتیں ہیں۔ چوک میں بیگم کے باغ کے دروازے
کے سامنے حوض کے پاس جو کنواں تھا۔ اس میں سنگ و خشت و خاک ڈالکر بند کر دیا۔ بلی ماروں کے دروازے
کے پاس کئی دوکانیں ڈھاکر راستہ چوڑا کر لیا۔ شہر کی آبادی کا حکم خاص و عام کچھ نہیں ہے۔ پنشن داروں سے
حاکموں کا کام کچھ نہیں۔ تاج محل مرزا قیصر مرزا جوان بخت کے سالے ولایت علی بیگ جے پور کی زوجہ ان سب کی
الہ آباد سے رہائی ہو گئی دیکھئے کمپ میں رہیں۔ یا لنڈن جائیں۔ خلق نے از روئے قیاس جیسا کہ دلی کے خبر
تراشوں کا دستور ہے۔ یہ بات اڑا دی ہے۔ سو سارے شہر میں مشہور ہے کہ جنوری شروع سال ۱۸۵۹ء
میں عموماً شہر میں آباد کئے جاوینگے۔ اور پنشن داروں کو جھولیاں بھر بھر کر روپے دیئے جاوینگے۔ خیر آج بدھ کا دن
۲۲ دسمبر کی ہے۔ اب شنبہ کو بڑا دن اور اگلے شنبہ کو جنوری کا پہلا دن ہے۔ اگر جیتے ہیں۔ تو دیکھ لیں گے۔ کہ
کیا ہوا۔ تم اس خط کا جواب لکھو۔ اور شتاب لکھو۔ میری جان سرفراز حسین تم کیا کر رہے ہو۔ اور کس خیال میں ہو
اب صورت کیا ہے۔ آئندہ عزیمت کیا ہے۔ میر نصیر الدین کو عرض دعا اور اشتیاق دیدار۔ میران صاحب
کہاں ہیں۔ کوئی جائے۔ اور بلا لائے۔ حضرت آیئے السلام علیکم مزاج مبارک کہیئے۔ مولوی مظہر علی نے آپ
کے خط کا جواب بھیجا یا نہیں۔ اگر بھیجا تو کیا لکھا میں جانتا ہوں کہ میر اشرف علی صاحب اور میر سرفراز علی کم اور
یہ ستم پیشہ میر مہدی بہت جناب میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ کیا کروں۔ میں کہیں تم کہیں وہاں ہوتا۔ تو دیکھتا
کہ کیونکر تم سے بے ادبیاں کر سکتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب ایک جا ہونگے۔ انتقام لیا جائیگا۔ ہے ہے کیونکہ ایک
جا ہونگے دیکھئے زمانہ اور کیا دکھاتا ہے۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔

ایضاً۔ میری جان تو کہہ رہا ہے بیٹھے سے میاں ناسو دیوانہ۔ صبر و تسلیم و توکل و رضا شیوہ صوفیہ کا ہے۔ تجھ سے
زیادہ اس کو کون سمجھے گا۔ جو تم مجھ کو سمجھاتے ہو۔ کیا میں یہ جانتا ہوں کہ ان لڑکوں کی پرورش میں کرتا ہوں۔
استغفر اللہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ۔ یا تم یہ سمجھے ہو کہ میں شیخ چلی کی طرح سے یہ خیال باندھتا ہوں کہ مرغی مول
لونگا۔ اور اس کے انڈے بیچ کر بکری خریدونگا۔ اور پھر کیا کرونگا۔ اور آخر کیا ہوگا۔ بھائی یہ تو میں نے اپنا
راز دل تم سے کہا تھا۔ کہ آرزو یہی تھی۔ اور اب وہ نقش باطل ہو گیا۔ ایک حسرت کا بیان تھا۔ نہ خواہش
کا۔ دیکھو اس پنشن قدیم کا حال میں تو اس سے ہاتھ دھوئے بیٹھا ہوں۔ لیکن جب تک جواب نہ پاؤں کہیں
اور کیونکر چلا جاؤں۔ حاکم اکبر کے آنے کی خبر گرم ہے دیکھئے کب آتے۔ تو مجھے بھی دربار میں بلائے۔ یا نہ بلائے
خلعت ملے یا نہ ملے اس بیچ میں ایک اور پیچ اور آپڑا ہے۔ اس کو دیکھ لوں اور پھر صرف اسی کا انتظار
نہیں اس مرحلے کے طے ہونے کے بعد پنشن ملنے نہ ملنے کا تردد بدستور رہیگا۔ مبک بہر کیونکر بن جاؤں کہ یہ سب

اس ملک کو چھوڑ کر نکل جاؤں۔ پنشن جاری ہوئے پر بھی تو سوا رام پور کے ٹھکانا نہیں ہے۔ وہاں تو جاؤں اور ضرور جاؤں۔ تین برس ثبات قدم اختیار کیا اب انجام کار میں اضطراب کی کیا وجہ چپکے ہو رہو۔ اور مجھ کو کسی عالم میں غمگین اور مضطر گمان نہ کرو۔ ہر وقت میں جیسا مناسب ہوتا ہے۔ ویسا عمل میں آتا ہے۔ صاحب میرن صاحب نے دو سطریں دستخط خاص سے لکھی تھیں۔ واللہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ کہ یہ کس مقدمہ کا ذکر ہے ۔

ایضاً۔ سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکالا ہے۔ بعد القاب کے شکوہ شروع کرو۔ دنیا اور میرن صاحب کو اپنا ہم زبان کر لینا۔ میں میر مہدی نہیں کہ میرن صاحب پر مرتا ہوں۔ میر سرفراز حسین نہیں کہ ان کو پیار کرتا ہوں۔ علی کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں۔ اس میں تم بھی آ گئے۔ کمال یہ ہے کہ میرن صاحب سے محبت قدیم ہے۔ دوست ہوں عاشق زار نہیں ہوں۔ بندۂ مہر و وفا ہوں مگرفتار نہیں۔ تمہارے بھائی نے سخت مشوش بلکہ نعل در آتش کر رکھا ہے۔ ایک سلام اصلاح کے واسطے بھیجا اور لکھا کہ بعد محرم کے میں بھی آؤں گا۔ میں نے سلام بنا دیا اور منتظر رہا۔ کہ ڈاک میں کیوں بھیجوں وہ آ جائیں گے تو میں ان کو دوں گا۔ محرم تمام ہوا۔ آج سہ شنبہ غرہ صفر ہے حضرت کا پتہ نہیں۔ ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات کا نام آ گیا سو پہلے تو مجملاً سنو۔ ایک غدر کالوں کا اور ایک ہنگامہ گوروں کا۔ ایک فتنہ انہدام مکانات کا۔ ایک آفت وبا کی۔ ایک مصیبت کال کی۔ اب یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے۔ آج اکیسواں دن ہے۔ آفتاب اس طرح نظر آ جاتا ہے۔ جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔ رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ ان کو جگنو سمجھ لیتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں چوروں کی بن آئی ہے۔ کوئی دن نہیں کہ دو چار گھر کی چوری کا حال نہ سنا جائے۔ مبالغہ نہ سمجھنا ہزارہا مکان گر گئے۔ سیکڑوں آدمی جا بجا دب کر مر گئے۔ گلی گلی ندی بہ رہی ہے۔ قصہ مختصر وہ ان کا کال تھا۔ کہ مینہ نہ برسا اناج نہ پیدا ہوا۔ یہ پن کال ہے۔ پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہ گئے۔ جنھوں نے ابھی نہیں بویا تھا۔ وہ بونے سے رہ گئے۔ سن لیا دلی کا حال۔ اس کے سوا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جناب میرن صاحب کو دعا۔

ایضاً۔ بے مے نہ کند در کف من خامہ روانی

سرد ست ہوا آتش بے دود کجائی

میر مہدی صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے۔ دو حرف لکھتا ہوں ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سہی مگر ہائے وہ آتش سیال کہاں کہ جب دو جرعہ پی لیے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی دل توانا ہو گیا دماغ روشن ہو گیا۔ نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہنچا ساقی کوثر کا بندہ اور تشنہ لب ہائے غضب ہائے غضب۔ میاں تم پنشن پنشن کیا کر رہے ہو۔ گورنر جنرل کہاں اور پنشن کہاں صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر صاحب کمشنر بہادر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر جب ان تینوں نے جواب

دیا ہو تو اس کا مرافعہ گورنمنٹ میں کروں۔ مجھے تو دربار و خلعت کے لالے پڑے ہیں۔ تم کو پنشن کا فکر ہے۔ یہاں کے حاکم نے میرا نام فرد میں نہیں لکھا۔ میں نے اُس کا اپیل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے ہاں کیا ہے۔ دیکھئے کیا جواب آتا ہے۔ بہرحال جو کچھ ہوگا تم کو لکھا جائیگا۔ اجی وہ یوسف ہندوستانی یوسف دہر ہیں یوسف مصری یا یوسف کشور ہیں انکی زلیخا نے ستم برپا کر رکھا ہے۔ مجھے تو خبر نہیں۔ کہیں حضرت کہہ گئے ہیں کہ میں سانڈنی سے ہیلنبہ بھیجے جاؤنگا۔ اب اُن کا تقاضا ہے رحیم بخش روز آتا ہے اور کہتا ہے کہ چھجو جان کو لکھو۔ کہ بچے کی جان بھوکی مرتی ہیں۔ خرچ جلد بھیجو۔ ورنہ نالش کی جائیگی۔ اور تم کو گواہ قرار دیا جائے گا۔ بہرحال میرن صاحب کو یہ پڑھوا دینا۔ میر سرفراز حسین کو دعا۔ میر نصیر الدین کو دعا۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا۔ یوسف ہفت کشور کو دعا۔

ایضاً۔ واہ حضرت کیا خط لکھا ہے۔ اس خرافات کے لکھنے سے فائدہ۔ بات اتنی ہے کہ میرا پلنگ مجھ کو ملا۔ میرا بچھونا مجھ کو ملا ——— میرا جام مجھ کو ملا۔ میرا بیت الخلا مجھ کو ملا۔ مرات کا وہ شور گوئی آٹھ پہر ہو گیا۔ میری جان بچی میرے آدمی کی جان بچی۔ ع اکنوں شب من شب است و روز من روز۔ تم نے یہ تو لکھا۔ کہ میرن صاحب کو میرا خط پہنچا یا نہ پہنچا۔ میں گمان کرتا ہوں۔ کہ نہیں پہنچا۔ اگر پہنچتا تو بے شک وہ تمہاری نظر سے گذرتا اور میرن صاحب اس کی اصل حقیقت تم سے پوچھتے اور اس صورت میں یہ بھی ضرور تھا۔ کہ تم اس واہیات کے بدلے مجھ کو وہ روداد لکھتے جو میرن صاحب میں اور تم میں پیش آئی۔ پس اگر جیسا کہ گمان ہے خط نہیں پہنچا۔ تو خیر جانے دو۔ اگر خط پہنچا ہے تو میرن صاحب کے جواب لکھوانے میں تم نے میرا دم ناک میں کر دیا تھا۔ اب اُن سے میرے خط کے جواب کا تقاضا کیوں نہیں کرتے۔ حسن بھی کیا چیز ہے۔ نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا مجر ہوتا ہے۔ تم اُن سے خواہش وصال کرتے ہوئے ڈرو۔ میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں نہیں کہتے نہ صاحب یہ کچھ بات نہیں میرے خط کا جواب اُن سے لکھوا کر بھجواؤ۔ یہاں کا حال وہ ہے۔ جو دیکھ گئے ہو۔ پانی گرم ہوا گرم تپیں مستولی اناج مہنگا۔ بیچارہ نفیسی میر احمد حسین کا بھتیجا میر امداد علی آشوب کا بیٹا محمد میر شب گذشتہ کو گذر گیا۔ آج صبح کو اس کو دفن کر آئے۔ جوان صالح پرہیزگار مومنین کا پیش نماز تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مجتہد العصر کا حکم بجا لاؤنگا۔ اور نہ رئیس کو بلکہ مدار المہام ریاست کو لکھونگا۔ رئیس میرے سوال کا جواب قلم انداز کر جائیگا۔ اور مدار المہام اور اتنی لکھ بھیجے گا۔ میرن صاحب کو دعا اور کہنا کہ بھلا صاحب تم نے ہمارے خط کا جواب نہیں لکھا۔ ہم بھی تمہاری طرز کا اطلاع کرینگے۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا کہنا کہ اگر تم میں ان میں راہ و رسم تعزیت و تہنیت ہو۔ تو میر احمد حسین کو خط لکھو۔ اور یہ بھی ان کو معلوم ہو کہ حفیظ یہاں آیا ہوا ہے۔ قبائل تمہارے یہیں ہیں۔ اگر وہاں کچھ رسائی حاصل ہو۔ تو خیر ورنہ یہاں کیوں نہ چلے آؤ۔

سے میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جان ۔ کروں کیا کہ یاں گھر ہے بے مکان۔

برسات کا حال نہ پوچھو خدا کا قہر ہے۔ قاسم خان کی گلی — سعادت خان کی نہر ہے میں جس
مکان میں رہتا ہوں۔ عالم بیگ خان کے کٹرہ کی طرف کا دروازہ گر گیا مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو
دروازہ تھا گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں۔ صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے۔ چھتیں چھلنی ہو گئی ہیں۔ مینہ گھڑی
بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے کتابیں قلمدان سب توشہ خانہ میں فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا ہے کہیں چلمچی
دھری ہوئی خط کہاں بیٹھ کر لکھوں۔ پانچ چار دن سے فرصت ہے۔ مالک مکان کو فکر مرمت ہے آج ایک
امن کی صورت نظر آئی کہا کہ آؤ میر مہدی کے خط کا جواب لکھوں۔ الور کی ناخوشی راہ کی محنت کشی۔ تپ کی
حرارت۔ گرمی کی شرارت یاس کا عالم کثرت اندوہ و غم حال کی فکر مستقبل کا خیال تباہی کا رنج آوارگی
کا ملال جو کچھ کہو وہ کم ہے بالفعل تمام عالم کا ایک سا عالم ہے۔ سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار ملیگا۔
مگر وہ اختیار ایسا ہوگا۔ جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے سب کچھ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا آدمی کو بدنام کیا ہے بارے
رفع مرض کا حال لکھو۔ خدا کرے تپ جاتی رہی ہو۔ تندرستی حاصل ہو گئی ہو۔ میر صاحب کہتے ہیں۔ ع تندرستی ہزار
نعمت ہے۔ ہائے پیش مصرع مرزا قربان علی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے۔ مجھ کو پسند آیا ہے ؎

تنگ دستی اگر نہ ہو سالکؔ — تندرستی ہزار نعمت ہے

مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب کو دعا۔ آہا ہا میر افضل علی صاحب کہاں ہیں۔ حضرت یہاں تو اس نام کا
کوئی نہیں ہے۔ لکھنؤ کے مجتہد العصر کے بھائی کا نام میرن صاحب تھا۔ جے پور کے مجتہد العصر کے بھائی میرن صاحب
کو کیوں نہ کہلائیں۔ ہاں بھائی میرن صاحب بھلا اُن کو ہماری دعا کہنا ⁂

ایضاً۔ میری جان تو تو بیکاری میں خط لکھنے کا ایک شغل ہے قلم دوات لیے بیٹھے اگر خط پہنچا ہے تو جواب
ورنہ شکوہ شکایت و عتاب و خطاب لکھنے لگے کل حکیم اشرف علی آئے تھے۔ سر منڈوا ڈالا ہے۔ محلقین رؤسکم
پر عمل کیا ہے۔ میں نے کہا۔ سر منڈوایا ہے تو داڑھی رکھو۔ کہنے لگے دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم واللہ انکی صورت
قابل دیکھنے کے ہے۔ کہتے تھے کہ میر احمد علی صاحب آگئے اور بحال و برقرار ہے۔ خدا کا شکر بجا لایا کبھی تو ایسا
بھی ہو۔ کہ ہمیں عزیزوں کی خبر سنی جائے۔ میرا سلام کہنا اور مبارکباد دینا۔ خبردار بھول نہ جائیو۔ تمہاری شکایت
ہائے بے جا کا جواب یہ ہے۔ کہ تم نے جو خط مجھ کو پانی پت سے بھیجا تھا۔ اور کرنال کی روانگی کی اطلاع دی
تھی میں نے تجویز کر لیا تھا۔ کہ جب کرنال سے خط آیا۔ تو میں جواب لکھوں گا۔ آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت
ابھی کھانا پکا بھی نہیں۔ تبرید پی کر بیٹھا تھا کہ تمہارا خط آیا۔ اور پڑھا اور یہ جواب لکھا۔ میاں بیمار ہے
ایاز کو خط کو دیکر ڈاک گھر روانہ کیا ہے تمہارا گلہ بیجا یا بجا۔ بھائی گلہ کرو تو اپنے سے کرو کہ تم نے کرنال پہنچ
کر خط لکھنے میں کیوں دیر کی۔ اور ہاں یہ کیا سبب ہے کہ بہت دن سے میر نصیر الدین کا نام تمہاری قلم سے نہیں

نکلنا۔ ان کی خیر و عافیت اُنکی بندگی نہ لکھتے تو خیر و عافیت تو لکھتے۔ یہ باتیں اچھی نہیں میرن صاحب کے باب میں حیران ہوں۔ تنہا تمہارے ساتھ گئے ہیں۔ والدہ اُن کی پانی پت میں ہیں وہاں کوئی مکان لیکر والدہ کو وہیں بلائینگے یا خود بعد چند روز کے یہاں آجائینگے یہ دو باتیں جواب طلب ہیں۔ میر نصیر الدین کی بندگی نہ لکھنے کا سبب اور میرن صاحب کے بود و باش کی حقیقت لکھو۔ رہا میرا پنشن اس کا ذکر نہ کرو۔ اگر ملیگا تو تم کو اطلاع دی جائیگی شہر کی آبادی کا چرچا تھا۔ کرایہ کو مکان ملنے لگے۔ چار پانچ سو گھر آباد ہوئے تھے۔ کہ پھر وہ قاعدہ مٹ گیا۔ اب خدا جانے کیا دستور جاری ہے۔ آئندہ کیا ہوگا۔ سلطان العلما مجتہد العصر مولوی سید سرفراز حسین کو اگرچہ نظر اُس کے مدارج علم و عمل پر بندگی چاہیئے۔ مگر خیر میں عزیزداری و یگانگی کی راہ سے دعا لکھتا ہوں۔ میرن صاحب کو دعا اور بعد دعا کے بہت سا پیار۔ میر نصیر الدین کو دعا زیادہ کیا لکھوں ؎

ایضاً میاں کیوں ناسپاسی و حق ناشناسی کرتے ہو۔ چشم بیمار ایسی چیز ہے۔ کہ جس کی کوئی شکایت کرے۔ تمہارا منہ چشم بیمار کے لائق کہاں۔ چشم بیمار میرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں جس کو اچھے اچھے عارف دیکھنے رہتے ہیں تم گنوار چشم بیمار کو کیا جانو۔ خیر ہنسی ہو چکی اب حقیقت مفصل لکھو۔ تم زحیر کی عادت رکھتے ہو عوارض چشم سے تم کو کیا علاقہ ——— میرے نور چشم کی آنکھ کیوں دُکھی۔ میں نے خط تمہیں جان کر نہیں لکھا۔ تم نے لکھا تھا۔ کہ بعد عید میں وہاں آؤنگا۔ مجھ کو خط بھیجنے میں تامل ہوا لکھتے کچھ ہو کرتے کچھ ہو تنخواہ کی سنو تین برس کے دو ہزار دو سو پچاس روپے ہوئے سود مختار خرچ کے جو چاہیے تھے وہ کٹ گئے ڈیڑھ سو متفرقات میں اُٹھ گئے مختار کار دو ہزار لایا۔ چونکہ میں اس کا قرضدار ہوں روپیہ اس نے اپنے گھر میں رکھے اور مجھ سے کہا۔ کہ میرا حساب کیجئے حساب کیا سود مول سات کم پندرہ سو ہوتے ہیں میں نے کہا میرے قرضہ متفرق کا حساب کرو اوپر گیارہ سو روپے نکلے میں کہتا ہوں یہ گیارہ سو بانٹ دے نو سو بچے آدھے تو لے آدھے مجھے دے وہ کہتا ہے۔ پندرہ سو مجھ کو دو پانسو سات تم لو یہ جھگڑا مٹ جائیگا تب کچھ ہاتھ آئیگا۔ خزانہ سے روپیہ آگیا ہے میں نے آنکھ سے دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں بات رہ گئی پت رہ گئی۔ حاسدوں کو موت آگئی دوست شاد ہوگئے ہیں۔ جیسا ننگا بھوکا ہوں جب تک جیوں گا۔ ایسا ہی رہوں گا۔ میرا دار و گیر سے بچنا کرامت اسد اللّہی ہے۔ ان پیسوں کا ہاتھ آنا عطیۂ ید اللّہی ہے۔ حاکم شہر لکھ دے کہ یہ شخص ہرگز پنشن پانے کا مستحق نہیں حاکم صدر مجھ کو پنشن دلوائے۔ اور پورا دلوائے۔ میرن صاحب کو دعا کہتا ہوں۔ اور فراج کی خبر پوچھتا ہوں۔ جواب ترکی بترکی جواب عربی بعربی جو انہوں نے لکھا وہ میں نے بھی لکھا۔ مجتہد العصر کو بندگی لکھوں دعا لکھوں۔ کیا لکھوں۔ نہیں بھئی وہ مجتہد ہوں ہوا کریں۔ میرے تو فرزند ہیں۔ میں دعا ہی لکھوں گا۔ اور اسی طرح میر نصیر الدین کو بھی دعا ؎

ایضاً۔ بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے۔ قلعہ۔ چاندنی چوک۔ ہر روز مجمع مسجد جامع کا۔ ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی۔ ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں پھر کہو دلی کہاں۔ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے دیکھئے کہاں اترتے ہیں۔ اور کیونکر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیردار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر۔ بہادر گڑھ۔ بلب گڑھ۔ فرخ نگر۔ دوجانہ۔ پاٹودی۔ لوہارو۔ چار معدوم محض ہیں۔ باقی جو رہے اس میں سے دوجانہ و لوہارو تحت حکومت ہانسی حصار۔ پاٹودی۔ حاضر اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس۔ دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفیٰ خان۔ سلطان جی میں مولوی صدرالدین خان۔ بلی ماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسد۔ تینوں مردود و مطرود و محروم و مغموم ؎

ٹوٹ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسمان سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

تم آتے ہو چلے آؤ۔ جان نثار خان کے چھتے کی۔ خان چند کے کوچہ کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھنا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز میدان نکلنا سن جاؤ۔ غالب افسردہ دل کو دیکھ جاؤ چلے جاؤ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کو دعا۔ حکیم الملک میر اشرف علی کو دعا۔ قطب الملک میر نصیر الدین کو دعا۔ یوسف میرزا افضل علی کو دعا۔ غالبؔ

ایضاً۔ جان غالب تمہارا خط پہنچا غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے۔ ع ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے مصرعہ بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہو گیا۔ اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی۔ میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے ارے اب اہل دہلی ہندو ہیں۔ یا اہل حرفہ ہیں۔ یا خاکی ہیں۔ یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ریاست تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔ خس کی ٹٹی پروا ہوا اب کہاں لطف وہ تو اسی مکان میں تھا۔ اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ چھت اور سمت بدلی ہوئی ہے۔ بہرحال میگذرد مصیبت عظیم یہ ہے۔ کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا۔ لال ڈگی کے کنوئیں یک قلم کھاری ہو گئے خیر کھاری ہی پانی پیتے گرم پانی نکلتا ہے۔ پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا۔ اور مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جائے۔ یاد کرو مرزا گوہر کے باغیچے کے اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا۔ اب وہ باغیچے کے صحن کے برابر ہو گیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند

ہوگیا۔ فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں۔ باقی سب اٹ گیا۔ کشمیری دروازہ کا حال تم دیکھ گئے ہو اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان ہوگیا۔ پنجابی کٹرہ دھوبی واڑہ۔ رامجی گنج سعادت خاں کا کٹرہ جرنیل کی بی بی کی حویلی۔ رامجی داس گودام والے کے مکانات صاحب رام کا باغ حویلی۔ ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہوگیا تھا۔ اب جو کنوئیں جاتے رہے۔ اور پانی گوہر نایاب ہوگیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہوجائیگا۔ اللہ اللہ دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں واہ رے حسن اعتقاد ارے بندۂ خدا اردو بازار نہ رہا۔ اردو کہاں دلی کہاں واللہ اب شہر نہیں ہے۔ کمپ ہے چھاؤنی ہے نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔ الور کا حال کچھ اور ہے۔ مجھے اور انقلاب سے کیا کام۔ الیگزنڈر ہڈرلی کا کوئی خط نہیں آیا۔ ظاہراً ان کی مصاحبت نہیں ورنہ مجھ کو ضرور خط لکھتا رہتا۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب اور نصیر الدین کو دعا ؛

ایضاً۔ جانِ غالب اب کے ایسا بیمار ہوگیا تھا۔ کہ مجھ کو خود افسوس تھا۔ پانچویں دن غذا کھائی۔ اب اچھا ہوں۔ تندرست ہوں۔ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ تک کچھ کھٹکا نہیں ہے محرم کی پہلی تاریخ سے اللہ مالک ہے میر نصیر الدین آئے کئی بار میں نے ان کو دیکھا نہیں اب کی بار وہ دہیں مجھ کو غفلت بہت رہی احباب کے آنے کی خبر نہیں ہوئی جب سے اچھا ہوا ہوں۔ سید صاحب نہیں آئے۔ تمہاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے۔ اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اڑی اس کو آپ نے ازراہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی بہرحال اچھے ہوجاؤ۔ اور جلد آؤ۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کا خط آیا تھا۔ میں نے میرن صاحب کی آزردگی کے خوف سے اس کا جواب نہیں لکھا۔ یہ رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا۔ کہ میر سرفراز حسین اپنے خط کی رسید سے مطلع ہوجائیں اور میرن صاحب میرے پاس الفت پر اطلاع پائیں ؛

ایضاً۔ سید صاحب کل پھر دن رہے تمہارا خط پہنچا یقین ہے۔ کہ اسی وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہارے پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا جو کچھ ہے ان کی زبان سن لوگے میں کیا لکھوں میں نے بھی جو کچھ سنا ہے انہیں سے سنا ہے۔ ان کا اس طرح ناکام پھر آنا میری تمنا اور میرے مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میرے عقیدے اور میرے تصور کے مطابق ہے میں جانتا تھا۔ کہ وہاں کچھ نہ ہوگا۔ سو روپیہ ناحق زیر باری ہوئی چونکہ یہ زیر باری میرے بھروسے پر ہوئی تو مجھے شرمساری ہوئی۔ میں نے اس چھپا سٹھ برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیاہیاں بہت اٹھائی ہیں۔ جہاں ہزار داغ ہیں۔ ایک ہزار ایک یہی میر سرفراز حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے۔ وبا کو کیا پوچھتے ہو قدر انداز قضا کے

ترکش میں ہم ایک تیر باقی تھا۔ قتل ایسا عام۔ لوٹ ایسی سخت کال ایسا پڑا۔ وبا کیوں نہ ہو۔ لسان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے ؎

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی۔ مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اس میں میری کسرِ شان تھی بعد رفعِ فساد سمجھ لیا جائیگا۔ کلیاتِ اُردو کا چھاپا تمام ہوا۔ اغلب کہ اسی ہفتہ میں غایت اسی مہینہ میں ایک نسخہ بسبیل ڈاک تم کو پہنچ جائیگا۔ کلیاتِ نظمِ فارسی کے چھاپنے کی بھی تدبیر ہو رہی ہے۔ اگر ڈول بندھ گیا تو وہ بھی چھاپا جائیگا۔ قاطع برہان کے خاتمہ میں کچھ فوائد بڑھائے گئے ہیں اگر مقدور مساعدت کریگا۔ تو میں بے شرکتِ غیر اس کو چھپواؤں گا۔ مگر یہ خیال محال ہے۔ میرے مقدور کی تیاری کا حال مجتہد العصر کو معلوم ہے۔ واللہ علیٰ کل شئی قدیر۔ خدا کا بندہ ہوں علیؑ کا غلام ہوں خدا کریم میرا خداوند سخی علی وادم چہ غم دارم وبا کی آنچ مدھم ہو گئی ہے پانچ سات دن بڑا شور رہا۔ پرسوں خواجہ مرزا ولد خواجہ امان مع اپنی بی بی بچوں کے دلّی میں آیا۔ کل رات کو اس کا نو برس کا بیٹا ہیضہ کر کے مر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الور میں بھی وبا ہے۔ ایجنٹ نیڈ سہادر لی مشتہر بہ الک صاحب مر گیا۔ واقعی بے تکلف وہ میرا عزیز اور ترقی خواہ اور سراج میں اور مجھ میں متوسط تھا۔ اس جرم میں ماخوذ ہو کر مرا خیر یہ عالمِ اسباب ہے اس کے حالات سے ہم کو کیا ؏

ایضاً۔ ہاں صاحب کیا چاہتے ہو۔ مجتہد العصر کے مسودہ کو اصلاح دیکر بھیجدیا۔ اب اور کیا لکھوں۔ تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ لفافہ کو کریا کرو۔ مسودہ کو بار بار دیکھا کرو۔ پالک گیا ہے۔ یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں۔ یہاں خیریت ہے وہاں کی عافیت مطلوب ہے۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا۔ اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا لازمۂ سعادتمندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔ کیوں میں کہیو اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی۔ ہائے کیا اچھا شیوہ ہے۔ جب تک یوں نہ لکھو وہ خط ہی نہیں ہے۔ چاہ بے آب ہے۔ ابر بے باراں ہے۔ نخل بے میوہ ہے۔ خانہ بے چراغ بے نور ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ تم زندہ ہو۔ تم جانتے ہو ہم زندہ ہیں۔ امرِ ضروری لکھ لیا۔ زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا۔ اور اگر تمہاری خوشنودی اس طرح کی نگارش پر منحصر ہے۔ تو بھائی ساڑھے تین سطریں ویسی بھی میں نے لکھ دیں۔ کیا قضا نہیں پڑھتے۔ اور وہ مقبول نہیں ہوتی۔ خیر ہم نے بھی وہ عبارت جو مسودہ کے ساتھ لکھی تھی۔ اب لکھ بھیجی قصور معاف کرو خفا نہ ہو

میر نصیر الدین ایکبار آئے تھے پھر نہ آئے فارسی عرضی میں نے کہاں لکھی۔ کہ تمہارے چچا کو یا تم کو بھیجدوں۔ نواب فیض محمد خان کے بھائی حسن علیخاں مر گئے۔ حامد علیخاں کی ایک لاکھ تیس ہزار کئی سو روپیہ کی ڈگری بادشاہ پر ہو گئی۔ کلو داروغہ بیمار ہو گیا تھا۔ آج اُس نے غسل صحت کیا باقر علی خان کو تہلیہ بہت تپ آتی ہے۔ حسین علی خان کو ہمیشہ پہرے سے تپ آتی ہے۔ حسین علی خان کے گلے میں دو غدود ہو گئے ہیں شہر چُپ چاپ نہ کہیں پھاوڑا بجتا ہے۔ نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اُڑایا جاتا ہے۔ نہ آہنی سڑک آتی ہے نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلی شہر شہر خموشاں ہے۔ کاغذ نبڑ گیا۔ ورنہ تمہارے دل کی خوشی کیواسطے بھی اور لکھتا

ایضاً۔ سید صاحب تمہارے خط کے آنے سے وہ خوشی ہوئی جو کسی دوست کے دیکھنے سے ہو۔ لیکن زمانہ وہ آیا ہے کہ ہماری قسمت میں خوشی ہی نہیں۔ خط سے معلوم ہوا تو کیا معلوم ہوا۔ کہ ڈھائی سو روپے ان دنوں میں ڈھائی روپے بھی بھاری ہیں۔ ڈھائی سو کیسے سبحان اللہ باوجود اس تہیدستی کے پھر بھی کہنا پڑتا ہے۔ کہ روپے گئے بلا سے آبرو بچی اب میر سرفراز حسین کو چاہیئے۔ کہ اور چلے جائیں۔ شاید نئے بندوبست میں کوئی صورت نوکری کی نکل آئے۔ میری دعا کہو اور یہ کہو کہ اپنا حال اور اپنا قصہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو لکھیں پنشن کا حال کچھ معلوم ہوا ہو تو کہوں حاکم خط کا جواب نہیں لکھتا عملہ ہر چند تفحص کیجئے کہ ہمارے خط پر کیا حکم ہوا۔ کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ یہ حال اتنا سنا ہے۔ اور دلائل اور قرائن سے معلوم ہوا ہے۔ کہ میں بیگناہ پایا ہوں اور صاحب کمشنر بہادر کی رائے میں پنشن پانے کا استحقاق رکھتا ہوں۔ پس اس سے زیادہ نہ مجھے معلوم نہ کسی کی خبر میاں کیا باتیں کرتے ہو۔ میں کتابیں کہاں سے چھپواتا روٹی کھانے کو نہیں شراب پینے کو نہیں جاڑے آتے ہیں لحاف توشک کی فکر ہے کتابیں کیا چھپواؤں گا۔ منشی امید سنگھ اندور والے دلی آئے تھے۔ سابقہ معرفت مجھ سے نہ تھا۔ ایک دوست اُن کو میرے گھر لے آیا انہوں نے وہ نسخہ دیکھا چھپوانے کا قصد کیا۔ آگرہ میں میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ تھا۔ اسکو میں نے لکھا۔ اُس نے اس اہتمام کو اپنے ذمہ لیا مسودہ بھیجا گیا۔ ۸ر فی جلد قیمت ٹھہری پچاس جلدیں منشی امید سنگھ نے لیں پچیس روپے چھاپے خانہ میں بطریق ہنڈوی بھجوا دیئے صاحب مطبع نے بشمول سعی منشی ہرگوپال تفتہ چھاپنا شروع کیا آگرہ کے حکام کو دکھایا۔ اجازت چاہی۔ بعد دیکھنے کے بکمال خوشی اجازت دی پانسو جلد چھاپی جاتی ہے۔ اس پچاس جلد میں شاید پچیس جلد منشی امید سنگھ مجھ کو دینگے میں عزیزوں کو بانٹ دونگا۔ پرسوں خط تفتہ کا آیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ ایک جزو چھپنا باقی رہا ہے یقین ہے ابھی اکتوبر میں نسخہ تمام ہو جائے بھائی میں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے اکتیس جولائی ۱۸۵۸ء تک کا حال لکھا ہے۔ اور نامہ میں اس کی اطلاع دیدی ہے۔ امین الدین خان کی جاگیر کے ملنے کا حال اور

اور بادشاہ کی روانگی کا حال کیونکر لکھتا انکو جاگیر اگست میں ملی بادشاہ اکتوبر میں گئے۔ کیا کرتا ہے۔ اگر تحریر موقوف نہ کرتا منشی امید سنگھ اندور جانے والے تھے۔ اگر ختم کر کے مسودہ اُن کے سامنے آگرہ نہ بھیج دیتا تو پھر چھپواتا کون ؎

ایضاً۔ خوبیٔ دین و دنیا روزی باد۔ میر اشرف علی صاحب نے تمہارا خط دیا۔ وہ جو تم نے لکھا تھا۔ کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہمنام کے ہاتھ جا پڑا۔ صاحب قصور تمہارا ہے۔ کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو۔ جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو۔ مجھ کو دیکھو۔ کہ میں کب سے دلی میں رہتا ہوں۔ نہ کوئی اپنا ہمنام ہونے دیا نہ کوئی اپنا عرف بننے دیا۔ نہ اپنا ہم تخلص بہم پہنچایا۔ فقط پنشن کی صورت یہ ہے۔ کہ کوتوال سے کیفیت طلب ہوئی اس نے اچھی لکھی کل ہفتہ کا دن ساتویں اگست کی مجھ کو اجرٹن صاحب بہادر نے بلایا۔ کچھ سہل سوال مجھ سے کئے اب ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تنخواہ ملے اور جلد ملے تردد اگر ہے تو اس میں ہے۔ کہ ۱۵ مہینے بھی ملتے ہیں یا صرف آئندہ کو مقرر ہوتی ہے غلام فخرالدین خاں کی دو ایک روبکاریاں ہوئی ہیں۔ صورت اچھی ہے۔ خدا چاہے۔ تو رہائی ہو جائے۔ صاحب ہم نے گھبرا کر اُس تحریر فارسی کو تمام کیا۔ دفتر بند کیا اور یہ لکھ دیا کہ یکم اگست ۱۸۵۸ء تک میں نے پندرہ مہینے کا حال لکھا اور آئندہ لکھنا موقوف کیا۔ تم کو آگے اس سے لکھا تھا کہ تم اپنے اوراق کا فقرہ آخیر لکھ بھیجو۔ اب پھر تم کو لکھا جاتا ہے۔ کہ جلد لکھو تاکہ میں اس کے آگے کی عبارت تم کو لکھ کر بھیج دوں ہاں صاحب میر اشرف علی صاحب بھی یہی فرماتے تھے۔ کہ میر سرفراز حسین پانی پت آیا چاہتے ہیں اگر آجائیں تو مجھ کو اطلاع کرنا ؎

ایضاً۔ مار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے اس چرخ کج رفتار کا بُرا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال و جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا۔ چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے ؎

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک — اور تو یہاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

یاد رہے۔ یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ کل سے مجھ کو یہ کش بہت یاد آتا ہے۔ سو صاحب اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں۔ وہ صحبتیں اور تقریریں جو یاد کرتے ہو۔ اور تو کچھ بن نہیں آتی مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو۔ آنسوؤں پیاس نہیں بجھتی یہ تحریر تلافی اس تقریر کا نہیں کر سکتی۔ بہر حال کچھ لکھتا ہوں۔ سنو پنشن کی رپورٹ کا ابھی کچھ حال نہیں معلوم دیر آید درست آید۔ بھئی میں تم سے بہت آزردہ ہوں۔ میرن صاحب کی تندرستی کے بیان میں نہ اظہار مسرت نہ مجھ کو تہنیت بلکہ اس طرح سے لکھا ہے کہ گویا ان کا تندرست ہونا تم کو ناگوار ہوا ہے۔ لکھتے ہو۔ کہ میرن صاحب ویسے ہی ہو گئے جیسے آگے تھے۔ اُچھلتے کودتے پھرتے ہیں

اُس کے یہ معنے کہ ہے ہے کیا غضب ہُوا یہ کیوں اچھے ہو گئے یہ باتیں تمہاری ہم کو پسند نہیں آتیں۔ تم نے میر کا وہ مقطع مشابہ تیرے الفاظ لکھتا ہوں ؎

کیوں نہ میرن کو مغتنم جانوں
دلّی والوں میں اک بچا ہے یہ

میر تقی کا مقطع یوں ہے ؎

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

میر کی جگہ میرن اور رہا کی جگہ بچا کیا اچھا تصرف ہے۔ ارے میاں تم نے کچھ اور بھی سُنا کل یوسف مرزا کا خط لکھنؤ سے آیا وہ لکھتا ہے کہ نصیر خاں عرف نواب جان والدان کا دائم الحبس ہو گیا حیران ہوں۔ کہ یہ کیا آفت آئی یوسف مرزا تو جھوٹ کاہے کو لکھیگا۔ خدا کرے اُس نے جھُوٹ سُنا ہو۔ لو بھئی اب تم جا ہو جاؤ۔ اپنے گھر میں تو روٹی کھانے جاتا ہوں۔ اندر باہر سب روزہ دار ہیں۔ یہانتک کہ بڑا لڑکا باقر علیخان بھی صرف ایک میں اور ایک میرا بیٹا حسین علی خان یہ ہم روزہ خور ہیں۔ وہیں حسین علیخان جس کا روز مرہ ہے۔ کھلونے منگا دو میں بجار جاؤنگا میر سرفراز حسین کو دعا کہنا اور یہ خط اُن کو ضرور سنا دینا۔ برخوردار میر نصیر الدین کو دعا پہنچے ؏

ایضاً۔ میر جہدی جیتے رہو۔ آفریں صد ہزار آفریں۔ اُردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔ سنو دلّی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہے یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلّہ کا رہنے والا لوٹ لے گیا مگر میں نے اسکو بحل کیا اللہ برکت دے۔ میری پنشن اور ولایت کے انعام کا حال کماحقہٗ اسے لو وللرحمٰن الطاف خفیہ۔ ایک طرز خاص پر تحریک ہوئی۔ نواب گورنر جنرل بہادر نے حاکم پنجاب کو لکھا کہ حاکم دہلی سے فلاں شخص کی پنشن کے چڑھے ہوئے روپیہ کے بلگشت پانے کی اور آئندہ ماہ بماہ ملنے کی رپورٹ منگوا کر اپنی منظوری لکھ کر ہمارے پاس بھیجدو تاکہ ہم حکم منظوری دیکر تمہارے پاس بھیجدیں سو یہاں اس کی تعمیل بطرز مناسب ہو گی۔ کم و بیش دو مہینہ میں سب روپیہ مل جائے گا۔ اور ہاں صاحب کمشنر بہادر نے یہ بھی کہا۔ کہ اگر تم کو ضرورت ہو تو سو روپیہ خزانہ سے منگوا لو میں نے کہا صاحب یہ کیسی بات ہے کہ اوروں کو برس دن کا روپیہ ملا۔ اور مجھے سو روپیہ دلواتے ہو۔ فرمایا کہ تم کو اب چند روز میں سب روپیہ اور اجرا کا حکم مل جائیگا۔ اوروں کو یہ بات برسوں میں میسر آئیگی۔ میں چپ ہو رہا۔ آج دوشنبہ یکم شعبان اور ہفتم مارچ ہے دوپہر ہو جائے۔ تو اپنا آدمی معہ رسید بھیجکر سو روپیہ منگالوں پر یار ولایت کے انعام کی توقع خدا ہی سے ہے حکم تو اسی حکم کے ساتھ اس کی رپورٹ

کرنے کا بھی آیا ہے۔ مگر یہ بھی حکم ہے کہ اپنی رائے لکھو۔ اب دیکھئے یہ دو حاکم یعنی حاکم دہلی اور حاکم پنجاب اپنی رائے کیا لکھتے ہیں۔ حاکم پنجاب کے گورنر بہادر کا یہ بھی حکم ہے کہ دستنبو منگوا کر اور تم دیکھ کر ہمکو لکھو کہ وہ کیسی ہے اور اس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ حاکم دہلی نے ایک کتاب بھی مجھ سے مانگی۔ اور میں نے دی۔ اب دیکھوں حاکم پنجاب کیا لکھتا ہے۔ اسوقت تمہارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا مجھ کو باتیں کرنیکا مزا ملا تو دونو کا جواب ابھی لکھ کر روانہ کیا اب میں روٹی کھانے جاتا ہوں۔ میر سرفراز حسین میرن صاحب میر نصیر الدین کو دعا ؎

ایضاً۔ سید صاحب نہ تم مجرم نہ میں گنہگار۔ تم مجبور میں ناچار۔ لو اب کہانی سنو میری سرگذشت میری زبانی سنو۔ نواب مصطفےٰ خاں جو میعاد سات برس کے قید ہو گئے تھے۔ سو انکی تقصیر معاف ہوئی اور انکو رہائی ملی صرف رہائی کا حکم آیا ہے۔ جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنشن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھیرے ہیں میں بمجرد استماع اس خبر کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا اُن کو دیکھا چار دن وہاں رہا پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ آجانیکی یاد نہیں مگر ہفتہ کو گیا منگل کو آیا آج بدھ دوم فروری ہے مجھ کو آئے ہوئے نواں دن ہے۔ انتظار میں تھا کہ تمہارا خط آئے تو اس کا جواب لکھا جائے آج صبح کو تمہارا خط آیا دوپہر کو میں جواب لکھتا ہوں ؎

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے　　کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے۔ اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے لاہوری دروازہ کا تھانہ دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے۔ جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اُس کو پکڑ کر حوالات میں بھیجدیتا ہے۔ حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں۔ یا دو روپیہ جرمانہ لیا جاتا ہے آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے یہاں کا جمعدار میرے پاس بھی آیا۔ میں نے کہا بھائی تو مجھے نقشے میں نہ لکھ میری کیفیت کی عبارت الگ لکھ عبارت یہ کہ اسد اللہ خاں پنشندار ۱۸۵۰ء سے حکیم بیٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا نہ گوروں کے زمانے میں نکلا اور نکالا گیا کرنل برون صاحب بہادر کی زبانی حکم پر اس کی اقامت کا مدار ہے۔ اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا اب حاکم وقت کو اختیار ہے۔ پرسوں یہ عبارت جمعدار نے محلہ کے نقشے کے ساتھ کوتوالی میں بھیجدی ہے۔ کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان دکان کیوں بناتے ہیں۔ جو مکان بن چکے ہیں انہیں ڈھادو اور آئندہ کو ممانعت کا حکم سنا دو۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت

سو آپ شہر میں آباد ہو جائے آجتک یہ صورت ہے دیکھئے شہر کے بسنے کی کون صورت ہے۔ جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے ہیں یا جو باہر پڑے ہوئے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں الملک للہ والحکم للہ۔ نورچشم میر سرفراز حسین اور برخوردار میر نصیر الدین کو دعا۔ اور جناب میرن صاحب کو سلام بھی اور دعا بھی اس میں سے وہ جو چاہیں قبول کریں۔

ایضاً۔ میری جان خدا تم کو ایک سو بیس برس کی عمر دے بوڑھا ہونے آیا داڑھی میں بال سفید آ گئے مگر بات سمجھنی نہ آئی پنشن کے باب میں اُلجھے ہو اور کیا بے جا اُلجھے ہو یہ تو جانتے ہو کہ دلی کے سب پنشن داروں کو مئی ۱۸۵۷ء سے پنشن نہیں ملا یہ فروری ۱۸۵۹ء بائیسواں مہینہ ہے۔ چند اشخاص کو اس بائیس مہینے میں سال بھر کا روپیہ بطریق مدد خرچ مل گیا۔ باقی چڑھے ہوئے روپیہ کے باب میں اور آیندہ ماہ بماہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ تم اب اپنے سوال کو یاد کرو کہ اس واقعہ سے اس کو کچھ نسبت ہے یا نہیں یہ حضرت کا سوال امیر خسرو کی انمل ہے ع چیل بسولا لے گئی تو کاہے سے چھیلوں۔ اب علی بخش خاں پچاس روپے مہینہ پاتے تھے بائیس مہینے کے گیارہ سو ہوتے ہیں انکو چھ سو روپے مل گئے باقی روپیہ چڑھا ہوا آیندہ ملنے میں کچھ کلام نہیں غلام حسن خاں سو روپے مہینے کا پنشن دار بائیس مہینے کے بائیس سو روپے ہوتے ہیں اس کو بارہ سو ملے دیوان کشن لال کا ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ بائیس مہینے کے تین ہزار تین سو ہوتے ہیں اس کو بارہ سو ملے منا جمعدار دس روپیہ مہینہ کا سکھ ملیہ سال بھر کے ایکسو بیس لے آیا اسی طرح ہندو مسلمانوں کو ملا ہے آیندہ کیواسطے کسی کو کچھ حکم نہیں مجھ کو پھر مدد خرچ نہیں ملا۔ جب کئی خط پر خط لکھے تو آخر صاحب کمشنر بہادر نے حکم دیا کہ سائل کو بطریق مدد خرچ سو روپیہ مل جاویں میں نے وہ سو روپے نہ لئے اور پھر صاحب کمشنر بہادر کو لکھا کہ میں باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ مہینہ پانے والا ہوں سال بھر کے ساڑھے سات سو روپیہ ہوتے ہیں سب پنشن داروں کو سال سال بھر کا روپیہ مجھ کو سو روپیہ کیسے ملتے ہیں مثل اوروں کے مجھے بھی سال بھر کا روپیہ مل جاوے ابھی اس میں کچھ جواب نہیں ملا۔ آبادی کا یہ رنگ ہے کہ ڈھنڈورا پٹوا کر ٹکٹ چھپوا کر اجمیٹن صاحب بہادر بطریق ڈاک کلکتہ چلے گئے۔ دلی کے جتنا جو باہر پڑے ہوئے ہیں منہ کھول کر رہ گئے اب جب وہ مراجعت کرینگے تب شاید آبادی ہو گی یا کوئی اور نئی صورت نکل آوے میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین اور میرن صاحب کو دعائیں پہنچیں برخوردار کامگار میر مہدی قطعہ تم نے دیکھا سچ مچ میرا حلیہ ہے واہ اب کیا شاعری رہ گئی ہے جس وقت میں نے یہ قطعہ یاں کے بھیجنے کے واسطے لکھا ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں لڑکوں نے ستایا کہ دادا جان چلو کھانا تیار ہے ہمیں بھوک لگی ہے تین خط اور لکھے ہوئے رکھے تھے میں نے کہا کہ اب کیوں لکھوں اسی کاغذ کو لفافے میں رکھ کر ٹکٹ لگا کر سرنامہ لکھ کلیان کے حوالہ کر گھر میں چلا گیا اور وہاں ایک پہر بھی گی تھی کہ دیکھوں میرا میر مہدی خفا ہو کر

کیا باتیں بناتا ہے سو وہی ہوا تم نے جلے پھپھولے پھوڑے لو اب سنو خط لکھنے بیٹھا ہوں کیا لکھوں یہاں کا حال زبانی میرن صاحب کے سن لیا ہوگا مگر وہ جو کچھ تم نے سنا ہوگا بے اصل باتیں ہیں پنشن کا مقدمہ کلکتہ میں نواب گورنر جنرل بہادر کے پیش نظر یہاں کے حاکم نے اک ایک روبکاری لکھ کر اپنے دفتر میں رکھ چھوڑی میرا اس میں کیا ضرر۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ دو ایک آدمی آگئے دن بھی تھوڑا رہ گیا میں نے بکس بند کیا باہر تختوں پر آ بیٹھا شام ہوئی چراغ روشن ہوا۔ منشی سید احمد حسین سرہانے کی طرف مونڈھے پر بیٹھے ہیں۔ میں پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں کہ ناگاہ چشم و چراغ دودمان علم و یقین سید نصیر الدین آیا۔ ایک کوڑا ہاتھ میں اور ایک آدمی ساتھ اس کے سر پر ایک ٹوکرا اُس پر گھاس ہری بچھی ہوئی میں نے کہا اہا ہا ہا سلطان العلما مولانا سرفراز حسین دہلوی نے دوبارہ رسید بھیجی ہے بارے معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہے یہ کچھ اور ہے فیض خاص نہیں لطف عام ہے شراب نہیں آم ہے۔ خیر یہ عطیہ بھی ہے خالی نہیں بلکہ نعم البدل ہے ایک ایک آم کو ایک ایک سر بمہر گلاس سمجھا بادہ انگوری سے بھرا ہوا مگر واہ کس حکمت سے بھرا ہے کہ باوجود گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے میاں کہتا تھا کہ پانسو تھے پندرہ بگڑ گئے بلکہ سڑ گئے تا ان کی برائی اوروں میں سرایت نہ کرے ٹوکرے میں سے پھینک دیئے میں نے کہا بھائی یہ کیا کم ہے مگر تمہاری تکلیف اور تکلف سے خوش نہیں ہوا۔ تمہارے پاس روپیہ کہاں جو تم نے آم خریدے خانہ آباد دولت زیادہ۔ ویکور ایک انگریزی شراب ہوتی ہے۔ قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی میٹھی جیسا قند کا قوام پتلا دیکھو اس لغت کے فرہنگ سرور میں ہو تو مجتہد العصر اور حکیم میر اشرف علی کو کہ وہ اُن کے علمی کنج ہیں اور ٹکے ٹک کی کتابیں پا لیں پچاس روپے کو لے گئے ہیں میری دعا کہہ دینا۔

ایضاً۔ "کیوں یار کیا کہتے ہو ہم اچھے آدمی کام کے ہیں یا نہیں۔ تمہارا خط پڑھ کر دو سو بار یہ شعر پڑھا ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک　　　آتش شوق تیز تر گردد

کلو کو مولوی مظہر علی صاحب کے پاس بھیجکر کہلا بھیجا کہ آپ کہیں جائیگا نہیں میں آتا ہوں بھلا بھائی اچھی حکمت کی کیا وہ میرے بابا کے نوکر تھے کہ میں اُن کو بلاتا اُنہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ تکلیف نہ کریں میں حاضر ہوتا ہوں دو گھڑی کے بعد وہ آئے ادھر کی بات اُدھر کی بات کوئی انگریزی کاغذ دکھایا کوئی فارسی خط پڑھوایا اجی کیوں حضرت آپ میرن صاحب کو نہیں بلاتے صاحب میں تو اُن کو لکھ چکا ہوں کہ تم چلے آؤ اور ایک مقام کا اُن کو پتہ لکھا ہے کہ وہاں ٹھیر کر مجھ کو اطلاع کر دیں میں شہر میں بلاؤں گا۔ صاحب اب وہ ضرور آئیں گے آخرکار اُن سے اجازت لیکر اب تم کو لکھتا ہوں کہ

چاہے بقدر اندازے اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے۔ روپیہ دے اور ٹکٹ لے گھر بیاد ہو جائے بہرا
زدان سے مختصر یہ کہو۔ کہ بھائی بے مبالغہ ہے کہ روٹی وہاں کھاؤ تو پانی یہاں پیو۔ یہ کہتا ہوں کہ عید وہاں کرو۔ تو یاسی ۱۱۷ ب
عیدیاں کرو۔ میرا حال سنو۔ کہ بے رزق جینے کا ڈھب مجھ کو آگیا ہے اس طرف سے خاطر جمع رکھنا رمضان ۱۱۷
کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کاٹا۔ آئندہ خدا رازق ہے کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے بس صاحب جب ایک چیز
کھانے کو ہوئی اگرچہ غم ہی ہو تو پھر کیا غم ہے میر سرفراز حسین کو میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا۔ میر نصیر الدین
کو دعا اور شفیع احمد صاحب کو میر احمد علی صاحب کو سلام کہنا۔ میرن صاحب کو نہ سلام نہ دعا یہ خط پڑھا دو اور
ادھر کو روانہ کرو۔ کیا خوب بات یاد آئی ہے۔ کیوں وہ شہر سے باہر ٹھہریں اور کیوں کسی کے بلانے کی راہ
دیکھیں۔ شکرم میں۔ کرانچی میں جو کٹتے ہیں یعنی ڈاک میں آئیں۔ بلی ماروں کے محلہ میں میرے مکان پر اتریں
میرزا قربان علی بیگ کے مکان میں مولوی مظہر علی رہتے ہیں میرے ان کے مسکن میں ایک میر خیراتی کی حویلی
درمیان ہے۔ ڈاک کو زنہار کوئی نہیں روکتا یہ صلاح تو ایسی ہے کہ اگر اس خط کے پہنچتے ہی چل دیں تو عید بھی
یہیں کریں۔

ایضاً۔ میاں کیوں تعجب کرتے ہو۔ یوسف میرزا کے خط نہ آنے سے۔ وہ وہاں اچھی طرح سے ہے حاکموں کے
ہاں آنا جانا نوکری کی تلاش میں۔ حسین مرزا بھی وہیں ہیں۔ وہاں سے حکام ملتے ہیں وہاں پنشن کی درخواست
کر رہے ہیں۔ ان دونوں صاحبوں کے ہر ہفتہ میں ایک دو خط مجھ کو آتے ہیں۔ جواب بھیجتا ہوں بھائی لکھنؤ
میں وہ امن و امان ہے۔ کہ نہ ہندوستانی عملداری میں ایسا امن و امان ہوگا۔ نہ اس فتنہ و فساد سے پہلے
انگریزی عملداری میں یہ چین ہوگا۔ امراء اور شرفا کی حکام سے ملاقاتیں بقدر تعظیم و توقیر پنشن کی تقسیم
علی العموم آبادی کا حکم عام لوگوں کو کمال لطف اور نرمی سے آباد کرتے جاتے ہیں۔ اور ایک نقل سنو۔ وہاں
کے صاحب کمشنر بہادر اعظم نے جو دیکھا کہ محلہ میں ہنود بھرے ہوئے ہیں۔ اہل اسلام نہیں ہیں۔ ہنود کو اور
محلوں میں بھیج دیا۔ اور ان کی جگہ سب مسلمانوں کو بھرتی کیا یہ تو آفت دلی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے لکھنؤ کے
سوا اور شہروں میں عملداری کی وہ صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی۔ اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں یعنی
بھی لکھے فارسی عبارت یہ ہے۔ ٹکٹ آبادی درون شہر دہلی بشرط ادخال جرمانہ مقدار روپیہ کی حاکموں کی رائے
پر ہے۔ آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے۔ کل اتوار یوم التعطیل ہے۔ پرسوں دو شنبہ سے دیکھئے یہ کاغذ کیونکر تقسیم
ہوں یہ تو کیفیت عموماً ہے خصوصاً میرا حال سنو باتیں بیتے کے پرسوں کوتوال کو حکم آیا ہے کہ اسد اللہ خاں
پنشن دار کی کیفیت لکھو۔ کہ وہ بے مقدور اور محتاج ہے یا نہیں کوتوال نے موافق ضابطے کے مجھ سے چار گواہ مانگے
ہیں۔ سو کل چار گواہ کوتوالی چبوترے جائیں گے اور میری بے مقدوری ظاہر کر آئیں گے تم کہیں یہ نہ سمجھنا کہ ٹکٹ بوت

مفلسی چڑھا ہوا روپیہ مل جائیگا اور آئندہ کو پنشن جاری ہو جائے گا۔ نہ صاحب یہ تو ممکن ہی نہیں۔ بعد ثبوت افلاس مستحق ٹھیروں گا چھ مہینے یا بارہ دن کا روپیہ علی الحساب پانے کا۔ میرن صاحب جو بلائے گئے ہیں۔ اس مطلب کے جواب میں ابھی کیوں نہیں لکھتے کہ ٹکٹ میرے نام کے حاصل کر کے بھیجدو تو میں آؤں۔ دیکھا بہ دس پانچ دن میں حسب حال کھلا جاتا ہے۔ میر سرفراز حسین کو دعا اور میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا۔ میر نصیر الدین کو دعا کہنا اور میرن صاحب کو مبارکباد کہنا۔ غالبؔ

بنام شاہ عالم صاحب

مخدوم زادہ والا تبار حضرت شاہ عالم سلام و دعائے درویشانہ قبول فرماویں۔ آپکا مع الخیر وطن پہنچنا اور بزرگوں کے قدم بوس اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپ کو مبارک ہو۔ ع یوسف از مصر بہ کنعان آمد۔ تفرقہ اوقات و سفر رامپور و شدت تموز مقتضی اس کی ہوئی کہ ہنوز تمہارے مسودات دیکھے نہیں گئے۔ تا نزول باران رحمت الہی اور بھی چپکے بیٹھے رہو۔ اپنے ماموں صاحب کو نیاز معتقدانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہیئے گا۔ اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مخدوم کو وہ سلام جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے پہنچا دیجئے گا۔ اور عرض کیجئے گا۔ کہ از روئے دیدار حد سے گذر گئی۔ یارب جب تک حضرت صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انوار الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور ان سے ہم کلام نہ ہو لوں میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو۔ لیکن ۱۲۷۷ھ کے دو مہینے باقی ہیں۔ ایسے کے محرم سے اس ذی الحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے۔ مشفقی مکرمی چودھری عبدالغفور صاحب کو میرا سلام کہیئے گا۔ اور یہ پیام پہنچائیگا کہ حضرت صاحب عالم کی تمنائے دیدار سے بعید مارہرہ کنایہ اس سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے ع خواہش وصل مقدر ہے جو مذکور نہیں۔ اُن کے اس خط کا جواب جو پرسوں مجھ کو پہنچا ہے۔ موم جامہ میں لپیٹ کر بھیجوں گا انشاء اللہ العزیز۔ ہاں جناب شاہ عالم صاحب پھر روئے سخن آپ کی طرف ہے جناب میر وزیر علی صاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے اور میرے مسکن سے ایک تیر پرتاب کے فاصلہ پر چاندنی چوک میں قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اُترے ہیں۔ مرفی صاحب کا کام اُن کے سپرد ہوا ہے یعنی ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں۔ اور بندوبست ملکیہ تک کا مقدمہ عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہنوز قائم مقام ہیں وہ صاحب جس کا نام لکھ آیا ہوں۔ بطریق رخصت سیاٹو گیا ہے ایکدن فقیر بھی اُن کے مکان پر چلا گیا تھا۔ حُسن صورت اور حسن سیرت دونوں اُن میں جمع ہیں۔ آنکھیں اُن کے حُسن صورت سے روشن ہو گئیں اور دل اُن کی حُسن سیرت سے خوش ہو گیا۔ واہ خاک پاک بلگرام میں نے وہاں کے جس بزرگوار کو دیکھا بہت اچھا پایا ۔

ایضاً۔ مخدوم زادۂ عالیشان مقدس دودمان حضرت شاہ عالم امن و امان وعزہ و شان و علم و عمر سے برخوردار رہیں۔ ہمارے حضرت ہم کو بھول گئے۔ ہاں سچ ہے۔ اُن کا لطف چودھری عبدالغفور صاحب کے جوہر مہر و محبت کا عرض تھا جب جوہر نہ رہا تو عرض کہاں۔ بہر حال جناب حضرت عالم صاحب کو میری بندگی پہنچ جائے۔ اور یہ سطریں اُن کی نظر سے گذر جائیں چودہری عبدالغفور خاں صاحب کو سلام کہئے گا۔ اور یہ پوچھئے گا۔ کہ قصیدہ کا بعد اصلاح کے نہ پہنچنا میرا گناہ ہے یا اس کے سوا کوئی اور قصور ہے اگر وہی جرم ہے تو معاف کیجئے۔ اگر کوئی جرم بھی ہے تو مجھے اطلاع دیجئے ان دو پیام کی تبلیغ کے بعد پھر روئے سخن آپکی طرف ہے۔ آپ کا خط میرے نام کا اور اس کے ساتھ ایک خط ڈپٹی میر وزیر علی صاحب کے نام کا پہنچا وہ پڑھا اور بھجوا دیا۔ جو آدمی خط لیکر گیا تھا۔ وہ دوبارہ جواب مانگنے کو گیا۔ پہلی بار حکم ہوا کہ کل آئیو دوسری بار حضرت نہ ملے۔ میں نے اس کے جواب سے قطع نظر کر کے اپنی خدمتگذاری کی آپ کو اطلاع دی۔ یائے تحتانی لکھ چکا کہ ایک چپراسی آیا۔ اور اس نے خط تمہارے نام کا ٹکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی صاحب نے سلام کہا ہے۔ اور یہ خط دیا ہے۔ اب میں یہ خط اپنا مع اُن کے خط کے ڈاک گھر میں بھیجتا ہوں۔ صبح کا وقت یکشنبہ کا دن ۸ صفر اور ۲۵۔ اگست کی ہے ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں۔ باقی اُن کے حالات ان کے خط سے معلوم ہو جائینگے۔ اپنے ماموں صاحب کی خدمت میں نیاز اور اپنے بھائی صاحبوں کی خدمت میں فقیر کی دعا پہنچائیے گا۔ والسلام ؂

بنام صاحب عالم صاحب

پیر و مرشد اس مطلع و حسن مطلع کو کیا سمجھوں اور اس کا شکر کیونکر بجا لاؤں۔ خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگ آفرینش کو اپنے خاصان درگاہ سے بھلا کہواتا ہے۔ ظاہرا میرے مقدر میں یہ سعادت عظمٰی تھی کہ میں اس وبائے عام میں جیتا بچ رہا۔ اللہ اللہ ایسے کشتنی و سوختنی کو یوں بچایا۔ اور پھر اس رتبہ کو پہنچایا کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں اور کبھی بہشت کو اپنا پائیں باغ تصور کرتا ہوں واسطے خدا کے اور اشعار نہ فرمائیے گا۔ ورنہ بندہ دعوئ خدائی کرنے میں محابا نہ کریگا۔ کتاب افادت مآب پنج آہنگ نسخہ لطیف شریف تالیف اس کے آگے غلام سے کچھ نہ پڑھا گیا۔ مگر چودہری صاحب اور حضرت سید شاہ امیر صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب یہ تین اسم معلوم ہوئے پھر بھی دوسرے اسم میں متردد ہوں کہ آیا میرا قیاس مطابق واقع ہے یا نہیں ہاں چودھری صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب اُن دنوں میں نہیں

تردد باقی نہیں۔ حضرت یہ نہ سمجھا کہ مقصود کیا ہے۔ اگر پنج آہنگ مطلوب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرا ایک بھتیجا بھائی نواب ضیاء الدین خان سلمہ تعالیٰ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مجموعہ نثر اور کلیات نظم فارسی اور کلیات نظم اردو سب نسخے اس کے کتب خانہ میں تھے۔ وہ کتب خانہ ڈر کر عرض کرتا ہوں، بیس ہزار روپیہ کی مالیت کا ہوگا۔ لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا۔ یہاں چھاپے کی پنج آہنگیں اب بکتی ہیں۔ اور معیوب ہر دو عیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو بعد انطباع از قسم نثر تحریر ہوا ہے۔ وہ اس میں نہیں دوسرے کاپی نویس نے وہ اصلاح میری نثر کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے۔ اگر کوئی سطر غلطی سے خالی نہیں تو اغراق ہے۔ مبالغہ نہیں ہے۔ کہ کوئی صفحہ اغلاط سے خالی نہیں۔ بہرحال اگر فرمائیے تو لیکر بھیجدوں۔ مخدوم زادہ ہائے معالی تبار کا پہلا نام سمجھ میں نہیں آیا۔ مگر پہلے ان کی خدمت میں سلام مسنون اور اشتیاق روز افزوں عرض کرتا ہوں ؀

ایضاً بعد حمد خدا و نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سعی و رواں جناب صاحب عالم صاحب کو بندگی اور حضرت قبول عالم کی شادی کی مبارکباد کہہ عرض کروں کہ میرا کیا حال ہے؟ اضمحلال قویٰ کا حال تحریر یہ ہے۔ کہ کوئی دوست ایسا کہ جس سے تکلف کی ملاقات ہے آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ جو کچھ لکھنا ہوتا ہے۔ وہ بھی اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ آج دوپہر کو میر عبدالعزیز صاحب آئے ہیں۔ بے کلاہ و پیرہن پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ انکو دیکھ کر اٹھا مصافحہ کیا انہوں نے جناب شاہ عالم کا خط مع مسودات اشعار دیا اور فرمایا کہ پرسوں جاؤنگا۔ عرض کیا کہ کل آخر روز آپ تشریف لائیں خط کا جواب اور اصلاحی مسودہ لیجائیں وہ تشریف لے گئے میں لیٹ رہا دن کے سونے کی عادت نہیں ہے جی میں کہا آؤ بیکار کیوں رہو خط کا جواب آج لکھ رکھو۔ اٹھے کون۔ بکس کھولے کون لڑکوں کی دوات قلم ڈھونڈھ کر پلنگ کے پاس رکھ لی اور یہ مقتضی اس کا ہوا کہ آغاز نامہ بنام اقدس ہو۔ حضرت نسخہ تاریخ برہان تیسری چوتھی نظر میں مکمل ہو کر مسودات ایک کاتب کے حوالے ہوئے آٹھ جزو لکھے گئے۔ کم و بیش دو جزو باقی ہیں۔ پرسوں تک آ جائیں گے۔ بعد اس کے انطباع کی فکر ہوگی۔ جب وہ عزیمت انطباع پذیر ہو جائیگی۔ حضرت کی نظر سے بھی شرف پائے گی۔ حضرت سید عالم کو نیاز خورشید عالم کو سلام۔ چوہدری صاحب کو نہ سلام نہ نیاز صرف یہ پیام کہ ہم تمہارے خط کو مصرع طرح سمجھتے تھے باتوں کا مزا ملتا تھا۔ خیر و عافیت معلوم ہو جاتی تھی۔ وہ ذریعہ روحانی منقطع کیوں ہوا۔ صاحب یہ روش اچھی نہیں گاہ گاہ رسل و رسائل کا طور رہنا ہے ؀

۲ اور پھر سید صاحب عالم کی خدمت میں

بنام مولوی عبد الغفور خان بہادر نسّاخ

جنابِ مولوی صاحبِ قبلہ یہ درویشِ گوشہ نشین جو موسوم بہ اسد اللہ اور متخلّص بہ غالب ہے مکرمتِ حال کا شکر گذار اور آئیندہ افزائشِ عنایت کا طالب ہے دفترِ بے مثال کو عطیۂ کبریٰ اور موہبتِ عظمیٰ سمجھ کر یاآوری کا احسان مانا پہلے اس قدر افزائی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ حضرت نے اس ہیچ مرز ا ہیچمدان کو قابلِ خطاب اور لائقِ عطائے کتاب جانا میں دروغگو نہیں خوشامد میری خو نہیں۔ دیوانِ فیض عنوان اسم بامسمیٰ ہے دفترِ بے مثال اس کا نام بجا ہے۔ الفاظ متین معانی بلند مضمون عمدہ۔ بندش دلپسند ہم فقیر لوگ اعلانِ کلمۃ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش طرزِ جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے۔ آپ اُن سے بڑھ کر بصیغۂ مبالغہ نسّاخ ہیں۔ تم والئے رموزِ اُردو زبان ہو سرمایۂ نازشِ قلمروِ ہندوستان ہو۔ خاکسار نے ابتدائے سنِ تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے پھر اوسطِ عمر میں بادشاہِ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم و نثر کا عاشق و مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں۔ مگر تیغِ اصفہانی کا گھائل ہوں جہاں تک زور چل سکا فارسی زبان میں بہت بکا۔ اب نہ فارسی کی فکر نہ اردو کا ذکر نہ دنیا میں توقع نہ عقبیٰ کی امید۔ میں ہوں اور اندوہِ ناکامیِ جاوید جیسا کہ خود ایک قصیدہ نعت کی تشبیب میں کہتا ہوں ؎

چشم کشودہ اند بکردار ہائے من ۔۔۔ زآئیندہ ناامیدم و از رفتہ شرمسار

ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ اب اور کہاں تک رہونگا۔ ایک اُردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا۔ تین رسالے نثر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے۔ اب اور کیا ہو گا۔ مدح کا صلہ نہ ملا غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی۔ بقول طالب آملی علیہ الرحمۃ ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی ۔۔۔ دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

سچ تو یوں ہے۔ کہ قوتِ ناطقہ پژمردہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا طبیعت میں وہ فراست وہ شور نہ رہا۔ پچاس پچپن برس کی مشق کا ملکہ باقی رہ گیا ہے۔ اسی سبب سے فنِ کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں حواس کا بھی بقیہ اسی قدر ہے۔ کہ معرضِ گفتار میں موافق سوال جواب دیتا ہوں۔ روز و شب یہ فکر رہتی ہے۔ کہ دیکھئے وہاں کیا پیش آتا ہے۔ اور یہ بال بال گنہگار بندہ کیونکر بخشا جاتا ہے حضرت سے یہ التماس ہے کہ آپ جو ابداء کے بادی اور مجھ کو ارسالِ نامہ کی سبیل کے بادی ہوئے ہیں جب تک میں جیتا رہوں نامہ و پیام سے۔ اور بعد میرے مرنے کے دعائے مغفرت سے یاد فرماتے رہیئگا

والسلام بالوف الاحترام ؎

بنام مرزا یوسف علی خان صاحب عزیز

بھائی تم کیا فرماتے ہو جان بوجھ کر انجان بنے جاتے ہو۔ واقعی عذر ہیں بیرگھر نہیں لٹا مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا۔ کہ نہ لٹتا۔ بھائی ضیاءالدین خان صاحب اور ناظر حسین مرزا صاحب ہندی۔ فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لیکر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے۔ سوان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی۔ نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں۔ ہاں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ مئی کی گیارہویں ۱۸۵۷ء سے جولائی کی اکتیسویں ۱۸۵۸ء تک پندرہ مہینے کا اپنا حال میں نے نثر میں لکھا ہے۔ اور وہ نثر فارسی زبان قدیم میں ہے۔ کہ جس میں کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ اور ایک قصیدہ فارسی متعارف عربی و فارسی ملی ہوئی زبان میں حضرت فلک رفعت جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی ستائش میں اس نثر کے ساتھ شامل ہے۔ یہ کتاب مطبع مفید خلائق آگرہ میں منشی بخش صاحب حقیر اور مرزا حاتم علی بیگ اور منشی ہرگوپال تفتہ کے اہتمام میں چھاپی گئی ہے۔ فی الحال مجموعہ میری نظم و نثر کا اس کے سوا اور کہیں نہیں اگر جناب منشی امیر علی خان صاحب میرے کلام کے مشتاق ہیں۔ تو نسخہ موسوم بہ دستنبو مطبع مفید خلائق سے منگالیں اور ملاحظہ فرمائیں ؎

بنام قاضی عبدالجمیل صاحب

مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کو بعد تمنا ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت میرا ذریعہ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامہ آپ کے اوقات مختلف میں پہنچے۔ پہلے خط کے حاشیہ اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی پھیکی کہ حروف اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے اگرچہ بینائی میری اچھی ہے اور میں عینک کا محتاج نہیں لیکن باایں ہمہ اس کے پڑھنے میں بہت تکلف کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے جگہ اصلاح کی باقی نہیں چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تاکہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط چاک کر کے پھینک دیا ہوگا۔ اور معہذا میرا اندیشہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے آپ خود دیکھ لیں۔ کہ اس میں اصلاح کہاں دی جائے واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجے۔ اس میں بین الافراد بین المصرعین فاصلہ زیادہ چھوڑیئے آپ کے خط میں ورق کاغذ اشعار کا ہے۔ حروف اس کے روشن ہیں۔ مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم آپ کی خاطر سے رنج کتابت اٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا۔ اس سے مقابلہ

مقابلہ کر کے معلوم کر لیجئے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کونسی بیت موقوف ہوئی۔ مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعہ میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر غزل خوانی کر لیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعہ طرح کو کیا لکھیئے گا اور اس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیئے گا۔ میں کبھی اس محفل میں جاتا ہوں۔ اور کبھی نہیں جاتا اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے۔ اس کو دوام کہاں کیا معلوم ہے۔ اب کے نہ ہو اور اب کے ہو تو آئندہ نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام ؂

ایضاً۔ قبلہ آپ کو خط بھیجنے میں تردد کیوں ہوتا ہے۔ ہر روز چار خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ گاہ گاہ انگریزی بھی ڈاک کے ہرکارے بھی میرا گھر جانتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے۔ مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے۔ وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے۔ محلہ بھی ضرور نہیں آپ ہی انصاف کریں کہ آپ لال کنواں لکھتے ہیں۔ اور مجھ کو محلہ بلی ماروں میں خط پہنچتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ خط آپکا کوئی تلف نہیں ہوا۔ جو آپ نے بھیجا۔ وہ مجھ کو پہنچا بات یہ ہے کہ شوقیہ خطوط کا جواب کہاں تک لکھوں میں نے آئین نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو۔ تو کیا لکھوں۔ اب کے آپ کے خط میں تین مطلب جواب لکھنے کے قابل تھے۔ ایک تو وہ رباعی جو آپ نے اس ننگ آفرینش کی مدح میں لکھی ہے۔ اس کا جواب بندگی ہے۔ اور کورنش اور آداب دوسرا امر خط کے نہ پہنچنے کا وسوسہ سو اسکا جواب لکھ چکا۔ تیسرا امر جناب مولوی امتیاز خان صاحب کا میرے پاس آنا۔ اور میرا ملال ان سے بیان کیجئے گا۔ صبح کو میں ہر روز قلعہ کو جاتا ہوں۔ ظاہرا مولوی صاحب اول روز آئے ہونگے۔ اور میرا اسوقت قلعہ پر موجود نہ ہونا۔ واللہ مجھ کو بڑا رنج ہوا۔ اگر آپ سے ملیں تو میرا سلام کہیئے گا۔ جب سوار ہو جاتا ہوں تب بھی دو چار آدمی مکان پر رہتے ہیں۔ مولوی صاحب بیٹھے رہتے۔ اگر قلعہ جاتا ہوں تو پہر دن چڑھے آتا ہوں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔

ایضاً۔ پیر و مرشد نواب صاحب کا وظیفہ خوار گویا اس درگاہ کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کے واسطے رامپور گیا میں کہاں اور بریلی کہاں ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ نمائش گاہ بریلی کی سیر کہاں۔ خود اس نمائش گاہ کی سیر میں جس کو دنیا کہتے ہیں۔ دل بھر گیا۔ اب عالم بیرنگی کا مشتاق ہوں۔ لا الہ الا اللہ لا موجود الا اللہ لا موثر فی الوجود الا اللہ ؂

ایضاً۔ قبلہ ایک سو بیس آم پہنچے۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے دس قلمیں اور ایک چھٹانک بھر سیاہی کہار کے حوالہ کر دی ہے۔ خدا کرے بحفاظت آپ پاس پہنچے میں مریض نہیں ہوں بوڑھا ہوں اور ناتواں۔ گویا نیم جان رہ گیا ہوں۔ ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ کوئی کام دین کا نہیں کیا افسوس صد ہزار افسوس وہ غزل جو کہا ملایا تھا۔ وہاں پہنچی جہاں اب میں جانیوالا ہوں یعنی عدم

مدعا یہ کہ گم ہو گئی ۔۔

ایضاً۔ جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدہ کی بندگی۔ اگر مجھے قوت ناطقہ پر تصرف باقی رہا ہوتا تو قصیدہ کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ میں اب رنجور نہیں۔ تندرست ہوں۔ مگر بوڑھا ہوں۔ جو کچھ حالت باقی تھی۔ وہ اس ابتدا میں زائل ہو گئی اب ایک جسم بے روح متحرک ہوں ع یکے مردہ شخصم بہ مردی رواں ۔ اس مہینے میں رجب سنہ ۲۸ھ سے ستروان برس شروع ہوا۔ اور استعلام و آلام کا آغاز ہے ۔۔

ایضاً۔ جناب مخدوم مکرم کو میری بندگی۔ تفقد نامہ ۲۱ ستمبر میں نے پایا۔ حضرت کی سلامت حال پر خدا کا شکر بجا لایا۔ کوئی محکمہ تخفیف میں آئے کوئی گاؤں مثلاً لٹ جائے۔ آپ کا عہدہ آپ کو مبارک انکا دولت خانہ سلامت ہاں وہ جو اپنے ابن الخال کا اس محکمہ میں وکیل ہونے کا کھٹکا ہے۔ البتہ بجا ہے جب آپ ظاہر کر چکے ہیں۔ تو آپ کو اُس کا اندیشہ کیا ہے حاکم سمجھ لیگا۔ وہ وکیل ہیں۔ محکمہ منصفی میں نہ رہیں گے مگر صدر امین و سشن جج میں کام کریں گے میں تندرست ہوں۔ نہ رنجور ہوں زندہ بدستور ہوں دیکھئے کب بلاتے ہیں۔ اور جب تک جیتا رہوں۔ اور کیا دکھاتے ہیں۔ والسلام بالوف الاحترام ۔

ایضاً۔ جناب قاضی صاحب کو میری بندگی پہنچے۔ مکرمی مولوی غلام غوث خاں صاحب بہادر میر منشی کا قول سچ ہے۔ اب میں تندرست ہوں پھوڑا پھنسی کہیں نہیں مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ ضعف کیونکر نہ ہو برس دن صاحب فراش رہا ہوں ستر برس کی عمر جتنا خون بدن میں تھا۔ بے مبالغہ آدھا اُس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا سن کہاں جو اب پھر تولید دم خون صالح ہو بہر حال زندہ ہوں۔ اور ناتواں اور آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنون احسان والسلام مع الاکرام۔

ایضاً۔ جناب مولوی صاحب آپ کے دونوں خط پہنچے۔ میں زندہ ہوں لیکن نیم مردہ۔ آٹھ پہر پڑا رہتا ہوں اصل میں صاحب فراش ہوں۔ جیسی دق سے پاؤں پر ورم ہو گیا ہے کف پا و پشت پا سے نوبت گذر کر پنڈلی آماس ہے۔ جوتی میں پاؤں سماتا نہیں۔ بول و براز کے واسطے اٹھنا دشوار سب باتیں ایک طرف درد محلل روح ہے سنہ ۱۲۷۷ھ میں میرا نہ مرنا صرف میری تکذیب کے واسطے تھا مگر اس تین برس میں ہر روز مرگ نو کا مزا چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں پھر کیوں جیتا ہوں روح میرے اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے۔ جس طرح طائر قفس میں۔ کوئی شغل کوئی اختلاط کوئی جلسہ کوئی مجمع پسند نہیں کتاب سے نفرت۔ شعر سے نفرت جسم سے نفرت۔ روح سے نفرت۔ یہ جو کچھ لکھا ہے۔ بے مبالغہ اور بیان واقع ع خرم آں روز کزیں

منزل ویران بودم۔ ایسے مخمصہ میں اگر تحریر جواب میں قاصر رہوں تو معاف ہوں مجھے کیوں شرمندہ کیا۔ میں ہر ثنا و دعا کے قابل نہیں۔ مگر اچھوں کا شیوہ ہے۔ بروں کو اچھا کہنا اس مدح گستری کے عوض میں آداب بجا لاتا ہوں ؎

ایضاً۔ جناب قاضی صاحب کو بندگی پہنچے۔ عنایت نامہ کے ورود نے شادماں کیا۔ مگر مبہمہ جو نگارش پذیر تھی۔ اُنہوں نے حیران کیا۔ ابہام کی توبنیح اور اجمال کی تفصیل کا مشتاق ہوں آموں کے باب میں جو کچھ لکھا۔ یہ کیوں لکھا۔ اہدا کو دوام کیا ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ بذات خود حادث ہو حضرت اب کے سال ہر جگہ آم کم ہے۔ اور جو کچھ ہے وہ خشک و بے مزہ ہے۔ آم کہاں سے ہو نہ تھا دٹ نہ برسات دریا پایاب ہو گئے۔ کنوئیں سوکھ گئے۔ اثمار میں طراوت کہاں سے ہو۔ جناب اس کا خیال نہ فرمائیں۔ اپنے کشف کو غلط کر دونگا۔ برشکال آئندہ تک جیونگا۔ آپکے موہتی آم کھاؤنگا ؎

ایضاً۔ حضرت بہت دنوں میں آپ نے مجھے یاد کیا۔ سال گذشتہ انہیں دنوں میں میں رامپور تھا۔ مارچ ۱۸۶۰ء میں یہاں آگیا ہوں۔ اب یہیں ہوں۔ میں نے آپ کا خط پایا ہے۔ آپ نے سرنامہ پر رامپور کا نام حق لکھا۔ حق تعالیٰ والی رامپور کو صد و سی سال سلامت رکھے۔ اُن کا عطیہ ماہ بماہ پہنچتا ہے۔ کرم گستری استاد پروری کر رہے ہیں۔ میرے رنج سفر اٹھانے کی اور رام پور جانے کی حاجت نہیں خلیفہ حسین علی صاحب رام پور میں مجھ سے ملے ہونگے۔ مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے۔ حافظہ گویا نہ رہا۔ شامہ ضعیف۔ سامعہ باطل۔ باصرہ میں نقصان نہیں۔ البتہ قدرت کچھ کم ہو گئی ہے ع پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند۔ بہر حال چونکہ میں دلی میں ہوں۔ اور وہ رامپور گئے ہیں تو البتہ وہ آپ کے پیام جو اس کی زبان کے محول تھے۔ بدستور انکی تحویل میں رہے ہے۔ اور مجھ تک نہ پہنچے۔ یہ شہر بہت غارت زدہ ہے۔ نہ اشخاص باقی نہ امکنہ۔ کتاب فروشوں سے کہہ دونگا۔ اگر میری نظم و نثر کے رسالوں میں سے کوئی رسالہ آجائیگا۔ تو وہ مول لے کر خدمت میں بھیجدیا جائیگا ؎ دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں۔ ایک دوست کے پاس بقیۃ النہیب والغارۃ کچھ میرا کلام موجود ہے۔ اُس سے یہ غزل لکھوا کر بھیج دونگا ؎

ایضاً۔ پیر و مرشد فقیر ہمیشہ آپ کی دعا گذاری میں حاضر رہا ہے جو حکم آپ کا ہوتا ہے اسکو بجا لاتا ہوں۔ مگر معدوم کو موجود کرنا میرے وسع قدرت سے باہر ہے۔ اس زمین میں کہ جس کا آپ نے قافیہ درد دل لکھا ہے۔ میں نے کبھی غزل نہیں لکھی۔ خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر لے کر میرا کلام گمان کیا ہے۔ ہر چند میں نے خیال کیا اس زمین میں میری کوئی غزل نہیں۔ دیوان ریختہ دیکھا

کا یہاں کہیں کہیں بے اپنے حافظہ پر اعتماد نہ کر کے اس کو بھی دیکھا۔ وہ غزل نہ نکلی۔ سنئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر پڑھ دیتے ہیں چنانچہ انہی دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرہ سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجئے ع اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں۔ میں نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ اگر یہ میرا کلام ہو۔ تو مجھ پر لعنت اسی طرح زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی   میرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے سنکر عرض کیا۔ کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مقطع ہے اُس پر بقول اُس کے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسد اور شیر اور بُت اور خدا اور جفا اور وفا میری طرز گفتار نہیں ہے۔ بھلا ان دونوں شعروں میں تو اسد کا لفظ بھی ہے۔ وہ شعر میرا کیونکر سمجھا گیا۔ واللہ باللہ وہ شعر غزل رنگ کے قافیہ کا میرا نہیں ۔

ایضاً۔ آداب بجالاتا ہوں آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ غزلیں دیکھی گئیں۔ فقیر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کلام میں اغلاط و سقام دیکھتا ہوں۔ تو رفع کر دیتا ہوں۔ اور اگر سقم سے خالی پاتا ہوں۔ تو تصرف نہیں کرتا پس قسم خدا کی کہتا ہوں۔ کہ ان غزلوں میں کہیں اصلاح کی جگہ نہیں۔ سبحان اللہ سر آغاز فصل میں ایسے ثمرہائے بیش رس کا پہنچنا تو بدیہی گونہ میمنت اور شادمانی ہے۔ یہ ثمر سریع النوع اثمار ہے اس کی تعریف کیا کروں۔ اس باب میں کیا چاہتا ہوں۔ کہ میں یاد رہا۔ اور ماہ کا آپ کو خیال آیا پروردگار آپکو بایںہمہ والا پروری اور کرم گستری و یادآوری سلامت رکھے۔ جمعہ کے دن دوپہر کے وقت کہار پہنچا۔ اور اُسی وقت خط کا جواب لیکر اور آم کے دو ٹوکرے خالی دیکر روانہ کیا۔ یہاں سے اس کو حسب الحکم کچھ نہیں دیا گیا خاطر جمع رہے ۔

بنام مردان علیخان رعنا

خان صاحب عالیشان مردان علی صاحب کو فقیر غالب کا سلام۔ نظم و نثر دیکھ کر دل بہت خوش ہوا آج اس فن میں تم یکتا ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے۔ بھائی جفا کے مؤنث ہونے میں اہل دہلی و لکھنو کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں۔ کہ ہتھنی آیا۔ اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم و بیداد مذکر اور جفا مونث ہے۔ بے شبہ و شک والسلام مع الاکرام۔

ایضاً۔ خانصاحب شفیق عالی شان کو میرا سلام۔ کل تمہارا عنایت نامہ پہنچا۔ رامپور کا لفافہ آج رامپور کو روانہ ہوا۔ کاغذ اشعار میں نے دیکھ لیا۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔ نالہ ورائیج شور و غنا

؎ گذر آ ہے میرا نالۂ دل جیرح کہن سے | تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے

نالۂ دل بنا دیا۔ نواب صاحب اُردو کا تذکرہ لکھتے ہیں۔ فارسی غزل تم نے بیفایدہ لکھی دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتہ لکھا سو میں نے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا۔ منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے مجھ سے ملے۔ بہت خوبصورت اور خوش سیرت سعادتمند اور معقول پسند آدمی ہیں۔ تمہارے وہ مداح اور میں اُن کا ثنا خواں ۔

بنام مولوی عبدالرزاق شاکر

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی عبدالرزاق شاکر کی خدمت میں بعد سلام التماس یہ ہے۔ کہ مولوی صاحب علی شان مولوی مفتی اسداللہ خاں بہادر کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچا چکے ہیں تو آپ سے عرض کرتا ہوں۔ مگر آپ مفتی صاحب سے کہئے۔ کہ مجھ کو باوجود شدت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے۔ چنانچہ اجزا اشعار میں نے آپکے سامنے ایک غزل پڑھی تھی۔ جس کے دو شعر قطعہ بند یہ ہیں ؎

ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست | خود را بخاک رہ گذر حیدر افگنم

منصور فرقۂ علی اللّٰہیان منستم | آوازۂ انا اسداللہ در افگنم

خدا کرے حضرت کو بھی واقع یاد ہو۔ اتحاد اسمی دلیل مودّت روحانی ہے۔ اخی مکرمی میر قاسم علیخاں کو سلام پہنچے۔ سال گذشتہ کی تعطیل کی طرح دلّی آکر مجھ سے بے ملے نہ چلے جائیے گا۔ پھر حضرت مکتوب الیہ سے کلام ہے اشعار لبعک واصلاح کے پہنچتے ہیں۔ یہ رتبہ میری اندش کی فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں۔ بندہ نواز زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے پیرانہ سری وضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت غریزی کو زوال ہے۔ اور یہ حال ہے۔ ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اُردو میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط لکھے اور بھیجے تھے ان میں سے جو صاحب الی الامان موجود ہیں۔ عندالضرورت اسی زبان مروج میں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پارسی مکتوبوں اور رسالوں اور نسخوں اور کتابوں کے مجموعے اجزا چھاپ

ہو کر اطراف و اقصائے عجم میں پھیل گئے حال کی نثروں کو کون فراہم کرے۔ جو نثریں کہ مجموع و یکجا ہو کر جہاں جہاں منتشر ہو گئی ہیں۔ اور آیندہ ہوں اُنہیں کو جناب اعدیت جلّت عظمتہ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبائع ارباب فن فرمائے اور میں اب انتہائے عمر ناپائدار کو پہنچ کر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں۔ کچھ یاد خدا بھی چاہئے۔ نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا اگر اُس نے چاہا۔ تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قائم رہے گا۔ میں امیدوار ہوں کہ آپ انہیں نذر محقرہ یعنی تحریرات روزمرّہ اردوئے سادہ و سرسری کو غنیمت جان کر قبول فرماتے رہیں اور درویش دل ریش و فرو ماندہ کشاکش مناصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا مانگیں۔ اللہ بس ما سوی ہوس ٭

ایضاً۔ قبلہ و کعبہ فقیر پا در رکاب ہے سہ شنبہ چارشنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن عازم رامپور ہو دیگا۔ تقریب وہاں کے جانے کی رئیس مرحوم کی تعزیت اور رئیس حال کی تہنیت دو چار مہینے وہاں رہنا ہو گا۔ اب جو کوئی خط آپ بھیجیں تو رامپور بھیجیں مکان کا پتہ لکھنا ضرور نہیں شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے مخمس بعد اصلاح بھیجا جاتا ہے حق تو یہ ہے۔ کہ شعر آپ کہتے ہیں۔ اور خط میں اٹھاتا ہوں حسن اتفاق سے اصلاح خمسہ کے وقت دوست غمگسار یار وفا شعار علامہ روزگار ختم العلماء والمتبحرین مولوی مفتی صدر الدین خانصاحب بہادر صدر الصدور سابق دہلی المتخلص بہ آزردہ دام مجدہٗ کا زاد علاوہ مجھ سے ملنے کو غم خانہ پر تشریف لائے ہوئے موجود تھے۔ خمسہ کو دیکھ کر فرمایا حضور کی بلاغت کی تحسین عربی شعروں سے میرے ساتھ شریک غالب ہو کر فرمانے لگے اور آپ کی شیرینی گفتار کے وصف میں نادر عذاب البیان اور رطب اللسان رہے۔ اور مجھ سے بقدر میرے معلوم اور بیان کے آپ کے صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہو کر بہت شاد و خرسند ہوئے نادیدہ دعا دیا تھا یعنی محض مشتاقانہ بہ تمنائے ملاقات سلام لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں۔ لہٰذا میں لکھتا ہوں قبول فرمایئے گا ٭

بنام مولوی عزیز الدین صاحب

صاحب کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ دلّی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو جیسی آگے تھی قاسم جان کی گلی میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خان کے پھاٹک تک بے چراغ ہے ہاں آباد ہے تو یہ

ہے کہ غلام حسین خاں کی حویلی ہسپتال ہے۔ اور ضیاء الدین خاں کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں۔ اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالیشان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔ ضیاء الدین خاں اور اُن کے بھائی مع قبائل اور عشائر لوہارو میں۔ لال کنوئیں کے محلّہ میں خاک اُڑتی ہے آدمی کا نام نہیں تمہارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی۔ وہ لاہور گئی ہوئی ہے کھیمی کی دوکان میں کتے لوٹتے ہیں مولوی صدرالدین خاں لاہور میں ایزد بخش تراب علی ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں ہیں سنئے آپ مہر کردی حکیم احسان اللہ خاں اور میاں غلام نجف اور بہادر بیگ اور نبی بخش خاں سالک وغیرہ اُن کی مہریں ہو گئیں محضر آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ خط بیرنگ بھیجا ہے پوسٹ پیڈ خط اکثر تلف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قاضی عبدالجمیل صاحب کا خط جس کا آپ نے ذکر لکھا ہے آنکھیں پھوٹ جائیں اگر میں نے دیکھا ہو آپ اُن سے میرا سلام کہئے اور خط کے نہ پہنچنے کی اُن کو خبر پہنچائیے

بنام مفتی سیّد محمد عباس صاحب

قبلہ حضرت کا نوازش نامہ آیا میں نے اسکو حرز بازو بنایا آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عزّ و افتخار ہے فقیر امیدوار ہے۔ کہ یہ دفتر بے معنی سر اسر دیکھا جائے نہ پیش نظر دھرا رہے۔ بلکہ اکثر دیکھا جائے میں نے جو نسخہ بھجوایا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے۔ دیباچہ و خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں۔ سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جدا چاہتا ہوں طرز عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے خالی نہ ہوگی۔ گزارش نظافت سے خالی نہ ہوگی علم و ہنر سے عاری ہوں۔ لیکن پچپن برس سے محو سخن گذاری ہوں مبداء فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے۔ ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبت خداداد۔ تربیت اُستاد سے حسن و قبح ترکیب پہچاننے فارسی کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا قاطع برہان کا لکھنا کیا ہے۔ گویا باسی کڑھی میں ابال آیا لکھتا گیا تھا۔ کہ سہام ملامت کا ہدف ہوا ہے۔ کہ یہ تنگ مایہ معارض اکابر سلف ہوا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ قاطع برہان کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں۔ کہ حضرت برہان قاطع و قاطع برہان کی ایک نمط ہے۔ برہان قاطع نے کیا لکھا۔ میخ زن سکہ قطع کیا ہے۔ جو آپ نے اس کو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان جیسے تمک غیر کے

کسی برہان کو قطع نہ کرے۔ کیونکہ برہان قاطع نام پاچکی برہان قاطع کی صحت میں جتنی تقریر کیجئے گا وہ قاطع برہان کے صحت ہونے کے کام آئیگی۔ قطع تاریخ کا کیا کہنا گویا یہ کتاب ہے معشوق اور یہ قطعہ اس کا گہنا ہے۔ جناب نواب صاحب کا نیازمند اور بندۂ فرمانبردار ہوں۔ بعد عرض سلام کے شعر کے پسند آنے کا شکرگذار ہوں۔ آپ کے علم و فضل و فہم و ادراک کی جو تعریف کیجائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداری دکان بے رونق ہے ؎

بنام عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان صاحب

سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف خاں طال بقاؤہٗ! تمہارا رقعہ پہنچا۔ جو دم ہے غنیمت ہے۔ اس وقت تک میں مع عیال و اطفال جیتا ہوں۔ بعد گھڑی بھر کے کیا ہو کچھ معلوم نہیں قلم ہاتھ میں لئے پر جی بہت لکھنے کو چاہتا ہے مگر کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اگر مِل بیٹھنا قسمت میں ہے۔ تو کہہ لیں گے ورنہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ذاکی کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اسکی ماں کو صبر دے اور زندہ رکھے میں یوں سمجھتا ہوں کہ یہ چھوکری قسمت والی تھی تمہاری اُستانی تم کو اور ظہیرالدین کو اور اس کی ماں کو اور اس کی بہن کو دعا کہتی ہیں۔ اور میں پیار کرتا ہوں۔ اور دعا دیتا ہوں۔ غالب سہ شنبہ ۱۹ جنوری ۱۸۵۸ء ؁

ایضاً میاں حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ہے۔ کہ ابتک جیتا ہوں۔ بھاگ نہیں گیا نکالا نہیں گیا لٹا نہیں کسی محکمہ میں ابھی تک بلایا نہیں گیا معرض باز پرس میں نہیں آیا آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے شیرزمان خان نے مجھے آگرہ سے خط لکھا اس میں ایک رقعہ شیخ نجم الدین حیدر صاحب کی طرف سے بنام ظہیرالدین کے۔ اب مجھ کو ضرور آپڑا کہ اس کو تمہارے پاس بھیجوں۔ آدمی کوئی ایسا نظر نہ چڑھا ناچار بطریق ڈاک بھیجتا ہوں۔ اگر پہنچ جائے۔ تو آگرہ کا جواب لکھ کر میرے پاس بھیجدینا۔ میں یہاں سے آگرہ کو روانہ کردونگا۔ غالب مرسلہ دو شنبہ۔ چارم جمادی الاول ۱۲۷۴ھ جواب طلب:

ایضاً صبح شنبہ ۲۱ ماہ اکتوبر ۱۸۶۶ء اقبال نشان عضدالدولہ حکیم غلام نجف خان کو غالب علیشاہ کی دعا پہنچے۔ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو میرے کھانے پینے کی طرف سے تشویش ہے۔ خدا کی قسم میں یہاں خوش اور تندرست ہوں۔ دن کا کھانا ایسے وقت آتا ہے۔ کہ پہر دن چڑھے تک میرے آدمی بھی روٹی کھا چکتے ہیں۔ شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے۔ کئی طرح کے سالن۔ پلاؤ۔ متنجن۔ پسندے دونوں وقت روٹیاں خمیری چپاتیاں۔ مربے اچار دیں بھی خوش لڑکے بھی خوش کلو اچھا ہوگیا۔ سقہ، مشعلچی۔ خاکروب سرکار سے متعین ہے حجام اور دھوبی نوکر رکھ لیا ہے۔ آج دو ملاقاتیں ہوئیں

ہیں تنظیم تواضع اخلاق کسی باب میں کمی نہیں۔ ظہیر الدین خان بہادر کو دعا پہنچے۔ یہ خط لیکر تم اپنی دادی صاحبہ کے پاس آ جاؤ۔ اور یہ خط پڑھ کر سناؤ۔ اور اُن سے کہہ دو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی وہ غلط ہے۔ اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ باقی خیر و عافیت ہے

ایضاً: میاں تمہارا خط پہنچا۔ آج میں نے اسکو اپنے خط میں ملفوف کر کے آگرہ کو روانہ کیا۔ تم جو کہتے ہو کہ تم نے کبھی مجھ کو خط نہیں لکھا اور اگر شیخ نجم الدین حیدر کا خط نہ آتا تو اب بھی نہ لکھتے انصاف کرو۔ لکھوں تو کیا لکھوں کچھ لکھ سکتا ہوں۔ کچھ قابل لکھنے کے ہے۔ تم نے جو مجھ کو لکھا تو کیا لکھا۔ اور اب جو میں لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں۔ بس اتنا ہی ہے کہ اب تک ہم تم جیتے ہیں۔ زیادہ اس سے نہ تم لکھو گے نہ میں لکھوں گا ظہیر الدین کو دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا تم کو اور ظہیر الدین کو اور اسکی ماں کو اور اسکی بہن کو اور اسکی لڑکی کو تمہاری نانی دعا کہتی ہے اور دعائیں دیتی ہے یہ رقعہ حسین خان کے نام کا ہے۔ اُن کا حوالہ کر دینا۔ اسد اللہ۔ یکشنبہ ۲۶ دسمبر ۱۸۵۵ء

ایضاً۔ میاں تم کو مبارک ہو۔ کہ حکیم صاحب پر سے وہ سپاہی جو اُن کے اُوپر متعین تھا اُٹھ گیا اور ان کو حکم ہو گیا۔ کہ اپنی وضع پر رہو۔ مگر شہر میں رہو۔ باہر جانے کا اگر قصد کرو۔ تو پوچھ کر جاؤ۔ اور ہر ہفتہ میں ایک بار کچہری میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ کچے باغ کے پیچھوں اُٹھ کے مرزا جاگن کے مکان پر آ رہے ہیں صفدر میرے پاس آیا تھا۔ یہ اس کی زبانی ہے۔ جی اُن کے دیکھنے کو چاہتا ہے۔ مگر از راہ احتیاط جا نہیں سکتا مرزا بہادر بیگ خود نے بھی رہائی پائی۔ اب اس وقت سنا ہے کہ وہ خانصاحب کے پاس آئے ہیں۔ یقین ہے کہ بعد ملاقات باہر چلے جائینگے۔ یہاں نہ رہینگے قدم شریف میں وہ رہتے ہیں۔ آج پانچواں دن ہے۔ کہ حکیم محمود خان معہ قبائل اور عشائر پٹیالہ کو گئے ہیں۔ بمقتضائے وقت اپنی سکونت کے مکان چھوڑ کر یہاں آ رہا ہوں اس طرح کہ محل سرا میں زنانہ اور دیوان خانہ میں مردانہ پنشن کی درخواست کا ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ کلکٹر سے کیفیت طلب ہوئی ہے دیکھئے بعد کیفیت کے جانے کے پنشن ملتا ہے۔ یا جواب۔ پنجشنبہ

۱۶ شعبان ۱۲۷۴ھ مطابق یکم مئی ۱۸۵۸ء

ایضاً بھائی ہوش میں آؤ۔ میں نے تم کو خط کب بھیجا اور رقعہ میں کب لکھا۔ کہ شیر زمان کا خط تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میں نے تو ایک لطیفہ لکھا تھا۔ کہ شیر زمان خان نے میرے خط میں بندگی لکھی تھی اور میں وہ بندگی اس رقعہ میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ بس بات اتنی تھی۔ وہ ہی بندگی لکھی ہوئی گویا لپٹی ہوئی تھی۔ سو حضرت کو پہنچ گئی۔ خاطر عاطر جمع رکھیے

ایضاً۔ میاں چاول بڑے۔ چڑھتے نہیں۔ لمبے نہیں۔ پتلے نہیں۔ اب زیادہ قصہ نہ کرو۔ پرانے

اور تیلے چاول آئیں۔ ایک روپیہ کے خرید کر کے بھیجدو۔ یاد رہے نئے چاول قابض ہوتے ہیں اور پرانے چاول قابض نہیں ہوتے یہ میرا تجربہ ہے۔ شام کو میر حمید الدین صاحب کہتے تھے۔ کہ حکیم غلام نجف خاں کے پاس ایک کاتب ہے۔ بھائی دس بارہ جزو کی ایک کتاب نثر کی مجھ کو لکھانی ہے۔ یہ معلوم کرو۔ کہ وہ صاحب روپیہ کے کے جزو لکھیں گے۔ اور روز کس قدر لکھ سکتے ہیں یہ تو اب لکھو۔ اور پھر دوپہر کے بعد اُن کو میرے پاس بھیجدو۔ تاکہ میں ان کو کاغذ اور منقول عنہ حوالہ کروں۔ ظہیر الدین کو دعا کہو اور اس کا حال لکھو۔ غالب

ایضاً۔ حکیم غلام نجف خان سُنو۔ اگر تم نے مجھے بنایا ہے۔ یعنی اُستاد اور باپ کہتے ہو یہ ازراہ روئے تمسخر ہے۔ تو خیر اور از روئے اعتقاد ہے۔ تو میری عرض مانو۔ اور ہیرا سنگھ کی تقصیر معاف کرو۔ بھائی انصاف کرو۔ اُس نے اگر حکیم احسن اللہ خاں سے رجوع کی۔ اور وہ تمہارے بھائی بھی ہیں اور تم کو اُن سے استفادہ بھی ہے اگر گھبرا کر حکیم محمود خان کے پاس گیا تو اُن کے باپ سے تم کو نسبت تلمذ کی ہے۔ ابتدا میں اُن سے پڑھے ہو پس یہ غریب سوائے تمہارے اگر گیا تو تمہارے ہی علاقہ میں گیا۔ بھلا گھبرا کر اور خفقان سے تنگ آ کر آپ جو حاضر ہوتا ہے۔ تو لازم ہے کہ اُس پر بہ نسبت سابق کے توجہ زیادہ فرماؤ۔ اور بدل اس کا معالجہ کرو۔ التفات کا طالب غالب

ایضاً۔ میاں پہلے ظہیر الدین کا حال لکھو۔ پھر حکیم صاحب کی حقیقت لکھو۔ کہیں اور جائیں گے۔ یا یہاں آئیں گے۔ اگر یہاں آئیں گے۔ تو کب تک آئیں۔ پھر تم خط لکھو میاں نظام الدین کو اور اس میں لکھو کہ تم نے غالب کے خط کا جواب نہیں لکھا وہ کہتا ہے کہ میں حیران ہوں۔ کہ نظام الدین اور میرے خط کا جواب نہ لکھیں، خدا جانے مجھ سے ایسی کیا تقصیر ہوئی۔ نجات کا طالب ہے اور تم سے اس رقعہ کے جواب کا طالب غالب

ایضاً۔ بھائی میں تم کو کیا بتاؤں کہ میں کیا ہوں۔ طاقت یک قلم جاتی رہی ہے۔ پھوڑا بدستور ہے رستا ہے۔ خیر اس کا اندیشہ نہیں ہے۔ رس رس کر مادہ نکل جائیگا۔ اس سے اور زیادہ خستہ و افسردہ ہوں قبض کہ وہ جانی دشمن ہے ان دنوں میں حد کو پہنچ گیا ہے۔ بہر حال بہ مرگ سخت بنا ہم زندگانی حضرت عذر کی جگہ ہے۔ ایک مکان دلکشا۔ کوچہ کی سیر۔ بازار کا تماشہ۔ دو کمرے دو کوٹھریاں۔ آتشدان صحن وسیع اس کو چھوڑ کر وہ مکان لوں۔ جو ایک تنگ گلی کے اندر ہے دروازہ وہ تاریک کہ دن کو بغیر چراغ کے راہ نہ ملے۔ ور کے ڈیوڑھی پر حلال خوروں کا مجمع گوہ کے ڈھیر۔ کہیں حلال خور کا چھکڑا کھڑا ہے۔ کہیں بیل بندھا۔ دو تین بڑی بڑی پڑا ہوا ہے۔ معاذ اللہ خدا نہ کرے جاؤ ایسے مکان میں تم نے وہ مسودہ کیوں نہیں بھیجا

میں خدمت گذاری کو آمادہ ہوں۔ ۱۲۔ نجات کا طالب

ایضاً۔ صاحب تم سچ کہتے ہو۔ بھائی فضل اللہ کی غمخواری اور مددگاری کا کیا کہنا ہے۔ مگر انور سے مجھ کو کہنا نہیں یاد رکھنا کہ وہاں سے مجھے کچھ نہ آئیگا۔ بفرض محال اگر ملا تو ڈھائی سو روپیہ سو وہ بھی مجھے بھائی فضل اللہ خاں کا دینا ہے۔ انکا قرض ادا ہو جائیگا۔ ماحیاناً اگر خلاف میرے عقیدے کے پانسو روپیہ کا حکم ہوا۔ اور وہ آجائیں تو تم بعد اطلاع ڈھائی سو میاں فضل اللہ کو دیکر مجھ کو لکھنا۔ باقی کے واسطے میں جسطرح لکھوں۔ اس طرح کرنا۔ لو صاحب شیخ چلی بنا خیالی پلاؤ پکالیا۔ اب روداد سنو۔ نواب صاحب کا اخلاص و التفات روزافزوں ہے آج منگل کا دن ۲۴ جمادی الثانی کی اور ۲۴ اکتوبر کی ہے۔ کھانے کی اور گھوڑوں اور بہلیوں کے گھانس دانے کی نقدی ہوگئی۔ لیکن اس میں میرا فائدہ ہے نقصان نہیں دسمبر کی پہلی سے جشن شروع ہوگا۔ ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اس کی ہے۔ بعد جشن کے رخصت ہونگا۔ خدا چاہے تو آخر دسمبر تک تم کو آ دیکھتا ہوں۔ ظہیر الدین خاں کو دعا

ایضاً۔ صاحب کل آخر روز تمہارا خط آیا۔ میں نے پڑھا۔ آنکھوں سے لگایا۔ پھر بھائی ضیاء الدین خانصاحب کے پاس بھجوایا۔ یقین ہے کہ انہوں نے پڑھ لیا ہوگا۔ ما کتب فیہ معلوم کیا ہوگا۔ تمہارے یہاں نہ ہونے سے ہمارا جی گھبراتا ہے۔ کبھی کبھی ناگاہ ظہیر الدین کا آنا یاد آتا ہے۔ کہو اب خیر سے کب آؤگے۔ کے برس کے جیتے کے دن دکھاؤگے۔ یہاں کا حال جیسا کہ دیکھ گئے ہو بدستور ہے ع زمین سخت ہے آسمان دور ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے تونگر غرور سے۔ مفلس سردی سے اکڑ رہا ہے۔ آبکاری کے بندوبست جدید نے مارا۔ عرق کے نہ کھینچنے کی قید شدید نے مارا۔ ادھر انسداد دروازۂ آبکاری ہے۔ ادھر ولائتی عرق کی قیمت بھاری ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولوی فضل رسول صاحب حیدرآباد گئے ہیں مولوی غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں۔ نجم الدولہ محمد یار خاں سونتی نے ان صورتوں کو وہاں بلایا ہے پر یہ نہیں معلوم کہ وہاں انکو کیا پیش آیا ہے۔ اگر تم معلوم کر سکو یا کچھ تم کو معلوم ہو گیا ہو۔ تو مجھ کو ضرور لکھو زیادہ کیا لکھوں کیوں ظہیر الدین خاں کیا میں اس لائق نہ تھا۔ کہ تو ایک خط مجھ کو الگ لکھتا یا اپنے باپ کے خط میں اپنے ہاتھ سے اپنی بندگی لکھتا۔ حکیم غلام نجف خاں لکھنے بیٹھے تیری بندگی لکھ دی۔ تیرے فرشتوں کو خبر نہیں اس بندگی کے آگے آنے کی مجھے کیا خوشی غالب صبح یکشنبہ ۱۱ جنوری ۱۸۶

ایضاً۔ بھائی میرا ذکر سنو۔ ہر شخص کو غم موافق اس کی طبیعت کے ہوتا ہے۔ ایک تنہائی سے نفور ہے ایک کو تنہائی منظور ہے تاہل میری موت ہے میں کبھی اس گرفتاری سے خوش نہیں رہا۔ پٹیالے جانے میں ایک سبکی اور لذت تھی۔ اگرچہ مجھ کو وہ لذت تنہائی میسر آجاتی ہے۔ لیکن اس تنہائی چندروزہ اور تجرد مستعار کی کیا خوشی خدا نے لاولد رکھا تھا شکر بجا لاتا تھا خدا نے میرا شکر مقبول و منظور نہ کیا یہ بلا بھی قبیلہ داری کی شکل کا نتیجہ ہے۔ یعنی جس لوہے کا طوق اُسی لوہے کی دو ہتھکڑیاں بھی پڑ گئیں خیر اس بلا کا رونا ہے۔ یہ قید جاودانی ہے۔ جناب حکیم صاحب ایک روز از راہ عنایت یہاں آئے کیا کہوں کہ انکے دیکھنے سے دل کیا خوش ہوا ہے۔ خدا انکو زندہ رکھے۔ میاں بڑے کثیر الاحباب شخص ہیں۔

سینکڑوں بلکہ ہزاروں دوست اس باسٹھ برس میں مر گئے۔ خصوصاً اس فتنہ و آشوب میں تو شاید کوئی میرا جاننے والا نہ بچیگا۔ اس راہ سے مجھ کو جو دوست اب باقی ہیں۔ بہت عزیز ہیں۔ واللہ دعا مانگتا ہوں کہ اب ان احباب میں سے کوئی میرے سامنے نہ مرے کیا معنی کہ جب میں مروں کوئی میرا یاد کرنیوالا اور مجھ پر رونے والا بھی تو دنیا میں ہو مصطفٰے خان کا حال سُنا ہوگا۔ خدا کرے سرافرو میں چھوٹ جائے ورنہ حبس ہفت سالہ کی تاب اس ناز پروردہ میں کہاں احمد حسین میکش کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں۔ مخنوق ہوا۔ گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔ پنشن کی درخواست دے رکھی ہے۔ بشرط اجرا بھی میرا کیا گذارہ ہوگا۔ ہاں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میری صفائی اور بیگناہی کی دلیل ہے دوسرے یہ کہ موافق قول عوام چولہے دلدر نہ ہوگا۔ تجھ کو میری جان کی قسم اگر میں تنہا ہوتا تو اس وجہ قلیل میں کیسا فارغ البال اور خوشحال رہتا یہ بھی خبط ہے جو میں کہتا ہوں خدا جانے پنشن جاری ہوگا یا نہ ہوگا احتمال تعیش و تنعم بشرط تجرد بصورت اجرائے پنشن میں سوچتا ہوں اور وہ موہوم ہے بیدل کا شعر مجھ کو رُلا دیتا ہے ؎

نہ شام ما را سحر نویدی نہ صبح ما را دم سپیدی
چو حاصل ماست نا اُمیدی غبار دنیا بفرق عقبیٰ ...

اس وقت جی تم سے باتیں کرنے کو چاہا جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا۔ زیادہ کیا لکھوں از غالب ؎

بنام حکیم غلام نجف خان

جان و جاناں و از جان و جاناں عزیز تر حکیم غلام نجف خان سلمہ اللہ تعالیٰ قبلہ یہ تو معلوم ہوا کہ بعد قتل ہونے دس آدمی کے کہ دو اس میں عزیز بھی تھے۔ یہ سب وہاں سے نکالے گئے۔ مگر صورت نہیں معلوم کہ کیونکر نکلے پیادہ یا سوار۔ تہیدست یا مالدار۔ مستورات کو تو رہنے دیں مگر ذکور کا حال کیا ہوا۔ اور پھر وہاں سے نکلنے کے بعد کیا ہوا کہاں رہے اور کہاں رہینگے سرکار انگریزی کی طرف سے مورد تفقد و ترحم ہیں یا نہیں۔ رنگ کیا نظر آتا ہے جبر کسر کی توقع ہے یا نہیں۔ تفضل حسین خان کا حال خصوصاً اور ان سوالات کا جواب عموماً لکھو۔ مرزا مغل میرا حقیقی بھانجا کہ وہ منشی خلیل الدین خان مرحوم کا خویش ہے۔ اُس کی بی بی ہے۔ اور شاید ایک یا دو بچے بھی ہیں۔ اذعانی ہے۔ یہ امر کہ وہ بھی قافلہ کے ساتھ ہوگا۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو اس کا حال بہ انفراد لکھئے۔ خواجہ جان اور خواجہ امان کی حقیقت بھی بشرط اطلاع ضروری فرمایئے اور ہاں صاحب آپ جانتے ہونگے علی احمد خان کو وہ جو میر منشی عزیز اللہ خان کا خویش ہے۔ اگر کچھ اس کا ذکر بھی سنا ہو تو میں اسکا خیر طلب ہوں۔ غالب جواب طلب

ایضاً بھائی تمہارے رقعہ کا جواب پہلے تم کو شیر زمان خان نے دیا ہوگا۔ پھر ظہیرالدین خان نے تم سے کہا ہوگا۔ کہو کوئی صورت شہر میں تمہارے آنے کی ٹھیری یا نہیں۔ بعد تیس کوس اور آدھ کوس کا برابر ہے۔ میری جان تم ہنوز وہ جانے میں ہو مجھ کو بھی تم جانتے ہو۔ کہ میرا شہر میں رہنا باجازت سرکار کے نہیں۔ اور باہر نکلنے کا ٹکٹ نہیں پھر میں کیا کروں

کیونکر وہاں آؤں شہر میں تم ہوتے تو جراُت کر کے تمہارے پاس چلا آتا شیر زمان خان ایک بار آئے تھے کہہ گئے تھے کہ پھر بھی آؤنگا۔ مگر نہیں آئے۔ خدا جانے اُن کے والد کی رہائی ہوئی یا نہیں اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہنا اور ان کو میرے پاس بھیجدینا اور تم کو اُن کے والد کا جو حال اُن کی زبانی معلوم ہُوا۔ وہ مجھ کو لکھ بھیجو۔ ظہیر الدین کو دُعا۔ از غالب۔

ایضاً بھائی ہاں غلام فخر الدین خان کی رہائی زندگی دوبارہ ہے خدا تم کو مبارک کرے سنا ہے کہ لوہارو بھی ان دونوں صاحبوں کو مل گیا یہ بھی ایک تہنیت ہے۔ خدا سب کا بھلا کرے۔ مجھ کو ڈپٹی کمشنر نے بلا بھیجا تھا۔ صرف اتنا ہی پوچھا کہ غدر میں تم کہاں تھے۔ جو مناسب ہُوا وہ کہا گیا وہ ایک خط آمد ولایت میں پڑے ہوئے۔ تفصیل لکھ نہیں سکتا انداز ادا سے پنشن کا بحال و برقرار رہنا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہنوز دہ مہینے پچھلے ملتے نظر نہیں آتے۔ میاں یہ انور میں کیا فساد برپا ہُوا ہے۔ خدا خیر کرے واسطے خدا کے تم کو معلوم ہو جاوے اُس سے مجھ کو بھی اطلاع دینا۔ غالب ؎

ایضاً۔ برخوردار سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف خان کو میری دُعا پہنچے۔ تمہاری تحریر پہنچی۔ تم جدا گانہ خط کیوں نہ لکھا کرو۔ خط لکھا اور بیرنگ یا پوسٹ پیڈ جس طرح چاہا اپنے آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھیج دیا۔ اور مکان کا پتہ ضرور نہیں ڈاک گھر میرے گھر کے پاس ڈاک منشی میرا آشنا۔ اب تم ایک کام کرو۔ آج یا کل ڈیوڑھی پہ جاؤ۔ اور جتنے خط جمع ہیں۔ وہ لو مان سنگی مضبوط کاغذ کا لفافہ کرو۔ اور بیرنگ لکھ کر کلیان کے ہاتھ ڈاک گھر میں بھجوا دو اور اپنے خط میں جو حال شہر میں نیا ہو۔ وہ مفصل لکھو جناب حکیم صاحب کو سلام نیاز اور ظہیر الدین احمد خان کو دعا کہنا اب میرا حال سُنو تعظیم و توقیر بہت ملاقاتیں تین ہوئی ہیں ایک مکان کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہے رہنے کو ملا ہے یہاں پتھر تو دوا کو بھی میسّر نہیں خشتی مکان گنتی کے ہیں۔ کچّی دیواریں اور کھپریل سارے شہر کی آبادی اسی طرح پہ ہے۔ مجھ کو مکان ملے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہیں ہنوز کچھ گفتگو درمیان میں نہیں آئی ہے خود اُن سے ابتدا نہ کروں گا وہ بھی مجھ سے بالمشافہ نہ کہینگے مگر بواسطہ کار پردازان سرکار دیکھوں۔ کیا کہتے ہیں اور کیا مقرر کرتے ہیں میں سمجھتا تھا۔ کہ میرے پہنچنے کے بعد جلد کوئی صورت قرار پائیگی لیکن آج تک کہ جمعہ آٹھواں دن میرے پہنچنے کو ہے۔ کچھ کلام نہیں ہوا۔ کھانا دونوں وقت سرکار سے آتا ہے۔ اور وہ سب کو کافی ہوتا ہے۔ غذا میرے بھی خلاف طبع نہیں پانی کا شکر کس مُنہ سے ادا کروں ایک دریا ہے۔ کوسی سبحان اللہ اتنا میٹھا پانی کہ پینے والا گمان کرے کہ یہ پھیکا شربت ہے صاف سُبک گوارا سریع النفوذ اس آٹھ دن میں قبض و انقباض کے صدمہ سے محفوظ ہوں۔ صبح کو بھوک خوب لگتی ہے لڑکے بھی تندرست۔ آدمی بھی توانا۔ مگر ہاں عنایت ایک دو دن سے کچھ بیمار ہے۔ خیر اچھا

ہو جائیگا۔ والدعا جمعہ ۳ فروری ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ میاں تم نے بُرا کیا۔ کہ لفافہ کھول کر نہ پڑھ لیا۔ بارے آج سہ شنبہ ۱۴ فروری صبح کے وقت یہ لفافہ پہنچا۔ اور اسی وقت پڑھوا لیا گیا۔ خط لفٹنٹ گورنر بہادر کا نہیں یہ خط نواب گورنر جنرل بہادر کے چیف سیکرٹر کا ہے ترجمہ اس کا یہ ہے۔ از دفتر خانہ سیکرٹر اعظم۔ حکم دیا جاتا ہے۔ عرضی دینے والے کو کہ جواب اسی عرضی کا نواب گورنر جنرل بہادر بعد دریافت کے ارشاد فرمائینگے از کیمپ لودھیانہ ۲۸ جنوری ۱۸۶۰ء یہاں کا یہ حال ہے۔ کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ مراد آباد آیا چاہتے ہیں مراد آباد یہاں سے بارہ کوس ہے۔ نواب صاحب دو چار دن میں پھر آئیں گے۔ اگر ان کی ملاقات کو مراد آباد جائینگے۔ میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ اگرچہ گورنر غرب و شمال کو دلی سے کچھ علاقہ نہیں مگر دیکھوں کیا گفتگو درمیان آتی ہے جو واقعہ ہوگا تمہیں لکھونگا۔ یہ تم کیا لکھتے ہو کہ گھر میں خط جلد جلد لکھا کرو۔ تم کو جو خط لکھتا ہوں گویا تمہاری اُستانی کو لکھتا ہوں کیا تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ جاؤ اور پڑھ کر سناؤ ——— اب ان کو خیال ہوگا کہ انگریزی خط میں کیا لکھا ہے تم یہ خط میرا ہاتھ میں لیجاؤ۔ اور حرف بحرف پڑھ سناؤ۔ لڑکے دونوں اچھی طرح ہیں۔ کبھی میرا دل بہلاتے ہیں۔ کبھی مجھ کو ستاتے ہیں۔ بکریاں۔ کبوتر۔ بٹیریں۔ بگل کنکوا سب سامان درست ہے۔ فروری مہینے کے دو دو روپے لے کر دس دن میں اُٹھا ڈالے پھر پرسوں چھوٹے صاحب آئے کہ دادا جان کچھ ہم کو قرض حسنہ دو۔ ایک روپیہ دونوں کو قرض حسنہ دیا گیا۔ آج ۱۴ ہے مہینہ دُور ہے۔ دیکھئے کے بار قرض لیں گے یہاں کا رنگ نواب صاحب کے آنے پر جو ہوگا۔ اور جو قرار پائیگا۔ وہ مفصل تم کو لکھونگا۔ اور تم اپنے والد کو سُنا دینا اور ہاں بھائی یہ بھی گھر میں پُوچھ لینا کہ کدارناتھ نے اندر باہر کی تنخواہ بانٹ دی۔ میں نے تو وفادار اور حلال خور تک کی بھی تنخواہ بھیج دی ہے۔ غالب سہ شنبہ ۱۴ فروری ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ صاحب تمہارے دو خط متواتر آئے۔ ظہیرالدین کا آگرہ جانا میرا خط میرا خط اس کا موسومہ تمہارے پاس پہنچنا اور اس کا آگرہ کو روانہ ہونا۔ ظہیرالدین کی دادی کا بعارضہ سُرفہ و سعال رنجور ہونا کدارناتھ کا مجھ سے خفا ہونا مکان کے روکنے کی اجازت مانگنا افضل حسن سے میرے واسطے دریوزہ نقد کرنا یہ مدارج و مطالب معلوم ہوئے۔ ظہیرالدین کا خط تم نے کیوں کھولا وہ مغلوب الغضب ہے۔ تم پر خفا ہوگا۔ اس کی دادی اس موسم میں ہمیشہ ان امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک نسخہ اس کے پاس ماء اللحم ہے۔ وہ کھچوا دو اور ذرا خبر لیتے رہو۔ کدارناتھ الو کا ہے۔ وہ مجھ سے کیا خفا ہوگا۔ روپیہ جو فراہم ہوگا۔ آخر وہی لائیگا۔ خفا میں ہوں۔ کہ روپیہ دام دام پایا۔ اور میرا تمسک نہ دیا۔ اور چھاپہ مہر کا نہ باندھا مکان کے روکنے کو اور کس طرح لکھوں۔ شہاب الدین خان کو لکھا۔ شمشاد علی بیگ کو لکھا اب

تم کو لکھتا ہوں ستمبر کے چھ بھیجے آیا ہوں اکتوبر، نومبر، دسمبر یہ عہ؎ آکر دونگا۔ بلکہ اگر موقع بنے گا۔ تو یہ صاحب یہاں سے بطرز ہنڈوی بھیج دوں گا۔ اسمٰعیل خاں صاحب کو میری دعا کہو۔ اور ایک ڈیوڑھی کی سیڑھی بنوا دیں۔ اور حویلی کے پاخانہ کی صورت درست کروا دیں۔ میری قسمت پر لعنت کہ میاں فضل حسن میرے مربی و محسن نہیں اور سوائے محرومی کے مطلب برآری نہ ہو خدا کرے نہ ہو لونڈوں کا احسان زہر قاتل ہے۔ فضل اللہ خاں میرا بھائی ہے۔ اُس کا احسان مجھ کو گوارا۔ سو بار اس سے کہا اور ہزار بار کہونگا۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ اس سے زنہار نہ کہیئے گا۔ نہ لکھئے گا۔ اگر کچھ کہو تو فضل سے کہو والا نواب صاحب دورے سے یا آج شام کو یا کل آجائینگے۔ جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

نجات کا طالب غالب یکشنبہ ۱۲ نومبر سنہ ۱۸۶۰ء۔ صبح کا وقت ۔

ایضاً۔ شنبہ ۲۸ ذیقعدہ یکم اپریل۔ میاں تمہارا گلہ میرے سر و چشم پر لیکن میرا حال سن لو۔ اور اپنے وہم و قیاس پر عمل نہ کرو۔ پہلے ظہیر الدین کا خط آیا۔ پڑھتے ہی اُس کا جواب لکھ رکھا دوسرے دن ڈاک میں بھجوا دیا۔ مضمون بتغیر الفاظ یہ تم جو چھوٹے چچی میں مبتلا رہتے ہو اس کا سبب یہ کہ مجھ میں تمہارا گھولنا اور میں افتراقی خون کا تُلا ہوں۔ سو تمہارا خط آیا تیسرے دن اس کا جواب بھجوا دیا۔ مضمون

یہ کہ تم سے تو میرا پیارا پوتا

ظہیر الدین اچھا کہ چلتے وقت مجھ سے مل گیا اور وہاں پہنچتے ہی مجھ کو خط لکھا رسید ڈاک گھر سے ملتی نہیں خط دونوں پیڈ تھے۔ یہاں کے ڈاک گھر سے ملتی نہیں۔ خط دونوں پیڈ تھے۔ یہاں کے ڈاک گھر میں ممکن نہیں کہ میرے وہ دونوں خط رہ گئے ہوں۔ شیخوپورہ کی ڈاک کے ہرکاروں نے نہ پہنچایا۔ میرا کیا قصور البتہ سرنامہ پر صرف بستی کا نام اور تمہارا نام تھا۔ شاید اس سبب سے خط نہ پہنچا ہو ایسے وقت تمہارا خط آیا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے یہ سطریں لکھیں اب عنایت اللہ کو تمہارے گھر بھیجتا ہوں۔ اور پتا منگواتا ہوں۔ کہ پتہ وہاں سے کیا لکھا جاتا ہے لو صاحب عنایت اللہ آیا اور یہ پرچہ لایا ہے اور پتہ سرنامہ پر لکھتا ہوں۔ مگر ڈاک کا وقت نہیں رہا کل بھیج دونگا حکیم ظہیر الدین خاں کو دعا۔ بیٹا اب اسوقت مجھ میں دم نہیں دعا پر قناعت کر تیرے خط کا جواب جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ بھیج چکا ہوں جو تم پر لعنت تو یہی کہو جتنی بار۔ نواب مصطفےٰ خاں کل شہر میں آ گئے مع قبائل آئے ہیں ذیقعدہ میں چھوٹے لڑکیوں کی قلعہ اور ذی الحجہ میں محمد علی خاں کی شادی کریں گے۔ آج پانچواں دن ہے۔ شہر میں پیر جی کے اندھے برابر لے پڑے کہیں کہیں اس سے بڑے بھی۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر جلد جلد آئے۔ دو بار کیا میری تعلیم اور مجھ پر عنایت یہی تمہاری

زیادہ کی۔ آؤ گے تو مفصل سن لوگے۔ نجات کا طالب غالب ؎

ایضاً۔ میاں آج صبح کو تم آئے تھے میں اُس ٹکٹ کے قصہ میں اُلجھا کہ تم سے کہنا بھول گیا۔ اب میر عنایت حسین صاحب تمہارے پاس پہنچتے ہیں جس امر میں یہ تم سے کوشش چاہیں تم کو میری جان کی قسم بدل متوجہ ہو کر اس کام کو انجام دو۔ معاملہ سہل ہے۔ کچھ بات نہیں ہے۔ مگر بصورت سعی فلک کے ہاں سے تم کو بڑا اجر ملے گا اور میں تمہارا ممنون ہونگا۔ نجات کا طالب غالب ؎

ایضاً۔ میاں میں تم سے رخصت ہو کر اُس دن مرادنگر میں رہا۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کو میرٹھ پہنچا۔ نواب مصطفیٰ خان نے ایک دن رکھ لیا آج شنبہ ۲۱ جنوری یہاں مقام ہے نو بج گئے ہیں بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ منت کا کھانا ہے خوب پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ کل شاہجہان پور پرسوں گڑھ مکتیسر رہونگا مراد آباد سے پھر تم کو خط لکھوں گا۔ لڑکوں کے ہاتھ دو خط لکھے ہوئے ان کی دادی کو بھجوا دیئے ہیں تم اس اپنے نام کے خط کو لے کر ڈیوڑھی پر جانا اور اُستانی جی کو پڑھ کر سُنا دینا۔ اور خیر و عافیت کہہ دینا۔ جناب خان صاحب کو میرا سلام نیاز۔ اور ظہیر الدین احمد کو دعا کہہ دینا ہاں بھائی میں اور بہ مصلحت اپنے کو مقامات مختلف کا عازم کہہ آیا ہوں۔ اب جو شخص تم سے پوچھا کرے اس سے پردہ نہ کرنا اور صاف کہہ دینا کہ رامپور گیا ہے۔ یعنی سب کو معلوم ہو جائے اور کوئی تذبذب میں نہ رہے۔ مرقومۂ چاشتگاہ شنبہ ۲۱۔ جنوری۔

ایضاً۔ برخوردار حکیم غلام نجف خان کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ بدھ کا دن پہر دن چڑھا ہوگا۔ کہ میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۲۰ جمادی الاوّل کی اور ۱۱۔ اکتوبر کی ہے۔ دونوں لڑکے دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں۔ اب آتے جاتے ہیں۔ رات بخیر گذرے بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائیں گے۔ گھبرایا ہوا ہوں۔ تیسرا دن ہے پائخانہ پھرنے کو۔ لڑکے بخیر و عافیت ہیں۔ اپنی استانی سے کہہ دینا مرزا شہاب الدین خاں کو نواب ضیاء الدین کو سلام میرا رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا۔ ضرور ضرور ظہیر الدین دُعا سے خفا ہوگا۔ اس کو میری بندگی کہنا۔ غالب ؎

بنام حکیم ظہیر الدین احمد خان صاحب

پنجشنبہ ۲ نومبر ۱۸۶۲ء اقبال نشان حکیم ظہیر الدین احمد خان کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ کہو میاں تمہارا مزاج کیسا ہے۔ اور تمہارے بھائی مرزا افضل حسین خان کیسے ہیں۔ مگر ہو تو میری دعا کہنا اور مزاج کی خبر پوچھنا۔ اور اپنے دادا جد کو میری دعا کہنا۔ اور کہنا کہ تمہارا خط میرے خط کے جواب میں تھا

اس میں اور کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔ سنو میاں ظہیر الدین تم اپنی دادی کے پاس ابھی چلے جاؤ۔ اور ان سے میری اور دونوں لڑکوں کی خیر و عافیت کہو اور پوچھو کہ شہاب الدین خاں نے اکتوبر کے مہینے کی تنخواہ کے پچاس روپے پہنچا دیے یا نہیں۔ اور ناظر جی سے بھی پوچھو کہ جعفر بیگ وفادار وغیرہ کی تنخواہ بانٹ گیا یا نہیں۔ اچھا میرے بیٹا یہ دونوں باتیں اپنی دادی سے پوچھ کر جلد مجھ کو لکھو۔ ورنہ کچھ خفا ہوگا غالب۔ فقیر غالب۔

از جانب حکیم ظہیر الدین احمد خاں بنام شہاب الدین احمد خاں صاحب عم اقبالہ

جناب فیض مآب چچا صاحب قبلہ و کعبۂ دو جہان کے حضور میں کورنش و تسلیم پہنچاتا ہوں۔ بہ ہزار منت اس توپ کے مرحمت فرمانے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ سبحان اللہ کیا توپ جس کی آواز سے عدو کا جسم نہ دادر رنجک کے ترنگ سے کلیم کو رنج۔ گولہ اس کا خدا کا قہر دھواں اس کا دیباچۂ عشق کی لہر۔ استغفر اللہ کیا باتیں کرتا ہوں جھوٹ سے دفتر بھرتا ہوں۔ کیسی رنجک کیسا دھواں کیسا گولہ ایک بیہودہ توپ ہے۔ کہ بغیر ان عوارض کے صرف اس کی آواز سے رستم کا زہرہ آب ہو جائے۔ اب یاد دو جب تو رنجک اٹھے آگ دہکائیں تو دھواں ہو گولہ چھوٹے کچھ اس میں نہ ہو تو ظاہر میں کہیں نشان ہو۔ صرف انگلی کے اشارہ پر موقوف ہے۔ نئی ترکیب اور نیا کاروبار ہے۔ ایک آواز اور اس میں یہ اعجاز کہ دوست کو فتح کی شگون کی صدا سنائے دشمن سنے تو ہیبت سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے آواز کا صدمہ اگر صدائے صور سے دونا ہے۔ مگر ایسی ہی کہتے ہیں آواز ہے۔ کہ صور کا نمونہ ہے۔ کیا خدا کی قدرت ہے۔ دیکھو تو کیسی ندرت ہے۔ توپ کا گولہ تو بیچ ہی میں رہ جاتا ہے۔ اور جو قسمت رو بہ رو سینہ ڈھلے جاتے دانا آدمی اسے زنجیر کا گولہ کہتا ہے۔ کہ توپ میں سے نکل کر پھر وہیں الجھ رہتا ہے۔ اچھے میرے چچا جان یہ توپ کس نے بنائی بعد تمہارے ہاتھ کہاں سے آئی۔ جو دیکھتا ہے وہ حیران ہوتا ہے اب شہر میں جا بجا اسی کا بیان ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ تم ہمارے سر پر سلامت رکھے۔ اور ہمیشہ بادولت و اقبال وعز و کرامت رکھے۔

بنام نواب میر ابراہیم علی خاں صاحب بہادر المتخلص بہ وفا

ولی نعمت کو غالب کی بندگی بسبب ضعف پیری کے خدمت گزاری میں درنگ واقع ہو جائے تو معاف رہوں قاصر کبھی نہ رہوں گا۔ انشاء اللہ العظیم دونوں غزلوں میں سے ایک غزل بعد اصلاح پہنچی ہے۔ دوسری غزل ہفتہ آئندہ میں پہنچ جائیگی۔ ضعف اعضا اور دوام مرض سے علاوہ اختلال حواس کا کیا حال

لکھوں دو تین دن ہوئے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خان کا خط آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آزردہ تخلص کی دو غزلیں اصلاحی پہنچیں۔ دیکھیے اس سہو کو کہ کس کی غزلیں کس کو پہنچیں۔ مزا اس میں ہے۔ کہ اب یہ بھی یاد نہیں آتا کہ آزردہ کا نام کیا ہے۔ اور وہ کون ہے۔ اور کہاں کا ہے۔ شاید اس بندۂ خدا کو حضرت کی غزلیں پہنچی ہونگی۔ خدا کرے کہ وہ بزرگوار میر صاحب کی غزلیں میر صاحب کی طرح میرے پاس بھیج دے۔ تو میر صاحب کی خدمت میں بھیجدوں اگر ایسا نہ ہوا تو ان غزلوں کو جو اب آئی ہیں دیکھوں گا۔ کیا اکہتر برس کی عمر کی خوبی ہے اب میر صاحب قبلہ کو خط پڑھا دیجیئے گا۔ لطف و کرم کا طالب غالب ۲۰ر اکتوبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سید صاحب قبلہ نواب میر ابراہیم علی خان بہادر کو غالب شاہ کا سلام۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے ؎ بس شوق قتل سے ہے الخ گم ہو گئی ہے پھر لکھ کر بھیجئے اور قصور معاف کیجئے یہ غزل جو اس غزل کے بعد بھیجی ہے۔ فی الحال بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ میر صاحب قبلہ سید عالم علی خان بہادر کی دو غزلیں پہنچیں۔ مگر وہ یہ لکھتے ہیں۔ کہ میں رجب کے مہینے میں وطن کو جاؤنگا اور وہاں سے تیرے پاس آؤنگا۔ آج بحساب جنتری ۲۷۔ اور ازروئے رویت ۲۶ رجب کی ہے۔ غزلیں ان کی موجود مگر بھیج نہیں سکتا آپ میری بیگناہی کے گواہ رہیں قبلہ ضعف نے مضمحل کر دیا ہے۔ حواس بجا نہیں۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہترواں برس شروع ہو گیا ہے۔ غذا باعتبار مقدار بمرتبۂ نقص صبح کو سات بادام کا شیرہ ۱۲ بجے آب گوشت شام کو چار کباب تلے ہوئے۔ بس آگے خدا کا نام۔ ان حضرت جناب حکیم احمد حسن صاحب کی تحریر سے کچھ حال ناسازی مزاج والا کا معلوم ہوا۔ امید وہ علم بالیقین تو پہنچی ہے۔ متوقع ہوں کہ اس فساد کے رفع ہونے سے اور اپنی عافیت خاطر سے فقیر کو آگہی بخشیئے۔ اور اس خط کا جواب بعد رسید غزل بطور ارسال فرمایئے اسد بیدستگاہ پنجم دسمبر ۱۸۶۶ء م رجب کی تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں۔

ایضاً۔ برخوردار جناب سید ابراہیم علی خان صاحب کو دعا۔ غزل پہنچی ہے۔ خط نہ ہوئے احتیاط بزرگی پہنچا ہے۔ قبلہ آپکے بھائی صاحب میر علی خان صاحب مجھ پر کیوں خفا ہیں۔ کہ اپنی غزل نہیں بھیجتے۔ یہ امر ان کے خاطر نشان ہو جائے کہ غالب آپ کے دادا کا غلام اور خدمت بجا لانے کو آمادہ ہے۔

دعا کا طالب غالب نہم ربیع الثانی ۱۲۸۲ھ

ایضاً۔ بخدمت قبلہ سید احمد حسن صاحب مودودی۔ تسلیم۔ بجناب میر ابراہیم علی خان بہ ملاحظہ مقبول اگر تصویر میر تحریر مجھے پہنچی۔ اور میں نے رسید لکھ بھیجی۔ عجیب ہے کہ آپ کو رسید کے پہنچنے میں تردد ہے۔ احسان فقیر نے اپنی اشعار کی ایک تصویر یعنی میاں محمد خان کی معرفت

نذر کی ہے۔ یقین ہے وہ بھی پہنچی ہوگی۔ دونوں غزلیں بعد اصلاح کے بھیجتا ہوں۔ اپنی غزل آپ لے لیں اور سید صاحب کی غزل اُن کو حوالہ کر دیں۔ نجات کا طالب غالب جمعہ ۱۰ اگست ۱۸۶۶ء

ایضاً جناب تقدس انتساب سید صاحب قبلہ والا مناقب عالی شان نواب سید ابراہیم علی خاں بہادر مدظلہ العالی بعد بندگی معروض ہے حضرت سید احمد حسن خان صاحب مدظلہ العالی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولود مسعود پیدا ہوا۔ ایک عبارت رنگین مرتب کر کے اکمل الاخبار میں میں نے چھپوا دی ہے اور ایک رباعی اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا جو انہوں نے یہاں بھیجا تھا وہ بھی چھپوا دیا اور تین قطعے تاریخی حاجی لال محمد ظلم اور میر فخر الدین مہتمم مطبع نے جو یہاں تاریخیں لکھیں تھیں وہ چھپوا دیں۔ چنانچہ اپنی لکھی ہوئی رباعی اور قطعہ عرض کرتا ہوں۔

رباعی

حق داد بہ سید ز پے انعامش | فرخ پسرے کہ واجب ست اکرامش
تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش | ارشاد حسین خان کہ باشد نامش

قطعہ

غالب عالی جناب ہجری | معلوم کن از خجستہ فرزند
چوں یک عدد و بست و چار زائد | ایں ست شمار عمر دلبند

یہ تو ظاہر ہے کہ ۱۲۸۳ھ ہے جب خجستہ فرزند کے اعداد میں سے ۱۲۸۳ لے لئے تو ایک سو چوبیس بچتے ہیں۔ ان کو میں نے دعائے عمر مولود قرار دیا۔ حق تعالیٰ اس مولود کو تمہارے سامنے عمر طبیعی کو پہنچائے۔ خط کی رسید کا طالب غالب ۔م

بنام مولوی احمد حسن صاحب قنوجی

یا رب یہ ایک خط جو مجھ کو بڑودہ گجرات سے آیا ہے کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے۔ اُدھر سے اظہار آشنائی ہے۔ میری طرف سے یہ بے حیائی ہے۔ کہ مجھ کو اُن کی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی۔ سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانۂ نسیان خراب۔ عشرۂ ثمانیہ کے مرحلہ کا رہ پیما ہوں۔ شاید اگر جیونگا۔ تو اس کا بھی مجھ کو علم نہ رہیگا۔ کہ میں کون ہوں۔ اور کیا ہوں۔ ۶۵ برس کی عمر ہوئی حواس ظاہری میں سے سامعہ و شامہ باطل حواس باطنی میں سے حافظہ زائل بسبب نسیان کے اکثر مطالب ضروری تلف ہو جاتے ہیں خدا جانے کیا اس عمر میں سب آدمی ایسے خرف ہو جاتے ہیں۔ حیران ہوں کہ آپ کو سید لکھوں۔ مولوی لکھوں۔ خان لکھوں۔ خط میں تو خیر کچھ لکھ دونگا۔ خط کا کیا عنوان لکھوں۔ مبدء پر فقیر موافق ہے حضرت کا دل

غبار کدورت سے صاف ہے۔ مولوی عبدالجمیل صاحب بریلوی کو جانتا ہوں، بلکہ اُن کا احسان مانتا ہوں کہ باوجود عدم ملاقات ظاہری اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں گویا وہ بہ صیغہ ہمیشہ مجھ کو یاد فرماتے رہتے ہیں۔ نہ آپ کے بعد ایک عمر کے ناگاہ نیاز نامہ یاد فرمائیں اور اپنی اور میری ملاقات کا افسانہ یاد دلائیں۔ بہرحال تمہارا دعاگو ہوں۔ خیر جو ہوا اس خط کے جواب میں اب یا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں۔ کب ملے تھے کہ ملاقات تھی کیا تقریر۔ یہ باطرح جان جاؤں۔ نثر کے شیوہ و انداز کا ڈھنگ اچھا ہے۔ خود تمہاری تحریر سے معلوم ہوا۔ شاعر بھی ہو تو تخلص کیا ہے۔ نامہ نگار کا حال بسبیل اجمال یہ ہے۔ کہ ریاست سے محفوظ ہوں اور احکام کی عنایات سے محظوظ رہا ہوں۔ بے نوائی کا داغ نہیں لگنے پایا۔ بدستور حکم ہے اب زندگی کا رنگ اچھا دیکھتا ہوں۔ دیکھیے مرنے کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔ یہ کرم مخدوم آپ کے ہمنام یعنی جناب مولوی احمد حسن صاحب عالی مقام ظاہر بہت مہربانی فرماتے ہیں۔ کہ اس گمنام گوشہ نشین کو حضرت نے سلام لکھا ہے۔ میری طرف سے سلام اشتیاق تمام پہنچائیے والسلام۔ راقم جواب نامہ   کا طالب اسداللہ المتخلص بہ غالب ؎

ایضاً مخدوم مکرم مولوی سید احمد حسن خانصاحب ملاحظہ کریں۔ کہ یہ درویش گوشہ نشین تمہارا دوست اور تمہارا دعاگو ہے۔ تمہاری نثر کی طرز پسند تمہاری خواہش مقبول سید احمد حسن صاحب کی خدمتگاری منظور۔

؎ عشق نے غالب نکما کر دیا   ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۶۵ برس کی عمر ہوئی اضمحلال قویٰ ضعف دماغ۔ فکر رنگ غم قنطی۔ جو آپ سب دیکھ گئے ہیں۔ میں اب وہ نہیں ہوں نظم و نثر کا کام صرف پچاس برس کی مشق کے زور سے چلتا ہے۔ ورنہ جوہر فکر کی رخشندگی کہاں۔ بوڑھا پہلوان پیچ بتاتا ہے زور نہیں ہلوا سکتا بہرحال حکیم صاحب کو میرا سلام کہیے اور کہیے کہ آپ بے تکلف اپنا کلام بھیج دیا کریں۔ یہاں سے بعد فکر و اصلاح خدمت میں پہنچ جایا کریگا۔ غالب ۱۲ ستمبر ۱۸۶۰ء

بنام حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی

حضرت قبلہ پہلے التماس یہ ہے کہ آپ سید صحیح النسب معلم امت مرحومہ محمد علیہ السلام کے قبلہ و کعبہ جب آپ مجھ کو قبلہ و کعبہ لکھیں تو پھر میں آپ کو کیا لکھوں۔ خدا کے واسطے غور کیجیے کہ قبلہ و کعبہ یہ کیا ترکیب ہے چونکہ آپ نے مجھے استاد کر دیا ہے۔ اس التماس کو بھی از قسم اصلاح تصور کیجیے تو تمہارا قبلہ قبلہ کبھی نہ لکھے گا۔ یہ سوء ادب ہے بہ نسبت قبلہ عیاذاً باللہ۔ آپ کا عطوفت نامہ پہنچا میرے پہلے خط کا بدیر پہنچنا اور اس کی دیر رسی کا سبب مجھ کو معلوم ہوا۔ آپ اس کا خیال رکھو نگا یہ اب آگے

معلوم ہے کہ آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمہ باقی نہیں ہے۔ دو یا تین خط کا جواب نہیں پہنچا اس کو یہ سمجھئے کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئے اور میرے پاس نہیں پہنچے ؏

بہار گلستان احمد حسن ؏ یہ صحیح کیا گیا ہے ؏ دل حیدر و جان احمد حسن ؏ یہ اس سے بھی بہتر ہے نہیں دو نگیں ایک سجع مہر پر کھدوا لیجئے۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غالب ۱۰ ذی الحجہ

ایضاً حضرت پیر و مرشد۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غزل سہو سے لکھ گیا ہوں دو غزلیں پہنچتی ہیں جناب مولوی انصار علی صاحب سے مجھ کو تعارف شناسی ہے اُن کو میرا سلام کہئے اور کہئے کہ حضرت جناب مولوی صدرالدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا، روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف۔ جائداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر و لفٹنٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جائداد واگذاشت کی اب نصف جائداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کرایہ پر معاش کا مدار ہے اگرچہ یہ امداد اُن کے گذارے کو کافی ہے۔ کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی تیس چالیس روپیہ مہینے کی آمد لیکن چونکہ امام بخش چپراسی کی اعمان کی عترت ہے۔ اور وہ دس بارہ آدمی ہیں لہذا فراغ بال سے نہیں گذرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرۂ ثامنہ کا واخر ہیں۔ خدا سلامت رکھے۔ غنیمت ہیں۔ غالب یکشنبہ ۱۹ جنوری ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ سید صاحب و قبلہ عنایت نامہ مع قصیدہ پہنچا۔ پس و پیش ایک رافت نامہ پیر و مرشد سید ابراہیم علی خاں صاحب بہادر اور ایک عطوفت نامہ قبلہ و کعبہ سید عالم علی خاں بہادر کا پہنچا۔ میں علی کا غلام ابن اور علی کا خانہ زاد لیکن بوڑھا و ناتواں اور مسلوب الحواس اور بے سر و سامان خدمت بجا لانے میں عذر کروں تو گنہگار۔ درنگ و توقف کا مضائقہ نہیں۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ خداوند نعمت کیا تم دلی کو آباد اور قلعہ کو معمور اور سلطنت کو بدستور سمجھے ہوئے ہو جو حضرت شیخ کا کلام اور صاحبزادہ شاہ قطب الدین ابن مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ کا حال پوچھتے ہو۔ ایں دفتر را گاؤ خورد و گاو را قصاب برد و قصاب در راہ مرد بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں خورد میاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑو دی کاغذ کا پرزہ سوئی کا تار پشمینہ کا بال باقی نہ رہا۔ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ اجڑ گیا ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ اُن کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر اس کے سوا کچھ نہیں سو وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہونگے۔ تو خدا ہی جانتا ہوگا۔ کہ کہاں ہیں۔ اُن کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا۔ کچھ تبرکات بھی تھے۔ اب جب وہ لوگ ہی نہیں تو کس طرح سے پوچھوں۔ کیا کروں کہیں سے یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکیگا۔ سید صاحب قبلہ کیوں تکلیف

کرتے ہیں۔ اگر یہی مرضی ہے تو استعفاف واہل تکلیف محض ہے۔ فقیر بے سوال ہوں۔ اگر کچھ بھیجیں گے۔ رد نہ کرونگا کم و بیش پر نظر نہ کریں۔ بخشنے کا چاہیں نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیجیں۔ والسلام۔ اسد اللہ۔ روز شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ پیر و مرشد۔ تین برس عوارض احتراق خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں۔ کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں رہی آپکے خطوط آئے ہونگے۔ کوئی خط پڑھ لیا ہوگا۔ کوئی عنوان ناکشودہ پڑا رہا ہوگا۔ البتہ حاجی مصطفٰی خان کا آنا مجھ کو یاد ہے۔ یقین کرتا ہوں۔ کہ انہوں نے از روئے مشاہدہ میری خستگی تن کا حال حضرت کو لکھا ہوگا اب میں اپنی زبان سے یہ کیونکر کہوں کہ اچھا ہوں۔ مگر بیمار اور عوارض میں گرفتار نہیں ہوں بڈھا۔ بہرا۔ اپاہج۔ بد حواس۔ ناتواں۔ فقط نیم آدمی ہوں۔ عہد کرتا ہوں۔ کہ جب آپکا خط آئیگا۔ اس کا جواب لکھونگا۔ جب غزل آئیگی اسکو دیکھکر بھیجدونگا۔ مگر حضرت کے مسکن کا پتہ بھول گیا یہ خط مصطفٰی خاں سوداگر کو بھیجے دیتا ہوں۔ وہ آپ کو بھجوا دینگے۔ آئندہ جو عنایت نامہ ڈاک میں آئے۔ اس میں مسکن و مقام و شہر کا نام لکھا جائے۔ نجات کا طالب غالب ۲۴ جولائی ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ حضرت پیر و مرشد ان دنوں میں اگر فقیر کے عرائض نہ پہنچے ہوں۔ یا ارشاد کے جواب ادا نہ ہوئے ہوں۔ تو موجب ملال خاطر اقدس نہ ہو ؎

اتفاق سفر افتادہ بہ پیری غالب آنچہ از پائے نیامد ز عصا می آید

رامپور کی سرکار کا فقیر تکیہ دار اور وظیفہ خوار ہوں۔ رئیس حال نے مسند نشینی کا جشن کیا تھا۔ اگرچہ دولت کو حدود پر جانا واجب ہوا۔ ہفتم اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل ستم وہاں پہنچا بعد اختتام بزم عازم وطن ہوا۔ ہشتم جنوری کو دلی پہنچا۔ غرض راہ میں بیمار ہوا پانچ دن مراد آباد میں صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ روان ناتواں تھا۔ ویسا ہوں جواب خطوط مجتمعہ لکھ سکتا ہوں۔ بہرحال ایسا ہوں۔ نواب میر جعفر علی خان مبرور مغفور کا خاندان سبحان اللہ ؎

ایں سلسلہ از طلائے ناب است ایں خانہ تمام آفتاب است

نواب میر غلام بابا خان میرے دوست اور میرے محسن ہیں۔ راہ و رسم نامہ و پیام مدت سے باہم دگر جاری ہے۔ آپکا حکم بے تکلف مانوں گا۔ جناب میر ابراہیم علی خان صاحب اور حضرت منیر علی خان صاحب کی خدمتگزاری کو اپنا فخر و شرف جانوں گا۔ اس وقت بکس کھولا ہے خطوط اطراف و جوانب دیکھ رہا ہوں پہلے حضرت کے خط کا جواب بطریق اختصار لکھا ہے۔ اب جب اس کا جواب آئیگا تب فقیر حکم بجالائے گا اسد اللہ۔ چار شنبہ ۱۷ جنوری ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ پیر و مرشد آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ رعشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی

میں بڑا فتور پڑا حواس مختل ہو گئے۔ جہاں ہو سکا احباب کی خدمت بجا لایا۔ اوراق اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں۔ کہ شاہ شرف بوعلی قلندر کو بسبب کبر سن کے خدا تعالیٰ نے فرض اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں۔ کہ میرے دوست خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا دیا کرونگا۔ زیادہ حد ادب۔ راقم اسد اللہ خاں غالب۔ ۱۰ اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ پیر و مرشد۔ یکم محرم کا خط کل ۸ محرم کو پہنچا آج ۹ کو جواب لکھتا ہوں۔ آپ پر اور میر ابراہیم علی خاں اور میر عالم علی خاں پر میری جان نثار ہے مطلع مانگتے۔ اب یہ ایک غزل آپ تینوں صاحب بھیج دیا کیجئے۔ اسی طرح میں فرد فرد بعد اصلاح بھیج دیا کرونگا۔ مگر میرے قبلہ و کعبہ واسطے خدا شجرہ منظومہ ارسال نہ فرمائیگا۔ اس کی اصلاح میری حد وسعت سے باہر ہے۔ میرا شیوہ نہیں ہے خط بیرنگ بھیجنا یہ خط بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ بیرنگ کے تلف ہونے کا احتمال اور بیرنگ کا نہیں۔ اسد اللہ۔ شنبہ دوم جون ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ قبلہ ڈاک کے ہرکارے نے کل دو خط ایک بار پہنچائے۔ ایک آپ کا خط معہ غزل اور ایک نواب میر ابراہیم علی خاں کا خط معہ غزل آج تین باتیں ضروری لکھنی تھیں۔ اس واسطے یہ خط آج روانہ کرتا ہوں۔ ایک بات یہ کہ غزل کا کاغذ واپس بھیجتا ہوں۔ نہ اسکو پھاڑ سکوں نہ پانی میں ڈبو سکوں۔ شہیدی کی غزل ان قافیوں میں بہ تغیر ردیف ایسی ہے کہ پھر ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہیئے۔ آپ اور غزل لکھئے۔ اس کو ہرگز دیوان میں نہ رکھئے۔ یہ بھی اس ضمن میں لکھنا مناسب ہے کہ میر ابراہیم علی خاں صاحب نے اپنی اصلاحی غزل کی رسید کل کے خط میں لکھ بھیجی۔ آپ اپنے خط میں کس راہ سے لکھتے ہیں۔ کہ وہ غزل اصلاحی مانگتے ہیں۔ اسی فصل میں یہ بھی اطلاع دیتا ہوں۔ کہ آپ کی یہ غزل سلا کر سمجھئے اور نہلا کر سمجھئے اور تاریخ جلے بنائے مسجد دیکھ کر اور اصلاح دے کر آج پانچواں دن ہے کہ ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔ اور دوسری یہ بات ہے کہ آپ سید صاحب کا حال مفصل لکھیئے ایسا کے لاکھ کا ملک بڑودہ کی سرکار سے ہمارے محسن کو ملا ہے۔ کہاں سے دو لاکھ روپیہ نذرانہ مانگا جاتا ہے۔ آگے اس راج میں حسام الدین حسین خاں جیسے معزز اور مکرم متوسل تھے۔ اور سیر حاصل جاگیریں رکھتے تھے سید ابراہیم علی خاں صاحب اسی خاندان میں سے ہیں۔ اور ہاں یہ بھی لکھئے۔ کہ میر عالم علی خاں کو ان سادات کچھ ان دونوں صاحبوں سے کیا قرابت ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب نوٹ بھیجئے تو اہل کلکتہ کی طرح آدھا آدھا دو بار کر کے نہ بھیجئے گا۔ میرے نام کا لفافہ جس شہر سے چلے اسی شہر کے ڈاک گھر میں رہ جائے تو رہ جائے۔ ورنہ دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا امکان کہ تلف ہو

اسد اللہ۔ ۲۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ حضرت یہ آپ کے جد امجد کا غلام تو مر گیا۔ کثرت اسقام تواتر درد و آلام پھر یہ ہنجار کہ سو روپیہ کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو۔ میر ابراہیم علی خاں صاحب کی غزل جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

علی علی جو کہا تا سحر تو یوں سمجھے
کہ ذو الفقار سے کٹتی ہے اب ہماری رات

بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور آپ اس کا تقاضا کئے جاتے ہیں۔ غزلیں آپ کی ہستی ہیں۔ کہاں تک دیکھوں اگلی غزلیں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہتر برس کا آدمی پھر رنجور دائمی غذا ایک قلم مفقود۔ آٹھ پہر میں ایک بار آب گوشت پی لیتا ہوں۔ نہ روٹی نہ بوٹی نہ پلاؤ نہ خشکہ آنکھ کی بینائی میں فرق ہاتھ کی گیرائی میں فرق رعشہ مستولی۔ حافظہ معدوم۔ جہاں جو کاغذ رہا وہ وہیں رہا۔ میر عالم علی صاحب کی دو غزلیں آئی ہوئی ہیں۔ کہیں رکھ کے بھول گیا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ نوٹ عطیہ سید صاحب کا آپکے خط میں پہنچا۔ روپیہ وصول ہوا۔ خرچ ہوا۔ اُن کی ایک غزل ساری ہماری رات جس کا ایک شعر اوپر لکھ آیا ہوں بعد اصلاح بھیج چکا ہوں۔ اور کوئی غزل انکی اب میرے پاس نہیں ہے۔ جناب میر عالم علی خاں صاحب کی دو غزلیں یاد ہیں، کہ آئی ہیں اگر مل جائینگی۔ تو بعد اصلاح بھیجوں گا۔ آپ کی غزلیں شمار سے باہر ہیں بکس میں دیکھوں گا کتابوں میں ڈھونڈوں گا۔ مدعا یہ کہ آپ اور دونوں سید صاحب اس کا التزام کریں کہ ایک غزل اپنے خط میں بھیجیں۔ جب وہ غزل اور اس خط کا جواب پہنچ جائے۔ تب دوسری غزل خط میں ملفوف ہو کر بھیجی جائے۔ اور خط ہر صاحب کا جدا ہو۔ آپ یہ میرا خط غور سے پڑھ لیں اور دونوں سید صاحبوں کو پڑھوا دیں از روئے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ اسد یک رنگ ۱۸۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سید صاحب قبلہ و کعبہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کا سلام پہنچے وہ جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے افاقت ہے سو محض غلط ہے۔ آگے ناتوان تھا۔ اب نیم جان ہوں۔ خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطریں لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں وہ غریب لکھتا گیا ہے۔ آپ سید ہیں اور بزرگ ہیں میرے حق میں دعا کریں کہ اب تہتر برس سے آگے نہ جیوں اور اگر کچھ زندگی اور ہے تو حق تعالیٰ تھوڑی سی صحت اور طاقت عنایت کرے۔ تاکہ دوستوں کی خدمت بجا لاتا ہوں۔ غالب

۳ ؍ جولائی ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ جناب سید صاحب و قبلہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کی بندگی قبول ہو۔ اور یہ عرض بھی قبول ہو۔ کہ جناب معلی القاب نواب ابراہیم علی خان صاحب کی خدمت میں میری بندگی عرض کریں بالے بصورت تصویر یہ دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچنا معلوم ہوا۔ اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا خدمت بجا لانی نہیں ہو سکتی۔ مگر حضرت کے پیش نظر حاضر رہوں گا۔ عنایت کی نظر رہے۔ میرے حال پر جب

نے لکھا ہے۔ کہ نواب صاحب قبلہ کے محل میں اس مہینے میں لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ مجھ کو تاریخ تولد کا خیال رہیگا جب آپکی تحریر سے نوید تولد معلوم کرونگا۔ قطعہ یا رباعی جو کچھ ہوگی وہ بھیجدونگا۔ اور یہ جو آپ نے اپنی اور نواب صاحب کی غزلوں کی اصلاح کے واسطے لکھا ہے مجھے اس حکم کی تعمیل بدل منظور ہے۔ جس مہینے تک زندہ رہوں اس مہینے تک خدمت بجا لاؤنگا۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ

بنام تفضل حسین خان صاحب

کیوں صاحب یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و استادی سب پر پانی پھر گیا۔ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے۔ میرا کلام خرید آنہ دس روپیہ کی سو وہ بھی میں یہ کہتا کہ مجھ کو دے ڈالو۔ تم کو مبارک رہے۔ مجھ کو مستعار دو۔ میں اسکو دیکھ لوں۔ پھر تم کو واپس بھیج دوں اس طرح کی طلب پر نہ دینا دلیل اس کی ہے کہ مجھ کو جھوٹا جانتے ہو۔ میرا اعتبار نہیں یا یہ کہ مجھ کو آزار دینا اور ستانا بدل منظور ہے۔ وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دیدو۔ باللہ و تاللہ اس میں سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کر کے تم کو بھیج دونگا۔ اگر تم کو واپس نہ دوں۔ تو مجھ پر لعنت کرنا اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب حامل رقعہ کو نہ دو۔ تو تم کو آفرین۔ غالب

بنام مرزا حاتم علی صاحب مہر

بہت ہے غم گیتی شراب کم کیا ہے　　غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی　　یقین ہے ہمکو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

علاقہ محبت ازلی کو برحق مان کر اور پیوند غلامی جناب مرتضیٰ علی کو سچ جان کر ایک بات اور کہتا ہوں۔ کہ بینائی اگرچہ سب کو عزیز ہے۔ مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے مانا کہ روشنائی اُس کے اجالے میں آئی ہے۔ یہ بھی دلیل آشنائی ہے۔ کیا فرض ہے۔ کہ جب تک دید وا دید نہ ہولے اپنے کو بیگانہ یک دگر سمجھیں۔ البتہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں۔ اگر سمجھیں سلام کے جواب میں خط بھیجتے بڑا احسان ہے خدا کرے خط جس میں میں نے آپ کو سلام لکھا تھا۔ آپ کی نظر سے گزر گیا ہوا جیانا اگر نہ دیکھا ہو۔ تو اب مرزا تفتہ سے لیکر پڑھ لیجئے گا۔ اور خط کے لکھنے کے احسان کو اُس خط کے پڑھ لینے سے دوبالا کیجئے گا۔ ہائے میرجان جاکوب کیا جوان مارا گیا ہے۔ سچ اُس کا یہ شیوہ تھا کہ اردو کے

فکر کو مانع آتا اور فارسی زبان میں شعر کہنے کی رغبت دلواتا۔ یہ بھی انھیں میں سے ہے۔ کہ جن کا میں ماتمی ہوں۔ ہزاروں دوست مر گئے۔ کس کو یاد کروں۔ اور کس سے فریاد کروں۔ جیوں تو کوئی غمخوار نہیں مروں تو کوئی عزادار نہیں غزلیں آپ کی دیکھیں سبحان اللہ چشم بد دور۔ اردو کی راہ کے تو سالک ہو۔ گویا اس زبان کے مالک ہو۔ فارسی بھی خوبی میں کم نہیں مشق شرط ہے اگر کہے جاؤ گے لطف پاؤ گے۔ میرا تو گویا بقول طالب آملی اب یہ حال ہے۔ ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

صاحب اپنے بغیر خط کے بھیجے خط مجھ کو لکھا ہو تو کیونکر مجھ کو اپنے خط کے جواب کی تمنا ہو۔ پہلے تو اپنا حال لکھئے کہ میں نے سنا تھا آپ کہیں کے صدر امین ہیں۔ پھر اکبر آباد میں کیوں خانہ نشین ہیں۔ اس ہنگامہ میں آپ کی صحبت حکام سے کیسی رہی۔ راجہ بلوان سنگھ کا بھی حال لکھنا ضرور ہے۔ کہ کہاں ہیں اور وہ دو ہزار روپیہ مہینہ جو ان کو سرکار انگریزی سے ملتا تھا۔ اب بھی ملتا ہے۔ یا نہیں ہائے لکھنؤ کچھ نہیں کھلتا کہ اس بہارستان پر کیا گذری اموال کیا ہوئے اشخاص کہاں گئے خاندان شجاع الدولہ کے زن و مرد کا انجام کیا ہوا قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر کی سرگذشت کیا ہے۔ گمان کرتا ہوں۔ کہ بہ نسبت میرے تم کو کچھ زیادہ آگہی ہوگی۔ امیدوار ہوں۔ کہ جو آپ پر معلوم ہے وہ مجھ پر مجہول نہ رہے پتہ مسکن مبارک کا کشمیری بازار سے زیادہ نہیں معلوم۔ ظاہرا اسی قدر کافی ہوگا۔ ورنہ آپ زیادہ لکھئے۔ مرزا تفتہ کو دعا کہئے گا۔ اور ان کے اس خط کے پہنچنے کی اطلاع دیجئے گا جس میں آپ کے خط کی انھوں نے نوید لکھی تھی۔ والسلام ؎

ایضاً۔ بھائی صاحب از روئے تحریر مرزا تفتہ آپ کا چھ کتابوں کی تزئین کی طرف متوجہ ہونا معلوم ہوا۔ پھر بھائی منشی نبی بخش نے دوبارہ لکھا کہ میں باجمال لکھتا ہوں بہ تفصیل مرزا حاتم علی صاحب نے لکھا ہوگا یارب ان کے دو خط آئے مرزا صاحب نے اگر لکھا ہوتا تو ان کا خط کیوں نہ آتا اپنے حسن اعتقاد سے یوں سمجھا کہ نہ لکھنا بمقتضائے یک دلی ہے۔ جب اپنا کام سمجھ لیا۔ تو مجھ کو لکھنا کیا ضرور ہے مگر اس کو کیا کروں کہ جواب طلب باتوں کا جواب نہیں۔ مطبع اخبار آفتاب عالمتاب میں یکم ستمبر ۱۸۵۸ء حال سے حکیم احسن اللہ خاں کا نام لکھوا دینا اور دو نمبروں کا اخبار ایک بار بھجوا دینا اور آئندہ ہر ہفتہ اس کے ارسال کا طور ٹھہرا دینا کیوں صاحب یہ امر ایسا کیا دشوار تھا۔ کہ آپ نے نہ کیا۔ اور اگر دشوار تھا تو اس کی اطلاع دینی کیا دشوار تھی شکایت نہیں کرتا پوچھتا ہوں کہ آیا یہ امور مقتضی شکایت ہیں یا نہیں۔ مرزا تفتہ کے ایک خط میں یہ قصہ لکھ چکا ہوں۔ کیا انھوں نے بھی وہ خط تم کو نہیں پڑھوایا۔ ہر چند عقل دوڑائی کوئی درنگ کی وجہ خیال میں نہ آئی اب حصول مدعا سے قطع نظر میں یہ سوچ رہا ہوں۔ کہ دیکھوں چھ مہینے بعد یہ حرف ان بعد اگر مرزا صاحب

خط لکھتے ہیں۔ تو اس خاص کا جواب کیا لکھتے ہیں میں بھی شاعر ہوں اگر کوئی مضمون عمدہ تو میرے خیال میں آجاتا کوئی عذر ایسا میرے ذہن میں نہیں آتا کہ قابل سماعت کے ہو میں بھی دیکھوں تم کیا لکھتے ہو؟

ایضاً صاحب میرے عہدۂ وکالت مبارک ہو۔ مؤکلوں سے کام لیا کیجئے۔ پریوں کو تسخیر کیا کیجئے۔ مثنوی پہنچی جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں۔ کیا خوب بول چال ہے انداز اچھا۔ بیان روزمرہ صاف جانشینوں کا استغاثہ کیا لکھوں کیا مزہ دے رہا ہے اس مثنوی نے اگلی مثنویوں کو تقویم پارینہ کردیا۔ بیان بخشائش ہم گنہگاروں تک کیوں پہنچیگا۔ مگر ہاں اس راہ سے ع کہ مستحق کرمت گنہگارانند۔ بخشش کا متوقع ہوں۔ میں ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھا۔ کہ وہ نسخہ نظم ہے یا نثر ہے۔ اور مضمون اس کا کیا ہے۔ مرزا یوسف علی خاں آٹھ دس مہینے سے مع عیال و اطفال اسی شہر میں مقیم ہیں۔ میرے مسکن کے پاس ایک مکان کرایہ کو لے لیا ہے۔ اس میں رہتے ہیں۔ اُن کو خط بھیجو تو میرے مکان کا پتہ لکھ دینا اور یہ بھی آپکو معلوم رہے کہ میرے خط کے سرنامے پر محلہ کا نام لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام قصہ تمام ہاں یا عزیز کے خط پر میرے مکان کے قریب کا پتہ ضرور ہے۔ دو روز سے شجاع مہر کو دیکھ رہے ہیں۔ اکثر تمہارا ذکر رہتا ہے وہ تو اب ہر وقت یہیں تشریف رکھتے ہیں رات کو تو پھر جھگڑے کی نشست ہر روز رہتی ہے ابھی یہیں سے اٹھ کر گئے ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ اور شجاع مہر کے مداح اور بیان بخشائش کے مشتاق ہیں؟

ایضاً جناب مرزا صاحب آپکا غم فزا نامہ پہنچا۔ میں نے پڑھا یوسف علی خاں عزیز کو پڑھوا دیا انہوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا یعنی اسکی اطاعت اور تمہاری اس سے محبت سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا۔ سنو صاحب شعرا میں۔ فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے۔ کہ فردوسی ہو جائے فقیر کی انتہا یہ ہے۔ کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے عاشق کی نمود یہ ہے۔ کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو۔ لیلیٰ اس کے سامنے مری تھی تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری۔ بلکہ تم اس سے بڑھکر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری بھئی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں۔ جس پر مرتے ہیں۔ اسکو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں۔ عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو مار رکھا ہے۔ خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کرے چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ باآنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے میں بیگانہ محض ہوگیا ہوں لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گذرتی ہوگی۔ صبر کرو اور اب ہنگامۂ عشق مجازی چھوڑ دو ؎

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی عشق محمد بس ست و آل محمدؐ

اللہ بس ما سوائی ہوس

ایضاً ؎

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من ست

حلیۂ مبارک نظر افروز ہوا۔ جانتے ہو کہ مرزا یوسف علی خان عزیز نے جو کچھ تم سے کہا اس کا منشا کیا ہے۔ کبھی میں نے بزم احباب میں کہا ہوگا۔ کہ مرزا حاتم علی کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے سنتا ہوں کہ وہ طرحداری کا ذکر میں نے مغل جان سے سنا تھا۔ جس زمانہ میں کہ وہ نواب حامد علی خان کے نوکر تھے۔ اور اس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے۔ اس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھائے۔ بہر حال تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا کس واسطے میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے تمہارے گندمی رنگ پر رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا۔ اور دیدہ ور لوگ اس کی ستائش کیا کرتے تھے اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے۔ تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔ ہاں مجھ کو رشک آیا۔ اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ ڈاڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے۔ وہ مزے یاد آگئے کیا کہوں جی پر کیا گذری۔ بقول شیخ علی حزیں ؎

تا دسترسم بود زدم چاک گریبان شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

جب ڈاڑھی مونچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسّی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی مگر یہ یاد رکھیئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام۔ مُلّا۔ حافظ۔ بساطی۔ نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقّہ۔ بھٹیارہ۔ جولاہا۔ کنجڑا منہ پر ڈاڑھی سر پر بال فقیر نے جس دن ڈاڑھی رکھی اُسی دن سر منڈایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کیا بک رہا ہوں صاحب میں نے دستنبو جناب اشرف الامرا جارج فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر مغرب و شمال کی نذر بھیجی تھی۔ سو ان کا فارسی خط محررہ دہم مارچ مشتمل بر تحسین و آفرین و اظہار خوشنودی بطریق ڈاک آگیا۔ پھر میں نے تہنیت میں لفٹنٹ گورنری کے قصیدہ فارسی بھیجا اس کی رسید میں نظم کی تعریف اور رضامندی پر متضمن خط فارسی بسبیل ڈاک مرقومہ چہارم آگیا پھر ایک قصیدہ فارسی مدح و تہنیت میں جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں بواسطہ صاحب کمشنر بہادر دہلی بھیجا تھا۔ کل اس کا بھی خط بذریعہ صاحب کمشنر بہادر دہلی آگیا۔ پنشن کے باب میں ابھی حکم نہیں ہوا۔ اسباب توقع کے فراہم ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھئے باید درست آید۔ اناج کھاتا ہی نہیں ہوں۔ آدھ سیر گوشت دن کو اور پاؤ بھر شراب

رات کو مل جاتی ہے ؎

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اگر ہم فقیر سچے ہیں۔ اور اس غزل کے طالب کا ذوق سچا ہے تو یہ غزل اس خط سے پہلے پہنچ گئی ہوگی یا سلام وہ اب پہنچا دیں گے۔

ایضاً۔ مرزا صاحب ہم کو یہ باتیں پسند نہیں۔ پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے یہ نصیحت کی۔ کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔ ہم مانع فسق و فجور نہیں۔ پیو۔ کھاؤ۔ مزے اڑاؤ۔ مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو۔ شہد کی مکھی نہ بنو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک افشانی کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکر بجا لاؤ غم نہ کھاؤ۔ اور ایسی ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو۔ تو چنا جان نہ سہی منا جان سہی۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں۔ کہ اگر مغفرت ہو گئی۔ اور ایک قصر ملا۔ اور ایک حور ملی۔ اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے اس تصور سے جی گھبراتا ہے۔ اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہے ہے وہ حور اجیرن ہو جائیگی طبیعت کیوں نہ گھبرائیگی۔ وہی زمردیں کاخ اور وہی طوبیٰ کی ایک شاخ چشم بد دور وہی ایک حور بھائی ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ ؎

زن نو کن اے دوست در نو بہار
کہ تقویم پارینہ ناید بکار

مرزا مظہر کے اشعار کی تضمین کا مسودہ دیکھا فکر رسا پایا پسند کر کے بمصلحت نا پسند اپنے نام کا خط مع ان اشعار کے مرزا یوسف علی خاں عزیز کے حوالہ کیا۔ کرمی نواب محمد علی خان صاحب کی خدمت میں سلام پروردگار ان کو سلامت رکھے۔ مولوی عبد الوہاب کو میرا سلام دو دیکھو مجھ سے فارسی عبارت میں خط لکھوایا۔ میں منتظر رہا کہ آپ لکھنؤ جائینگے وہ عبارت جناب قبلہ و کعبہ کو دکھائیں گے۔ ان کے مزاج اقدس کی خیر و عافیت مجھ کو رقم فرمائیں گے۔ کیا جانو کہ حضرت میرے وطن میں جلوہ افروز ہیں۔ ع یار در خانہ و من گرد جہاں می گردم۔ اب مجھے اُن سے یہ استدعا ہے کہ دستخط خاص سے مجھ کو خط لکھیں۔ اور لکھنؤ نہ جانے کا سبب اور جناب قبلہ و کعبہ کا حال جو کچھ معلوم ہو وہ سب خط میں درج کریں۔

ایضاً ؎

مرا بہ بادہ و پیمانہ می تواں بخشید
خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

کل دوشنبہ کا دن ۲۰-دسمبر کی تھی۔ صبح کو میں نے آپ کو شکایت نامہ لکھا۔ اور بیرنگ ڈاک میں بھیجدیا۔ دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔ معلوم ہوا۔ کہ جس خط کا جواب

میں آپ سے مانگتا ہوں۔ وہ نہیں پہنچا کچھ شکوہ ہے شرمندگی اور کچھ خط کے نہ پہنچنے سے حیرت ہوئی۔ دو پہر ڈھلے مرزا تفتہ کے خط کا جواب لکھ کر ٹکٹ نکالنے لگا۔ بکس میں سے وہ تمہارے نام کا خط لکھ کر بھول گیا ہوں۔ اور ڈاک میں نہیں بھیجا۔ اپنے نسیان کو لعنت کی اور چپ رہا۔ متوقع ہوں کہ میرا قصور معاف ہو۔ بعد چاہنے عفو جرم کے آپ کے کل کے خط کا جواب لکھتا ہوں۔ سبحان اللہ جلدوں کی آرائش کے باب میں کیا اچھی فکر کی ہے۔ میرے دل میں بھی ایسی ہی باتیں تھیں۔ یقین ہے کہ متاع شاہوار ہو جائیگی۔ اگر وہ طرہ اگر ہو جائیگا۔ تو حرف خوب چمک جائیں گے اس کا خیال ان چار جلدوں میں ہے۔ رہی ۱۲ روپیہ کی ہنڈوی پہنچتے ہی روپیہ وصول کر کے مجھ کو اطلاع دیجئے گا۔ ورنہ میں مشوش رہوں گا۔ حضرت یہاں دو خبریں مشہور ہیں۔ ان کے باب میں آپ سے تصدیق چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ آگرہ میں اشتہار جاری ہو گیا ہے۔ اور ڈھنڈورا پٹ گیا ہے۔ کہ کمپنی کا ٹھیکہ ٹوٹ گیا اور بادشاہی عمل ہندوستان میں ہو گیا۔ دوسری خبر یہ ہے کہ جناب اڈمنسٹن صاحب بہادر گورنمنٹ کلکتہ کے چیف سیکرٹر اکبر آباد کے لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ خبریں دونوں اچھی ہیں۔ خدا کرے سچ ہوں۔ اصلح ہونا ان کا آپ کے لکھنے پر منحصر ہے۔ ہاں صاحب ایک بات اور ہے۔ اور وہ قابل غور ہے۔ میں نے حضرت ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں ایک قصیدہ ان دنوں میں لکھا ہے تہنیت فتح اور عملداری شاہی ساٹھ بیت ہے منظور یہ تھا کہ کتاب کے ساتھ قصیدہ ایک اور کاغذ مذہب پر لکھ بھیجوں۔ پھر یہ خیال میں آیا۔ کہ دس سطر کے مسطر پر کتاب لکھی گئی ہے۔ یہ بھی چھاپا ہوئی اگر یہ چھ صفحے تین ورق اور چھپ کر اس کتاب کے آغاز میں شامل جلد ہو جائیں تو بات اچھی ہے آپ اور منشی نبی بخش صاحب اور مرزا تفتہ منشی شیونرائن صاحب سے کہہ کر اس کا طور درست کریں۔ اور پھر مجھ کو اطلاع دیں تو میں مسودہ آپ کے پاس بھیجدوں۔ جب کتاب چھپ چکے تو یہ چھپ جائے دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ چھپے بعد کتاب کے اور لگایا جائے پہلے کتاب سے۔ دوسرے یہ کہ اس کی سیاہ قلم کی لوح الگ ہو۔ اور پہلے صفحہ پر جس طرح کتاب کا نام چھاپتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی چھاپا جائے۔ کہ قصیدہ در مدح جناب ملکہ انگلستان خلد اللہ ملکہا۔ میرا نام کچھ ضرور نہیں۔ کتاب کے پہلے صفحہ پر تو ہوگا۔ ہنڈوی کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب باصواب یعنی نوید قبول جلد لکھئے ؛

ایضاً۔ بندہ پرور۔ آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آپ کی مہر انگیز اور محبت خیز باتوں نے غم بیکسی بھلا دیا کہاں دھیان لڑا ہے کہاں سے دستنبو کی مناسبت کے واسطے ید بیضا ڈھونڈ

نکلا ہے۔ آفریں آفریں صد ہزار آفریں تیسرا مصرعہ اگر یوں ہو تو فقیر کے نزدیک بہت مناسب ہے۔

ع نامۂ خود سال خویش داد نشان۔ مرزا تفتہ کا خط ہاتھرس سے آیا۔ اُن کے لڑکے بالے اچھے ہیں آپ گھبرائیں نہیں وہ آ جانے کے آئے ہیں۔ اگر تمہیں بعد اُن کے آرام نہیں تو اُن کو بغیر تمہارے چین کہاں۔ صاحب بندہ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کے خاتمہ پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو ۱۲ ہم تم ایک آقا کے غلام ہیں۔ تم جو مجھ سے محبت کرو گے یا میری غمگساری میں محبت کرو گے۔ کیا تم کو غیر جانوں جو تمہارا احسان مانوں۔ تم سراپا مہر و وفا ہو۔ واللہ اسم بامسمیٰ ہو۔ مبالغہ اس کتاب کی تصحیح میں اس واسطے کرتا ہوں۔ کہ عبارت کا ڈھنگ نیا ہے صحیح کا درست پڑھنا بڑی بات ہے۔ اگر غلط ہو جائے تو وہ عبارت نری خرافات ہے بارے بسبب التفات بھائی منشی نبی بخش صاحب کے صحت الفاظ سے خاطر جمع ہے۔ متوقع ہوں کہ وہ تکلیف سہیں اور ختم کتاب تک متوجہ رہیں۔ منشی شیو نرائن صاحب نے کاپی میرے دیکھنے کو بھیجی تھی۔ سب طرح میرے پسند آئی چنانچہ اُن کو لکھ بھیجا ہے۔ اگر ہو سکے تو سیاہی ذرا اور بھی رنگت کی اچھی ہو۔ ۱۲ حضرت چار جلدیں یہاں کے حکام کو دونگا۔ اور دو جلدیں ولایت کو بھیجوں گا۔ اللہ اللہ کیا غفلت ہے۔ اور کیا اعتماد ہے زندگی پر۔ بہر حال یہ ہوس تھی۔ اور شاید اب بھی ہو۔ کہ اب چھ جلدوں کی کچھ تزئین اور آرائش کی جاوے آپ اور بھائی صاحب اور اُن کا فرزند رشید منشی عبداللطیف اور منشی شیو نرائن یہ چاروں صاحب فراہم ہوں۔ اور باجلاس کونسل یہ امر تجویز کیا جاوے کہ کیا کیا جاوے۔ معہذا دو دو روپیہ کتاب سے زیادہ کا مقدور نہیں ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ چار جلدیں چھ روپیہ میں تیار ہوں۔ پھر میں سوچتا ہوں۔ کہ یارب آرائش کی گنجائش کہاں۔ تا چار چار کتابوں کی جلد ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ کی اور دو کتابوں کی جلد تین تین روپیہ کی بنائی جائے۔ قصہ مختصر کیا جائے۔ یا یہی کہہ دیا جائے کہ تیری رائے کونسل میں مقبول اور صرف جلدوں کی تیاری منظور ہوئی بارہ روپے بھیج دیجئے۔ ۱۲ مطالب اور مقاصد تمام ہوئے اور ہم تم بزبان قلم باہم دگر ہم کلام ہوئے ؎

ایضاً۔ مرزا صاحب میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے۔ کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بزبان قلم باتیں کیا کرو ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اتنا تو کہو کہ کیا بات تمہارے جی میں آئی ہے۔ برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت لکھی۔ نہ کتابوں کا بیوار بھجوایا۔ ہاں مرزا تفتہ نے ہاتھرس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق یا پانچوں

کتابوں کے آغاز کے اُن کو دے آیا ہوں۔ اور اُنھوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے یہ تو بہت دن ہوئے جو تم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ دو کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے پھر اب کتابوں کی جلدیں بن جانے کی کیا خبر ہے۔ اور ان پانچوں کتابوں کے تیار ہونے میں درنگ کس قدر ہے۔ مہتمم مطبع کا خط پرسوں آیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ تمہاری چالیس کتابیں بعد منہائی لینے سات جلدوں کے اسی ہفتہ میں تمہارے پاس پہنچ جائینگی اب حضرت ارشاد کریں کہ سات جلدیں کب آئیں گی۔ ہر چند کاریگروں کے دیر لگانے سے تم بھی مجبور ہو مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھوں کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو خدا کرے تینتیس جلدوں کے ساتھ یا دو تین روز کے آگے پیچھے یہ سات جلدیں آپ کی عنایت بھی آئیں۔ تا خاص و عام جا بجا بھیجی جائیں۔ میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ نواب ضیاء الدین خان اور نواب حسین مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو میں نے کہا انھوں نے لکھ لیا ان دونوں کے گھر لٹ گئے۔ ہزاروں روپیہ کے کتب خانے برباد ہو گئے۔ اب میں اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہوں۔ کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر کو کہ وہ خوش آواز بھی ہے۔ اور زمزمہ پرداز بھی ہے ایک غزل میری کہیں سے لکھوا لایا۔ اُس نے وہ کاغذ جو مجھ کو دکھایا یقین سمجھنا کہ مجھ کو رونا آیا۔ غزل تم کو بھیجتا ہوں اور صلہ میں اس کا جواب چاہتا ہوں۔ غزل

درد منّتِ کشِ دوا نہ ہُوا	میں نہ اچھا ہُوا بُرا نہ ہُوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو	اک تماشا ہُوا گلا نہ ہُوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے	لیکے دل دلستاں روانہ ہُوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما	کام گر رُک گیا روا نہ ہُوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب	گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہُوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی	بندگی میں مرا بھلا نہ ہُوا
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی	حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہُوا
کچھ تو پڑھیئے کہ لوگ کہتے ہیں	آج غالبؔ غزل سرا نہ ہُوا

ایضاً۔ بھائی صاحب آپ کے خامۂ مشکبار کی صریر نے کتابوں کی لوح طلائی کا آوازہ یہاں تک پہنچایا بلکہ مجھ کو ان کی لوحوں کا خط طلائی مانند شعاع آفتاب نظر آیا کیا پوچھنا ہے اور کیا کہنا ہے۔ مجھ کو تو بموجب اس مصرعہ کے ع خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست ٭ دل میں خوش ہو کر چپ رہنا ہے۔ حضرت مدح کو ایک موقع ضرور ہے۔ مجھ کو آپ کے حکم کا بجا لانا ضرور ہے ـــــــــــ اس نذر کے پہنچنے کے بعد

سے یہ نہ سمجھنا کہ روئے سخن ساری خدائی کی طرف ہے۔ بلکہ خاص یہ اشارہ بھائی کی طرف ہے۔ مولانا حقیر کو توجہ اس باب میں چاہئیے۔ اور ان کا نام بھی اس کتاب میں چاہئیے۔ اس خط کو لکھ بند کر چکا تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ میرے مشفق منشی شیونرائن صاحب کا خط لایا۔ بارے قصیدہ کا مسودہ پہنچ گیا اور منشی صاحب نے اس کا چھاپا قبول کیا۔ یہ تشویش بھی رفع ہوگئی۔ اب اُن سے میرا سلام کہئیے گا اور یہ کہئیے گا۔ ع

شکر رافت ہائے تو چندانکہ رافت ہائے تو۔ اور یہ ان کو اطلاع دیجئے گا۔ کہ اخبار کا لفافہ ہرگز مجھ کو نہیں پہنچا ورنہ کیا امکان کہ میں رسید نہ لکھتا۔

ایضاً۔ خود شکوہ دلیل رفع آزار بس است   آید بزبان ہر آنچہ از دل برود

بندہ پرور فقیر شکوہ سے بُرا نہیں مانتا۔ مگر شکوہ کے فن کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا شکوہ کی خوبی یہ ہے۔ کہ رہ راست سے منہ نہ موڑے اور معتد دوسرے کیواسطے جواب کی گنجائش نہ چھوڑے کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس عرصہ میں کئی خط بھجوائے اور وہ اُلٹے پھر آئے آپ شکوہ کا ہیکو کرتے ہیں۔ اپنا گناہ میرے ذمہ دھرتے ہیں نہ جانے وقت لکھا کہ میں کہاں جاتا ہوں نہ وہاں جاکر لکھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ کل آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آج میں نے اس کا جواب بھجوایا کہئیے اپنے دعوے میں صادق ہوں یا نہیں۔ بس دردمندوں کو ستانا اچھا نہیں۔ مرزا تفتہ سے آپ فقط اُن کے خط نہ لکھنے کے سبب سرگران ہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ ان دنوں میں کہاں ہیں۔ آج توکلت علی اللہ سکندرآباد خط بھیجتا ہوں۔ دیکھوں کیا دیکھتا ہوں۔

ایضاً بھائی صاحب تمہارا خط اور قصیدہ پہنچا۔ اصل تمہارا لفافہ میں لپیٹ کر مرزا تفتہ کو بھیجدیتا ہوں کہ حال انکو مفصل معلوم ہوجائے۔ بعد اس رپورٹ کے تم کو تہنیت دیتا ہوں۔ پروردگار بہ تصدق آئمۂ اطہار بہ پیش آمد اقبال تم کو مبارک کرے۔ اور منصب ہائے خطیر اور مدارج عظیم کو پہنچائے۔ واقعی یہ کہ تم نے بڑی جرأت کی فی الحقیقت اپنی جان پر کھیلتے تھے۔ بات پیدا کی مگر اپنی مردی و مردانگی سے۔ دولت کا ہاتھ آنا مع نیکنامی اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں اب یقین یہ ہے۔ کہ خدمت منصفی ملے اور جلد ترقی کرو۔ ایسا کہ سال آئندہ تک صدر الصدور ہوجاؤ۔ اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ مغل نے تمہارا ذکر سمجھ سے کیا تھا۔ اور وہ اشعار جو تم نے اس کے حسن کے وصف میں لکھے تھے۔ تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے مجھ کو دکھاتے تھے۔ اب یہ ایک زمانہ ہے۔ کہ طرفین سے نامہ و پیام آتے جاتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن بھی آجائیگا۔ کہ ہم تم بیٹھیں اور باتیں کریں۔ قلم بیکار ہوجائے۔ زبان برسر گفتار آئے۔ انشاء اللہ خاں کا بھی قصیدہ میں نے دیکھا

ہے تم نے بہت بڑھ کر لکھا ہے۔ اور اچھا سماں باندھا ہے زبان پاکیزہ مضامین اچھے تھے معانی نازک مطالب کا بیان دلنشین۔ زیادہ کیا لکھوں :

ایضاً خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ آپ کو اپنی طرف متوجہ پاتا ہوں۔ مرزا تفتہ کا خط جو آپ نے نقل کرکے بھیجا ہے۔ میں نے منشی شیونرائن کو بھیجا ہوا اصل خط دیکھ لیا ہے اگر تم مناسب جانو تو ایک بات میری مانو۔ رقعات عالمگیری یا انشا خلیفہ اپنے سامنے رکھ لیا کرو جو عبارت اس میں پسند آیا کرے۔ وہ خط میں لکھ دیا کرو۔ خط منت میں تمام ہو جایا کریگا اور تمہارے خط کے آنے کا نام ہو جایا کریگا۔ اگر کبھی کوئی قصیدہ کہا اُس کا دیکھنا مشاہدہ اخبار پر موقوف رہا ع برات عاشقاں بر شاخ آہو :

واقعی جو اخبار آگرہ سے دلی آتے ہیں۔ وہ میرے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔ صاحب ہوش میں آؤ اور مجھ کو بتاؤ کہ یہاں جو پارسیوں کی دکانوں میں فرنچ اور شمپین کے درجن دھرے ہوئے ہیں۔ یا ساہوکاروں اور جوہریوں کے گھر روپیہ اور جواہر سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں کہاں وہ شراب پینے جاؤنگا۔ اور وہ مال کیونکر اٹھاؤنگا۔ بس اب زیادہ باتیں نہ بنائیے اور وہ قصیدہ مجھ کو بھجوائیے۔ میں نے کتابیں جابجا بسبیل پارسل ارسال کی ہیں۔ اگرچہ پہنچنے کی خبر پائی ہے۔ مگر نوید قبول ابھی کہیں سے نہیں آئی ہے۔ سے

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

دیکھنا بھائی اس غزل کا مطلع کیا ہے سے

جور سے باز آئیں پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو مُنہ دکھلائیں کیا

مَوجِ خون سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے
آستان یار سے اُٹھ جائیں کیا

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

غزل نا تمام ہے

ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشان اور
کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گمان اور

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے
لے آئینگے بازار سے جا کر دل و جان اور

لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور

ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند
ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کمان اور

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور

ہرچند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور

پاتے نہیں راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے — رُکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور...
مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے — جلاّد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور
ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے — کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

دوشنبہ کا دن ۲۰ر دسمبر کی صبح کا وقت ہے انگیٹھی رکھی ہوئی ہے آگ تاپ رہا ہوں اور خط لکھ رہا ہوں۔ یہ اشعار یاد آگئے تم کو لکھ بھیجے۔ والسّلام ؏

ایضاً۔ بھائی جان کل جو جمعہ روز مبارک و سعید تھا۔ گویا میرے حق میں روزِ عید تھا۔ چار گھڑی دن رہے نامہ فرحت فرجام اور چار گھڑی کے بعد وقت شام سات جلدوں کا پارسل پہنچا واہ کیا خوب برمحل پہنچا۔ آدمی کو موافق اُس کی تمنا کے آرزو بر آنی محال ہے میری آرزو ایسی بر آئی کہ وہ برتر از وہم و خیال ہے۔ یہ بناؤ تو میرے تصوّر میں بھی نہیں گذرتا تھا میں صرف اس قدر خیال کرتا تھا۔ کہ جلدیں سیدھی ہوئی دو کی لوحیں زریں اور پانچ لوحیں سیاہ قلم کی ہونگی۔ واللہ اگر تصوّر میں بھی گذرتا ہو کہ کتابیں اس رقم کی ہونگی۔ جب تک جہان ہے۔ تم جہان میں رہو۔ آئمۂ اطہار علیہم السّلام کی امان میں رہو۔ میرا مقصود یہ تھا۔ کہ ایک مشغل اُن چار کے بنجائے نہ یہ کہ دو کتابوں کا سا رنگ دکھلائے۔ اب میں حیران ہوں۔ کہ آیا تمہارے آئمہ نے اُن بارہ ریلوں میں برکت دی یا کچھ تمہارا روپیہ صرف ہوا۔ دو پارسلوں کا محصول دو رجسٹریوں کا معمول۔ تین کتابوں کی لوحیں طلائی یہ ساری بات اُس روپیہ میں کیونکر بن آئی۔ اور کیونکہ معلوم کروں کس سے پوچھوں۔ خدا کرے تم تکلّف نہ کرو۔ اور اس امر کے اظہار میں توقف نہ کرو خفقانی آدمی کو بغیر حال معلوم آرام نہیں آتا۔ جہاں مجتہدین دینی اور روحانی ہوں۔ وہاں تکلّف نہیں آتا۔ زیادہ اس سے کہ شکر گذار ہوں۔ اور شرمسار ہوں کیا لکھوں ؏

ایضاً بندہ پرور آپ کا خط کل پہنچا آج جواب لکھتا ہوں۔ داد دینا کتنا شتاب لکھتا ہوں مطالب مندرجہ کے جواب کا بھی وقت آتا ہے۔ پہلے تم سے پُوچھا جاتا ہے کہ برابر کئی خطوں میں تم کو غم و اندوہ کا شکوہ گذارا پاتا ہے۔ پس اگر کسی بے درد پر دل آیا ہے تو شکایت کی کیا گنجائش ہے بلکہ یہ غم تو نصیب دوستان درخور افزائش ہے۔ بقول غالب علیہ الرحمتہ ؎

کسی کو دیکے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو — نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر مُنہ میں زباں کیوں ہو

ہے ہے حسن مطلع ؎

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے — ہُوا تو دوست جس کا دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

افسوس ہے کہ اس غزل کے اور اشعار یاد نہ آئے۔ اگر خدانخواستہ باشندہ غم دنیا ہے تو بھائی ہمارے

ہمدرد ہو ہم اس بوجھ کو مردانہ اُٹھائے ہوئے ہیں تم بھی اُٹھاؤ اگر مرد ہو بقول غالب مرحوم ؎

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر ۔۔۔ نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

سحر ہوگی۔ خبر ہوگی۔ اس زمین میں وہ شعر یعنی ؎

تمہارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر ۔۔۔ جو آنکھوں میں تمہیں رکھوں تو ڈرتا ہوں نظر ہوگی

کتنا خوب ہے اور اُردو کا کیا اچھا اُسلوب ہے قصیدہ کا مشتاق ہوں خدا کرے جلد چھپا پایا جاوے تو ہمارے دیکھنے میں بھی آجائے۔ تو کیا کہئے۔ یہ زمین ایک بار یہاں طرح ہوئی تھی مگر بحر اور ہی تھی ؎

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے ۔۔۔ تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے
رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے ۔۔۔ کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ ۔۔۔ خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

اور جو فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن یہ بحر ہے اس میں میرا ایک قطعہ ہے۔ کہ وہ میں نے کلکتہ میں کہا تھا۔ تقریب یہ کہ مولوی اکرم حسین ایک میرے دوست تھے انہوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجئے میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھ کر اُن کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی اُن سے لی۔ اب سوچ رہا ہوں جو شعر یاد آتے جاتے ہیں۔ لکھتا جاتا ہوں۔

قطعہ

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی ۔۔۔ زیب دیتا ہے اُسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے ۔۔۔ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے
اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے ۔۔۔ خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلیٰ کہیے
حجر الاسودِ دیوارِ حرم کیجے فرض ۔۔۔ نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیے
صومعہ میں اسے ٹھہرائیے گر مُہرِ نماز ۔۔۔ میکدہ میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے
مستی آلودہ سرِ انگشتِ حسیناں لکھیے ۔۔۔ سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیے

غرضیکہ بیس بائیس پھبتیاں ہیں۔ اشعار سب کب یاد آتے ہیں آخر کی بات یہ ہے ؎

اپنے حضرت کے کفِ دست کو دل کیجے فرض ۔۔۔ اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

و حضرت آپ کے خط کے جواب نے انجام پایا۔ اب برادر و دل سوز برخوردار منشی شیو نرائن نے میرے

دو خطوں کا جواب نہیں لکھا اور وہ خطوط جواب طلب تھے۔ تم اُن کو میری دعا کہو۔ اور کہو کہ میاں میرا کلام بند ہے اس مطلب خاص کا جواب جلد لکھو۔ یعنی اگر وہ کتاب بن چکی ہے۔ تو جلد بھیجو اور اگر اس کے بھیجنے میں دیر ہے تو یہ لکھ بھیجو کہ وہ سیاہ قلم کی لوح کی ہے یا طلائی۔

ایضاً۔ جناب مرزا صاحب دلّی کا حال تو ہے ؎

گھر میں تھا کیا جو ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے۔ جو کوئی لوٹیگا۔ وہ خبر محض غلط ہے اگر کچھ ہے تو بدیں نمط ہے۔ کہ چند روز گوروں نے اہل بازار کو ستایا تھا۔ اہل قلم اور اہلِ فوج نے بہ اتفاق رائے ہمدگر ایسا بند و بست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا۔ اب امن و امان ہے ناسخ مرحوم جو تمہارے اُستاد تھے۔ میرے بھی دوست صادق الوداد تھے۔ مگر ایک فنّی تھے۔ صرف غزل کہتے تھے قصیدہ اور مثنوی سے انکو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا۔ کہ انشا کو رشک آیا۔ مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے کیا کہوں کیا حظ اُٹھایا ؎

خدا سے میں چاہوں از رہِ مہر
فروغ میرزا حاتم علی مہر

اگر اسی انداز پر انجام پائیگی۔ تو یہ مثنوی کارنامہ اُردو کہلائیگی۔ خدا تم کو جیتا رکھے تمہارا دم غنیمت ہے۔ صاحب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ معیار الشعرا میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا۔ تمہارے ہاتھ کیا آیا۔ سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو تو امتیاز کیا ہے۔*

بنام منشی نبی بخش صاحب مرحوم

بھائی صاحب آپ کا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ میاں کا غذ مقبول و مسموع حق تعالیٰ انکو زندہ اور تندرست اور خوش و خورم رکھے اور دولت و اقبال عطا کرے۔ بالفعل جناب مرزا حاتم علی صاحب کا خط آیا۔ اُنہوں نے جو صورت چھ کتابوں کی آرائش کی جس تفریق سے لکھی ہے وہ مجھ کو پسند آئی ہے۔ کل میں نے ان کو اجازت اسی طرح کی تزئین کی لکھ بھیجی ہے۔ حال تصحیح کا بہ تفریج آپکو لکھ چکا ہوں۔ وہ اسی پر عمل رہے۔ میں نے مرزا تفتہ کو کہ وہ غیاث اللغات کے بہت معتقد ہیں۔ اس امر کی اطلاع کر دی ہے۔ بھائی جان میں نے ایک قصیدہ جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں لکھا ہے۔ ساٹھ شعر ہیں۔ چھ صفحے یعنی تین ورق پر چھپ کر دستنبو سے پہلے شیرازہ میں شامل کر دیئے جائیں تو کتاب کو قصیدہ سے عزت اور قصیدہ کو کتاب کے سبب سے شہرت ہو جائیگی۔ کل جناب

مرزا صاحب کو یہ خط لکھ چکا ہوں یقین ہے۔ کہ وہ بھی آپ سے کہیں گے اور آپ مرزا صاحب اور مرزا تفتہ اور منشی شیونرائن صاحب اس خواہش کو منظور اور اس قاعدے کو مقبول کریں گے۔ اور جب باتفاق تم چاروں صاحب پسند کرو گے۔ تو گویا باجلاس کونسل اس قانون کا اجراء منظور ہو جائیگا۔ اور امیدوار ہوں۔ کہ اجرائے قانون سے پہلے مجھ کو منظوری کی اطلاع ہو جائے تاکہ مسودہ اس قصیدہ کا بھیجدوں مہتمم مطبع کو اگر کچھ تامل ہو تو ہو ورنہ بات آسان ہے۔ منشی عبد اللطیف کو دعا کہنا اور ان کے عذر کے مقبول ہونے کی ان کو اطلاع دینا۔ بیگم کو دعا پہنچے اور سب لڑکے بالوں کو میاں باقر حسین اور علی حسین تم کو بندگی اور اپنے بھائی بہنوں کو علی القدر مراتب بندگی سلام دعا کہتے ہیں ہاں حضرت اب ایک امر مختصر کے واسطے جداگانہ خط مرزا تفتہ کو کیا لکھوں۔ میری طرف سے دعا کہکر انکو کہیگا۔ کہ اخبار گذشتہ کے اوراق خط مہتمم مطبع عالمتاب حکیم صاحب کو پہنچ گئے۔ کل وہ چار روپیہ کی ہنڈوی اور ان کے خط کا جواب روانہ کردیں گے۔ آپ چتر بھوج سہائے سے کہہ دیجئے گا۔ اور تاکید کر دیجئے گا کہ چار نمبر سابق کا منتخب کاتب سے نقل کروا کر جلد بھیجدیں۔ بھائی مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے۔ کہ یہ ہم تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت یا مکالمت ہو گئی ہے۔ روز باتیں کرتے ہیں۔ الحمد اللہ یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ خط سے خط لکھے گئے ہیں۔ مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گذرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں گا۔ تو لفافے بناؤں گا۔ غنیمت ہے۔ کہ محصول آدھ آدھ آنہ ہے ورنہ باتیں کرنے کا مزا معلوم ہوتا۔ چارشنبہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۸ء

جو باتیں جواب طلب ہیں۔ ان کا جواب طلب ہے ؎

ایضاً۔ بھائی میں تم کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ آج میرے پاس لکھنؤ کے ایک پارسل کی رسید آ گئی۔ دوسرا بھی یقینی پہنچ گیا ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔ جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لیگئے سنتا ہوں کہ کلکتہ جائیں گے۔ میم اور بچوں کو ولایت بھیجکر پھر آئیں مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں۔ اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں۔ کہ قیامت تک ان کا شکر گذار رہونگا۔ مرزا حاتم علی صاحب اگر آ جائیں۔ تو انکو میرا سلام کہنا مرزا تفتہ کو اگر کبھی خط لکھو تو میری دعا لکھنا۔ غالب۔ مرقوم دوشنبہ ۲۴ جنوری ۱۸۵۹ء

بنام منشی عبداللطیف صاحب ابن نبی بخش

صاحب آگے تمہارا ایک خط پھر بارہ کتابوں اور ایک جنتری کا پارسل پہنچا بعد اس کے کل ایک خط اور آیا ریڈر صاحب کے وہاں آنے کا حال معلوم ہوا۔ آج ۶ دسمبر کی ہے۔ ۷ کو بموجب تمہارے لکھنے کے وہ وہاں جانیوالے ہیں۔ اور مجھ کو معلوم ہے کہ میرٹھ آئیں گے۔ وہ دن کے بعد بمقام میرٹھ خط روانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اول من تصنیف شاعر شیریں مقال نادر علیم المثال جناب میر مہدی صاحب المتخلص بہ مجروح شاگرد رشید جناب مرزا اسد اللہ خان غالب

ستائش داور جہاں آفریں آسان نہیں کیونکر بیان ہو اور نعت حضرت خاتم المرسلین مشکل ہے زبان کیا مرد میدان ہو وہ دریائے ذخار ہے یہ محیط ناپیدا کنار ہے وہاں ذہن نارسا اور فہم بے سروپا یہاں عقل معترف بعجز و قصور و خرد چارہ و ناچار مجبور پھر اس صورت میں قلم مقطوع اللسان کیا نگارش کرے سوائے اسکے کہ اصل مطلب گذارش کرے اور وہ یہ ہے کہ سخنوران خرد پیشہ اور عقلمندان درست اندیشہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشہ سے کلام عرب کی شیرینی اور زبان عجم کی نمکینی گوش زد خاص و عام ہے اور ہر عقیل و فہیم اسی بات پر متفق الکلام ہے مگر یہ جو زبان اردو نے ہندوستان میں رواج پایا ہے بھی ترکیب کی خوبی اور حسن کی اسلوبی میں انہیں زبانوں کے ہم پایہ ہے اگر فصحائے عرب و عجم کما حقہ اس زبان کی ماہیت پر عبور پائیں تو اپنی زبان سے زیادہ اسکی تحسین فرمائیں ہر چند ابتدائے طلوع سے ہر عہد میں کاملان عصر اس معشوقہ خرد فریب کی آراستگی و پیراستگی میں سعی فراوان اور کوشش بیپایاں کرتے آئے ہیں مگر بالفعل اس زمانہ میں اس زبان کی خوبی کا یہ مرتبہ پہنچا ہے کہ بیان سے باہر ہو گیا ہے۔

اب یہ بدالنور بدر جہ کمال ہے آگے ہم زوال ہے خصوصاً زبان اہل دہلی کہ اردوئے معلیٰ بولنا ان کا حصہ ہے۔ ہر چند بعض حضرات کو اس بات کا غصہ ہے مگر جو صاحب کہ فہم سلیم و ذہن مستقیم و طبع ساز مزاج انصاف آشنا رکھتے ہیں۔ وہ اس امر کو مان جاتے ہیں معوج الذہن کج رائے یونہی باتیں بناتے ہیں بھلا دہلی کا اعتقاد کیونکر مرتبہ نہ ہو جب اس علیم النظیر کا یہ شہر مینو چہر مسکن و ماوا ہو جس کی طبع وقاد نے عقدہ ہائے معانی کو وا کیا ہے۔ جس کے ذہن نقاد نے پست و بلند شاہ راہ سخن کو ہموار و مصفا کیا ہے

فصاحت اگر لعل ناب ہے۔ تو وہ اسکی آب و تاب ہے اگر بلاغت گوہر بے بہا ہے تو وہ اسکی آبروئے جوہر فضاے معنی اگر گل ہے تو وہ اس کی شمیم روح فزا ہے اور سخن اگر آئینہ ہے تو وہ اسکی صیقل جلوہ نما ہے۔ اسکی سینہ بے کینہ نکات حکمیہ کا گنجینہ اس کا قلب باصفا اسرار علمیہ کا دفینہ شعر و شاعری کی اس کی ذات نے بڑی رونق بڑھائی ہے۔ اردو نے اسکی زبان پر گذر کر عزت پائی ہے جسقدر تعریف کرو برمزا دیا ہے۔ یہ جناب نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خاں صاحب غالب تخلص کی ذات بابرکات کی خوبیوں کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے ؎

میرا استاد کہ ہے جس کا سخن عالمگیر ہے ظہوری کا ظہور اور نظیری کا نظیر

حضرت کا جو سخن ہے وہ درّ عدن جو بات ہے از رہ معنی کرامات ہے یہ نثر کی رنگینی یہ نظم کی شیرینی یہ غزل کی فصاحت یہ قصیدہ کی متانت یہ لفظوں کی محبوبی یہ ترکیب کی خوش اسلوبی یہ جدت معانی یہ لیاقت لسانی یہ سلاست عبارت یہ روانی مطالب دیکھی نہ سنی سطریں ہیں کہ موتی کی لڑیاں ہیں باتیں ہیں کہ مصری کی ڈلیاں ہیں۔ نثر نثار ہے نظم انجم قربان حسن تقریر پر تحریر پر شعاع ہے نثار کرنیکو آفتاب زر بدامانِ گفتار شکر بار کو جادو کہوں حیران ہو کیا کہوں، لاحول ولا قوۃ کیا حکایتوں کی باتیں کرتا ہوں، کیا جادو ہے کیا سحر کا اثر ہے گفتار اعجاز طراز کے رشک سے ہندوستان میں نہ جادو ہے نہ سحر ہے ہاں بابل کے کسی کونے میں چھپا ہو تو کیا خبر ہے! بھلا اس عبارت تعالیٰ نشان کا نیا بیان ہو! جس کی صفائی استعارات کی خجلت سے درِ شاہوار پانی پانی۔ جس کی رنگینی فقرات ہے جگر خون لعل رمانی نہیں نہیں یہ ستائش کچھ سرمایہ نازش نہیں۔ کیا موتی کیا لعل ان کی وجہ قدر و مقدار یعنی آب و تاب اندک تغیر میں نایاب ہے اور یہ قیامت تک یکساں۔ تہیدستان سرمایہ سخن کر سکیں زبان عبارت متین کی کیفیت دیکھکر جامی تو کیا فلاطون خم نشین کے نشے ہرن ہوتے ہیں اور اسکے ادراک غوامص میں اپنی عقل و خرد کھوتے ہیں جہاں ایسے ایسے سرخوشان خمستان معنی جرعہ خوار بادہ گفتار اور نشہ حسن بیان سے سرشار ہوں پھر ہم سے نارسیدہ اس پختگی مطالب کو کیا پائیں کہاں سے ایسی قوت متخیلہ لائیں۔ سوائے اس کے کہ یہ راہ باریک دیکھ کر قدم لڑکھڑائیں اور اپنی نافہمی پر عرق انفعال میں غوطہ کھائیں مگر افسوس کہ اس جنس گراں ارز کا کوئی خریدار نہ ہوا اور اس یوسف مصر سخندانی کا کوئی طالب دیدار نہ ہوا۔ حضرت کا ظہور حضرت اکبر شاہ کے عہد میں ہوتا شاہ عباس دارائے ایران کے عصر میں ہوتا۔ نظیری اپنا نظیر دیکھ لیتا۔ ظہوری کو فن شعر میں اپنا حریف غالب نظر آجاتا خیر اب ہم یوں دل خوش کرتے ہیں کہ اگر حضرت اسوقت میں زینت بخش جہاں ہوتے تو ہم کہاں ہوتے یہ ہمارے

طالع کی خوبی یہ ہماری خوش نصیبی کہ ایسے منتخب روزگار رجال باکمال سے مقتبس انوار فیض ہوئے اور شرف قدمبوسی سے بہرہ اندوز نہ ہوئے۔

جب حضرت کو دیکھ لیا گویا سب سخندانان پیشینہ کو دیکھ لیا۔ جب حضرت کا کلام سن لیا سبکا کلام سن لیا بمبین میرے قول کی یہ اردو کی تحریر ہے کہ سہل الممتنع کیا بلکہ ممتنع النظیر ہے اس دور کا نیا انداز ہے کہ جسکے دیکھنے سے روح کو اہتزاز ہے جو کہ بعد تکمیل ہو جانے کلیاتِ نظم و نثر فارسی کہ وہ ہر ایک آویزہ گوش فصاحت و پیرایہ گلوئے بلاغت ہے اور ہندوستان سے ایران تک ہر ایک نکتہ سنج کے ورد زبان ہے مدت سے حضرت کو اس طرز نو ایجاد اردو سے لگاؤ ہے اور خط و کتابت میں اسی کا برتاؤ ہے جب شائقین ہنر دوست نے اس نمک ہندی کا مزہ چکھا ہر ایک سرمایہ لذت مائدہ سخن سمجھ کر طلبگار و خواستگار ہوا اس واسطے منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر کہ یہ صاحب اخلاق و مروت میں یکتا اور علم دوست و ہنر آشنا ملازمین و معززین سرکار سے ہیں اور اب پنشن دار ہیں علم فارسی کو خوب جانتے ہیں۔ اشعار بھی اسی زبان میں فرماتے ہیں۔ منشی صاحب کے اشعار قابل و بدیہ ہیں جناب مرزا صاحب قبلہ کے شاگرد رشید ہیں چنانچہ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ ع

در معرکہ تہیم کہ جوہر داریم

ان کی طبع والا نے یہ اقتضا کیا کہ یہ گہرہائے شب افروز سلک تحریر میں منسلک ہو کر زینت بخش عروس سخن ہوں اور یہ گلہائے پراگندہ جمع ہو کر ایک جا گلدستہ ہوں تا اسکے رائحہ روح پرور سے دماغ نکتہ سرایان غیرت چمن ہو اسواسطے میر فخر الدین صاحب مہتمم اکمل المطابع دہلی نے سعی بے پایاں اور لالہ بہاری لال صاحب منشی مطبع مذکور نے کوشش فراواں سے اکثر خطوط جمع کیے اور بقصد انطباع کیا اور اردوئے معلّٰی نام رکھا گیا۔ اور ان خطوں کو دو حصوں پر منقسم کیا پہلے حصے میں صاف صاف مخاطبات کے خط تحریر کیے تاکہ طلبائے مدرسہ فائدہ اٹھائیں۔ دوسرے حصہ میں مطالب مشکلہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی تاکہ سخنوران معنی یاب اس کے دیکھنے سے مزا پائیں اور منشی صاحب موصوف نے اس ہیچمدان خاکسار یعنی مجروح دل افگار سے اس کا دیباچہ لکھنے کو فرمایا۔ بندہ یہ سن کر حیران ہوا کہ یا رب دانہ شہوار کے سامنے خزف ریزوں کا کیا اعتبار اور لعل و زمرد میں پتھر کے ٹکڑوں کا کیا وقار مگر الامر فوق الادب سمجھ کر ورا پنے کو اسی خوان نعمت کا ذلہ چین جان کر یہ چند سطریں لکھیں۔ بقول عرفی

چو ذرہ گرچہ حقیرم نسبتم ایں بس که آفتاب بود نقطہ مقابل ما

اُردوئے معلّیٰ

حصّہ اوّل

رقعہ بنام نواب میر غلام باباخان بہادر

نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ فقیر اسداللہ عرض کرتا ہے کہ آپ کے خط کے آنے نے میری آبرو بڑھائی۔ حق تعالےٰ تمہیں سلامت رکھے ۲۶ درفش کاویانی کی رسید پہنچی۔ حسب ارشاد اب اور نہ بھیجوں گا۔ قبلہ! غرض شہرت ہے اس قلمرو میں میں نے جلدیں تقسیم کی ہیں اس ملک میں آپ بانٹ دیں۔ اتنی میری عرض قبول ہو کہ بڑودہ گجرات میں سید احمد حسن صاحب مودودی اور میر ابراہیم علیخاں صاحب کو ایک ایک جلد بھجوا دیجیے گا اور چھ جلدیں مولانا سیف الحق کو عطا کیجیے گا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھجوا دیں۔ خواجہ بدرالدین خاں میرے بھتیجے نے بوستان خیال کو اردو میں لکھا ہے اسکا ایک اشتہار اور یہاں ایک اخبار نیا جاری ہونیوالا ہے اس کے دو اشتہار اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں آپ یا آپ کے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خریدار ہوں تو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں والسّلام مع الاکرام میاں سیف الحق سیّاح کو سلام۔ ۲۲ مارچ سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سبحان اللہ تعالیٰ شانہ ما اعظم برہانہ۔ جناب مستطاب نواب میر غلام باباخان بہادر[1] سے بتوسط میاں داد خان صاحب شناسائی بہم پہنچی لیکن وا۔ اوّل ساغر و درد ہی کیا جگر خون کن اتفاق ہے پہلا عنایت نامہ جو حضرت کا مجھ کو آیا اسمیں خبر مرگ اب میں جو اسکا جواب لکھوں اور یہ میرا پہلا خط ہوگا۔ لامحالہ مضامین اندوہ انگیز ہونگے نہ نامہ شوق نہ محبت نامہ صرف تعزیت نامہ صریر قلم ماتمیوں کے شیون کا خروش ہے جو لفظ نکلا وہ سیاہ پوش ہے۔ نواب میر جعفر علیخاں جیسا میر پرورش گر نام آور روشناس اعیانِ ہندو انگلینڈ وسط جوانی یعنی ۴۶ برس کی عمر میں یوں مر جائے ع۔ نخل چمن سروری افتاد پا۔ ناٹے سچ تو یوں ہے کہ یہ دہر آشوب غم ہے مجمعِ اہل ہند ماتم دارد

[1] یہاں مخاطب کو ایک غائب تصوّر کیا ہے۔

سوگوار ہوں تو بھی کم ہے۔ اگرچہ میں کیا اور میری دعا کیا مگر اس کے سوا کہ مغفرت کی دعا کروں اور کیا کروں قطعہ سالِ رحلت نواب غفران مآب جب دل خار خار غم سے پر خون ہوا ہے یوں موزوں ہوا ہے ؎

گردیدہ نہاں مہرِ جہاں تاب دریغ شد تیرہ جہاں بچشم احباب دریغ

ایں واقعہ را ز روئے زاری غالب تاریخ رقم کرد کہ نواب دریغ

از روئے زاری زار ہونے کے عدد بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ھ پیدا ہوتے ہیں فہو المطلوب شریک بزم ماتم میاں داد خاں صاحب کو سلام۔

یکشنبہ بست و یکم ربیع الاول ۱۲۸۰ھ مطابق ششم ستمبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان عنایت فرمائے مخلصاں زاد مجدہٗ شکر یاد آوری دوران پروری بجالاتا ہوں پہلے اس سے آپ کا مودّت نامہ پہنچا ہے وہ میرے خط کے جواب میں تھا اس کا جواب نہیں لکھا گیا۔ پرسوں میاں سیف الحق کا خط پہنچا خط کیا تھا خوان دعوت تھا میں نے کھانے بھی کھائے میوے بھی کھائے ناچ بھی دیکھا گانا بھی سنا خدا انکو سلامت رکھے کہ اس نالائق درویش گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہو صاحب ریاست و امارت میں ایسے جھگڑے بہت رہتے ہیں۔ بسبب فرطِ محبت اخبار میں تمہاری افزائش عزّ و جاہ دیکھکر خوش ہوا اور تم کو تہنیت دی ظفر نامہ ابد بہت مبارک لفظ ہے انشاء اللہ العلی العظیم ہمیشہ مظفر و منصور رہو گے ع کار بجہاں جملہ چناں باد کہ خواہی۔ نجات کا طالب غالب سہ شنبہ۔ سہ اپریل ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ جناب سید صاحب قبلہ بعد بندگی عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ آپ کا پہنچا۔ آپ جو فرماتے ہیں کہ اپنی خیر و عافیت کبھی کبھی لکھا کرو آگے اتنی طاقت باقی تھی کہ لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ طاقت بھی زائل ہو گئی ہاتھ میں رعشہ پیدا ہو گیا بینائی ضعیف ہو گئی متصدی نوکر رکھنے کا مقدور نہیں عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آگئے تو میں مطلب کہتا گیا وہ لکھتے گئے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ کل آپ کا خط آیا آج ہی ایک دوست میرا آ گیا کہ یہ سطریں لکھوا دیں۔ آپ یہ کبھی نہ فرمائیں کہ منشی میاں داد خاں سے مجھے قطع محبت ہو گیا ہے منشی صاحب کی محبت اور ان کے توسط سے آپ کی محبت دل و جان میں اس قدر سمائی ہے جیسا اہل اسلام میں بلکہ ایمان کا پس ایسی محبت کا موجود ہونا کبھی ناممکن امراض جسمانی کا بیان اور اخلاص ہمہ گر کی شرح کے بعد ہجوم غمہائے کا ذکر کیا کروں جیسا ابر سیاہ چھا جاتا ہے یا ٹڈی دل آتا ہے بس اللہ ہی

اللہ ہے سیف الحق منشی میاں داد خاں کو سلام کہیگا اور یہ خط پڑھا دیجئے گا۔ نجات کا طالب غالب روز چہار شنبہ ۶ر اپریل سنہ ۱۸۶۸ء فقط۔

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان نواب میر غلام بابا صاحب بہادر زاد مجدہٗ۔ عرض کیا جاتا ہے کہ آپکا عنایت نامہ اور مولانا سیف الحق کا مہربانی نامہ دونوں لفافے ایکدن پہنچے سیف الحق کے خط سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں شادیاں قرار پائی ہیں مبارک ہو اور مبارک ہو نظارۂ بزم جمشیدی سے محروم رہوں گا مگر میرا حصہ مجھکو پہنچ رہیگا خاطر جمع ہے۔ کیوں حضرت! صاحبزادہ کا اسم تاریخی پسند آگیا یا نہیں نام تاریخی اور پھر سید بھی اور خاں بھی سید مہابت علیخاں عجب ہے اگر پسند نہ آئے اور بہت عجب ہے کہ اس امر کی نہ آپکے خط میں توضیح نہ میاں داد خاں کے خط میں خبر۔ یہ بات نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی یہی نام رکھئے پسند آنے نہ آنیکی تو فقیر کو اطلاع ہو جائے۔ جواب کا طالب غالب ۹ ماہ اگست ۱۸۶۶ء۔

ایضاً۔ ستودہ بہر زبان و نامور بہر دیار نواب صاحب شفیق کرم گستر مرتضوی تبار نواب میر غلام بابا خان بہادر کو مسرت بعد مسرت و جشن مبارک و ہمایوں ہو۔ رقعہ گلگوں نے بہار کی سیر دکھلائی۔ بسواری ریل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی۔ پاؤں سے اپاہج۔ کانوں سے بہرہ۔ ضعف بصارت اور ضعف دماغ۔ ضعف دل۔ ضعف معدہ۔ ان سب ضعفوں پر ضعف طالع۔ کیونکر قصد سفر کروں۔ تین چار شبانہ روز قفس میں کس طرح بسر کروں۔ گھنٹہ بھر میں دو بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے ہفتہ دو ہفتہ کے بعد ناگاہ قولنج کے دورے کی شدت ہوتی ہے طاقت جسم میں۔ حالت جان میں نہیں آنا میرا سورت تک کسی صورت حیز امکان میں نہیں۔ خط لکھتے لکھتے خیال میں آیا کہ سید صاحب کی ولادت کی تاریخ تو لکھی سیدانی صاحب کی بسم اللہ کی تاریخ بھی لکھا چاہیئے مادہ خجستہ بہار ذہن میں آیا سات عدد کم پائے خجستہ بہار پر 'ادب' کے اعداد بڑھائے۔ شمار میں ۱۲۸۳ نظر آئے دوسرے ورق پر یہ قطعہ مرقوم ہے بوڑھوں کی فکر کی طاقت معلوم ہے صرف جوش محبت سے چار مصرعہ موزوں ہوئے ہیں گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ راقم اسد اللہ خاں غالب ۱۴ نومبر سنہ ۱۸۶۶ء۔ سیف الحق صاحب کو سلام۔ ایک میرے دوست مصور خاکسار کا خاکہ اتار کر دربار کا نقشہ اتارنے کو اکبرآباد گئے ہیں وہ آجائیں تو شغل تصویر تمام ہو کر آپکے پہنچ جائے۔ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجا ہے قطعہ

خجستہ جشن دبستان نشینی بیگم
بفیض ہمت نواب و [illegible] و اقبالش
چو از بہار ادب آموزیست خوش باشد
اگر خجستہ بہار ادب بود سالش

ایضاً - نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان عالیشان والا دودمان زاد مجدکم - سلام مسنون الاسلام و دعائے دوام دولت و اقبال کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ ان ایام میمنت فرجام میں جو اردوئے اخبار بمبئی آپ کی افزائش عز و جاہ کے حالات معلوم ہوئے متواتر شکر الٰہی بجالایا اور اس ترقی کو اپنی دعا کا نتیجہ جان کر اور زیادہ خوش ہوا خصوصاً عدالت العالیہ میں فتح پانا اور حق حقیقی کا ظہور میں آنا کیا کہوں کیا مسرت و شادمانی کا موجب اور کسطرح کی نشاط و انبساط کا سبب ہوا ہے - حق تعالیٰ یہ فتح مبارک و ہمایوں کرے - قطعہ

فتح سید غلام بابا خان — خود نشان دوام اقبال ست
ہم ازیں رو بود کہ غالب گفت — کہ ظفر نامۂ ابد سال ست

بہار باغ جاہ و جلال جاوداں باد - اسد اللہ خان غالب - فقط -

ایضاً - جناب نواب صاحب! میں آپکے اخلاق کا شاکر اور آپکی یاد آوری کا ممنون اور آپکے دوام دولت کا دعا گو ہوں - اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا تو ریل کی سواری میں مقرر آپ تک پہنچتا اور آپکے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا - آپ میرے شفیق اور میرے محسن ہیں خدا آپکو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے خط کے دیر لکھنے کا سبب ضعف و نقاہت ہے اگر میری اوقات شبا روزی اور میرے حالات آپ دیکھیں تو تعجب کرینگے کہ یہ شخص جیتا کیونکر ہے صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہنا اور پھر دمبدم پیشاب کو اٹھنا ان مجموع مصائب میں سے ایک ادنیٰ مصیبت یہ ہے کہ ۱۲۸۲ھ شروع ہوا ۱۲۱۲ھ کی ولادت ہے اب کے رجب کے مہینے سے ستروان سال شروع ہوگا سترا بہترا بہرہ بوڑھا اپاہج آدمی ہوں جو عنایت تم میرے حال پر رحم فرماتے ہو صرف تمہاری خوبی ہے میں کسی لائق نہیں - نجات کا طالب غالب - چہار شنبہ ۱۲ مئی ۱۸۶۶ء

ایضاً - بجناب نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلمہ اللہ تعالیٰ - بعد سلام مسنون الاسلام و دعائے دوام دولت و اقبال کہ ہمیشہ ورد زبان ہے گھڑی کے عطیہ کا شکر ہر گھڑی اور ہر ساعت بجالاتا ہوں پہلے تو آپ دوست اور پھر امیر اور پھر سید نظر ان تین امور پر اس ارمغاں کو میں نے بہت عزیز سمجھا اور اپنے سر آنکھوں پر رکھا خدائے عالم آرائے آپکو سلامت رکھے اور ہر گھڑی آپکا حامی و مددگار رہے ظاہراً بوقت روانگی کنجی کا رکھنا سہو ہوگیا - خیر یہاں بن جائیگی والسلام بالوف الاحترام - خوشنودی احباب کا طالب - غالب - سہ شنبہ سوم دسمبر ۱۸۶۴ء

ایضاً - نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان امیدگاہ درویشان زاد افضالکم آپکا بندہ منت

بذیر غالب خونین صفیر یوں نوا سنج ہوتا ہے کہ عنایت نامہ عزّ ورود لایا اور مژدہ قبول سے میرا رتبہ بڑھایا جو کچھ میرے حق میں ارشاد ہوا ہے اگر اسکو قدر دانی کہوں تو لازم آتا ہے کہ اپنے کو ایک طرح کے کمال کا مالک جانتا ہوں البتہ آپنے از راہ حق پسندی سخن کی قدر دانی اور میری قدر افزائی کی ہے جو اغلاط فارسی دانان ہند کے ذہن میں راسخ ہو گئے تھے ان کو دفع کیا ہے تو کیا برائی کی ہے بات یہ ہے کہ اوچھی پونجی والے گمنام اپنی شہرت کے لئے مجھ سے لڑتے ہیں۔ واہ واہ اپنے نامور بنانے کو ناحق احمق بگڑتے ہیں عطیہ حضرت بتوسط جناب سیف الحق پہنچا اور میں نے اسکو بے تکلف عطیہ مرتضوی سمجھا۔علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا آپکا دادا اور میرا آقا خدا کا احسان ہے کہ میں احسانمند بھی ہوا تو اپنے خداوند کے پوتے کا۔آج سے کاپی لکھی جانے لگی اور تصحیح کو میرے پاس آنے لگی چھاپے کے واسطے برسات کا موسم اچھا ہے۔بس اب اسکے چھپ جانے میں دیر کیا ہے نجات کا طالب۔غالب صبح یکشنبہ ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۰ء

بنام منشی میاں داد خاں المخاطب بہ سیف الحق المتخلص بہ سیاح

سعادت و اقبال نشان منشی میاں داد خاں سے میں بہت شرمندہ ہوں کہ انکے خطوط کا جواب نہیں لکھا۔غزلوں کے مسودے گم ہو گئے اس شرمندگی سے پاسخ نگار نہ ہوا اب یہ سطریں جو لکھتا ہوں اس خط کے جواب میں ہیں جو بنارس سے آیا ہے بھائی بنارس خوب شہر ہے اور میرے پسند ہے ایک مثنوی میں نے اسکی تعریف میں لکھی ہے اور چراغ دیر اسکا نام رکھا ہے وہ فارسی دیوان میں موجود ہے اسکو دیکھنا۔اشرف حسین خاں صاحب میرے دوست ہیں فتنہ و فساد کے زمانے سے بہت پہلے انکا خط اور کچھ انکا کلام میرے پاس آیا ہے تم انکو میرا سلام کہنا اور میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ جس طرح تم نے لکھنؤ سے بنارس تک کے سفر کی سرگذشت لکھی ہے اسیطرح آئندہ بھی لکھتے رہو گے میں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں ؎

گر بہ دل نہ خلد ہرچہ در نظر گذرد خوشا روانی عمرے کہ در سفر گذرد

خیر اگر سیر و سیاحت میسر نہیں نہ سہی ذکر العیش نصف العیش پر قناعت کی میاں داد خاں سیاح کی سرگذشت سیر و سفر ہی سہی غزل تمہاری بنے دیتا ہوں اسکے دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ہے جیسا تمنے وعدہ کیا ہے جب اور غزلیں بھیجو گے انکے ساتھ ہی اس کو بھی دیکھ

تونگا بلکہ احتیاط مقتضی اس کا ہے۔ کہ ان غزلوں کے ساتھ اس غزل کو بھی لکھ بھیجنا۔ ناتوانی زور پر ہے بڑھاپے نے نکما کر دیا ہے ضعف۔ سستی۔ کاہلی۔ گرانجانی۔ رکاب میں پاؤں ہے۔ باگ پر ہاتھ ہے بڑا سفر دور و دراز در پیش ہے۔ زادِ راہ موجود نہیں۔ خالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر ناپرسیدہ بخش دیا تو خیر۔ اگر بازپرس ہوئی۔ تو سقر مقر ہے۔ اور ہاویہ زاویہ۔ دوزخ جاوید ہے۔ اور ہم ہیں۔ ہائے۔ کسی کا کیا اچھا شعر ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اللہ اللہ اللہ۔ نجات کا طالب غالب۔ صبح دوشنبہ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ صاحب یہ مرے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ کہ تمہارا کوئی خط ڈاک میں ضائع نہیں ہوتا۔ اور میرا کوئی خط تم کو نہیں پہنچتا ہے۔ سنو چھوٹے صاحب کا خط آیا۔ اس میں قطعہ کا شکریہ اور اجرائے کتاب کے بھیجنے کی تاکید تھی۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا ہے۔ کہ اس کتاب کا چھاپہ یہاں ہی شروع ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد انطباع ایک جلد آپ کے واسطے اور ایک جلد میاں داد خان کے واسطے بسبیل ڈاک پارسل بھیجوں گا۔ اب تم نواب صاحب سے میرا سلام کہو۔ اور یہ اپنے نام کا خط اُن کو پڑھا دو۔ اور ایک پیسہ تم کو دیتا ہوں۔ نواب صاحب کا جو خط طلب کتاب کے باب میں آیا تھا۔ اس میں یہ مندرج تھا۔ کہ اب میں سورت کو جاتا ہوں۔ تم اجزائے کتاب کا پارسل اس پتہ سے سورت بھیجنا بھائی میں نے اسی پتہ سے خط بھیجا تھا۔ نہ پہنچے تو میرا کیا گناہ۔ بیرنگ خط گاہ گاہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔ تاکہ ضائع نہ ہونے کا احتمال قوی ہے۔ فقط صبح دوشنبہ ۱۴ ربیع الثانی۔ مطابق ۱۷ ستمبر سال حال غالب۔

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں سلمکم اللہ تعالیٰ! فقیر کی طرف دعا سلام قبول کریں۔ چھوٹے صاحب کی تصویر کی رسید میں بھائی محمد حسین خان سے کہا گیا تھا۔ کہ تم تصویر کے پہنچنے کی اطلاع دے دینا۔ سو اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے اطلاع دی ہے۔ حال تصویر کا یہ کہ میں نے اُسے سر پر رکھا۔ آنکھوں سے لگایا گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا لیکن اس کا سبب نہ معلوم ہوا۔ کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی۔ خیر! دیدار تو میسر ہوا گفتار بھی اگر خدا چاہیگا۔ تو سن لیں گے۔ دیکھو منشی صاحب آئینہ کی تصویر کی صنعت کو سب پسند کرتے ہیں مگر فقیر اس کا معتقد نہیں۔ اب دیکھو حضرت کی تصویر میں کہنیوں تک ہاتھ کی تصویر ہے آگے پہنچے اور پنجے کا پتہ نہیں۔ مکالمہ ایک طرف مصافحہ کی بھی حسرت رہ گئی۔ اسوقت

جداگانہ خط لکھنے کی فرصت نہیں۔ نواب صاحب سے میرا بہت بہت سلام اور اشتیاق کہنا۔ بلکہ یہ خط اُن کو ضرور دینا کہ وہ پڑھ لیں۔ میں سادات کا نیازمند اور علیؑ کا غلام ہوں۔ ع
بندۂ شاہ شمائیم و ثناخوان شمائیم۔ نجات کا طالب۔ غالب ۱۷۔ ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ ہجری

ایضاً۔ برخوردار کامگار سعادت نشان منشی میاں داد خاں سیاح طول عمرہٗ۔ درویش گوشہ نشین غالب حزیں کی دعائے درویشانہ سے کامیاب و بہرہ مند ہوں۔ لکھنؤ کی ویرانی پر دل جلتا ہے مگر تم کو یاد رہے کہ وہاں بعد اس فساد کے کون ہوگا۔ یعنی راہیں وسیع ہو جائینگی۔ بازار اچھے نکل آئینگے جو دیکھیگا وہ داد دیگا۔ اور دلّی کے فساد کے بعد کون نہیں ہے۔ یہاں فساد در فساد چلا جائے گا۔ شہر کی صورت سوائے اس بازار کے جو قلعہ کے لاہوری دروازہ سے شہر کے لاہوری دروازہ تک ہے۔ سراسر بگڑ گئی اور بگڑ جاتی ہے دیوان کا چھپنا کیسا؟ وہ شخص ناآشنا موسوم بہ عظیم الدین جس نے مجھ سے دیوان منگا بھیجا آدمی نہیں بھوت ہے پلید ہے غول ہے قصّہ مختصر سخت نامعقول ہے مجھ کو اُس کے طور پر انطباع دیوان نامطبوع ہے اب میں اُس سے دیوان مانگ رہا ہوں۔ اور وہ نہیں دیتا۔ خدا کرے ہاتھ آجائے۔ تم بھی دعا مانگو۔ زیادہ کیا لکھوں۔
دوشنبہ ۱۱ جون ۱۸۶۰ء۔ غالب

ایضاً۔ صاحب مہربانی نامہ کو گویائی الفاظ اُس کے سراسر نواب میر غلام بابا خان صاحب کی زبانی تھے پہنچا۔ جواب لکھتا ہوں۔ اور پرسش کا شکریہ بجا لاتا ہوں۔ ایک قرن زیادہ برس ہا سے فردوس مکان نواب یوسف علی خان والی رام پور اپنے اشعار میرے پاس بھیجتے تھے اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماہ بسبیل ہنڈوی بھجواتے تھے اس مغفور کی اندازہ دانی دیکھئے کہ مجھ سے کبھی اُس روپیہ کی رسید نہیں لی۔ اپنے خط میں ہنڈوی بھیجا کرتے میں خط کا جواب لکھ بھیجتا اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دو سو کبھی ڈھائی سو بھیجتے رہتے۔ فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود۔ انگریزی پنشن مسدود وہ بزرگوار وجہ مقرری ماہ بماہ اور فتوح گاہ گاہ بھیجتا رہا۔ تب میری اور میرے متوسلوں کی زیست ہوئی رئیس حال کو خدا بدولت و اقبال ابداً مویداً سلامت رکھے۔ وجہ مقرری کی ہنڈوی ہر مہینے بحسب دستور قدیم اپنے خط میں بھیجے جاتا ہے فتوح کی رسم دیکھئے جاری رہتی ہے۔ یا نہیں۔ میرے پاس روپیہ کہاں جو قاطع برہان کو دوبارہ چھپواؤں پہلے بھی نواب مغفور نے دو سو روپے بھیجے تھے۔ تب پہلا مسودہ صاف ہو کر چھپوایا گیا تھا۔ اب بھی وعدہ کیا تھا۔ کہ اپریل کی وجہ مقرری کے ساتھ دو سو پہنچیں گے۔ وہ آخر اپریل ۱۸۶۵ء حال میں مر گئے۔ اپریل کا روپیہ رئیس حال سے

ملنے پایا بصرف کتاب کا روپیہ نہ آیا یا نہ دلاؤں گا مگر اُس مرحوم وعلیٰ سررشتہ دفتر سے نہ تھا جو از روئے دفتر اسکی تصدیق ہو بہر حال فکر میں ہوں۔ اگر اسباب نے مساعدت کی فہو المراد ورنہ ع آنچہ مادر کار داریم اکثرے در کار نیست۔ منشی صاحب! اس خط کو ضروری جان کر بیرنگ بھیجتا ہوں۔

نجات کا طالب غالب۔ ۳ جولائی ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ منشی صاحب شفیق بدل مہربان عزیز تر از جان سیف الحق میاں داد خان کو فقیر غالب علیشاہ کی دعا پہنچے۔ پرسوں نواب صاحب کا خط اور کل تمہارا خط آیا۔ صاحب ٹوپیوں کی حقیقت یہ ہے۔ کہ تم نے لطائف غیبی کی ۵ جلدیں سات روپے آٹھ آنے دام بھیجکر منگوائیں پھر دو روپے کے ٹکٹ بھیجکر ٹوپیاں منگوائیں بلکہ تمہارے بھیجے ہوئے روپیوں کی ٹوپیاں خرید کر تم کو بھیجدیں چاہیے تم بہتو چاہو چھوٹے صاحب کی نذر کرو۔ میں نے جو سیف الحق خطاب دیا ہے۔ اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے نطق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہیگی۔ لطائف غیبی نے اعدا کی دھجیاں اُڑا دیں۔ ایک نئی بات سُنو۔ محمد مرزا خان میرے سبیی بھائی کا نواسہ ہے۔ اُس نے ایک اخبار نکالا ہے بمسمّٰی بہ اشرف الاخبار۔ اس کا ایک لفافہ تم کو بھیجتا ہوں۔ اس کو پڑھ کر معلوم کر لیگے۔ کہ تمہارا ایک اعتراض قتیل کے کلام پر چھاپا گیا ہے اس ارسال و اعلام سے صرف اطلاع منظور ہے۔ ہاں ایک بات یہ بھی ہے۔ کہ چھوٹے صاحب کی بھی نظر سے گذر جائے۔ اور اس سرکار میں یہ اخبار خرید کیا جاوے۔ اور تم کو اُن کی طرف سے حکم خریداری ابتداء جنوری ۱۸۶۷ء سے بنام محمد مرزا خان لکھو۔ اور وہ خط اس پتہ سے دلّی روانہ کرو۔ جو اُن کے اخبار کے آخر میں لکھا ہے حیران ہوں کہ چھوٹے صاحب کے خط کا کیا جواب لکھوں۔ انھوں نے مجھے شرمندہ کیا اپنے کو چھوٹا اور مجھ کو بزرگ لکھا۔ سید تو سب مسلمانوں کے بزرگ ہوتے ہیں میں تو مسلمانوں میں بھی ایک ذلیل۔ علیل۔ فقیر۔ حقیر آدمی ہوں۔ یہ اُن کی بزرگی ان کی خوبی اُن کی مہربانی ہے۔ حق تعالیٰ اُن کو سلامت رکھے۔ اور ان مقدمات میں من کل الوجوہ۔ اُن کو فتح و ظفر نصیب ہو۔ میرا سلام کہنا اور یہ عبارت پڑھا دینا۔ ہاں صاحب برادر یکجان برابر میرزا معین الدین حسین خان بہادر کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ بھائی میرا جی دیکھنے کو بہت چاہتا ہے پہلے برخوردار شہاب الدین خان سے پوچھو وہ اجازت دے تو فوراً ریل ریل کرتے چلے آؤ۔ فقط

دیدار کا طالب غالب۔ سہ شنبہ ۷ شوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ صاحب کل آپ کا خط آیا۔ میرا دھیان لگا ہوا تھا کہ آیا میاں سیّاح کہاں ہیں اور مجھ کو کیوں

بھول گئے ہیں۔ پہلا خط تمہارا جس کا حوالہ اس خط میں دیتے ہو۔ میں نے نہیں پایا۔ ورنہ کیا امکان تھا۔ کہ جواب نہ لکھتا جناب منشی امیر علی صاحب سے مجھ سے ملاقات نہیں لیکن ان کے محامد و مکارم سنتا ہوں جناب مولوی اظہار حسین صاحب سے البتہ اسی شہر میں دو ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ لیکن میں نے ان کو فقیر دوست اور درویش نواز نہ پایا۔ اغنیا کے واسطے اچھے ہیں۔ ہائے مولوی محمد محسن اور مولوی عبد الکریم اس عہد میں اگر ان بزرگوں میں سے ایک ہوتا تو میں کیوں اپنی قسمت کو روتا وقت گذر جاتا ہے بات رہ جاتی ہے ہاں خاں صاحب آپ جو کلکتہ پہنچے ہو۔ اور سب صاحبوں سے ملے ہو۔ تو مولوی... فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو۔ کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی اور وہاں جزیرہ میں اس کا کیا حال ہے۔ گذارا کس طرح ہوتا ہے۔ غالبؔ جمعہ ۴ ماہ اکتوبر ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ آئیے بیٹھئے مولانا سیاح! سلام علیکم۔ مزاج مبارک۔ سورت کا پہنچنا بہر صورت مبارک ہو بھائی میرا دل بہت خوش ہوا۔ کہ تم اپنے وطن پہنچے لیکن تم کو چین کہاں خدا جانے کے ہفتے یا کے مہینے ٹھہرو گے۔ اور پھر سیاحت کو نکل جاؤ گے۔ جی میں کہہ گئے آؤ اب دکن کی سیر کریں۔ حیدر آباد۔ اورنگ آباد دو تو شہر اچھے ہیں۔ ان کو دیکھیں میرزا معین الدین حسین خاں اور میرزا محمد حسین خاں یہ دونوں بیٹے ہیں۔ نواب قدرت اللہ بیگ خاں کے۔ اور قدرت اللہ بیگ خاں ابن عم تھے۔ نواب احمد بخش خاں کے اور معین حسین خاں کی بہن منسوب ہے بھائی ضیاء الدین خاں سے۔ یہاں کوئی امر نیا نہیں واقع ہوا وہی حالات و اطوار ہیں جو دیکھ گئے ہو۔ مسجد جامع کے باب میں کچھ پرسشیں لاہور سے آئی تھیں یہاں سے ان کے جواب گئے ہیں۔ یقین ہے کہ واگذار کا حکم آجائے اور مسلمانوں کو مل جائے۔ ہنوز بدستور پہرہ بیٹھا ہوا ہے اور کوئی جانے نہیں پاتا۔ والسلام مع الاکرام۔ صبح شنبہ ۲ ذیقعدہ ومئی سنہ غالبؔ

ایضاً۔ نور چشم اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو غالبؔ نیم جان کی دعا پہنچے واقعی تمہارے دو خط آئے ہیں آگے میں لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ میں رعشہ آنکھوں میں ضعف بصر۔ کوئی متصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آجاتا ہے۔ تو اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ بھائی میں تو کوئی دن کا مہمان ہوں۔ اور اخبار والے میرا کیا حال جانیں ہاں اکمل الاخبار اور اشرف الاخبار والے کہ یہ یہاں کے رہنے والے ہیں اور مجھ سے ملتے رہتے ہیں۔ سو ان کے اخبار میں میں نے اپنا مفصل حال چھپوا دیا ہے۔ اور اس میں میں نے عذر چاہا خطوں کے جواب اور اشعار کی اصلاح سے اس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار

واسطے اصلاحوں کے چلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا۔ اپاہج پورا بہرہ۔ آدھا اندھا دن رات پڑا رہتا ہوں حاجتی پلنگ کے تلے دھری رہتی ہے۔ تشت چوکی پلنگ کے پاس لگا رہتا ہے سو تشت چوکی پر تیسرے چوتھے دن اتفاق جانے کا ہوتا ہے اور حاجتی کی حاجت بسبب سُرعتِ بول کے گھنٹہ بھر میں پانچ چھ بار ہوتی ہے۔ تصویر کھینچنے والا جو ہندوستانی ایک دوست تھا۔ وہ شہر چلا گیا۔ ایک انگریز ہے وہ کھینچتا ہے مجھ میں اتنا دم کہاں کہ کوٹھے پر سے اتروں۔ پالکی میں بیٹھوں اور اس کے گھر جاؤں اور گھنٹہ دو گھنٹہ کرسی پر بیٹھوں اور تصویر کھنچوا کر جیتا جاگتا اپنے گھر پھر آؤں۔ اب تم از راہ مہربانی میر ابراہیم علیخاں بہادر اور حکیم سیّد احمد حسن صاحب اور جب بمبئی سے آجائیں تو نواب غلام بابا خاں کو یہ خط پڑھوا دینا تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور اس کا مر جانا معلوم ہو کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو کہ ۷۴ برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے لڑکے اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہ ہوئی۔ تم ابھی جوان ہو۔ حق تعالیٰ تمہیں صبر اور نعم البدل دے۔ والسلام۔

۲۵ اگست ۱۸۶۷ء غالب

ایضاً۔ خان صاحب سعادت و اقبال نشان میاں داد خاں سیّاح کو فقیر گوشہ نشین کا سلام پہنچے۔ تمہارا کوئی خط سوائے اس خط کے جس کا جواب لکھتا ہوں۔ ہرگز نہیں پہنچا بہت دن سے مجھ کو خیال تھا۔ کہ مولانا سیاح نے مجھ کو یاد نہیں کیا کل ناگاہ تمہارا خط پہنچا آج اس کا جواب لکھتا ہوں۔ مُہر میں تو کھودنے کا نہیں جو اس قدر عذر چاہتے ہو۔ کھدوا دینے میں کیا تکلیف اور کیا زحمت میں احباب کا خادم ہوں۔ میر غلام بابا خاں سے میرا سلام کہئے۔ اور وہ نگین مع نقشہ بے تکلف بھیج دیجئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل اور اس نگین کی درستی ہو جاوے گی۔ خاطر عاطر جمع رہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ اجی سیاح صاحب ہمارا دھیان تم میں لگا رہتا ہے۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہا کرو۔ میں ایسا گمان کرتا ہوں۔ کہ اگر میر غلام بابا خاں صاحب کو مُہر کھدوانی نہ ہوتی اور وہ تم سے نہ کہتے تو تم ہرگز مجھ کو خط نہ لکھتے۔ یہ خط تمہارا گویا میر غلام بابا خاں کے حسب الحکم تھا۔ جی میں آیا تھا۔ کہ انہیں کو اس کا جواب لکھوں اور اُن کے نام کا خط بھیجوں۔ مگر پھر سوچا۔ کہ تم آزردہ ہو جاؤ گے تمہیں کو خط لکھا۔ بھائی یہ طریقہ فراموش کاری اچھا نہیں گاہ گاہ خط لکھا کرو۔ والسّلام۔ نجات کا طالب غالب۔ سہ شنبہ یکم مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب یہ کیا اتفاق ہے۔ کہ میری بات کوئی نہیں سمجھتا ؎

کس زبانِ مرا نمی فہمد　　بہ عزیزاں چہ التماس کنم

یاد کرو اصل مقدمہ یہ تھا کہ میں قاطع برہان کو دوبارہ چھپوایا چاہتا ہوں۔ نواب صاحب مدد دیں۔ یعنی سو سو جلدیں خرید لیں۔ حضرت نے ایک گھڑی عنایت فرمائی۔ بھلا یہ میرے کس کام کی۔ چار دن سوچا کیا کہ پھیر دوں۔ پھر سوچا کہ برا مانیں گے۔ آخر کو گھڑی رکھ لی۔ اور یہ خیال کیا۔ کہ کتاب کے انطباع کے بعد سو ڈیڑھ سو جلدیں بھیج دوں گا۔ اس خط کے ساتھ نواب صاحب کے نام کا خط گھڑی کی رسید کا پہنچتا ہے۔ اور یہ بھی تم کو معلوم رہے کہ گھڑی کی کنجی نہیں آئی۔ ظاہراً سہو سے وہیں رہ گئی ہوگی۔ ہاں صاحب تیس جلدیں لطائف غیبی کی دو پارسلوں میں آگے بھیجی ہیں۔ جسکی قیمت دس روپے مجھ کو پہنچی فی الحال ایک جلد اور اپنی طرف سے بھیجی ہے۔ رسید جلد لکھو۔ غالب ۳۔ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ء

ایضاً۔ سعادت و اقبال نشان سیف الحق منشی میاں داد خان سیاح کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ خط میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے مگر تیس کتابوں کی دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی۔ یہ ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے۔ اس میں وہی لطائف غیبی ہے۔ جس کو میں نے اپنے مطالعہ میں رکھ کر صحیح کیا ہے۔ اس کے بھیجنے سے یہ مدعا ہے۔ کہ تم اُن تیس رسالوں کو۔ اس کے مطابق صحیح کر لو۔ اگر چھوٹے صاحب نے رکھ لیا ہے تو اُن سے مستعار لیکر اپنی سب کتابیں صحیح کر لو اور وہ نسخہ اُن کے نذر کرو۔ صاحب میں نے صرف اپنے صرف زر سے لطائف غیبی کی جلدیں نہیں چھپوائیں۔ مالک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپی ہیں۔ بیس میں نے مول لیں۔ تیس تم کو دلوا دیں۔ بیس بھائی ضیاء الدین نے لیں۔ دس مصطفٰے خاں صاحب نے لیں باقی کا حال مجھے نہیں معلوم۔ دیکھو سیف الحق شیخ سعدی کا قول کیا سچا ہے ؎

اگر دنیا نباشد دردمندیم	وگر باشد بمہرش پائے بندیم
بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست	کہ رنج خاطر ست ار ہست ور نیست

جہاں دولت نہیں وہاں مصیبت ہے جہاں دولت ہے وہاں خصومت ہے۔ میں تو میر غلام بابا خاں کا دوست ہوں۔ ان کی دعا مانگتا ہوں۔ آپ اتنی مہربانی کریں کہ یہ حالات جو واقع ہوا کریں وہ مجھ کو لکھا کریں۔ غوبیلہ کی ہندی نخرہ ہے فارسی میں غربیلہ بولتے ہیں۔

نجات کا طالب غالب۔ پنجم شعبان سنہ ۱۲۸۱ھ

ایضاً۔ بھائی سیف الحق تمہارا خط پہنچا۔ قاضی صاحب کو جو وہ کو معاف رکھو۔ اگر کوئی وجہ اپنے پر ان کے عتاب کی پاتا تو ان سے عذر کرتا اور اپنا گناہ معاف کرواتا۔ جب سبب ملال کا ظاہر نہیں۔ تو میں کیا کروں۔ تم برا نہ مانو کس واسطے کہ اگر میں برا ہوں۔ تو اس نے سچ کہا۔ اور اگر میں اچھا ہوں اور اس نے برا کہا تو اس کو خدا کے حوالے کرو ؎

غالبؔ بُرا نہ مان جو دشمن بُرا کہیں ... ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

صاحب اس بڑھاپے میں تصویر کے پردے میں کہاں کھنچا کھنچا پھروں۔ گوشہ نشین آدمی۔ عکس کی نقشو اُتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں۔ دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھنچی ہوئی ہے اگر ہاتھ آجاویگی تو وہ ورق بھیجدوں گا۔ ابھی وہ تو میں نے نواب صاحب کو ہنسی سے ایک بات لکھی تھی دوستانہ اختلاط تھا۔ کہ بمبئی میں بہرا ہوں گا تا کیا سنوں گا۔ بوڑھا ہوں ناچ کیا دیکھوں قدا ماشہ آٹا کھانا کیا کھاؤں۔ بمبئی۔ سورت میں انگریزی شرابیں ہوتی ہیں۔ اگر وہاں آنا اور شریک محفل ہوتا تو پی لیتا۔ نجات کا طالب غالب ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ صاحب تمہارے خط پہنچنے سے کمال خوشی ہوئی۔ ٹوپیاں اگرچہ تمہارے سر پر ٹھیک نہ آئیں لیکن ضائع نہ گئیں میرے شفیق اور تمہارے مربی کے صرف میں آئیں۔ تم کو اور ٹوپیاں بھیجوں گا مصور سے سخت عاجز ہوں۔ وعدہ ہی وعدہ ہے وفا کا نام نہیں۔ کلیات میر تقی کا انتخاب تمہارے خط کے پہنچنے سے دو دن پہلے میر فخرالدین نے ارسال کر دیا۔ ٹکٹ اُن کے حوالے کر دیئے۔ حضرت بہتان لگانے کی خو کس سے سیکھے ہو۔ میرے پاس کوئی غزل تمہاری نہیں ہے۔ نواب صاحب کو سلام کہنا اور میری زبانی کہنا کہ ٹوپیوں کو میرا ارمغان سمجھنا۔ سیف الحق کی مذر تصور نہ کرنا۔ نجات کا طالب غالب ۲۵ جنوری ۱۸۶۸ء

ایضاً اقبال نشین سیف الحق کو دعا پہنچے۔ پانچ اشتہار اخبار کی خریداری کے اور تین اشتہار کتاب کی خریداری کے آپ کے پاس پہنچتے ہیں۔ چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کروایئے اور اطراف وجوانب دور نزدیک بھیجئے۔ جو صاحب کتاب اور اخبار دونوں کے خریدار ہوں وہ دونوں کی خریداری کی اطلاع کا خط میر فخرالدین مہتمم اکمل المطابع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس بھیجدیں جو صاحب فقط اخبار کے خریدار ہوں وہ اُس کے خریدنے کی اطلاع کا خط۔ جو صاحب فقط کتاب کے خریدار ہوں وہ اس کی اطلاع کا خط لکھیں۔ غالب ۲۲ مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً مولانا سیف الحق اب تو کوئی خط تمہارا نوٹ اور ہنڈوی اور ٹکٹ سے خالی نہیں ہوتا۔ بھلا یہ تو فرمایئے کہ یہ ڈھائی روپے کس بابت کے اور کس جنس کی قیمت کے ہیں اگلے پانچ روپے پر میں بے مزہ ہوا تھا یہ ڈھائی اور طرہ ہوئے۔ بہرحال ان کا حال لکھو کہ کیسے ہیں۔ اور کاہے کے ہیں اس رقعہ کا جواب جلد لکھو۔ ٹوپیاں بعد عید بھیجی جائینگی۔ عنایت کا طالب غالب ۲۳ اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان کو فقیر اسد اللہ کا سلام

سہ شنبہ ۲۰ فروری صبح کے وقت چھ پارسل ۲۳ ورقش کا دیانی کے نواب میر غلام بابا خان صاحب کی خدمت میں ارسال کئے کل ہی شام کے وقت آپ کا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ خیر اب اور وہ بھیجوں گا۔ صاحب یہ تم نے پانچ روپے کے ٹکٹ کیوں بھیجے ہیں نہ کتاب فروش نہ دلال یہ حرکت مجھے پسند نہ آئی۔ اور تم نے برا کیا۔ حضرت ۱۶ جلدیں لطائف غیبی کی بھیجکر اس کے پان سات دن کے بعد ہیں نامۂ غالب کا پارسل ارسال کیا ہے۔ لطائف کی رسید تم نے بھیجدی یقین ہے کہ نامۂ غالب کا پارسل بھی پہنچ جائے گا۔ گھبراؤ نہیں نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام اور اشتیاق ملاقات عرض کرنا۔

نجات کا طالب غالب ۲۱ فروری سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً منشی صاحب وہی جہان وہی زمین وہی آسمان وہی سورت وہی دلّی وہی نواب میر غلام بابا خان وہی سیف الحق سیاح وہی غالب نیمجان انگریزی ڈاک جاری ہرکاروں کو ریل کی سواری ربیع الاول میں تمہارا خط آیا ربیع الثانی جمادی الاول جمادی الثانی۔ رجب آج شعبان کی ۲۶ ہے۔ صبح کے وقت یہ خط لکھ رہا ہوں ۸ بج گئے ہیں اسوقت تک نہ کوئی تمہارا خط آیا۔ نہ کوئی نواب صاحب کا عنایت نامہ۔ واسطے خدا کے میرے اس خط کا جواب جلد لکھو۔ اور اس خط میں ترک نامہ و پیام کا سبب لکھو۔ آج ہی کے دن ایک پارسل چھ ٹوپیوں کا ارسال کرتا ہوں خدا کرے پارسل پہنچ جائے۔ اور ٹوپیاں تمہارے پسند آئیں۔ نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا۔ اور عتاب کی وجہ سے دریافت کر کے لکھنا نجات کا طالب غالب ۳ جنوری ۱۸۶۷ء خط بیرنگ ہے اور پارسل پیڈ

ایضاً برخوردار تمہارا خط پہنچا لکھنو کا کیا کہنا ہے۔ وہ ہندوستان کا بغداد تھا۔ اللہ اللہ وہ سرکار امیر تھی جو بے سروپا وہاں پہنچا امیر بن گیا۔ اس باغ کی یہ فصل خزاں۔ میں بہت خوشی سے تم کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ اردو کا دیوان غاصب نا انصاف سے ہاتھ آگیا۔ اور میں نے نور چشم منشی شونرائن کو بھیجدیا یقین کلّی ہے۔ کہ وہ چھاپینگے۔ جہاں تم ہو گے ایک نسخہ تم کو پہنچ جائیگا۔ طریقہ سعادتمندی یہ ہے کہ ہم کو اپنی خیر و عافیت کا طالب جان کر جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھتے رہو۔ اور اپنے مسکن کا پتہ ہم پر ظاہر کرتے رہو۔ ہم تم سے راضی ہیں۔ اور چونکہ تمہاری خدمت اچھی طرح نہیں کی۔ شرمندہ بھی ہیں۔

راقم اسد اللہ خان مرقومہ شنبہ - روز عید - مطابق ۳۰ جون سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان تم سلامت رہو۔ تمہارے خط کے صفحۂ سادہ پر یہ سطریں رقم کرتا ہوں۔ تاکہ تم اپنے خط کے پہنچنے پر اطلاع پاؤ۔ نامۂ غالب صاحب مطبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپے جو میں مول لیکر بھیجوں اور تم سے اسکی قیمت مانگ لوں میں

نے آپ تین سو جلدیں چھپوائیں دور نزدیک بانٹ دیں۔ آج یکشنبہ ہے پارسل روانہ نہ ہوگا۔ قبنے نسخے اب میرے پاس باقی ہیں۔ کل تمہیں بھیج دونگا۔ ہاں صاحب سو روپیہ کا نوٹ پہنچا اور روپیہ وصول ہُوا۔ کاپی آج شروع ہوگئی ہے جس دن نوٹ پہنچا اُس کے دوسرے دن روپیہ مل گیا۔ تیسرے دن میں نے تم کو تمہاری رجسٹری وار خط کا جواب لکھ بھیجا یقین ہے کہ میرا خط پہنچ گیا ہوگا اور تم نے بموجب میری خواہش کے نواب صاحب کو دکھا دیا ہوگا۔ کل حضرت کا بھی ایک خط آیا ہے۔ اس کا جواب بھی آج تمہارے خط کے ساتھ ارسال ہوتا ہے۔ بندہ پرور! سچ کہتے ہو۔ رحیم بیگ کا وطن اصلی سردھنہ اور فی الحال میرٹھ میں مقیم اور معلمی اس کا پیشہ ہے اور آٹھ دس برس سے اندھا۔ نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائیؒ کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔

راقم غالب علیشاہ۔ یکشنبہ۔ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ صاحب آج تمہارے کئی خطوں کا جواب لکھتا ہوں۔ مولوی کرامت علی صاحب میرے شفیق ہیں۔ جس زمانہ میں وہ دِلّی آئے تھے۔ میری اُن کی ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ میرے دوست ہیں شاگرد نہیں اور ہرگز قصیدہ انہوں نے میری مدح میں نہیں لکھا۔ آغا عبدالرزاق شیرازی نے گویا میری خستگی اور تہمت زدگی کا انتقام لیا۔ بہرحال میں تمہارا احسانمند ہوں۔ اگر تم وہاں نہ ہوتے تو میری اور میر منشی کی صفائی نہ ہوتی۔ اندنوں ضعف دماغ و دوران سر میں ایسا مبتلا ہوں۔ کہ والی رامپور کا بھی بہت سا کلام یوں ہی دھرا ہؤا ہے دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ تمہاری بھیجی ہوئی غزلیں سب محفوظ دھری ہوئی ہیں۔ خاطر جمع رکھو۔ جب نواب صاحب کی غزلیں دیکھوں گا۔ تو یہ بھی دیکھی جائینگی۔ جب حال یہ ہو۔ کہ اصلاح نہ دے سکوں تو فکر تاریخ کیا کروں۔ اگر میرا حال درست ہوتا۔ تو جناب مولوی عبدالغفور خان صاحب نساخ کے دیوان کی تاریخ ضرور لکھتا۔ اگر اس خدمت گذاری کو اپنی سعادت سمجھتا۔ آپ جناب مولوی صاحب سے میرا سلام کہیں۔ اور یہ میرا رقعہ ان کو دکھا دیں۔

نجات کا طالب غالب۔ چہار شنبہ۔ ۲۰ نومبر ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ جناب منشی صاحب آپ کا خط مع کھری لفٹنٹ گورنر آگرہ کہ وہ میرا بھیجا ہؤا تھا پہنچا اس کے بھیجنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ جب گورنمنٹ اعلیٰ نے مجھ کو خط لکھنا موقوف کیا تو لفٹنٹ گورنروں کے اگلے زمانے کے خطوط سے میرا کیا دل خوش ہوگا۔ ایسے ایسے پچاس ساٹھ خط میرے پاس موجود ہیں مجھ کو تو چھ آنے کے ٹکٹوں کا افسوس ہے جو تم نے بابت محصول دیئے۔

راقم اسداللہ مرقوم ۱۰ فروری ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ صاحب میرا سلام! تمہارا خط پہنچا دو نو غزلیں دیکھیں خوش ہوا فقیر کا شیوہ خوشامد نہیں۔ فن شعر میں اگر اس شیوہ کی رعایت کی جاوے تو شاگرد ناقص رہ جاتا ہے یاد کرو کبھی کوئی غزل تمہاری اس طرح کی نہیں ہوئی کہ جس میں اصلاح نہ ہوئی ہو خصوصاً روزمرہ اُردو میں دونو غزلیں لفظاً اور معنیً بے عیب ہیں کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ آفریں صد ہزار آفریں میر غلام بابا خاں صاحب واقعی ایسے ہی ہیں۔ جیسے تم لکھتے ہو۔ سیاحت میں دس ہزار آدمی تمہاری نظر سے گذرا ہوگا۔ اس گروہ کثیر میں جو تم ایک شخص کے مدّاح ہو تو بیشک وہ شخص ہزاروں میں ایک ہے لاریب فیہ۔ کیا فرمائش کروں اور تم سے منگاؤں وہاں کونسی چیز ہے کہ یہاں نہیں۔ آم مجھ کو بہت مرغوب ہیں۔ انگور سے کم عزیز نہیں لیکن بمبئی اور سورت سے یہاں پہنچنے کی کیا صورت۔ مالدہ کا آم یہاں پیوندی اور ولائتی کرکے مشہور ہے۔ اچھا ہوتا ہے۔ کمال یہ کہ وہاں بہت اچھا ہوگا۔ سورت سے دِلّی آم بھیجنے محض تکلف ہے روپیہ کے آم اور چار روپیہ محصول الڈاک اور سو میں سے شاید دس پہنچیں میرے سر کی قسم کبھی ایسا ارادہ نہ کرنا۔ یہاں دیسی آم انواع و اقسام کے بہت پاکیزہ اور لذیذ اور خوشبو افراط سے ہیں۔ پیوندی آم بھی بہت ہیں۔ رامپور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں میں سے اکثر بسبیل ارمغان بھیجتے رہتے ہیں اے لو آج بریلی سے ایک بہنگی ایک دوست کی بھیجی ہوئی آئی۔ دو ٹوکرے۔ ہر ٹوکرے میں سو آم گلّو داروغہ نے میرے سامنے وہ ٹوکرے کھولے۔ دو سو میں سے تراسی آم اچھے نکلے اور ایک سو سترہ آم بالکل سڑے ہوئے اوائل ماہ جون ماہ حال میں ایک ہفتہ مینہ برس کر پھر اب وہی آگ برس رہی ہے اور لو چل رہی ہے۔ سہ شنبہ ۱۷ر جون ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ صاحب میں تم سے شرمندہ۔ پہلا خط تمہارا مع قصیدہ پہنچا میں قصیدہ کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا اب دوسرا خط دیکھ کر قصیدہ یاد آیا۔ ہرچند ڈھونڈا نہ پایا۔ بڑی بات یہ ہے کہ اسقدر مجھ کو یاد ہے کہ اُسی وقت میں نے ان اشعار کو سراسر دیکھ لیا تھا۔ اشعار سب ہموار تھے۔ تم اندیشہ نہ کرو اور قصیدہ نظر گذرا تو اور مع الخیر وطن کو جاؤ۔ لیکن بھائی وطن پہنچکر ضرور مجھ کو خط لکھنا اور اپنے گھر کا پتہ لکھنا تاکہ میں اس نشان سے تم کو خط بھیجوں۔ نواب میر غلام بابا خاں کو فقیر کی طرف سے سلام کہنا فقط صبح سہ شنبہ ۱۸ر نومبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان۔ شکوہ تمہارا میرے سر آنکھوں پر۔ مگر کوئی خط تمہارا جواب طلب نہ تھا۔ اشعار کی اصلاح سے میں نے ہاتھ اُٹھایا۔ کیا کروں اگلے برس سے عوارض فساد خون میں مبتلا ہوں بدن پھوڑوں کی کثرت سے سرو چراغاں ہو گیا ہے۔ طاقت

نے جواب دیا۔ دن رات لیٹا رہتا ہوں۔ کھانا کھاتے وقت پلنگ پر سے اُتر بیٹھتا ہوں۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھو کر پھر پڑ رہتا ہوں۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے۔ اُٹھ کے پیشاب کیا جاتا ہے بیت الخلا جانا ایک مصیبت ہے۔ طشت چوکی سہی مگر کئی قدم جاتا پھر آنا کیا ایسا آسان ہے ایک کم ستر برس کی عمر ہوئی۔ اب نجات چاہتا ہوں بہت جیا کہاں تک جیوں گا اب تم دوسرے صفحہ کو پڑھو)

جناب نواب سید غلام بابا خاں صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور ولادت فرزند کی مبارکباد دینا اور یہ قطعہ تاریخ نذر کرنا۔ **قطعہ**

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہ چاردہ — بر فراز لوح گردوں گردۂ تمثال اوست

فرخی بینی و یابی بہرہ از ناز و طرب — از سر ناز و طرب فرزند فرخ سال اوست

۱۲۸۰ ہ ناز کے نون کے پچاس اور طرب کی طے کے نو فرزند فرخ پر بڑھانے ہونگے۔[1]

غالب روز پنجشنبہ ۱۶۔ اگست ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی میاں داد خان سیاح سیف الحق سلمہم اللہ تعالیٰ دعا اور سلام شکریہ اور سپاس تمہارا خط مرقومہ ۳۰ اگست پرسوں بتاریخ ۹ ستمبر ۱۸۶۵ء کو پہنچا۔ کل دسویں ستمبر ماہ حال کو سو روپے مندرجہ اُس کے ایک صراف سے وصول ہو گئے۔ چھوٹے صاحب نے بڑی جوانمردی اور بڑی ہمت کی اس صرف میں میرا کام ہوا اور اُن کا نام ہوا۔ اللہ اللہ اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں۔ کہ نہ میں نے ان کو دیکھا نہ اُنہوں نے مجھ کو دیکھا۔ نہ میرا کوئی حق ان پر ثابت نہ ان کو کوئی خدمت مجھ سے لینی منظور۔ خیر فقیر ہوں۔ جب تک جیوں گا۔ دعا دوں گا۔ تمام عمر ممنون اور شرمندہ رہونگا۔ تمہارا بھی احسان مانوں گا۔ اب دو ایک دن میں کاغذ آجائے تو اس کا انطباع شروع ہو جائے۔ تم میرا نواب صاحب کو میرا سلام کہو اور یہ خط دکھا دو۔ اور عرض کرو۔ کہ آجتک کسی بھائی یا کسی دوست کا اپنے پیسے کا احسان مند نہیں ہوا تھا۔ اب احسان بھی اٹھایا۔ تو اپنے آقا یعنی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند کا۔ وہ جو ایک کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملائے مکتب دار کا خط ہے۔ رحیم بیگ اس کا نام میرٹھ کا رہنے والا کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے باوجود نابینائی کے احمق

---

[1] اگر مادۂ تاریخ میں کچھ عدد کم ہوں۔ تو کوئی حرف ان عددوں کا ملا دیتے ہیں۔ اور اس باشارۂ لطیف بیان کرتے ہیں۔ اس عمل کو تعمیہ کہتے ہیں ۔

بھی ہے اس کی تحریر میں نے دیکھی تم کو بھی بھیجوں گا۔ مگر ایک بڑے منہ کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جن کو لطائف غیبی میں رد کر چکے ہو۔ بہر حال اب اس کے جواب کی فکر نہ کرنا والسلام والاکرام۔ نجات کا طالب غالب۔ دوشنبہ ۱۱۔ ستمبر ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ صاحب میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ تم اپنے وطن گئے۔ اور عزیزان وطن کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور مع الخیر والعافیت اپنے محسن و مربی کی خدمت میں پھر آپہنچے۔ نواب صاحب سے میرا بہت سلام کہنا کہ اس خط میں سلام صرف وفور اشتیاق سے لکھا ہے محبت نامہ جداگانہ جلد بھیجوں۔ ابھی ہاں میاں سیف الحق رام پور سے آگرہ تین سو جلدیں درفش کاویانی کی تیار پائیں۔ نواب میر غلام بابا خان صاحب کے حصہ برادرانہ کو ڈیڑھ سو جلد کا پشتارہ بنایا۔ اُس پر ٹاٹ لپٹوایا ڈاک گھر بھیجا یا مسترد آیا سرکاری ڈاک والوں نے ہرگز اس کا بھیجنا قبول نہ کیا۔ ٹھیکے والے۔ بم فلٹ پاکٹ والے۔ ریل والے متفق اللفظ اس کے ارسال سے انکار کرتے ہیں۔ تم یہ رقعہ حضرت کو پڑھواؤ اور اس باب میں جو وہ فرمائیں وہ مجھ کو لکھو۔ مدعا یہ ہے۔ کہ کسی طرح یہ پشتارہ وہاں تک پہنچ جائے۔ اس خط کا جواب جسقدر جلد لکھو گے مجھ پر زیادہ احسان کرو گے۔ نجات کا طالب غالب سہ شنبہ۔ ۲۳۔ جنوری ۱۸۶۶ء

ایضاً بھائی تم جیتے رہو۔ اور مراتب علیا کو پہنچو! لو ایک ہنسی کی بات سنو۔ تمہارا خط منشی کنھیا لال کے نام میرے پاس آیا۔ ہر چند میں نے خیال کیا اس نام کا کوئی آشنا مجھے یاد نہ آیا۔ یہ نادانی انکی کہ مجھ سے کہہ نہ دیا۔ کہ میرے نام کا خط آئے تو میرے پاس بھیجدینا۔ بیخبری میں جو خط آیا میں نہ نام سے واقف نہ مقام سے واقف۔ خط پھر نہ دوں تو کیا کروں۔ خط کے واپس کرنے کے بعد ایک دن آپ بھائی مرزا احمد حسین خاں کے ساتھ میرے پاس آئے اور تعارف قدیم یاد دلایا۔ دیکھنا میاں! کیا خوب بیان ہے فرماتے ہیں کہ "میں غدر سے پہلے دو تین بار تیرے پاس حاضر ہوا ہوں" انصاف کرو دو تین ملاقاتیں اور دس گیارہ برس کی بات میں نسیان کا مبتلا میرا قصور کیا۔ بہر حال یہ شریف ہیں اور عمدہ روزگار سے لگے ہوئے ہیں صاحب میں نے اودھ اخبار میں دیکھا کہ چھوٹے صاحب مقدمہ جیتے اور بمبئی کے صاحبوں میں اُن کی افزائش جاہ و جلال و تعظیم و توقیر کمال ہوئی۔ میں تو تہنیت میں خط لکھوں گا۔ مگر رشک آتا ہے کہ بحوالہ اودھ اخبار لکھوں۔ اور بحوالہ سیف الحق نہ لکھوں زیادہ زیادہ

اسد اللہ خان غالب ۳۱۔ مارچ ۱۸۶۷ء

ایضاً منشی صاحب سعادت و اقبال نشان عزیز از جان سیف الحق میاں داد خان سیاح کو غالب کی دعا پہنچے۔ پرسوں ایک خط تمہارا اور ایک خط چھوٹے صاحب کا پہنچا۔ تمہارے خط میں

پچاس پچاس روپے کے دو نوٹ پہنچے سو روپے وصول ہو گئے۔ آج تم کو اطلاع اور نواب صاحب کو شکریہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ بھائی تم نے اخبار اطراف و جوانب میں میرا حال دیکھا ہوگا۔ میں اب محض نکما ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے پچاس جگہ سے اشعار واسطے اصلاح کے آئے ہوئے بکس میں دھرے ہیں۔ انہاں جملہ تین صاحبوں کے نام لکھتا ہوں۔ میر ابراہیم علی خان صاحب۔ میر عالم علی خان صاحب۔ نواب عباس علی خان رئیس حال رام پور کے حقیقی ماموں۔ غرضیکہ انہیں اوراق میں تمہارے کاغذ بھی دھرے ہوئے ہیں۔ جس دن ذرا افاقت پاؤں گا۔ تو ان سب کاغذ کو دیکھوں گا۔

۲۳۔ اپریل ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان سیاح کو غالب ناتوان نیمجان کی دعا پہنچے۔ بھائی میرا حال اسی سے جانو کہ اب میں خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹے لیٹے لکھتا تھا۔ اب رعشہ و ضعف بصارت کے سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جب حال یہ ہے تو کہو صاحب میں اشعار کو اصلاح کیونکر دوں اور پھر اس موسم میں کہ گرمی سے سر کا بھیجا پگلا جاتا ہے۔ دھوپ کے دیکھنے کی تاب نہیں رات کو صحن میں سوتا ہوں۔ صبح کو دو آدمی ہاتھوں میں لیکر دالان میں لے آتے ہیں۔ ایک کوٹھری ہے اندھیری میں ڈال دیتے ہیں۔ تمام دن اس گوشۂ تاریک میں پڑا رہتا ہوں شام کو پھر دو آدمی بدستور لیجا کر پلنگ پر صحن میں ڈال دیتے ہیں۔ تمہاری غزلیں۔ میر ابراہیم علیخان بہادر کی غزلیں۔ میر عالم علیخان کی غزلیں حکیم میر احمد حسن صاحب کی غزلیں اور کیا کہوں کس کس کی غزلیں یہ سب ایک جگہ دھری ہوئی ہیں۔ اگر کوئی دن زندگی اور ہے اور یہ گرمی خیر سے گذر گئی تو سب غزلوں کو دیکھونگا تصویر کا حال یہ ہے۔ کہ ایک مصوّر صاحب میرے دوست میرے چہرے کی تصویر اُتار کر لیگئے اس کو تین مہینے ہوئے آجتک بدن کا نقشہ کھینچنے کو نہیں آئے۔ میں نے گوارا کیا آئینہ پر نقشہ اُتروانا بھی۔ ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں۔ عید کے دن وہ آئے تھے میں نے اُن سے کہا۔ کہ بھائی میری شبیہ کھینچدو۔ وعدہ کیا تھا۔ کہ کل نہیں تو پرسوں اسباب کھینچنے کا لے کر آؤں گا۔ شوال ذیقعدہ ذوالحجہ۔ محرم یہ پانچواں مہینہ ہے آج تک نہیں آئے۔ آغا غلام حسین خان صاحب کا قطعہ پہنچا اس میں کچھ تو شعر اصلاح طلب بھی تھے۔ اب اصلاح دے کون۔ میں تو اپنی مصیبت میں گرفتار بارے ایک میرا شاگرد رشید منشی ہر گوپال تفتہ بسواری ریل میرے دیکھنے کو آیا تھا اس کو موقعہ و محل بتا دیا جو میں کہتا گیا۔ اس طرح وہ بناتا گیا۔ وہ قطعہ کا کاغذ بعد اصلاح کے اکمل المطابع میں بھیجدیا۔ ہفتۂ آئندہ میں تم بھی دیکھ لوگے۔ مرگ ناگاہ کا طالب غالب ۱۱ جون ۱۸۶۷ء

بنام مولوی منشی حبیب اللہ خان المتخلّص بہ ذکا

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ ۱۵ فروری ۱۸۶۷ء بھائی میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے ظاہرا معاملہ عالم ارواح ہے۔ اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہیں۔ تمہارے خط کا جواب معہ اوراق مسودہ روانہ ہوچکا ہے وقت پر پہنچے گا۔ ستر بہتر اردو میں ترجمہ پیر خرف ہے میری تہتّر برس کی عمر ہے پس میں اخرف ہوا۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں سامعہ باطل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظہ کی مانند معدوم ہوگیا۔ اب مہینہ بھر سے یہ حال ہے۔ کہ جو دوست آتے ہیں۔ رسمی پرسش مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے۔ وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر۔ دوپہر کو گوشت کا پانی۔ سرِ شام تلے ہوئے چار کباب۔ سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب۔ اور اسی قدر گلاب خرف ہوں۔ پوچ ہوں۔ عاصی ہوں۔ فاسق ہوں۔ رُوسیاہ ہوں۔ یہ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے ؎

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اسوقت کچھ افاقت تھی۔ ایک اور خط ضروری لکھنا تھا بکس کھولا تو پہلے تمہارا خط نظر پڑا۔ مکرر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب کے جواب لکھے نہیں گئے۔ ناچار اب کتابت جداگانہ میں لکھتا ہوں۔ تاکہ خلعت کا حال اور میرے حالات تم کو معلوم ہوجائیں کہ میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا۔ سلطنت ضعیف ہوگئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا ایک پرگنہ سیرحاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جب طوائف الملوک کا ہنگامہ گرم ہوا۔ تو وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جاکر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدر آباد جاکر۔۔ نواب نظام علی خان کا نوکر ہوا تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصراللہ بیگ خاں بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا اس نے مجھے پالا ۱۸۰۶ء میں جب جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا۔ صوبہ داری کمشنری ہوگئی۔ اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا۔ میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا

حکم دیا۔ چارسو سوار کا برگیڈیر ہوا۔ ایکہزار سات سو روپیہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کے تھی۔ کہ بمرگ ناگاہ مرگیا۔ رسالہ برطرف ہوگیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہوگئی وہ ابتک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا۔ جو باپ مرگیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مرگیا ۱۸۳۰ء میں میں کلکتے گیا۔ نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ۔ سرپیچ مالائے مروارید۔ یہ تین رقم کا خلعت ملا۔ زاں بعد جب دہلی میں دربار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر بجرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و خلعت دونو بند ہوگئے۔ میری بریت کی درخواست گذری تحقیقات ہوتی رہی تین برس کے بعد مِسْل چھٹا۔ اب خلعت معمولی ملا۔ غرضیکہ یہ خلعت ریاست کا ہے۔ عوض خدمت نہیں۔ انعامی نہیں۔ معوج الذہن نہیں ہوں بدگمان نہیں ہوں جو جس کو سمجھ لیا۔ اُس میں فرق نہیں آتا۔ دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کسی صاحب نے حیدرآباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بند بُری طرح کیا تھا۔ کھولتے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطلب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بھیجنے والے کی غرض یہ تھی۔ کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ قدرت خدا کی میری محبت اور بڑھ گئی اور میں نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو۔ وہ خط بجنسہٖ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ زنہار دستخط پہچان کر کاتب سے جھگڑا نہ کرنا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے۔ کہ تمہاری منصب اور افزونی مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

ایضاً۔ بندہ پرور تمہارے دونوں خط پہنچے۔ غالب گسستہ دم۔ کو نہ قلم نہ لکھے۔ تو یہ اور بات ہے۔ دونوں خط آپ کے اور ایک پارسل محمد نجیب خان کا بہ تقدیم و تاخیر دو سہ روز موصول ہوئے۔ آپ کا پارسل بعد مشاہدہ آپ کو بھیجا جائیگا۔ خان صاحب کے پارسل میں ایک کتاب ارمغان اور اوراق اصلاح بھیجے جائینگے۔ ہاہاہا! محرق قاطع کا تمہارے پاس پہنچنا ع کامے کہ خواستم ز خدا شد۔ میسرم جو میں اس خرافات کا جواب کیا لکھتا مگر ہاں سخن فہم دوستوں کو غصہ آگیا۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں اس کے عیوب ظاہر کئے۔ دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے جدا جدا لکھے۔ دانا ہو اور منصف ہو محرق کو دیکھ کر جانو گے۔ کہ مولف اس کا احمق ہے۔ اور جب وہ احمق دافع ہذیان و سوالات عبدالکریم اور لطایف غیبی کو پڑھ کر متنبہ نہ ہوا اور محرق کو دھونڈا لا تو معلوم ہوا۔ کہ بے حیا بھی ہے۔ دافع ہذیان۔ سوالات۔ لطائف غیبی تینوں نسخے ایک پارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ بتقدیم و تاخیر یک دو روز نظر انور سے گذریں۔ فی الحال اس پارسل کی رسید بفور ورود لکھئے گا۔ جب آپ کا بھیجا ہوا نسخہ مسترد پہنچے تو اس کی رسید رقم کی جائیگی۔ چار نسخے پارسل

میں ہیں۔ دو آپ لیجئے اور دو محمد نجیب خاں صاحب کو دیجئے۔

دوشنبہ ۲۸۔ نومبر ۱۸۶۴ء۔ غالب

ایضاً۔ میرے شفیق میرے شفیق مجھ سے ہیچ و پوچ کے ماننے والے مجھ سے بُرے کو اچھا جاننے والے میرے محبّ۔ میرے محبوب تم کو میری خبر بھی ہے؟ آگے ناتوان تھا۔ اب نیم جان ہوں آگے بہرا تھا۔ اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رہ آورد ہے رعشہ و ضعف بصر جہاں چار سطریں لکھیں اُنگلیاں ٹیڑھی ہوگئیں حروف سوجھنے سے رہ گئے۔ اکہتّر برس جیا بہت جیا۔ اب زندگی برسوں کی نہیں۔ مہینوں اور دنوں کی ہے۔ پہلا خط تمہارا پہنچا۔ اُس سے تمہارا مریض ہونا معلوم ہوا تھا۔ متواتر دوسرا خط معہ غزل آیا۔ غزل کو دیکھا۔ سب شعر اچھے اور لطیف۔ حافظہ کا یہ حال ہے۔ کہ غزل کی زمین یاد نہیں اتنا یاد ہے۔ کہ ایک شعر میں کوئی لفظ بدلا گیا تھا۔ غرضیکہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی اور لکھا گیا۔ کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو۔ کل ایک خط جسٹری دار آیا۔ گویا ستارۂ دنبالہ دار آیا۔ حیران کہ ماجرا کیا ہے بارے کھولا اور دیکھا خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی۔ اور شکوہ ہائے بیجا سے لبریز۔ صاحب میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو دیں۔ رہ جائے تو رہ جائے۔ ورنہ دلّی کے ڈاکخانہ میں پہنچکر کیا مجال ہے۔ جو مجھ تک نہ پہنچے۔ وہاں کے ڈاکخانے کا رپرداز وں کو اختیار ہے۔ مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں۔ آپ مرزا صابر کا تذکرہ مانگتے ہیں۔ اس کا یہ حال ہے۔ کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہوگیا۔ اب ایک مجلد اس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ بس اب مجھے اتنا لکھنا باقی ہے۔ کہ اس خط کی رسید اور اپنی خیر و عافیت جلد لکھو۔ جواب خط کا طالب غالبؔ۔ صبح جمعہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ ۱۲ مئی ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ مولانا ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔ اُس کے جواب میں یہاں سے خط کا جواب طلب لکھا گیا تھا۔ پھر ایک اور مہربانی نامہ آیا۔ اس میں میں نے اپنے خط کا جواب نہ پایا۔ ناچار اس خط کے جواب کی نگارش اپنے خط جواب طلب کے پاسخ آنے پر موقوف اور ہمّت آزاد نہ نہ فطرت کیا۔ دانہ اس تحریر کے آنے پر مصروف رکھی گئی۔ بارے وہ کل نظر فروز اور طبیعت اس کے مشاہدہ سے طرب اندوز ہوئی اب درنگ ورزی کی تقصیر معاف کیجئے۔ اور اپنی دونوں نگارشوں کا جواب لیجئے۔ صاحب! تاریخ انطباع کلیات خوب لکھی ہے مگر نزا حیف کہ بعد از اتمام انطباع پہنچی۔ اور کتاب کی رونق افزا نہ ہوئی۔ بندہ پرور تم چراغ دودمان مہر و وفا اور منجملہ اخوان الصّفا ہو۔ مجھ سے تمہیں محبت روحانی ہے۔ گویا یہ جملہ تمہاری زبانی ہے۔ دوست کی بھلائی کے

طالب ہو ماس شیوہ میں شریک غالب ہو۔ ایک خواہش میری قبول ہونا کہ مجھ کو راحت حصول ہو۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ واقعۂ حال دلنشیں کرتا ہوں۔ جناب مولوی موید الدین خان صاحب کے بزرگوں میں اور فقیر کے بزرگوں میں باہم وہ خلت و صفت مرعی تھی کہ وہ مقتضی اسکی ہوئی کہ ہم میں اور انمیں برادرانہ ارتباط و اختلاط باہم ہے اور ہمیشہ یونہی بلکہ روز افزوں رہیگا۔ خط میں خط ملفوف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو میں اُنکے نام کا خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب سے ملیں اور انکو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں اور میری طرف سے بعد سلام میرے کلیات کی پارسل کا اُنکے پاس پہنچنا اور اُن کے ذریعہ اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب مختار الملک بہادر کی نظر سے گذرنا اور جو کچھ اُسکے گذرنیکے بعد واقع ہو۔ دریافت کر کے مجھ کو مطلع فرمائیں۔ جمعہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۸۳؁ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۸۶۲؁ء۔ غالب

ایضاً۔ منشی صاحب الطاف نشان سعادت و اقبال توامان منشی حبیب اللہ خان کو غالب سوختہ اختر کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط پہنچا پڑھ کر دل خوش ہوا۔ تم میری بات پوچھتے ہو۔ مگر میں کیا لکھوں ہاتھ میں رعشہ۔ انگلیاں لکھنے میں نہیں ایک آنکھ کی بینائی زائل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے۔ تو اُس سے خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔ مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی کسی اپنے عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے۔ تو مُوتے کی روح کو اس کی بو پہنچتی ہے۔ ایسے ہی میں غذا کو سونگھ لیتا ہوں۔ پہلے مقدار غذا کی تولوں پر منحصر تھی اب ماشوں پر ہے زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے بھائی اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ بالکل میرا یہی حال ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اپنی مرگ کا طالب غالب۔ دوم شوال ۱۲۸۴؁ھ

ایضاً۔ جان غالب! تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میں ضروری جواب طلب گیا ہوا ہے اور آمد و رفت ڈاک کی مدت گذر گئی۔ اس کا جواب تو سو کام چھوڑ کر لکھنا تھا۔ موید براہان میرے پاس بھی آگئی ہے اور میں اس کی خرافات کا حال بقید شمار صفحہ و سطر لکھ رہا ہوں وہ تمہارے پاس بھیجوں گا۔ شرط مودت الشرط آنکہ جاتی نہ رہی ہو اور باقی ہو یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں تم اس کا جواب اور میرے بھیجے ہوئے اقوال جہاں جہاں مناسب جانو درج کر دو۔ میں اب قریب مرگ ہوں۔ غذا بالکل مفقود اور امراض مستولی بہتّر برس کی عمر انا للہ و انا الیہ راجعون۔ میاں محمد مرزا کو دعا۔ جواب کا طالب غالب ۱۴ مارچ ۱۸۶۷؁ء

ایضاً۔ بندہ پرور آج تمہارا عنایت نامہ آیا۔ اور آج ہی میں نے اس کا جواب ٹکٹ میں بھجایا اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیات کا بھی ارسال کیا۔ دسویں بارھویں دن خط اور مہینہ بیس دن میں پارسل پہنچیگا۔ خط کا جواب ضروری الارسال نہیں لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھیگا۔ آپ کے خط کی عبارت تو میں سمجھا لیکن مدعا مجھ پر نہ کھلا۔ میں نے پارسل کب آپ کے پاس بھیجا؟ اور کب آپ کو لکھا کہ آپ یہ پارسل

مویدالدین خاں کو دیدیجیئے گا؟ پارسل کا لفافہ مولوی صاحب کے نام کا اور آپ کو اس کے ارسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ مولوی مویدالدین خاں صاحب سے ملئے اور میرا خط جو آپ کے نام کا ہے۔ اُنہیں دکھایئے اور اُن سے پارسل کا حال دریافت فرمایئے۔ آپ ولایتی بھی نہیں جو میں یہ تصور کروں۔ کہ اردو عبارت سے استنباطِ مطلب اچھی طرح نہ کرسکے۔ بہر حال اب مدعا سمجھ لیجئے۔ اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمایئے۔ اور پارسل کا حال معلوم کر کے لکھیئے۔

داد کا طالب غالب ۵۔ جمادی الاول و نوزدہم اکتوبر روز ورود نامی نامہ۔

ایضاً۔ بندہ پرور کل آپ کا تفقد نامہ پہنچا۔ آج میں پاسخ طراز ہوا جس کاغذ پر میں یہ نقوش کھینچ رہا ہوں۔ آپ کے خط کا دوسرا ورق ہے پہچان لیجئے اور معلوم کیجئے۔ کہ آپ کا مجموعہ کلام معجز نظام اور اس کے بعد پیہم دو خط پہنچے۔ میں صحیفہ شریفہ کی رسید لکھ چکا ہوں بلکہ اُسی خط میں محمد نجیب خاں کو سلام اور ارمغان کا شکر اور اوراق اشعار اصلاح طلب کی رسید میں نے لکھ دی ہے پارسل کے سرنامے سے میرا نام مٹا نہیں پارسل معلق ہوا نہیں آٹھ دس روز ہوئے ہونگے کہ وہ مجلد اسی پارسل میں کہ اس کو روگردان کر لیا ہے۔ بعد ادائے محصول آپ کا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ بعد آپ کے خط کی روانگی کے آپ کے پاس پہنچ گیا ہوگا۔ ہاں صاحب! خط دیروزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام کا مع اس حکم کے کہ میں اس کو مولوی صاحب پہنچاؤں میں نے پایا۔ حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں صرف اتحاد معنوی کے اقتضا سے اُنہوں نے دافع ہذیان لکھ کر فن سخن میں مجھ کو مدد دی ہے۔ منشی گوبند سنگھ دہلوی ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں ان کو وہ خط بجنسہ بھیجدیا یقین ہے۔ کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو بھجوا دیں گے انہیں کے اظہار سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنگالہ میں ہیں۔ نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے بقدر حال ایک ایک قدردان پایا

غالب سوختہ اختر کو ہنر کی داد بھی نہ ملی ؎

کسم نجود نہ پذیرفت و دہر بازم برد چو نامۂ کہ بود نا نوشتہ عنوانش

یہ شعر میرا ہے ولی عہد خسرو دہلی میرزا فتح ملک بہادر مغفور کے قصیدہ کا اور دیکھو ایک رباعی میری ؎

دستم بہ کلید فخر نے بایست در بود تہی بہ دامنے مے بایست

یا ہیچ گہم بکس نیفتادے کار یا خود زمانہ چون منے می بایست

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ دوست روحانی و برادر ایمانی مولوی حبیب اللہ خاں میر منشی کو فقیر غالب کا سلام۔ تم نے یوسف علی

خان کو کہاں سے ڈھونڈھ نکالا اور ان کا تخلص اور ان کا خطاب کس سے معلوم کیا۔ بغیر نشان محلہ کے اُن کو خط کیونکر بھیجا اور وہ خط ان کو کیونکر پہنچا ع حیرت اندر حیرت ہست اے یار من پہلے یہ تو کہو کہ درفش کاویانی اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے تم کو پہنچا ہے یا نہیں اگر پہنچا تو مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی ۔

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخۂ درخصوص گفتگوئے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے۔ تو رسید لکھو اور دیباچہ ثانی جدید کی داد دو۔ اور اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔ زیستن دشوار۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہترواں برس شروع ہوا۔ غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ۔ دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی قریب شام کبھی کبھی تلے ہوئے کباب چھ گھڑی رات گئے پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز اور اسی قدر عرق شیر۔ اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اُٹھ نہیں سکتا۔ اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر چارپایہ بن کر اُٹھتا ہوں۔ تو پنڈلیاں لرزتی ہیں۔ بعہذا دن بھر دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے۔ اُٹھا اور پیشاب کیا۔ اور پڑ رہا۔ اسباب حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بدخواب نہیں ہوتا بعد اراقہ بول بے توقف نیند آجاتی ہے ماء عنب کی آمد نہ بار کا نرخ ہر مہینے میں مالعہ کا گھاٹا۔ کہو زندگی دشوار ہے یا نہیں۔ مرنا بدیہی طور پر ناگوار ہوتا ہے پھر مرنا کیونکر گوارا ہوگا۔ جواب خط کا طالب غالب۔ سہ شنبہ اندروئے جنتری ۲۶ اور اندروئے روئیت ۲۵ رجب ۱۲۸۳ھ اور سوم دسمبر ۱۸۶۶ء بھائی یہ خط ازراہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

ایضاً جاناں بلکہ جان مولوی منشی حبیب اللہ خان کو غالب خستہ دل کا سلام اور نور دیدہ سرور سینہ منشی محمد میراں کو دعا اور مجھ کو فرزند ارجمند کے ظہور کی نوید جو نگارش صاحبزادہ کی طرف سے تھی۔ رسم الخط بعینہ تمہاری تھی اب تم بتاؤ کہ رقعہ اسی کی طرف سے تم نے لکھا ہے۔ یا خود اس نے تحریر کیا ہے۔ لڑکا تمہارا تمہارے ساتھ حیدرآباد نہیں آیا تھا ظاہرا اب تم نے وطن سے بلایا ہے۔ مفصل لکھو۔ کہ نخل مراد کا ثمر یہی ہے۔ یا اس کے کوئی بھائی بہن اور بھی ہے یہ اکیلا آیا ہے یا قبائل کو بھی اس کے ساتھ تم نے بلایا ہے ہاں صاحب محمد میراں! یہ اسم مقتضی اس کا ہے کہ آپ قوم کے سید ہوں۔ منشا افراط پرستش وفور محبت ہے نہ فضولی۔ یوسف علی خاں شریف وعالی خاندان ہیں بادشاہ دہلی کی سرکار سے تیس روپیہ مہینہ پاتے تھے۔ جہاں سلطنت گئی وہاں وہ تنخواہ بھی گئی۔ شاعر ہیں ریختہ کہتے ہیں۔ ہوس پیشہ ہیں۔ مضطرب ہیں ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں۔ علم اسی قدر ہے کہ لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ ان کا باپ میرا دوست تھا

میں ان کو بجائے فرزند سمجھتا ہوں۔ بقدر اپنی دستگاہ کے کچھ مہینہ مقرر کر دیا ہے۔ مگر بسبب کثرت عیال وہ ان کی مکتفی نہیں۔ تم ان کی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کرو گے۔ تو کیا کرو گے۔ صاحب میں بہ عنایت الٰہی کثیر الاحباب ہوں ایک دوست نے کلکتہ سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے نام اُس کا موید برہان ہے۔ اُس رسالہ میں دفع کئے ہیں۔ تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پر کئے ہیں اور تیری تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کئے ہیں۔ اور اہل مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں۔ پس بجائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا۔ اور کئی ورق اس دوست کو اور چار جلدیں درفش کاویانی علاوہ اوراق مذکور بھیج دیئے اسی زمانہ میں تین چار ورق خوب یاد ہے۔ کہ درفش کی جلد میں رکھ کر تمکو بھیجے ہیں۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے۔ یا تم نے درفش کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع درفش زینت طاق نسیان ہیں۔ دو ورق اس لفافہ میں اپنے نزدیک مکرر بھیجتا ہوں۔ تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھے اور یہ جانے کہ فی الحال نظم فارسی یہی ہے۔ اور بس۔ ہاں صاحب اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا۔ مکان تنگ ست جہان تنگ ست مدح مختار الملک میں متضمن استدعائے مسکن وسیع پھر مہینہ بھر بعد اسی اودھ اخبار میں یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا مگر تیس روپیہ بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا۔ کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے۔ اور ان کے شاگرد وحید تخلص نے اس کا جواب لکھا ہے۔ آپ سے اس روئداد کی تفصیل اور جواب و اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں۔ بسبیل استعجاب۔ دوشنبہ ۱۶ شعبان سنہ ۱۲۸۵ھ؂

بنام منشی ہرگوپال صاحب المخاطب بمرزا تفتہ

آج منگل کے دن ۵۔ اپریل کو تین گھڑی دن رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا ایک خط منشی صاحب کا اور ایک خط تمہارا۔ اور ایک خط بابو صاحب کا لایا۔ بابو صاحب کے خط سے اور مطالب تو معلوم ہو گئے مگر ایک امر میں حیران ہوں کہ کیا کروں یعنی انہوں نے ایک خط کسی شخص کا آیا ہوا میرے پاس بھیجا ہے۔ اور مجھ کو یہ لکھا ہے۔ کہ اس کو الٹا میرے پاس بھیج دینا حال آنکہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ میں اپریل کی چوتھی کو سیا تو یا آ ہو جاؤنگا۔ اور آج پانچویں ہے۔ پس وہ تو کل روانہ ہو گئے۔ اب میں وہ خط کس کے پاس بھیجوں۔ ناچار تم کو لکھتا ہوں۔ کہ میں خط کو اپنے پاس رہنے دونگا۔ جب وہ آگرہ مجھ کو اپنے آنیکی اطلاع دینگے تب وہ

خط اُن کو بھیجوں گا۔ تم کو تردد نہ ہو کیا خط ہے۔ خط نہیں ہنڈوی والا، کا تتمہ غماز کی عرضی تھی۔ بنام مہاراجہ بیکنٹھ باشی سعایت[1] بابو صاحب پر مشتمل کہ اس نے لکھا تھا۔ کہ ہردیو سنگھ جانی جی کا دیوان اور ایک شاعر دہلی کا دیوان مہاراجہ جے پور کے پاس لایا ہے اور جانی کی درتنی دربار جے پور کی سرکار میں کرتا ہے۔ اور اس کے بھیجنے کی یہ وجہ کہ پہلے اُن کے لکھنے سے مجھ کو معلوم ہوا تھا۔ کہ کسی نے ایسا کہا ہے۔ میں نے ان کو لکھا تھا۔ کہ تم کو میرے سر کی قسم اب ہردیو سنگھ کو بلوا لو میں امر جزوی کے واسطے امر کلی کا بگاڑ نہیں چاہتا۔ اُس کے جواب میں اُنہوں نے وہ عرضی بھیجی اور لکھ بھیجا کہ راجہ مرنے والا ایسا نہ تھا۔ کہ ان باتوں پر نگاہ کرتا اُس نے یہ عرضی گذرتے ہی میرے پاس بھیج دی فقط بارے خط کے آنے سے جانی جی کی طرف سے میری خاطر جمع ہو گئی۔ مگر اپنی فکر پڑی یعنی بابو صاحب آ بوہر نگے۔ اگر ہردیو سنگھ پھر کر آئیگا۔ تو وہ بغیر اُن کے ملے اور ان کے کہے مجھ تک کاہے کو آئیگا۔ خیر وہ بھی لکھتا ہے۔ کہ راول کہیں گیا ہوا ہے اُس کے آنے پر رخصت ہوگی۔ دیکھئے وہ کب آوے اور کیا فرض ہے کہ اُس کے آتے ہی رخصت ہو بھی جائے۔ تمہاری غزل پہنچی۔ یہ البتہ کچھ دیر سے پہنچیگی۔ تمہارے پاس گھبرانا نہیں۔

والدعا اناسد اللہ نگاشتہ سہ شنبہ روز ورود نامہ نامہ و مرسلہ چہار شنبہ ششم اپریل ۱۸۶۱ء

جواب طلب۔

ایضاً۔ تمہاری خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ غزل نے محنت کم لی۔ بھائی کا یا ترس سے آنا معلوم ہوا آویں تو میرا سلام کہہ دینا۔ یہ تمہارا دعاگو اگرچہ اور امور میں پایۂ عالی نہیں رکھتا۔ مگر احتیاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے۔ یعنی بہت محتاج ہوں۔ سو دو سو میں میری پیاس نہیں بجھتی۔ تمہاری ہمت پر سو ہزار آفرین جے پور سے مجھ کو اگر دو ہزار ہاتھ آجاتے تو میرا قرض اتر جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی زندگی ہوتی تو اتنا ہی قرض اور مل جاتا۔ ان پانسو میں سے تو بھائی تمہاری جان کی قسم متفرقات میں جا کر سو ڈیڑھ سو بچینگے۔ سو وہ میرے صرف میں آوینگے۔ مہاجنوں کا سود جو قرض ہے وہ بقدر پندرہ سولہ سے کے باقی رہیگا اور وہ جو سو بابو صاحب سے منگوائے گئے تھے۔ وہ صرف انگریزی سوداگر کے دینے تھے۔ قیمت اس چیز کی جو ہمارے مذہب میں حلال اور تمہارے مشرب میں حرام ہے۔ سو وہ دیئے گئے۔ یقین کہ آج کل میں بابو صاحب کا خط معہ ہنڈوی آجائے۔ بابو صاحب کے جو خطوط ضروری اور کاغذ ضروری میرے پاس آئے ہوئے تھے وہ میں نے پنجشنبہ ۲۶ مئی کو پارسل میں اُن کے پاس روانہ کر دیئے۔ اور اس میں لکھ بھیجا۔ کہ ہنڈوی اور میرے بھیجے ہوئے لفافے علیحدہ بھیجو۔ و پنجشنبہ

[1] سعایت بکسر اول و حرف چہارم تحتانی غمازی بدگوئی۔

آج پندرہ دن پورے ہوئے۔ از اسد اللہ نگاشتہ پنجشنبہ نہم جون ۱۸۵۳ء

ایضاً بھائی جس دن تم کو خط بھیجا تیسرے دن ہردیو سنگھ کی عرضی اور پچیس روپے کی رسید اور پانسو کی ہنڈوی پہنچی تم سمجھے بابو صاحب نے پچیس روپے ہردیو سنگھ کو دیئے اور مجھ سے مجرا نہ لئے بہرحال ہنڈوی ۶۱ دن کی میعادی تھی۔ ۶۰ دن گذر گئے تھے۔ ۶ دن باقی تھے مجھ کو صبر کہاں منی کاٹ کر روپے لے لئے قرض متفرق سب ادا ہوا۔ بہت سبکدوش ہو گیا آج میرے پاس مع اللہ نقد بکس میں اور ۱۴ بوتل شراب اور تین شیشے گلاب کے توشہ خانہ میں موجود ہیں۔ الحمد للہ علی احسانہ بھائی صاحب آ گئے ہوں۔ تو میر قاسم علی خان کا خط ان کو دیدو اور میرا سلام کہو۔ اور مجھ کو لکھو۔ تاکہ میں ان کو خط لکھوں بابو صاحب بھرت پور آ جائیں۔ تو آپ کاہلی نہ کیجئے گا۔ اور ان کے پاس جایئے گا۔ کہ وہ تمہارے جویائے دیدار ہیں۔ اسد اللہ سہ شنبہ ۱۴ جون ۱۸۵۳ء۔

ایضاً صاحب! کیوں مجھے یاد کیا کیوں خط لکھنے کی تکلیف اُٹھائی۔ پھر یہ کہتا ہوں کہ خدا تم کو جیتا رکھے کہ تمہارے خط میں مولوی قمر الدین خان کا سلام بھی آیا۔ اور بھائی منشی نبی بخش کی خیر و عافیت بھی معلوم ہوئی وہ تو پنشن کی فکر میں تھے۔ تظاہراً ابھی مناسب دیکھا ہوگا۔ جو پھر نوکری کی خواہش کی حق تعالیٰ ان کی جو مراد ہو بر لاوے۔ اُن کو میرا سلام کہہ دینا۔ بلکہ یہ رقعہ پڑھوا دینا مولوی قمر الدین خان کو بھی سلام کہنا تم اپنے کلام کے بھیجنے میں مجھ سے پرسش کیوں کرتے ہو۔ چار جزو ہیں تو بیس جزو ہیں تو بے تکلف بھیجدو۔ میں شاعر سخن سنج اب نہیں رہا۔ صرف سخن فہم رہ گیا ہوں۔ بوڑھے پہلوان کی طرح پیچ بتلانے کی گون کا ہوں۔ بناوٹ نہ سمجھنا شعر کہنا مجھ سے بالکل چھوٹ گیا۔ اپنا اگلا کلام دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ یہ میں نے کیونکر کہا تھا۔ قصہ مختصر وہ اجزا جلد بھیجدو۔ غالب یکشنبہ ۱۲۔ اپریل ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ تمہارے اوراق مثنوی کا پیم فلٹ پاکٹ پرسوں ۱۵ اگست کو اور جناب میرزا حاتم علی کی نثر شاید آغاز اگست میں روانہ کر چکا ہوں۔ اُس نثر کی رسید نہیں پائی اور نہ یہ معلوم ہوا کہ میری خدمت مخدوم کے مقبول طبع ہوئی یا نہیں۔ نہیں معلوم بھائی نبی بخش صاحب کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں۔ اور کس خیال میں ہیں۔ نہیں معلوم مولوی قمر الدین خان الہ آباد سے آ گئے یا نہیں اگر نہیں آئے تو وہ وہاں کیوں متوقف ہیں۔ میر منشی قدیم وہاں پہنچ گئے اپنا کام کرنے لگے یا کر رہے ہیں۔ آپ کو تاکید لکھتا ہوں کہ ان تینوں باتوں کا جواب الگ الگ لکھئے اور جلد لکھئے۔ اس خط کے پہنچنے تک اغلب ہے کہ پارسل پہنچ جائے۔ اُس کے پہنچنے کی اطلاع کیجئے گا۔ اب ایک امر سنو میں نے آغاز یازدہم مئی ۱۸۵۷ء سے یکم جولائی ۱۸۵۸ء تک روئداد شہر اور اپنی سرگذشت یعنی ۱۵ مہینے کا حال

نثر میں لکھا ہے اور التزام اس کا کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ جو نظم اس نثر میں درج ہے وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے۔ ہاں اشخاص کے نام نہیں بدلے جاتے وہ عربی۔ انگریزی۔ ہندی جو ہیں وہ لکھ دئے ہیں۔ مثلاً تمہارا نام منشی ہرگوپال منشی لفظ عربی ہے نہیں لکھا گیا۔ اسکی جگہ شیوا زبان لکھ دیا ہے یہی میرا خط جیسا اس رقعہ میں ہے۔ نہ چھدرا نہ گنجان اوراق بے مسطر۔ اس طرح کہ کسی صفحہ میں ۲۰ کسی میں ۲۲ کسی میں ۱۹ ہی سطریں ہیں۔ اور چالیس صفحہ یعنے ۲۰ ورق ہیں اگر ۱۲ سطر کے مسطر سے کوئی گنجان لکھے۔ تو شاید دو جزو میں آجاوے۔ یہاں کوئی مطبع نہیں ہے۔ سنتا ہوں کہ ایک ہے۔ اس میں کاپی نگار خوشنویس نہیں ہے۔ اگر آگرہ میں اس کا چھاپہ ہوسکے تو مجھ کو اطلاع کرو۔ اس تہیدستی اور بینوائی میں پچیس کا میں بھی خریدار ہو سکتا ہوں۔ لیکن صاحب مطبع اتنے پر کیوں مانیگا۔ البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ اگر ہزار نہ ہوں۔ تو پانسو جلد تو چھاپی جائیں یقین ہے کہ پانسو سات سو جلد چھاپنے کی صورت میں ۳۔ ۴ قیمت پڑے کاپی تو ایک ہی ہوگی رہا کاغذ وہ بھی بہت نہ لگیگا۔ لکھائی متن کی تو آپ کو معلوم ہوگئی۔ حاشیہ پر البتہ لغات کے معنی لکھے جائیں گے۔ بہرحال اگر ممکن ہو۔ تو اس کا تکملہ کرو۔ اور حساب معلوم کرکے مجھ کو لکھو اگر اگر منشی قمرالدین خاں آگئے ہوں۔ تو اُن کو بھی شریک مصلحت کرو ان تینوں باتوں کا جواب اور پارسل کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب یہ سب ایک خط میں پاؤں ضرور ضرور۔ غالب نگاشتہ و روان داشتہ سہ شنبہ ہفتدہم اگست ۱۸۵۸ء جواب طلب واسطے تاکید کے بیرنگ بھیجا گیا۔

ایضاً۔ للہ الشکر تمہارا خط آیا۔ اور دل سودا زدہ نے آرام پایا۔ تم میرا خط اچھی طرح پڑھا نہیں کرتے میں نے ہرگز نہیں لکھا کہ یہ عبارت دو جزو میں آجاوے میں نے یہ لکھا تھا۔ کہ عبارت اسقدر ہے کہ شاید دو جزو میں آجائے لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ حجم زیادہ ہو۔ بہرحال اس نمونہ کی تقطیع اور حاشیہ مطلوب ہے لغات کے معنے حاشیہ پر چڑھیں اس کی روش دلآویز اور تقسیم نظر فریب ہو۔ رباعی حاشیہ پر لکھدی اچھا کیا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے جو محل پر کہ ان کو بتائے ہیں۔ ضرور لکھوا دینا میں نے جو تم کو میرزائی کا خطاب دیا ہے اُن فقروں میں اس کا اظہار کیا ہے۔ یہ امر بہت ضروری ہے۔ اور میں منشی شونارائن صاحب کو آج صبح لکھ چکا ہوں تیسرے صفحے کے آخر یا چوتھے صفحے کے اول یہ جملہ ہے۔ اگر در دم دیگر بہ نہیب مباشش بہم زند۔ نہیب کی جگہ نوائے بنا دینا۔ بہ نوائے مباش بہم زند۔ نہیب لفظ عربی ہے اگر رہ جائیگا۔ تو لوگ مجھ پر اعتراض کریں گے تیز چاقو کی نوک سے نہیب کا لفظ چھیلا جائے۔ اور اسی جگہ نوائے لکھ دیا جائے۔ رائے امید سنگھ

نے مجھ پر عنایت اور مطبع کی اعانت کی حق تعالیٰ ان کو اس کارسازی اور فقیر نوازی کا اجر دے صاحب کبھی نہ کبھی میرا کام تم سے آپڑا ہے۔ اور پھر کام بھی کیسا کہ جس میں میری جان اُلجھی ہوئی ہے۔ اور میں نے اس کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے خدا کے واسطے پہلوتہی نہ کرو۔ اور بدل توجہ فرماؤ۔ کاپی کی تصحیح کا ذمہ بھائی کا ہو گیا ہے چھ جلدوں کی آراستگی کا ذمہ برخوردار عبد اللطیف کا کردو۔ میری طرف سے دعا کہو اور کہو کہ میں تمہارا بوڑھا اور مفلس چچا ہوں۔ تصحیح بھائی کریں تزئین تم کرو۔ کہتا ہوں۔ مگر نہیں جانتا کہ تزئین کیونکر کی جائے۔ سنتا ہوں کہ چھاپے کی کتاب کے حرفوں پر سیاہی کی قلم پھیر دیتے ہیں۔ تاکہ حروف روشن ہوجائیں سیاہ قلم سے جدولیں بھی کھچ جاتی ہے۔ پھر جلد بھی پر تکلف بن سکتی ہے۔ بقیچے کی دستکاری اور صناعی اور ہوشیاری میرے کس دن کام آویگی۔ میرزا تفتہ تم بڑے بے درد ہو۔ دلی کی تباہی پر تم کو رحم نہیں آتا۔ بلکہ تم اس کو آباد جانتے ہو۔ یہاں نیچہ بند تو میسّر نہیں صحاف اور نقاش کہاں شہر آباد ہوتا تو میں آپ کو تکلیف کیوں دیتا۔ یہیں سب درستی میری آنکھوں کے سامنے ہوجاتی قصہ مختصر یہ عبارت منشی عبد اللطیف کو پڑھا دو۔ میں تو اُن کے باپ کو اپنا حقیقی بھائی جانتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنا حقیقی چچا جانیں اور میرا کام کریں۔ تو کیا عجب ہے۔ دو روپے فی جلد اس سے زیادہ کا مقدور نہیں۔ جب مجھ کو لکھو گے۔ ہنڈوی بھیجدونگا۔ چھ روپے آٹھ آنے دس روپے عد بارہ روپے میاں کو سمجھا دینا۔ کمی کی طرف نہ گریں۔ چیز اچھی بنے۔ نہایت بارہ روپے میں چھ جلدیں تیار ہوں منشی شیو نرائن کو سمجھا دینا۔ کہ زنہار عرف نہ لکھیں نام اور تخلص بس۔ اجزائے خطابی کا لکھنا نامناسب بلکہ مضر ہے۔ مگر ہاں نام کے بعد لفظ بہادر کا اور بہادر کے لفظ کے بعد تخلص۔ اسد اللہ خاں بہادر غالب بھائی تم نے اوراق مثنوی کی رسید نہ لکھی کہیں وہ پارسل میں سے گر نہ گئے ہوں۔ دیکھو کس لطف سے میرے نام کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ اور اُن کے چھاپنے کی ممانعت ضرور ہے۔ مگر میں اس کی عبارت کیا بتاؤں۔ صاحب مطبع اس امر کو اُردو میں آخر کتاب پر لکھ دیں۔ منشی جی سے نثر لکھوالو۔ منشی عبد اللطیف کو یہ خط پڑھا دو۔ نہیب کی جگہ نوابنا دو۔ صاحب مطبع کو میرا پتہ دو۔ خاتمہ پر ممانعت کا حکم صاحب مطبع سے لکھوا دو۔ برخوردار عبد اللطیف سے مقدار روپیہ کی دریافت کرکے مجھ کو لکھ بھیجو اپنی مثنوی کی رسید لکھو اپنے بجان و دل مصروف ہونے کا اقرار کروں۔ ان سب امور کی مجھے خبر دو۔

غالب جمعہ سوم ستمبر ۱۸۵۸ء ہنگام نیم روز

ایضاً۔ میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ دونوں فقرے جس محل پر بتاتے ہیں۔ حاشیہ پر لکھ دیئے ہونگے ہمیبد کے

لفظ کو تحصیل کر تو اُسے بنا دیا ہوگا۔ برخوردار منشی عبداللطیف کو میرا خط اپنے نام کا دکھا دیا ہوگا۔ اُنکی سعادتمندی سے یقین ہے۔ کہ میری التماس قبول کریں۔ اور ادھر متوجہ ہوں۔ کاپی لکھی جانی اور چھاپا ہونا شروع ہوگیا ہوگا۔ اگر نہج پڑا ہے۔ تو چاہیئے آٹھ آٹھ صفحے بلکہ بارہ بارہ صفحے چھاپے جائیں اور کتاب جلد طبع ہو جائے بھائی منشی صاحب کی شفقت کا حال پوچھنا ضرور نہیں مجھ پر مہربان اور حسن کلام کے قدردان ہیں اگر تصحیح میں بے پروائی کریں گے۔ تو کیا میری تفضیح کے روادار ہونگے؟ بھائی تم نے بھی اور منشی شیو نرائن صاحب نے بھی لکھا میں بھی ایک عبارت لکھتا ہوں۔ اگر پسند آئے۔ تو خاتمہ عبارت میں چھاپ دو نامہ نگار غالب تخلص کا یہ بیان ہے۔ کہ یہ جو میری سرگذشت کی داستان ہے اس کو میں نے مطبع مفید خلائق میں چھپوایا ہے۔ اور میری رائے میں اس کا یہ قاعدہ قرار پایا ہے۔ کہ اور صاحبان مطابع جب تک مجھ سے طلب رخصت نہ کریں۔ اپنے مطبع میں اُس کے چھاپنے پر جرأت نہ کریں اس کے سوا اگر کوئی اور طرح کی تحریر منظور ہو۔ تو منشی شیو نرائن صاحب کو اجازت ہے کہ میری طرف سے چھاپ دیں یہ سب باتیں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ اب جو امر ضروری الاظہار تھے۔ اس واسطے یہ خط لکھا ہے۔ ایک تو اردو عبارت۔ دوسرے یہ کہ میرے شفیق مکرّم سیّد مکرّم حسین صاحب کا خط میرے نام آیا ہے اور انہوں نے ایک بات جواب طلب لکھی ہے۔ اس کا جواب اسی خط میں لکھتا ہوں تم کو چاہیئے۔ کہ اُن سے کہدو بلکہ یہ عبارت اُن کو دکھا دو۔ بندہ پرور نواب عطاءاللہ خان میرے بڑے دوست اور شفیق ہیں۔ ان کے فرزند رشید میر غلام عباس المخاطب بہ سیف الدولہ یہ دونو صاحب صحیح و سالم ہیں۔ شہر سے باہر دو چار کوس پر کوئی گاؤں ہے۔ وہاں رہتے ہیں۔ شہر میں اہل اسلام کی آبادی کا حکم نہیں اور اُن کے مکانات قرق ہیں۔ ضبط ہو گئے ہیں۔ نہ واگذاشت کا حکم ہے۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسانا تمہارا ہی کام ہے۔ بھائی تضمین گلستان چھپوا کر کیا فائدہ اُٹھایا ہے۔ جو الطباع سلطان سے نفع اُٹھاؤ گے۔ روپیہ جمع رہنے دو۔ آمد اچھی چیز ہے اگرچہ قلیل ہو۔ اور اگر روپیہ لینا منظور ہے۔ تو ہرگز اندیشہ نہ کرو۔ اور درخواست دیدو۔ بعد نو مہینے کے روپیہ تم کو ملجائیگا۔ یہ میرا ذمہ کہ اس نو مہینے میں کوئی انقلاب واقع نہ ہوگا۔ اگر اعیانا ہو ابھی تو ہوتے ہوتے اسکو مدت چاہیئے۔ رستخیز بیجا ہو چکا۔ اب ہو تو رستخیز ہو۔ یعنی قیامت اور اس کا حال معلوم نہیں کہ کب ہوگی۔ اگر اعداد کے حساب سے دیکھو تو بھی رستخیز۔ کے ۱۲۷۷ ہوتے ہیں بدیں صورت احتمال فتنہ سال آئندہ پر رہا۔ سو بھی ما ہوم۔ میاں میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آگیا ہوں۔ تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔

ایک گروہ کا قول ہے۔ کہ یہ شخص والیٔ رامپور کا اُستاد تھا۔ اور وہاں گیا تھا۔ اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا۔ تو بھی پانچہزار روپے سے کم نہ دیا ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہے۔ کہ نوکری کو گئے تھے۔ مگر نوکر نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے۔ کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا۔ دو سو روپیہ مہینہ کر دیا تھا۔ لفٹنٹ گورنر الہ آباد جو رامپور آئے۔ اور اُن کو غالب کا وہاں ہونا معلوم ہوا۔ تو انھوں نے نواب صاحب سے کہا۔ کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتے ہو۔ تو اس کو جواب دو۔ نواب نے برطرف کر دیا۔ یہ تو سب سُن لیا۔ اب تم اصل حقیقت سُنو۔ نواب یوسف علی خان بہادر تئیس اکتیس برس کے میرے دوست اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیجدیا کرتے تھے۔
اب جولائی ۱۸۵۹ء سے سو روپے مہینہ ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ بلاتے رہتے تھے۔ اب میں گیا دو مہینے رہ کر چلا آیا۔ بشرط حیات بعد برسات کے پھر جاؤں گا۔ وہ سو روپیہ مہینہ یہاں رہوں وہاں رہوں۔ خدا کے ہاں سے میرا مقرر ہے۔ غالب ۳۱۔ مارچ ۱۸۶۲ء

ایضاً کیوں صاحب۔ کیا یہ آئین جاری ہوا ہے۔ کہ سکندر آباد کے رہنے والے دلّی کے خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں۔ بھلا اگر یہ حکم ہوا ہوتا تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا۔ کہ زنہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جائے۔ بہر حال ع کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے مے کنم۔ کل جمعہ کے دن ۱۲ تاریخ نومبر کو ۲۳ جلدیں بھیجی ہوئی برخوردار شیو نرائن کی پہنچیں۔ کاغذ۔ خط۔ تقطیع۔ سیاہی۔ چھاپا سب خوب دل خوش ہوا اور شیو نرائن کو دعا دی۔ سات کتابیں جو میر جان علی صاحب کی تحویل میں ہیں۔ وہ بھی یقین ہے آجکل پہنچ جائیں معلوم نہیں منشی شیو نرائن نے اندور کو واسطے راؤ امید سنگھ کے کس طرح بھیجی ہیں یا ابھی نہیں بھیجیں۔ صاحب تم اس خط کا جواب جلد لکھو۔ اور اپنے قصد کا حال لکھو۔ سکندر آباد کب تک رہو گے۔ آگرہ کب جاؤ گے۔ شنبہ ۱۳۔ نومبر ۱۸۵۸ء۔ جواب طلب۔

ایضاً۔ صاحب ۲۵ اپریل کو ایک خط اور ایک پارسل ڈاک میں ارسال کر چکا ہوں۔ آج ۳۰ ہے یقین ہے خط اور پارسل دونوں پہنچ گئے ہونگے۔ ایک امر ضروری باعث اس تحریر کا ہے کہ جو میں اس وقت روانہ کرتا ہوں۔ ایک میرا دوست اور تمہارا ہمدرد ہے۔ اُس نے اپنے حقیقی بھتیجے کو بیٹا کر لیا تھا [illegible] اُنیس برس کی عمر قوم کا کھتری۔ خوبصورت وضعدار نوجوان ۱۲۷۳ھ میں بیمار پڑ کر مر گیا اب اس کا باپ مجھ سے آرزو کرتا ہے۔ کہ ایک تاریخ اس کے مرنے کی لکھوں ایسی کہ وہ فقط تاریخ نہ ہو۔ بلکہ مرثیہ ہو۔ کہ وہ اس کو پڑھ پڑھ کر رویا کرے۔ سو بھائی اس سائل کی خاطر مجھ کو عزیز اور فکر شعر متروک متعذر۔ واقع تمہارے حسب حال ہے۔ جو خونچکاں شعر تم نکالو گے۔ وہ مجھ سے کہاں نکلیں گے بطرق مثنوی بیس تیس

شعر لکھ دو مصرعہ آخر میں مادۂ تاریخ ڈال دو۔ نام اس کا برج موہن تھا۔ اور اس کو بابو بابو کہتے تھے۔ چنانچہ
میں بحر ہزج مسدس مخبون میں ایک شعر تم کو لکھتا ہوں چاہو اس کو آغاز میں رہنے دو۔ اور آئندہ اسی
بحر میں اور اشعار لکھ لو۔ چاہو کوئی اور طرح نکالو۔ لیکن یہ خیال میں رہے۔ کہ سائل کو متوفی کے نام کا
درج ہونا منظور ہے۔ اور بابو برج موہن سوائے اس بحر کے یا بحر رمل کے اور بحر میں نہیں آ سکتا وہ
شعر میرا یہ ہے ؎

برم چوں نام بابو برج موہن   چکد خونِ دل ریش از لب من

غالب۔ نگاشتہ روز جمعہ۔ سی ام۔ اپریل ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی تمہارا وہ خط جس میں اوراق مثنوی ملفوف تھے پہنچا۔ اوراق مثنوی اوراق دستنبو
کے ساتھ پہنچیں گے۔ اب تمہارے مطالب کا جواب جدا جدا لکھتا ہوں۔ الگ الگ سمجھ لینا۔ صاحب تم نے
مرزا حاتم علی صاحب سے کیوں کہا۔ بات اتنی تھی۔ کہ وہ مجھ کو لکھ کر بھیجتے کہ نثر آئی ہے۔ اور مرزا صاحب نے
پسند کی اب اُن سے میرا سلام کہو اور یہ کہو کہ آپکے شکر بجا لانے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ چھاپے کے باب میں جو آپ نے
لکھا وہ معلوم ہوا۔ اس تحریر کو جب دیکھو گے۔ تب جانو گے۔ اہتمام اور عجلت اس کے چھپوانے میں اس واسطے
ہے۔ کہ اس میں سے ایک جلد نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر بھیجوں گا۔ اور ایک جلد بذریعہ اُن کے جناب
ملکہ معظمہ انگلستان کی نذر کرونگا۔ اب سمجھ لو کہ طرز تحریر کیا ہوگی اور صاحبان مطبع کو اس کا انطباع
کیوں نا مطبوع ہوگا۔ جیتے رہو۔ اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسایا وہ کون ملا تھا۔ جس کو تم نے پڑھایا ع
گرچہ عمل کار خردمند نیست ؞ عمل کار اہل کار۔ یہ شعر شیخ سعدی کا بادشاہ کی نصیحت میں ہے۔ ع
جز بخردمند فرما عمل ؞ یعنی خدمت و اعمال سوائے علما اور عقلا کے اور کی تفویض نہ کر پھر خود کہتا ہے
ع گرچہ عمل کار خردمند نیست ؞ یعنی اگرچہ خدمات و اشغال سلطانی کا قبول کرنا خردمندوں کا
کام نہیں اور عقل سے بعید ہے۔ کہ آدمی اپنے کو خطرے میں ڈالے عمل الگ ہے۔ اور کار مضاف
ہے۔ بطرف خردمند کے۔ ورنہ دہائی خدا کی عمل بکار اہل کار کے معنے پر نہیں آتا۔ مگر قتیل اور واقف
یا اور پورب کے ملکیوں کی فارسی ہے۔

ایضاً۔ میری جان کیا سمجھے ہو۔ سب مخلوقات تفتہ و غالب کیونکر بن جائیں ع ہر کسے را بہر کارے ساختند
انت متاسو متنا۔ مصری میٹھی نمک سلونا کبھی کسی شئے کا مزہ نہ بدلیگا۔ اب جو میں اُس شخص کو نصیحت
کروں، وہ کیا نہ سمجھے گا۔ کہ غالب کیا جانے کہ عبدالرحمان کون ہے اور مجھ سے اُس سے کیا رسم وراہ ہے
بے شبہ جانیگا۔ کہ تفتہ نے لکھا ہوگا۔ میں اس کی نظر میں سبک ہو جاؤں گا۔ اور تم سے وہ اور بھی سرگراں

ہو جائیگا۔ اور یہ جو تم لکھتے ہو۔ کہ تم نے اُس شخص کو اپنے عزیزوں میں گنا ہے۔ بندہ پرور میں تو بنی آدم کو مسلمان ہو یا ہندو۔ یا نصرانی عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔ دوسرا مانے یا نہ مانے باقی رہی وہ عزیز داری۔ جس کو اہلِ دنیا قرابت کہتے ہیں۔ اُس کو قوم اور ذات اور مذہب اور طریق شرط ہے اور اس کے مراتب و مدارج ہیں۔ بنظر اس دستور پر اگر دیکھو تو مجھ کو اُس شخص سے خس برابر علاقہ عزیز داری کا نہیں۔ از راہِ حُسنِ اخلاق اگر عزیز لکھ دیا یا کہہ دیا تو کیا ہوتا۔ زین العابدین خان عارف میرے سالے یہ شخص اُس کے سالے کا بیٹا اُس کو جو چاہو سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ جب ادھر سے آدمیت نہ ہوئی۔ تو اب اس کو لکھنا لغو بے فائدہ بلکہ مضر ہے۔ تمہارا میرٹھ جانا اور نواب مصطفےٰ خان سے ملنا ہم پہلے ہی دریافت کر چکے ہیں۔ اب تمہارے خط سے مراد آباد ہو کر سکندر آباد آنا معلوم ہو گیا۔ حق تعالےٰ شانہ تم کو خوش و خرم رکھے۔ مرقومہ ۲۳۔ ستمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط مع رقعہ مرد سخن فہم پہنچا۔ تمہاری خوشامد نہیں کرتا۔ سچ کہتا ہوں تمہارے کلام کی تحسین کرنے والا فی الحقیقت اپنے فہم کی تعریف کرتا ہے جواب میں درنگ اس راہ سے ہوئی کہ میں مصطفےٰ خان کی ملاقات کو بہلی ڈاک میرٹھ گیا تھا تین دن وہاں رہا کل وہاں سے آج تم کو یہ خط بھجوایا محررہ و مرسلہ چہار شنبہ ۲۶۔ جنوری سنہ ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ کل قریب دوپہر کے ڈاک کا ہرکارہ وہ جو خط بانٹا کرتا ہے آیا اور اس نے پارسل موم جامے میں لپٹا ہوا دیا۔ پہلے تو میں بھی حیران رہا۔ کہ پیکٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا۔ بارے جو اسکی تحریر دیکھی تو تمہارے ہاتھ کا پم فلٹ لکھا ہؤا۔ اور وہ ٹکٹ لگے ہوئے مگر اس کے آگے کالی مُہر اور کچھ انگریزی لکھا ہؤا ہرکارہ نے بہ دلوائیے۔ دلوا دیئے اور پارسل لے لیا مگر حیران کہ یہ کیا پیچ پڑا۔ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا اس کو خطوں کے بکس میں ڈال آیا۔ ڈاک کے کارپردازوں نے غور نہ کی اور اس کو بیرنگ خطوں کی ڈاک میں بھیج دیا۔ وہ صاحب جو میرے عرف سے آشنا اور میرے نام سے بیزار ہیں یعنی منشی بھگوان پرشاد منتل خواں میرا سلام قبول کریں غالب ۱۸۵۸ء جولائی

ایضاً۔ بھائی مجھ میں تم میں نامہ نگاری کاہے کو ہے مکالمہ ہے آج صبح کو ایک بھیج چکا ہوں۔ اب اسوقت تمہارا خط اور آیا۔ سنو صاحب لفظ مبارک میم حا میم دال اس کے ہر حرف پر میری جان نثار ہے۔ مگر چونکہ یہاں سے ولایت تک حکام کے ہاں سے یہ لفظ یعنی محمد اسد اللہ خان نہیں لکھا جاتا میں نے بھی موقوف کر دیا ہے۔ رہا میرزا و مولانا تو اب اس میں تم کو اور بھائی کو اختیار ہے جو چاہو سو لکھو۔ بھائی کو کہنا۔ اُن کے خط کا جواب صبح کو روانہ کر چکا ہوں۔ مرزا تفتہ اب تم تزئین جلدہائے کتاب کے باب

میں برادر زادہ سعادتمند کو تکلیف نہ دو۔ مولانا مہربان کو اختیار ہے جو چاہیں سو کریں۔ خط تمام کر کے خیال میں آیا۔ کہ وہ جو مرزا صاحب سے مجھ کو مطلوب ہے تم پر بھی ظاہر کروں۔ صاحب وہاں ایک اخبار موسوم بہ آفتاب عالمتاب نکلتا ہے اُس کے مہتمم نے التزام کیا ہے کہ ایک صفحہ یا ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دہلی کے حالات لکھتا ہے نہیں معلوم آغاز کس مہینے سے ہے حکیم احسن اللہ خان یہ چاہتے ہیں۔ کہ سابق کے جو اوراق ہیں جب سے ہوں وہ چھاپہ خانہ میں مسودہ رہتے ہیں۔ اس کی نقل کاتب سے لکھوا کر یہاں بھیجی جائے اُجرت جو لکھی آئیگی وہ بھیجی جائیگی۔ اور ما ابتدائے ۱۸۵۸ء سے اُن کا نام خریداروں میں لکھا جائے دو ہفتہ کے دو نمبر اُن کو ایک لفافہ میں بھیجدیئے جائیں۔ اور پھر ہر مہینے ہفتہ در ہفتہ اُن کو لفافہ اخبار کا پہنچا کرے۔ یہ مراتب جناب مرزا حاتم علی صاحب کو لکھ چکا ہوں۔ اور ابتک آثار قبول ظاہر نہیں ہوئے نہ لفافے حکیم صاحب کے پاس پہنچے۔ نہ ان صفحات کی نقل میرے پاس آئی۔ آپ کو اس میں سعی ضرور ہے اور ہاں صاحب آفتاب عالمتاب کا مطبع تو کشمیری بازار میں ہے۔ مگر آپ مجھ کو لکھیں کہ مفید خلائق کا مطبع کہاں ہے۔ عجب ہے کہ ان صاحب شفیق نے میری تحریرات کا جواب نہیں لکھا فرمائش حکیم احسن اللہ خان صاحب کی بہت اہم ہے۔ عندالملاقات میرا سلام کہہ کر اس کا جواب بلکہ وہ اخبار اُن سے بھجواؤ۔ جمعہ ۷ ستمبر؁

ایضاً۔ بھائی میں نے مانا۔ تمہاری شاعری کو میں جانتا ہوں۔ کہ کوئی دم تم کو فکر سخن سے فرصت نہ ہوگی پر جو تم نے التزام کیا ہے ترصیع کی صنعت کا اور دو لخت شعر لکھنے کا اس میں ضرور نشست اچھی بھی ملحوظ رکھا کرو۔ اور جو کچھ لکھا اسکو دوبارہ سہ بارہ دیکھا کرو۔ کیوں صاحب یہ ڈبل خط پوسٹ پیڈ بھیجا اور وہ بھی دلی سے سکندرآباد کو آیا۔ حاتم کے سوا اور میرے سوا کسی نے کیا کہا ہوگا؟ کیا ہنسی آتی ہے۔ تمہاری باتوں پر خدا تم کو جیتا رکھے۔ اور جو کچھ تم چاہو تم کو دے۔ جانی جی کی بڑی فکر ہے۔ میں تم کو لکھا چاہتا تھا۔ کہ اُن کا حال لکھو۔ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں یقین ہے کہ اجمیر میں ہونگے۔ اگر وہاں مقیم ہیں۔ تو خط پھر بھی نہیں بھیجا جا سکتا اس لئے کہ اگر ہو سکے تو کسی کو لکھ کر خبر منگوالو۔ اور جو کچھ تم کو معلوم ہو وہ مجھ کو بھی لکھو۔ منشی صاحب مع منشی عبداللطیف کول میں آ گئے کل ان کا خط مجھ کو آیا تھا۔ آج اس کا جواب بھی روانہ کر دیا۔

اسداللہ یکشنبہ ۲۱۔ ماہ اگست ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ بھائی آج مجھ کو بڑی تشویش ہے۔ اور یہ خط میں تم کو کمال سراسیمگی میں لکھتا ہوں۔ جس دن میرا خط پہنچے۔ اگر وقت ڈاک کا ہو۔ تو اسی وقت جواب لکھ کر روانہ کرو۔ اور اگر وقت نہ رہا ہو تو چار و ناچار

دوسرے دن جواب بھیجو۔ منشا تشویش واضطراب کا یہ ہے کہ کئی دن سے راجہ بھرت پور کی بیماری کی خبر سُنی جاتی تھی۔ کل سے اور بُری خبر شہر میں مشہور ہے۔ تم بھرت پور سے قریب ہو۔ یقین ہے کہ تم کو تحقیق حال معلوم ہوگا۔ جلد لکھو کہ کیا صورت ہے۔ راجہ کا مجھ کو غم نہیں۔ مجھ کو فکر جانی جی کی ہے۔ کہ اسی علاقہ میں تم بھی شامل ہو۔ صاحبان انگریز نے ریاستوں کے باب میں ایک قانون وضع کیا ہے۔ یعنی جو رئیس مر جاتا ہے۔ سرکار اس ریاست پر قابض و متصرف ہو کر رئیس زادہ کے بالغ ہونے تک بندوبست ریاست کا اپنے طور پر رکھتی ہے۔ سرکاری بندوبست میں کوئی قدیم الخدمت موقوف نہیں ہوتا۔ اس صورت میں یقین ہے کہ جانی صاحب کا علاقہ بدستور قائم رہے۔ مگر یہ وکیل ہیں۔ معلوم نہیں مختار کون ہے اور ہمارے بابو صاحب میں اور اس مختار میں صحبت کیسی ہے۔ رانی سے ان کی کیا صورت ہے تم اگرچہ بابو صاحب کی محبت کا علاقہ رکھتے ہو۔ لیکن انہوں نے ازراہِ دور اندیشی تم کو متوسل اُس سرکار کا کر رکھا ہے۔ اور تم مستغنیانہ اور لاابالیانہ زندگی بسر کرتے تھے زنہار اب وہ روش نہ رکھنا اب تم کو لازم آپڑا ہے۔ جانی جی کے ساتھ ہو کر روشناس حکام والا مقام ہونا۔ پس چاہیئے کول کی آرائش کا ترک کرنا اور خواہی نخواہی بابو صاحب کے ہمراہ رہنا۔ میری رائے میں یوں آیا ہے۔ اور میں نہیں لکھ سکتا کہ موقع کیا ہے۔ اور مصلحت کیا ہے۔ جانی جی بھرت پور آئے ہیں۔ یا اجمیر میں ہیں؟ کس فکر میں ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ واسطے خدا کے نہ مختصر نہ سرسری بلکہ مفصل اور منقح جو کچھ واقع ہوا ہو اور جو صورت ہو مجھ کو لکھو۔ اور جلد کہ مجھ پر خواب و خور حرام ہے۔ کل شام کو میں نے سُنا آج صبح قلعہ نہیں گیا اور یہ خط لکھ کر ازراہِ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہے۔ تم بھی اس کا جواب بیرنگ روانہ کرنا۔ آدھ آنہ ایسی بڑی چیز نہیں ڈاک کے لوگ بیرنگ خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں۔ اور پوسٹ پیڈ پڑا رہتا ہے۔ جب اس محلہ میں جانا ہوتا ہے تو اس کو بھی لے جاتے ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں کہ پریشان ہوں۔ نوشتۂ چاشتگاہ دوشنبہ ۲۸ مارچ ۱۸۵۳ء ضروری۔ جواب طلب۔

ایضاً۔ میاں میرزا تفتہ ہزار آفرین کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے واہ واہ چشم بددور تسلسل معنی سلاست الفاظ ایک مصرعہ میں تم کو محمد اسحٰق شوکت بخاری سے توارد ہوا یہ بھی محل فخر و شرف ہے کہ جہاں شوکت پہنچا وہاں تم پہنچے وہ مصرعہ یہ ہے ع چاک گردیدم و از جیب بداماں رفتم۔ پہلا مصرعہ تمہارا اگر اس کے پہلے مصرعہ سے اچھا ہوتا تو میرا دل اور زیادہ خوش ہوتا۔ خدا تم کو اتنا جلائے۔ کہ ایک دیوان ۲۰ جزو قصائد کا کہہ لو۔ مگر خبردار قصاید بتقیید حروف تہجی نہ جمع کرنا۔ صاحب! مجھے اس بزرگوار کا معاملہ اور یہ جو تم نے اس کا وطن اور پیشہ اب لکھا ہے سابق کا تمہارا لکھا ہوا سب

یاد ہے میں نے اسکو دوست بطریق ادا لکھا ہے بہرحال وہ جو میں نے خاقانی کا شعر لکھ کر اس کو بھیجا اس کی ماں مرے اگر میرے اس خط کا جواب لکھا ہو۔ بڑا پرانا قصہ تم نے یاد دلایا۔ داغ کہنہ حسرت کو چمکایا۔ میاں یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے نصیر الدین حیدر کے پاس گذرا۔ اور جس دن گذرا اسی دن پانچ ہزار روپے کے بھیجنے کا حکم ہوا۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ منظفر الدولہ مرحوم لکھنؤ سے آئے۔ انہوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ کو لکھا۔ کہ تم دریافت کر کے لکھو۔ کہ میرے قصیدہ پر کیا گذری انہوں نے جواب لکھا۔ کہ پانچ ہزار ملے تین ہزار روشن الدولہ نے کھائے دو ہزار منشی محمد حسن کو دیئے۔ اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو۔ غالب کو بھیجدو۔ کیا اس نے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا۔ اگر نہ بھیجا ہو تو مجھ کو لکھو میں نے لکھ بھیجا۔ کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں پہنچے اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو اس کا مضمون یہ ہو۔ کہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ قصیدہ حضور میں گذرا۔ مگر یہ میں نے نہیں جانا۔ کہ اس کا صلہ کیا مرحمت ہوا میں کہ ناسخ ہوں۔ اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر ان کا کھایا ہوا روپیہ ان کے حلق سے نکال کر تم کو بھیجدونگا۔ بھائی یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا آج خط روانہ ہوا۔ تیسرے دن شہر میں خبر اڑی۔ کہ نصیر الدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں۔ اور ناسخ کیا کرے۔ غالب دوشنبہ ۱۹۔ اگست ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ او مرزا تفتہ میرے گلے لگ جاؤ۔ جیو اور میری منقبت سنو۔ یکشنبہ کو مولوی مظہر الحق آئے تھے ان سے یہ حال معلوم ہوا۔ پہلا خط تم کو ان کے بھائی مولوی انوار الحق نے بموجب حکم رنگٹن صاحب کے لکھا تھا۔ پھر ایک خط صاحب نے آپ مسودہ کر کے اپنی طرف سے تم کو لکھا۔ دو تو دیوان تمہارے اور نشتر عشق اور ایک تذکرہ یہ چار کتابیں تمہاری بھیجی ہوئی ان کو پہنچیں۔ صاحب تم سے بہت خوش اور تمہارے بہت معتقد ہیں کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ اتنا بڑا شاعر کوئی اور ہندوستان میں نہ ہوگا۔ کہ جو پچاس ہزار بیت کا مالک ہو۔ فائدہ اس التفات کا یہ کہ تمہارا ذکر بہت اچھی طرح سے لکھا گیا باقی بالخیر شما بسلامت ہاں ان کے تحت میں عہدہ معہ مشاہرہ کے علاقے میں اگر تمہاری اجازت ہو تو اس امر میں ان سے کلام کروں۔ میرا عجب حال ہے۔ حیران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں نہیں پہنچتا ہے

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی   بد است مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست

سامعہ مر گیا۔ اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا۔ جتنی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں۔ سب مضمحل ہیں۔ تو اس

مرزا سرفراز حسین عرف میرن صاحب مرحوم کے نام. مرزا سرفراز حسین، حافظ گویا بھی نہ تھا۔ شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی۔ رئیس رامپور سو روپے مہینہ دیتے ہیں۔ سال گذشتہ اُن کو لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم جو اس کا کام ہے۔ اور میں اپنے میں جو اس نہیں پاتا توقع ہوں۔ کہ اس خدمت سے معاف رہوں۔ جو کچھ مجھے آپ کی سرکار سے ملتا ہے۔ عوض خدمات سابقہ میں شمار کیجیئے تو میں سکہ لمبر سہی ورنہ خیرات خوار سہی۔ اور اگر یہ عطیہ بشرط خدمت ہے تو جو آپکی مرضی ہے وہی میری قسمت ہے۔ برس دن سے ان کا کلام نہیں آتا۔ فتوح مقرری تو میر تک آئی۔ اب دیکھئے۔ آگے کیا ہوتا ہے آجتک نواب صاحب ازراہ چرا مقرری دئے جاتے ہیں۔ اور بھائی تمہاری مشق چشم بددور صاف ہوگئی ہے طبیعت درپا ہے بس تمہارے کلام میں نہیں رہا۔ اور اگر خواہی نخواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے۔ تو میری جان میرے بعد کیا کروگے۔ میں چراغ دم صبح و آفتاب بسر کوہ ہوں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ۱۴ رجب سنجات کا طالب غالب۔

ایضاً مرزا تفتہ عجب اتفاق ہوا پنجشنبہ کے دن ۲۲ اپریل کو کلیان خط ڈاک میں ڈال کر آیا اُس کے متعاقب پارسل کا ہرکارہ آیا۔ اور تمہارا بھیجا ہوا پاکٹ لایا رسید لکھنی میں نے زائد سمجھی اور اس کا دیکھنا شروع کیا۔ بیکار نخش اور تنہا ہوں پانچ پہر کا شغل میری بڑی جل لگی ہوگئی۔ خوب دیکھا صحیح تو یوں لکھا ہے کہ ان اشعار میں میں نے بہت حظ اُٹھایا۔ جیتے رہو۔ تمہارا دم غنیمت ہے۔ بھائی کا حال مفصل لکھو۔ پنشن کے طالب ہیں یا نوکری کے منشی عبد اللطیف کہاں ہے اور کس طرح ہے۔ علاقہ نیا ہوا ہے یا جاتا رہا۔ صاحب لفٹنٹ گورنری کا محکمہ بالکل الہ آباد کو گیا یا ہنوز کچھ یہاں بھی ہے منشی غلام غوث صاحب کہاں ہیں۔ نوکر ہیں یا مستعفی۔ عدالت دیوانی کا محکمہ یہیں رہیگا۔ یا الہ آباد جائیگا۔ اس کا اور گورنری کے محکمہ کا ساتھ ہے چلے ہے یہ بھی وہیں جاوے۔ آج تمہارے اشعار کا کاغذ پمفلٹ پاکٹ اسی خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجا گیا ہے یقین ہے کہ یہ خط کل پرسوں اور وہ پاکٹ پانچ چار دن میں پہنچ جائے۔

غالب یکشنبہ ۲۵۔ اپریل ۱۸۵۸ء

ایضاً مرزا تفتہ۔ ایک امر عجیب تم کو لکھتا ہوں اور وہ امر بعید تعجب مفرط کے موجب نشاط مفرط ہوگا۔ میں اجرائے پنشن سرکار انگریزی سے مایوس تھا۔ بارے وہ نقشہ پنشن داروں کا جو یہاں سے تبکر صدر کو گیا تھا اور یہاں کے حاکم نے بہ نسبت میرے صاف لکھ دیا تھا۔ کہ یہ شخص پنشن پانے کا مستحق نہیں ہے۔ گورنمنٹ نے برخلاف یہاں کے حاکم کی رائے کے میری پنشن کے اجرا کا حکم دیا۔ اور وہ حکم یہاں آیا۔ اور مشہور ہوا میں نے بھی سُنا اب کہتے ہیں۔ کہ ماہ آئندہ یعنی مئی کی پہلی کو تنخواہوں کا بٹنا شروع ہوگا۔ دیکھا چاہیئے پچھلے روپے کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے۔ غالب ۱۶ اپریل ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا میں نے اپنے سب مطالب کا جواب پایا۔ امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے اللہ اللہ ایک وہ ہیں۔ کہ وہ بار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں۔ اور ایک ہم ہیں۔ کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ تو پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔ اس کو سمجھاؤ۔ کہ تیرے بچوں کو میں پال لونگا تو کیوں بلا میں پھنستا ہے۔ وہ جو مصرعہ تم نے لکھا ہے۔ وہ حکیم سنائی کا ہے۔ اور وہ نقل حدیقہ میں مرقوم ہے ؎

پسرے با پدر بزاری گفت | کہ مرا یار شو بہ بہرہ جفت
گفت بابا تہ ماکن و زن نہ | پند از خلق گیر و از من نہ
در تنا گر بگیرد عیسے | بہاد کو گرفت چوں تو بسے
زن کنی ہر گزت رہا نہ کند | ور تو بگزارش چہا نہ کند

بس تو اب تم سکندر آباد میں رہے کہیں اور کیوں جاؤ گے۔ بنک گھر کا روپیہ اُٹھا چکے ہو اب کہاں سے کھاؤ گے۔ میاں نہ تو میرے سمجھانے کو دخل ہے۔ نہ تمہارے سمجھنے کی جگہ ہے ایک خرچ ہے کہ وہ چلا جاتا ہے۔ جو ہوتا ہے وہ ہوا جاتا ہے اختیار ہو تو کچھ کیا جائے۔ کہنے کی بات ہو تو کچھ کہا جائے۔ مرزا عبدالقادر بیدل خوب کہتا ہے ؎

رغبتِ جاہ چہ نفرتِ اسباب کدام | زیں ہوسہا بگذر و یا مگذر۔ می گذرد

مجھ کو دیکھو کہ نہ آزاد ہوں نہ مقید نہ رنجور ہوں نہ تندرست نہ خوش ہوں نہ ناخوش نہ مردہ ہوں نہ زندہ۔ جئے جاتا ہوں باتیں کئے جاتا ہوں روٹی روز کھاتا ہوں۔ شراب گاہ گاہ پئے جاتا ہوں جب موت آئیگی مر رہونگا نہ شکر ہے نہ شکایت ہے جو تقریر ہے بہ سبیل حکایت ہے بارے جہاں رہو جس طرح رہو۔ ہر ہفتہ میں ایک بار خط لکھا کرو۔ یکشنبہ ۱۹ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً دیکھو صاحب یہ باتیں ہم کو پسند نہیں ۱۸۵۸ء کے خط کا جواب ۱۸۵۹ء میں بھیجتے ہو۔ اور مزہ یہ ہے کہ جب تم سے کہا جائیگا تو یہ کہوگے کہ میں نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے لطف اس میں ہے کہ میں سچا اور تم بھی سچے آجتک رائے امید سنگھ یہاں ہیں۔ اور ابھی نہیں جائینگے تمہارا مدعا حاصل ہو گیا ہے۔ جب یہاں وہ آئے تھے۔ اُسی دن مجھ سے کہہ گئے تھے۔ میں بھول گیا۔ اور اس خط میں تم کو نہ لکھا۔ صاحب وہ فرماتے تھے کہ میں نے کئی مجلد مرزا تفتہ کے دیوان کے اور کئی نسخے تضمین اشعار گلستان کے ان کی خواہش کے بموجب کوئی پارسی ہے۔ بمبئی میں اس کے پاس بھیجدیئے ہیں یقین ہے۔ کہ وہ ایران کو ارسال کریگا۔ امید سنگھ نے اس پارسی کا نام بھی لیا تھا میں بھول گیا اب

جو تم کو اس خیال میں مبتلا پایا تو اُن کا بیان مجھ کو یاد آیا۔ جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتے ہیں دوبارہ اُن کے گھر گیا بھی ہوں۔ مگر محلّہ کا نام نہیں جانتا نہ میرے آدمیوں میں کوئی جانتا ہے۔ اب کسی جاننے والے سے پوچھ کر تم کو لکھوں گا۔ میرا بادشاہ صاحب سے عند الملاقات میری دعا کہہ دینا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لکھنے کے قابل بات پھر بھول گیا۔ کل میر کرامت علی صفا تخلّص کہ میں نے آگے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ناگاہ مجھ سے آ کر ملے اور تمہارا حال پوچھتے رہے۔ میں نے کہہ دیا۔ کہ بخیر و عافیت سکندرآباد میں ہیں۔ جب میں نے اُن سے کہا کہ کیا وہ تمہارے آشنا ہیں۔ اُنہوں نے کہا صاحب وہ بزرگ اور استاد ہیں۔ میں ان کا شاگرد ہوں کہیں مدرسے کے علاقوں میں نوکر ہیں۔ بہلی ڈاک آئے تھے۔ اور آج ہی بہلی ڈاک انبالہ کو گئے۔ انبالہ اُن کا وطن ہے اور نوکر بھی وہ اسی ضلع میں ہیں۔ غالب نگاشتہ دوشنبہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب قصیدہ کے چھاپے جانے کی بشارت صاحب مطبع نے مجھ کو بھی دی ہے خدا اُن کو سلامت رکھے کل حضرت صاحب کے خط میں اُن کو ایک مصرعہ کسی استاد کا لکھ چکا ہوں۔ میں سراسر اُن کا ممنونِ احسان ہوں۔ میرا سلام کہنا اور لفافے اخبار کے نہ پہنچنے کی اطلاع دینا میرے نام کا کوئی لفافہ ضائع نہیں جاتا۔ خدا جانے اس پر کیا بجوگ پڑا۔ ظاہرا انہوں نے پورٹ پیڈ بھیجدیا ہوگا۔ پھر پوسٹ پیڈ بھی کیوں تلف ہو۔ شیہہ بمعنی صدائے اسپ لغت فارسی ہے۔ بشین مکسور و یائے معروف و ہائے ہوز مفتوح و ہائے ثانی زدہ اور عربی میں اسکو صہیل کہتے ہیں۔ صیہہ کوئی لغت نہیں ہے۔ نہ عربی نہ فارسی اگر غنیمت کے کلام میں صیہہ لکھا ہے۔ تو کاتب کی غلطی ہے۔ غنیمت کا کیا گناہ۔ در خود زروئے ہندسہ گاہ شمار یافت۔ اصل مصرعہ یوں ہے۔ میں نے سہو سے خدا جانے کیوں لکھا ہے۔ بھائی مہر خوان کے دو معنی ہیں ایک تو خطاب جو سلاطین امرا کو دیں اور دوسرے وہ نام جو لڑکوں کا پیار سے رکھیں یعنی عرف حاشیہ پر شوق سے لکھوا دو۔ مگر تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ اس عبارت سے جو تمہارے ذکر کیا ہے۔ پہلے مہر خوان کے معنی حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں۔ مکرر لکھنے کی حاجت کیا ہے۔ اور اگر لکھ بھی دو۔ تو قباحت کیا ہے۔ بھائی صاحب کیوں مضائقہ فرمائیں۔ حال اوراق کی تحریر کا معلوم ہوا۔ صاحبان کونسل کی رائے ولایت آگرہ یعنی میرے محکمہ میں منظور و مقبول۔ تمام میر جس طرح چاہو لکھ دو ؎

بنام آنکہ او نامے ندارد بہر نامے کہ خوانے سر برآورد

شفیق بالتحقیق مولانا مہر فدوی بمقدار کا سلام قبول کریں۔ کل آپ کو خط لکھ چکا ہوں آج یا کل پہنچ جائیگا۔ رات سے ایک بات اور خیال میں آئی ہے۔ مگر چونکہ محکمہ و کار فزائی ہے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ دو جلدیں طلائی لوح کی ولایت کیواسطے تیار

ہونگی اور وہ چار جلدیں جو یہاں کے حکام کے واسطے درکار ہونگی۔ ان کی صورت یہی ٹھیری ہے۔ کہ سیاہ قلم کی لوح اور انگریزی جلد۔ کیوں بھائی صاحب قرار داد اور تجویز یہی ہے۔ اور پھر سمجھا چاہیئے کہ یہ چار جلدیں کس کس نذر ہیں۔ نواب گورنر جنرل بہادر۔ چیف کمشنر بہادر۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی۔ ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی۔ یہ کیا میری بدوضعی ہے کہ جناب اڈمنسٹن صاحب کی نذر نہ بھیجوں۔ آخر گورنمنٹ کی نذر انہیں کی معرفت بھیجوں گا۔ صاحب ایک جلد ان کی نذر بہت ضروری ہے۔ آپ گنجائش نکال کر جیسی یہ چار جلدیں بنوائیں ایک اور بھی ایسی ہی بنوالیں۔ یقین ہے کہ آپ اس رائے کو پسند فرماوینگے۔ اور چار کی جگہ پانچ بنوائیں گے۔ یہ عرض مقبول اور یہ گستاخی کی بار بار آزار دیتا ہوں معاف ہو بھائی مرزا تفتہ کل کے مرزا صاحب کے خط میں سے اس مادہ تاریخ کا قطعہ لکھ لینا۔ تم کو لکھ چکا ہوں ایک قطعہ مرزا صاحب کا ایک قطعہ تمہارا بلکہ ایک قطعہ مولانا حقیر سے بھی لکھوائیو۔ صبح پنجشنبہ سلخ ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ اجی مرزا تفتہ تمہارے روپیہ بھی کھویا اور اپنی فکر کو اور میری اصلاح کو بھی ڈبویا۔ ہائے کیا بری کاپی ہے۔ اپنے اشعار کی اور اس کاپی کی مثال جب تم پر کھلتی کہ تم یہاں ہوتے اور بیگمات قلعہ کو پھرتے چلتے دیکھتے صورت ماہ دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے پائنچے لیر لیر جوتی ٹوٹی یہ مبالغہ نہیں بلکہ بے تکلف سنبلستان ایک معشوقہ خوبصورت ہے۔ بدلباس ہے۔ بہرحال دونوں لڑکوں کو دونوں جلدیں اور معلم کو حکم دیا۔ کہ اسی کا سبق دے۔ چنانچہ آج سے شروع ہو گیا۔ مرقومہ صبح سہ شنبہ ۱۹ ماہ اپریل ۱۸۶۱ء غالب۔

ایضاً۔ پنجشنبہ کے دن ۱۸ نومبر کو تمہارا خط آیا۔ اور میں آج ہی جواب لکھتا ہوں کیا تماشہ ہے کہ خط تمہارا پہنچتا ہے اور میرا خط نہیں پہنچتا میرے خط کے نہ پہنچنے کی دلیل یہ ہے کہ تم نے اصلاحی غزل کی رسید نہیں لکھی میں نے کتب کا پہنچنا تم کو لکھا تھا اس کا تم نے ذکر نہ لکھا صاحب ۳۲ کتابیں پہنچ گئیں اور تقسیم ہو گئیں سات کتابیں مرزا مہر کی بھیجی ہوئی موافق ان کی تحریر کے آج شام تک اور مطابق منشی شیونرائن کی اطلاع کے کل تک میرے پاس پہنچ جائینگی اور یہی منشی شیونرائن نے اندور کی کتابوں کی روانگی کی اطلاع دی ہے منشی نبی بخش صاحب تمہارے خط نہ لکھنے کا بہت گلہ رکھتے ہیں۔ شاید میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں۔ میر قاسم علی صاحب کی بدلی کا حال معلوم ہو۔ یہ میرے بڑے دوست ہیں۔ دلی ان دنوں میں آئے تھے مجھ سے مل گئے ہیں۔ ان کو ایک کتاب قدردکھیہ دینا۔ بھائی میں ہرگز نہیں۔ جانتا کہ میر بادشاہ دہلوی کون ہیں اور پھر ایسے کہ جو کہیں کے منصف ہوں۔ کچھ ان کے خاندان کا حال اور ان کے والد کا نام لکھو تو میں غور کروں

ورنہ میں تو اس نام کے آدمی سے آشنا نہیں ہوں۔ پنجشنبہ ۱۸ ر نومبر ۱۸۵۸ء وقت دوپہر۔

ایضاً۔ بندہ پرور ایک مہربانی نامہ سکندر آباد سے اور ایک علی گڈھ سے پہنچا یقین ہے کہ بابو صاحب تمہارے خط کے جواب میں کچھ حال لکھینگے اور تم موافق اپنے وعدہ کے مجھ کو لکھو گے اب جب اس خط کا جواب تمہارے پاس سے آئیگا تب تمہارے اشعار تم کو پہنچینگے ہائے ہائے میر تفضیل حسین خان ہائے ہائے

رفتی و مرا خبر نہ کردی　　بر بیکسیم نظر نہ کردی

یہاں یہ سُنا گیا ہے۔ کہ میر احمد حسین بڑا بیٹا اُن کے کام پر مقرر ہوا اور میر ارشاد حسین بدستور نائب ہے۔ اسد اللہ ۲۳ ر فروری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب ایک خط تمہارا پرسوں آیا۔ اُس میں مندرج تھا۔ کہ میں میرٹھ جاؤنگا۔ آج صبح کو ایک خط تمہارا آیا۔ اُس میں مندرج کہ پہلی جولائی کو جاؤنگا۔ اور تجھ سے ملتا جاؤنگا۔ پرسوں کے خط میں بھی اور آج کے خط میں بھی پارسل کا ذکر تھا۔ کہ بیس جون کو ہم نے بھیجا ہے۔ بیسویں جون کو آج دسواں دن ہے۔ اسدن میں کوئی پارسل کی پمفلٹ پاکٹ میرے پاس نہیں پہنچا۔ آخر دو پمفلٹ پاکٹ دو مثنویوں کا وہ تھا کہ جس میں ایک مثنوی بلند شہر کے واقعہ کی تھی کہ ایک لڑکا مر گیا۔ اُس کی ارتھی بھٹکتی رہی اُس کا عاشق ساتھ کھڑا جلتا رہا۔ سو ان دونوں مثنویوں کو میں نے اصلاح دیکر تمہارے پاس بھیجدیا ہے۔ بلکہ یوں یاد پڑتا ہے۔ کہ تم نے اس کی رسید بھی لکھ بھیجی ہے۔ لیکن مجھ کو گمان یہ ہے۔ کہ یہ امر ۲۰ ر جون سے آگے کا ہے۔ بہر تقدیر بعد اس پارسل کے کوئی اور پارسل میرے پاس نہیں آیا۔ اصلاحی کاغذ ہر طرف کے عموماً اور تمہارے خصوصاً دو دن سے زیادہ میں نہیں رکھتا۔ جو کاغذ مجھ تک نہ پہنچے میں ناچار ہوں۔ بلکہ خود میرے ایک خط کا جواب تم پر فرض ہے۔ یا تو وہ نہ پہنچا۔ یا تم نے اس کا جواب لکھنا ضرور نہ جانا۔ وہ خط جس میں میر بادشاہ کا دلی آنا۔ اور اُن کا مجھ سے ملنا۔ اور تمہارا ذکر مجھ میں اُن میں ہونا۔ معہذا راجہ امید سنگھ کا دلی میں آنا اور بےخبر میرے گھر آ جانا اور تمہارا اُن سے ذکر ہونا اور اُن کا یہ کہنا کہ اُن کا کل ایک خط میرے پاس آیا تھا۔ سو میں نے اس کا جواب لکھ بھیجا تھا۔ اب میں کیا جانوں کہ تم کو یہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا تمہارا وہ پارسل جس کو تم اب مانگتے ہو۔ میرے پاس ہرگز نہیں آیا۔ غالب چہارشنبہ ۲۹ ر جون ۱۸۵۹ء وقت نیمروز

ایضاً۔ اچھا میرا بھائی نہیب والے دو ورقے چار سو ہوں۔ سب بدلوا ڈالنا۔ کاغذ کا جو نقصان ہو وہ مجھ سے منگوا لینا۔ اس لفظ کے رہجانے میں ساری کتاب نکمی ہو جائیگی۔ اور میرے کمال کو دھبہ لگ جائیگا۔ یہ لفظ عربی ہے ہر چند مسودہ میں بنا دیا تھا۔ لیکن کاتب کی نظر سے رہ گیا لکھتے ہو۔ کہ مرزا صاحب دو جلدیں درست کریں گے یہ تو صورت اور ہے۔ یعنی میں نے چھ جلدیں بارہ روپیہ کی لاگت میں

بکار سازی و ہنر پروانی برخوردار منشی عبداللطیف چاہیں تھیں منتظر تھا۔ کہ اب ان کا قبول کرنا مجھ کو لکھو گے اور روپیہ مجھ سے منگواؤ گے۔ ظاہرا عبداللطیف نے پہلو تہی کی۔ مرزا صاحب اگر کفیل ہوئے تھے۔ تو چھ جلدیں بنواتے نہ کہ دو۔ البتہ اس احتمال کی گنجائش ہے کہ وہ بہت پُر تکلف اور چار یہ نسبت اُس کے کچھ کم اگر یوں ہے۔ تو یہ مدعائے دلی میرا ہے مگر اطلاع ضرور ہے۔ رائے امید سنگھ کے نام کا خط باحتیاط رہنے دو۔ جب وہ آئیں ان کو دیدو۔ جو تم لکھتے ہو۔ کہ تہیب کا لفظ لکھ دیا گیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھاپا شروع ہو کر دور تک پہنچ گیا کیا عجب ہے کہ کتابیں جلد منطبع ہو جائیں ہمارے منشی شیونارائن صاحب اپنے مطبع کے اخبار میں اس کتاب کے چھاپے کا اشتہار کیوں نہیں چھاپتے تاکہ درخواستیں خریداروں کی فراہم ہو جائیں۔ میرزا تفتہ ستوان دنوں میں میرے محسن حکیم احسن اللہ خاں آفتاب عالمتاب کے خریدار ہوئے۔ اور میں نے بموجب اُن کے کہنے کے برادر دینی مولانا مہر کو لکھا ہے۔ حضرت نے کا و تم جواب میں نہیں لکھا تم ان سے کہو کہ وہ ستمبر ۵۹ء سے خریدار ہیں۔ آج ۱۶ ستمبر کی ہے دو نمبر اخبار کے حکیم صاحب کے نام کا سرنامہ خان چند کے کوچہ کا پتہ لکھ کر روانہ کریں۔ آئندہ ہفتہ بہ ہفتہ بھیجے جائیں۔ اور حکیم احسن اللہ خان کا نام خریداروں میں لکھ لیں۔ دوسرے اخبار مذکور میں ایک صفحہ ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دہلی کے اخبار کا ہوتا ہے جس دن سے کہ وہ اخبار شروع ہوا ہے۔ اُس دن سے صرف اخبار شاہی کا صفحہ نقل کر کے ارسال کریں کاتب کی اُجرت اور کاغذ کی قیمت یہاں سے بھیجدی جائیگی۔ بھائی تم مرزا صاحب سے اس کو کہہ کر جواب لو۔ اور مجھ کو اطلاع دو۔ تہیب کے تہیب سے مرا جاتا ہوں۔ اسکی درستی کی خبر بھیجو۔ باقی جو چھاپے کے حالات ہوں۔ اُسکی آگہی ضرور ہے غالب پنجشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً میری جان آخر لڑکے ہو بات کو نہ سمجھیں اور تفتہ کا اپنے پاس ہونا غنیمت نہ جانوں میں نے یہ لکھا تھا۔ کہ بشرط اقامت بلاؤنگا۔ اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھیری تو بے تمہارے نہ رہونگا۔ نہ رہونگا نہ رہونگا۔ منشی بالمکند بے صبر کا خط بلند شہر سے دلی اور دلی سے رامپور پہنچا۔ ملتفت نہیں ہوا اگر میں یہاں رہ گیا۔ تو یہاں سے اگر دلی چلا گیا۔ تو وہاں سے اصلاح دیکر اُن کے اشعار بھیجدونگا۔ بے صبر کو ایکی یار تھیلتہ پھر صبر چاہئے۔ وہ لفافہ بدستور رکھا ہوا ہے۔ ازبسکہ یہاں کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں۔ اور ہر وقت آتے ہیں۔ فرصت مشاہدہ اوراق نہیں ملی تھ اُسی رقعہ کو اُن کے پاس بھیجدینا۔ غالب سہ شنبہ ۱۴ - فروری ۱۸۶۰ء

ایضاً کیوں صاحب مجھ سے کیوں خفا ہو آج مہینہ بھر ہو گیا ہوگا۔ یا بعد دو چار دن کے ہو جائے گا۔ کہ

آپکا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو۔ کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا۔ کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاروں میں ایک شیو جی رام برہمن اور بالمکند اس کا بیٹا یہ دو شخص ہیں کہ گاہ گاہ آتے ہیں۔ اس سے گزر کر لکھنؤ اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوط آتے رہتے تھے۔ ان دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔ وہ آمد خطوط کی موقوف صرف تم تین صاحبوں کے آنے کی توقع اس میں وہ دونوں صاحب گاہ گاہ۔ ہاں ایک تم ہو کہ ہر مہینے میں ایک دو بار مہربانی کرتے ہو۔ سنو صاحب اپنے پر لازم کر لو۔ ہر مہینے میں ایک خط مجھ کو لکھنا اگر کچھ کام آ پڑا دو خط تین خط ورنہ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایک بار بھیج دی بھائی صاحب کا بھی خط دس بارہ[12] دن ہوئے کہ آیا تھا اس کا جواب بھیج دیا گیا۔ مولوی قمر الدین خان یقین ہے۔ کہ الہ آباد گئے ہوں کسواسطے کہ مجھ کو چٹھی میں لکھا تھا۔ کہ اوائل جون میں جاؤں گا۔ بہر حال اگر آپ آزردہ نہیں تو جس دن میرا خط پہنچے اُس کے دوسرے دن اس کا جواب لکھئے اپنی خیر و عافیت منشی صاحب کی خیر و عافیت مولوی صاحب کا احوال اس سے سوا گوالیار کے فتنہ و فساد کا ماجرا جو معلوم ہوا ہو وہ الفاظ مناسب وقت میں ضرور لکھنا۔ راجہ جو وہاں آیا ہوا ہے۔ اس کی حقیقت دھولپور کا رنگ صاحبان عالیشان کا ارادہ وہاں کے بند و بست کا کس طرح پر ہے۔ آگرہ کا حال کیا ہے۔ وہاں کے رہنے والے کچھ خائف ہیں یا نہیں۔ غالب نگاشتہ شنبہ ۱۹ جون ۱۸۵۸ء

ایضاً بخوردار میرزا تفتہ دوسرا مسودہ بھی کل پہنچا۔ تم اچھے اور میں معذور۔ اب میری کہانی سنو۔ آخر جون میں صدر پنجاب سے حکم آگیا کہ پنشن داران ماہ بماہ نہ پائیں۔ سال میں دو بارہ بطریق ششماہہ فصل بہ فصل پایا کریں۔ ناچار ساہوکار سے سود کاٹ کر روپیہ لیا گیا تا رامپور کی آمد میں مل کر صرف ہو یہ سود ۶ مہینے تک اسی طرح کٹوا دینا پڑیگا۔ ایک معقول رقم گھاٹے میں جائیگی ؎

رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک — خلق ہے اُسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

دس گیارہ برس سے اُس تنگنا میں رہتا تھا سات برس تک ماہ بماہ چار روپیہ دیا گیا اب تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپیہ یکمشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا جس نے لیا ہے۔ اُس نے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا کہ مکان خالی کر دو۔ مکان کہیں ملے تو میں اٹھوں۔ بیدرد نے مجھ کو عاجز کیا اور مدد لگا دی وہ صحن بالا خانے کا جسکا دو گز کا عرض اور دس گز کا طول اس میں پاڑ بندھ گئی رات کو وہیں سویا گرمی کی شدت پاڑ کا قرب۔ گمان یہ گزرتا تھا۔ کہ کٹگرا ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملیگی تین راتیں اسی طرح گذریں دو شنبہ ۹ جولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آگیا وہاں جا رہا جان بچ گئی یہ مکان بہ نسبت اُس

مکان کے بہشت ہے اور یہ خوبی کہ محلہ وہی بلّی ماروں گا۔ اگرچہ سبب یوں کہ میں اگر اور محلّہ میں جا رہتا تو قاصد ان ڈاک میں پہنچتے یعنی اب اکثر خطوط لال کنوئیں کے پتے سے آتے ہیں۔ اور بے تکلف یہاں پہنچے ہیں۔ بہرحال تم وہی دلّی بلّی ماروں کا محلّہ لکھ کر خط بھیجا کرو۔ دو مسودے تمہارے اور ایک مسودہ بے صبر کا یہ تین کاغذ درپیش ہیں۔ دو ایک دن میں بعد اصلاح ارسال کئے جائیں گے۔ خاطر عاطر جمع رہے۔ صبح جمعہ ۲۰ جولائی ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ کاشانۂ دل کے ماہ دو ہفتہ منشی ہرگوپال تفتہ تحریریں کیا کیا سحر طرازیاں کرتے ہیں اب ضرور آپڑا ہے۔ کہ ہم بھی جواب اسی انداز سے لکھیں۔ سنو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خان مرحوم میرا فرزند تھا۔ اور اب اس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں۔ میرے پاس آرہے ہیں۔ اور دمبدم مجھ کو ستاتے ہیں اور میں تحمل کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پس تمہارے نتایج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے۔ جب ان عالم کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے مجھ کو دوپہر کو سونے نہیں دیتے ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں۔ کہیں پانی لڑھاتے ہیں کہیں خاک اُڑاتے ہیں۔ میں نہیں تنگ آتا تو ان معنوی پوتوں سے کہ اُن میں یہ باتیں نہیں ہیں کیوں گھبراؤنگا۔ آپکو جلد میرے پاس بیبل ڈاک بھیجد یجئے۔ کہ میں ان کو دیکھوں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ پھر جلد اُس کو تمہارے پاس بیبل ڈاک بھیجدونگا۔ حق تعالےٰ تمہارے عالم صورت کے بچوں کو جیتا رکھے۔ اور اُن کو دولت اقبال دے اور تم کو اُن کے سر پر سلامت رکھے۔ اور تمہارے معنوی بچوں یعنی نتایج طبع کو شہرت فروغ شہرت اور حسن قبول عطا فرمائے بابو صاحب کے نام کا خط ان کے خط کے جواب میں پہنچتا ہے۔ اُن کو دیدیجئے گا اور ہاں صاحب بابو صاحب اور تم آبو کو جانے لگو تو مجھ کو اطلاع کرنا۔ اور تاریخ روانگی لکھ بھیجنا۔ تاکہ میں بیخبر نہ رہوں۔ والدعا۔ اسد اللہ نگاشتہ جمعہ ۱۸ جون سنہ ۱۸۵۲ء

ایضاً۔ شفیق بالتحقیق منشی ہرگوپال تفتہ ہمیشہ سلامت رہیں۔ آپ کا وہ خط جو آپ نے کانپور سے بھیجا تھا۔ پہنچا بابو صاحب کے سیر و سفر کا حال اور آپ کا لکھنؤ جانا اور وہاں کے شعراسے ملنا سب معلوم ہوا اشعار جناب رند کے پہنچنے کے ایک ہفتہ کے بعد درست ہوگئے۔ اور اصلاح اور اشارے اور فوائد جا لیا کہ میرا شیوہ ہے عمل میں آیا۔ جب تک کہ ان کا یا تمہارا خط نہ آوے۔ اور اقامت گاہ معلوم نہ ہو میں وہ کاغذ ضروری کہاں بھیجوں اور کیونکر بھیجوں اور کیوں بھیجوں۔ اب تمہارے لکھنے سے جانا کہ ۱۹ فروری تک اکبرآباد آؤگے۔ تو میں نے یہ خط تمہارے نام لکھ کر لفافہ کر رکھا ہے۔ آج انیسویں ہے پرسوں اکیسویں کو لفافہ آگرہ کو روانہ ہوگا۔ بابو صاحب کو میں نے خط اس واسطے نہیں لکھا کہ جو کچھ لکھنا چاہیے تھا۔ وہ خاتمہ اوراق اشعار پر لکھ دیا ہے۔ تم کو چاہیئے۔ کہ ان کی خدمت میں میرا سلام پہنچاؤ اور سفر کے انجام اور حصول مرام کی

مبارکباد دو اوراق اشعار گذرانو اور یہ عرض کرو۔ کہ جو عبارت خاتمہ پر مرقوم ہے اسکو غور سے پڑھیئے اور اپنا دستور العمل گردانئے نہ کہ یہ سرسری دیکھئے۔ اور بھول جائیے بس تمام ہوا۔ وہ پیام کہ جو بابو صاحب کے تتمہ میں تھا۔ اب پھر تم سے کہتا ہوں۔ کہ وہ جو تم نے اُس شخص کولی کا حال لکھا تھا۔ معلوم ہوا ہر چند اعتراض اُن کا لغو اور پرسش اُنکی بیمزہ ہو۔ مگر ہمارا یہ منصب نہیں۔ کہ معترض کو جواب نہ دیں۔ یا سائل سے بات نہ کریں۔ تمہارے شعر پر اعتراض اس راہ سے کہ وہ ہمارا دیکھا ہوا ہے گویا ہم پر ہے۔ اس سے ہمیں کام نہیں کہ وہ مانیں یا نہ مانیں کلام ہمارا اپنے نفس میں معقول و استوار ہے۔ جو زبان دان ہوگا۔ وہ سمجھ لیگا۔ غلط فہم و کج اندیش لوگ نہ سمجھیں نہ سمجھیں ہم کو تمام خلق کی تہذیب و تلقین سے کیا علاقہ تعلیم و تلقین واسطے دوستوں کے اور یاروں کے ہے نہ واسطے اغیار کے۔ تمہیں یاد ہوگا۔ کہ میں نے تمہیں بارہا سمجھایا ہے۔ کہ خود غلطی پر نہ رہو اور غیر کی غلطی سے کام نہ رکھو۔ آج تمہارا کلام وہ نہیں کہ کوئی اس پر گرفت کر سکے۔ مگر ہاں ع حسود را چہ کنم کو ز خود برنج در است۔ السلام والاکرام۔ اسد اللہ رقم زدہ ۱۹ ر فروری و مرسلہ بست و یکم فروری ۱۸۵۲ء۔

ایضاً۔ منشی صاحب تمہارا خط اس دن یعنی کل بدھ کے دن پہنچا کہ میں چار دن سے لرزے میں مبتلا ہوں۔ اور مزہ یہ ہے۔ کہ جس دن سے لرزہ چڑھا ہے۔ کھانا مطلق میں نے نہیں کھایا۔ آج پنجشنبہ پانچواں دن ہے۔ کہ نہ کھانا دن کو میسر ہے۔ اور نہ رات کو شراب۔ حرارت مزاج میں بہت ہے ناچار احتراز کرتا ہوں۔ بھائی اس لطف کو دیکھو کہ پانچواں دن ہے کھانا کھائے ہرگز بھوک نہیں لگی۔ اور طبیعت غذا کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ بابو صاحب والا مناقب کا خط تمہارے نام کا دیکھا اب اس ارسال میں وہ آسانی نہ رہی اور زیادہ دشواری سے بھاگتا ہے کیوں تکلیف کریں اوراگر بہر حال ان کی مرضی ہے۔ تو خیر میں فرمان پذیر ہوں۔ اشعار سابق و حال میرے پاس امانت ہیں۔ بعد اچھے ہونے کے ان کو دیکھوں گا۔ اور تم کو بھیج دونگا۔ اتنی سطریں مجھ سے بہزار جر ثقیل لکھی گئی ہیں۔ اسد اللہ رقم زدہ پنجشنبہ ۲ ر مارچ ۱۸۵۴ء

ایضاً۔ صاحب تم جانتے ہو۔ کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اور کیا واقع ہوا۔ وہ ایک جنم تھا۔ کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے۔ اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت درپیش آئے۔ شعر کہے دیوان جمع کئے۔ اُسی زمانہ میں ایک بزرگ تھے۔ کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے۔ اور منشی نبی بخش ان کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط نہ وہ انبساط بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا۔ اس کا جواب مجھ کو آیا۔ اور ایک خط تمہارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہرگوپال و متخلص بہ تفتہ ہو۔ آج

آیا۔ اور میں جس شہر میں ہوں۔ اس کا نام بھی دلّی اور اس محلہ کا نام بلی ماروں کا محلہ ہے لیکن ایک دوست اُس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ واللہ ڈھونڈنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر کیا غریب کیا اہلِ حرفہ اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔ اب پوچھو تو کیونکر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا۔ صاحب بندہ میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں۔ اور یہاں قریب کیا۔ بلکہ دیوار بدیوار ہیں۔ گھر حکیموں کے اور وہ نوکر ہیں۔ راجہ نریندر سنگھ بہادر والئ پٹیالہ کے۔ راجہ صاحب نے صاحبانِ عالی شان سے عہد لیا تھا۔ کہ بروقت غارت دہلی یہ لوگ بچ رہیں۔ چنانچہ بعد فتح راجہ کے سپاہی یہاں آبیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں مبالغہ نہ جاننا۔ امیر غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے وہ نکالے گئے۔ جاگیردار پنشن دار۔ دولتمند اہلِ حرفہ کوئی بھی نہیں ہے مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمانِ قلعہ پر شدت ہے۔ اور باز پرس اور دار و گیر میں مبتلا ہیں۔ مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں نوکر ہوئے ہیں۔ اور ہنگامے میں شریک رہے ہیں میں غریب شاعر دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی اصلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں۔ خواہی اسکو نوکری سمجھو خواہی مزدوری جانو۔ اس فتنہ و آشوب میں کسی مصلحت میں میں نے دخل نہیں دیا۔ صرف اشعار کی خدمت بجا لاتا رہا اور نظر اپنی بے گناہی پر شہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات نہیں پائی گئی۔ لہٰذا طلبی نہیں ہوئی۔ ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیردار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آئے ہیں۔ میری کیا حقیقت تھی۔ غرضیکہ اپنے مکان میں بیٹھا ہوں دروازہ سے باہر نہیں نکل سکتا سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا یہ کہ کوئی میرے پاس آوے۔ شہر میں ہے کون جو آوے۔ گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں جرنیلی بندوبست یازدہم مئی سے آجتک یعنی شنبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال مجھ کو نہیں معلوم۔ بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجہ بھی نہیں دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے یہاں باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا ابھی دیکھا چاہیئے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں بہر حال منشی صاحب کو میرا سلام کہنا اور یہ خط دکھا دینا اس وقت تمہارا خط پہنچا اور اسی وقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کے ہرکارہ کو دیا۔

ایضاً۔ آج سنیچر دیاں کو دوپہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور تمہارا خط لایا۔ میں نے پڑھا۔ اور جواب لکھا۔ اور کلیان کو دیا۔ وہ ڈاک کو لیگیا خدا چاہے تو کل پہنچ جائے۔ میں تم کو لکھ چکا ہوں کہ دلی کا قصد کیوں کرو۔ اور یہاں آکر کیا کرو گے۔ بنک گھر میں سے خدا کرے تمہارا روپیہ ملجائے بھائی میرا

حال یہ ہے کہ دفتر شاہی میں میرا نام مندرج نہیں نکلا۔ کسی مخبر نے بہ نسبت میرے کوئی خبر بدخواہی کی نہیں دی حکامِ وقت میرا ہونا شہر میں جانتے ہیں۔ فراری نہیں ہوں۔ رُوپوش نہیں ہوں۔ بلایا نہیں گیا۔ دار و گیر سے محفوظ ہوں کسی طرح کی باز پُرس ہو تو بلایا جاؤں۔ مگر ہاں جیسا کہ بلایا نہیں گیا خود بھی برائے کار نہیں آیا کسی حاکم سے نہیں ملا خط کسی کو نہیں لکھا۔ کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی مئی سے پنشن نہیں پایا کہو یہ دس مہینے کیونکر گذرے ہونگے۔ انجام کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ زندہ ہوں۔ مگر زندگی وبال ہے۔۔۔ ہرگوبند سنگھ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک بار میرے پاس بھی آئے تھے۔ والدعا۔

غالبؔ روز شنبہ۔ سیوم جنوری ۱۸۵۸ء۔ وقت نیمروز۔

ایضاً۔ کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے۔ یا کبھی منو گے بھی اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں۔ یعنی جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا خدا کا احسان ہے۔ کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا۔ جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آرہتے ہوں۔ بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے۔ کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے۔ ایک دو صبح کو ایک دو شام کو میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دن اُن کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گذر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ یعنی تم نہیں آئے۔ خط لکھو۔ صاحب نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھ آنے میں بخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے۔ تو بیرنگ بھیجو۔ غالبؔ سوموار ۲۷ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ جناب آج آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ دل میرا اگرچہ خوش نہ ہوا۔ لیکن ناخوش بھی نہ رہا۔ بہرحال مجھ کو کہ نالائق و ذلیل تمیں خلائق ہوں۔ اپنا دعاگو سمجھتے رہو۔ کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کریں۔ میرے قصیدے دیکھو۔ تشبیب کے شعر بہت پاؤگے۔ اور مدح کے شعر کمتر نثر میں بھی یہی حال ہے نواب مصطفےٰ خان کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو۔ کہ اُن کی مدح کتنی ہے۔ میرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص کے دیوان کے دیباچہ کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ دیوان حافظ کی بموجب فرمائش جان جاکوب بہادر کے لکھی ہے۔ اسکو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں ان کا نام اور اُن کی مدح آئی ہے اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ہی اور مطالب ہیں۔ واللہ باللہ۔ اگر کسی شہزادے یا امیرزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا۔ تو اس کی مدح نہ کرتا کہ جتنی تمہاری مدح کی ہے۔ ہم کو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے۔ قصہ مختصر تمہاری خاطر کی، اور ایک فقرہ تمہارے نام کا بدل کر اس کی عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ بیٹی میری روش نہیں۔ ظاہراً تم خود فکر نہیں کرتے اور حضرات کے بہکانے میں آجاتے ہو۔ وہ صاحب تو بیشتر اس نظم و نثر کو مہمل کہیں گے

کس واسطے کہ اُن کے کان اس آواز سے آشنا نہیں۔ جو لوگ کہ قتیل کو اچھے لکھنے والوں میں جانیں گے وہ نظم و نثر کی خوبی کو پہنچا نہینگے۔ ہمارے شفیق منشی نبی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو۔ ماء الجبن سے بھی نہ گیا۔ ایک نسخہ طب محمد حسین قانی میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور سودمند ہے۔ مگر اثر اس کا دیر میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ نسخہ یہ ہے۔ کہ پانچ سات سیر پانی لیویں۔ اور اس میں سیر پیچھے تولہ بھر چوب چینی کوٹ کر ملادیں اور اس کو جوش کریں۔ اور اسقدر کہ چہارم پانی جل جاوے پھر اُس باقی پانی کو چھان کر کوری ٹھلیا میں بھر رکھیں۔ اور جب باسی ہوجاوے۔ اسکو پئیں جو غذا کھایا کرتے ہیں کھایا کریں۔ پانی دن رات جب پیاس لگے یہی پیئیں۔ تبرید کی حاجت پڑے اسی پانی میں پیئیں روز جوش کرواکر چھنواکر رکھ چھوڑیں بیس دن میں اس کا فائدہ معلوم ہوگا میرا سلام کہیو کہ یہ نسخہ عرض کردینا۔ آگے اُن کو اختیار ہے ؎

ایضاً۔ تمہارا خط پہنچا مجھ کو بہت رنج ہوا۔ واقعی اُن چھوٹے لڑکوں کا پالنا بہت دشوار ہوگا۔ دیکھو میں بھی تو اسی آفت میں گرفتار ہوں۔ صبر کرو۔ اور صبر نہ کروگے۔ تو کیا کروگے۔ کچھ بن نہیں آتی میں مسہل میں ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ بیمار ہوں۔ حفظ صحت کے واسطے مسہل لیا ہے تمہارے اشعار غور سے دیکھ کر بھائی نبی بخش صاحب کے پاس لفافہ تمہارے نام کا بھیج دیا ہے۔ جب تم آوگے تب وہ تم کو دیں گے جہاں جہاں تردد و تامل کی جگہ تھی۔ وہ ظاہر کردی ہے۔ اور باقی سب اشعار بدستور رہنے دئے ہیں۔ اب تم کو یہ چاہئے۔ کہ کول پہنچکر مجھ کو خط لکھو اس لفافہ کی رسید اور اپنا سارا حال مفصل لکھو۔ اس میں تساہل نہ کرو۔ بابو صاحب کے خط کا جواب اجمیر کو روانہ کردیا جائیگا آپ کی خاطر جمع رہے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ صاحب تم نے لکھا تھا۔ کہ میں جلد آگرہ جاؤنگا۔ تمہارے اس خط کا جواب لکھ سکا جو ابھی لکھ سکتا تھا۔ مگر کلیان کا پاؤں سوجھ گیا تھا۔ وہ چل نہیں سکتا تھا مسلمان آدمی شہر میں سڑک پر بے ٹکٹ پھر نہیں سکتا۔ ناچار تم کو خط نہ بھیج سکا۔ بعد چند روز کے جو کہار اچھا ہوا تو میں تم کو آگرہ میں سمجھ کر سکندر آباد خط نہ بھیج سکا۔ مولوی قمر الدین خاں کے خط میں تم کو سلام لکھا۔ کل ان کا خط آیا وہ لکھتے ہیں۔ کہ میرزا تفتہ ابھی یہاں نہیں آئے۔ اسواسطے آج یہ رقعہ تم کو بھیجتا ہوں۔ میرا حال بدستور ہے۔ دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے۔ حاکم اکبر نے آکر کوئی نیا بندوبست جاری نہیں کیا۔ یہ صاحب میرے آشنائے قدیم ہیں۔ مگر میں مل نہیں سکتا خط بھیجدیا ہے۔ ہنوز کچھ جواب نہیں آیا۔ تم لکھو کہ اکبرآباد کب جاؤگے۔ والدعا۔ غالب جمعہ ۵ مارچ ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ صاحب میرٹھ سے اگر تم کو خط لکھ چکا ہوں شاید نہ پہنچا ہو۔ اس واسطے از روئے احتیاط لکھتا ہوں۔ کہ نواب مصطفٰے خاں کے ملنے کو بسبیل ڈاک میرٹھ گیا۔ اور سہ شنبہ کے دن دلی آگیا۔ اور چہار شنبہ کے دن تم کو خط بھیجا۔ کل آخر روز راجہ امید سنگھ بہادر میرے گھر آئے تھے۔ تمہارا خط ان کے دکھانے کو رکھ چھوڑا تھا۔ وہ ان کو دکھایا۔ پڑھ کر یہ فرمایا کہ کبھی اور مندر میں قصد اقامت نہیں ہے۔ نیا ایک تکیہ بنایا چاہتا ہوں۔ آدمی بندرابن گئے ہیں۔ کوئی مکان مول لیں گے۔ وہاں اپنی وضع پر رہونگا۔ میرا سلام لکھنا اور یہ پیام لکھنا کہ آپکا کلام بمبئی تک پہنچ گیا۔ اب طہران کو بھی روانہ ہو جائیگا سہ

سواد ہند گرفتی بہ نظم خود تفتہ ‌ ‌ بیا کہ نوبت شیراز و وقت تبریز است

صبح یکشنبہ۔ سیوم جنوری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ از عمر و دولت برخوردار باشند۔ بدھ کا دن تیسری تاریخ فروری کی ڈیڑھ پہر دن باقی رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور خط مع رجسٹری لایا۔ خط کھولا۔ سو روپیہ کی ہنڈوی پائی جو کچھ کہئے وہ ملا۔ ایک آدمی رسید مہری لیکر بنئے کے گیا۔ سو روپے چہرہ شاہی لے آیا۔ آنے جانے کی دیر ہوئی۔ اور بس چوبیس روپے داروغہ کی معرفت اٹھے تھے وہ دئے گئے پچاس روپیہ محل میں بھیجدئیے چھبیس روپیہ باقی رہے۔ وہ بکس میں رکھ لئے روپیہ کے رکھنے کیلئے بکس کھولا تھا سو یہ رقعہ بھی لکھ لیا۔ کلیان سودا لینے بازار گیا ہوا ہے۔ اگر جلد آگیا۔ تو آج ورنہ کل یہ خط ڈاک میں بھیجدونگا خدا تم کو جیتا رکھے اور اجر دے۔ بھائی بری آبنی ہے۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا قصہ مختصر یہ کہ قصہ تمام ہوا۔

غالب چار شنبہ ۳ فروری ۱۸۵۸ء وقت دوپہر

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط میرٹھ سے آیا۔ مرآۃ الصفا کا تماشا دیکھا سنبلستان کا چھاپا۔ خدا تم کو مبارک کرے۔ اور خدا ہی تمہاری آبرو کا نگہبان ہے۔ بہت گذر گئی ہے تھوڑی رہی ہے اچھی گذری اچھی گذر جائیگی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عرفی کے قصائد کی شہرت سے عرفی کے کیا ہاتھ آیا جو میرے قصائد کے اشتہار سے مجھ کو نفع ہوگا۔ سعدی نے بوستان سے کیا پھل پایا۔ جو تم سنبلستان سے پاؤگے اللہ کے سوا جو کچھ ہے۔ موہوم۔ معدوم ہے نہ سخن ہے نہ سخنور ہے۔ نہ قصیدہ ہے نہ قصہ ہے لاموجود الا اللہ۔ جناب بھائی صاحب یعنی نواب مصطفٰے خان بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا۔ ہمشیرہ کی پنشن کا جاری ہو جانا بہت خوشی کی بات ہے مگر خوشی سے تعجب زیادہ ہے کیا عجیب ہے۔ کہ اس سے بھی زیادہ خوشی اور زیادہ تعجب کی بات بروئے کار آئے۔ یعنی آپ کا پنشن بھی واگذاشت ہو جائے۔ انشاء اللہ صبح یکشنبہ۔ ۲ جنوری

ایضاً۔ بھائی میں نے دلّی کو چھوڑا اور رامپور کو چلا۔ پنجشنبہ ۱۹؍ کو مرادنگر اور جمعہ ۲۰؍ کو میرٹھ پہنچا آج شنبہ ۲۱؍ کو بھائی مصطفےٰ خان کے کہنے سے مقام کیا۔ یہاں سے یہ خط تم کو لکھ بھیجا کل شاہجہان پور پرسوں گڈھ مکتیسر رہونگا۔ پھر مرادآباد ہوتا ہُوا رام پور جاؤنگا۔ اب جو مجھ کو خط بھیجو رام پور بھیجنا سرنامہ پہ رام پور کا نام اور میرا نام کافی ہے۔ اب اسی قدر لکھنا کافی تھا۔ باقی جو کچھ لکھنا ہے۔ وہ رام پور سے لکھوں گا۔ راقم غالب۔ مرقومہ چاشتگاہ شنبہ ۲۱؍ جنوری سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ برخوردار سعادت آثار منشی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس سے آگے تم کو حالات مجمل لکھ چکا ہوں۔ ہنوز کوئی رنگ قرار نہیں پایا۔ بالفعل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مرادآباد اور وہاں سے رامپور آئیں گے۔ بعد اُن کے جانے کے کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھیریگا۔ منظور مجھ کو یہ ہے کہ اگر یہاں رہنا ہُوا تو فوراً تم بلاؤنگا۔ وہ دن جو زندگی کے باقی ہیں۔ وہ باہم بسر ہو جائیں۔

راقم غالب یکم مارچ سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ بہت دن سے خط کیوں نہیں لکھا۔ آگرہ میں ہو یا نہیں میرزا حاتم علی صاحب کا شفقت نامہ آیا۔ یہاں سے اس کا جواب بھیجا گیا۔ وہاں سے اس کا جواب آگیا۔ میر اکرم حسین صاحب کا خط پرسوں آیا۔ دو چار دن میں اس کا جواب لکھونگا۔ میرا حال بدستور ہے۔ ع نہ نوید کامیابی نہ نہیب ناامیدی۔ بھائی صاحب کا خط کئی دن ہوئے کہ آیا ہے۔ اور وہ میرے خط کے جواب میں ہے دو ایک دن کے بعد جب جی باتیں کرنے کو چاہیگا۔ تب اُن کو خط لکھونگا۔ تم اگر ملو تو اُن سے کہہ دینا کہ بھائی قاسم علی خان کے شعر نے مجھ کو بڑا مزہ دیا۔ حسن اتفاق یہ کہ کئی دن ہوئے تھے۔ جو میں نے ایک لاٹین چغہ اور ایک شالی رومال ڈھائی گز اوّل کو دیا تھا۔ اور وہ اُس وقت روپیہ لیکر آیا تھا میں روپیہ لیکر اور خط پڑھ کر خوب ہنسا کہ خط اچھے وقت آیا۔ غالب ۱۸؍ جولائی سنہ ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب تم تو اچھے خاصے عارف اور تمہارا کشف سچا ہے۔ میں راہ دیکھ رہا تھا۔ کہ تمہارا خط آئے تو جواب لکھوں۔ کل تمہارا خط شام کو آیا۔ آج صبح کو جواب لکھا گیا بات یہ ہے کہ نامور آدمی کے واسطے محلّہ کا پتہ ضرور نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ مگر فارسی انگریزی جو خط میرے نام کے آتے ہیں تلف نہیں ہوتے بعض فارسی خط پر پتہ محلّہ کا نہیں ہوتا۔ اور انگریزی خط پر تو مطلق پتہ ہوتا ہی نہیں شہر کا نام ہوتا ہے۔ تین چار خط انگریزی ولایت سے مجھ کو آئے۔ جانے اُنکی بلا کہ بلی مارو کا محلّہ کیا چیز ہے۔ وہ تو بہ نسبت میرے بہت بڑے آدمی ہیں۔ سینکڑوں خط انگریزی ہر روز ان کو آتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ میں نے پھر اُن کے پاس آدمی بھیجا اور آپکا خط اپنے نام کا بھیجدیا۔ اُنھوں نے میرے آدمی سے کہا کہ نواب صاحب کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں

اس کا جواب کیا لکھوں۔ محلّے کا پتہ آپ ہی لکھ بھیجئے سو میں پہلے امر واقعی تم کو لکھ کر تمہاری خواہش کے موافق لکھتا ہوں۔ ان کے مکان کا پتہ بلّیماروں کا محلّہ دسون کا کوچہ۔ دستنبو کا حال یہ ہے کہ میں نے ایک بار سات روپیہ کی ہنڈوی بھیجکر بارہ جلدیں اور ایک جُزی اُن سے منگوائی پھر ان کو ۸/۱ کے ٹکٹ بھیجوا کر دو جلدیں ہیں سے سردھنے کو بھجوائیں۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ میں بعد اس بچاس جلد کے سولہ جلدیں اور اُن سے لے چکا ہوں۔ مگر نقد ہرگز قرض میں نے نہیں منگائے ہیں ایک بار ہنڈوی اور دو بار ٹکٹ بھیج چکا ہوں۔ تم کو میری جان کی قسم سہل طور پر اُن کو لکھ بھیجو کہ غالب نے کتنی کتابیں منگوائی ہیں اور نقد منگوائی ہیں یا قرض اور جو وہ لکھیں مجھکو

ایضاً۔ صاحب ہم تمہارے اخبار نویس ہیں۔ اور تم کو خبر دیتے ہیں۔ کہ برخوردار میر بادشاہ آئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر خوش ہُوا وہ اپنے بھائیوں سے ملکر شاد ہوئے۔ تمہارا حال سنکر مجھ کو رنج ہُوا کیا کروں۔ نہ اپنے رنج کا چارہ کر سکتا ہوں نہ اپنے عزیزوں کی خبر لے سکتا ہوں ع ہر آنچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است۔ آج چوتھا دن ہے۔ یعنی منگل کے دن کوئی پہر دن چڑھا ہوگا۔ کہ راجہ امید سنگھ بہادر ناگاہ میرے گھر تشریف لائے۔ پوچھا گیا کہ کہاں سے آئے ہو۔ فرمایا کہ آگرہ سے آتا ہوں بیساکھ کی گلی میں جو حکیموں کی گلی کے قریب ہے۔ جورس صاحب کی کوٹھی انہوں نے مول لی ہے اور اس کے قریب زمین افتادہ بھی خرید لی ہے۔ اور اس کو بنوا رہے ہیں۔ تمہارا میں نے ذکر کیا کہ ہر خط میں تم کو پوچھتے ہیں کہ میں نے کئی خط بھیجے جواب نہیں آیا۔ بولے کہ ایک خط ان کا آیا تھا۔ اس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ پھر اُن کا کوئی خط نہیں آیا۔ بہرحال میرے پھوڑے نکل رہے ہیں۔ میں بادیدِ کو نہیں گیا۔ شاید وہ آج گئے ہوں۔ یا جا دیں۔ پھر اکبرآباد کو جائیں گے میں آج آدمی اُن کے پاس بھیجونگا۔ کل مرزا حاتم علی مہر کا خط آیا تھا تم کو بہت پوچھتے تھے۔ کہ آیا میرزا تفتہ کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں۔ بھائی اُن کو خط لکھ بھیجو۔ محررہ ۱۰/۱۷ جون ۱۸۵۹ء۔

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا دل خوش ہُوا تمہاری تحریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ تم کو آگرہ سے کتابوں کا منگوانا بلا ارسال قیمت منظور ہے چنانچہ حق تصنیف تم نے لکھا ہے بھائی کیا میں تم کو جھوٹ لکھونگا۔ اور شیونرائن نے اگر ذکر ارسال قیمت کا نہیں لکھا کہ بے ارسال قیمت منگوائی ہیں۔ تم کو میرے سر کی قسم اور میری جان کی قسم شیونرائن سے اتنا پوچھو۔ کہ اُس بچاس جلد کے بعد کی جلدیں غالب نے اور منگوائیں اور قیمت بھیجکر منگوائیں یا قیمت اُس سے لینی ہے دیکھو میں نے قسم لکھی ہے۔ یوں ہی عمل میں لانا راجہ امید سنگھ صاحب یہیں ہیں۔ مجھ سے ان دنوں میں ملاقات نہیں ہوئی۔ جو تمہارے خط کا ذکر کیا یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا اور یہ جو تم نے مجھ کو لکھا تھا۔ اگر دسون کا کوچہ نہ ملیگا۔ تو وہ خط میرے پاس آویگا۔ سو وہ میرے پاس نہیں آیا۔ صاحب تم کو وہم کیوں ہے ایک امیر نامور آدمی ہے اس کے

تمام خط کیوں نہ پہنچے گا۔

ایضاً۔ اجی میرزا تفتہ۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کو تمہارے حال کی بڑی پرسش ہے تم نے ان کو خط لکھنا کیوں موقوف کیا ہے۔ وہ مجھ کو لکھتے تھے۔ کہ اگر آپ کو میرزا تفتہ کا حال معلوم ہو تو مجھ کو ضرور لکھیئے گا۔ غالب یکشنبہ ۲۰ر فروری ۱۸۵۹ء۔

ایضاً۔ کیوں میرزا تفتہ تم بے وفا یا میں گنہگار یہ بھی تو مجھ کو معلوم نہیں۔ کہ تم کہاں ہو ابھی ایک صاحب میری ملاقات کو آئے تھے۔ تقریباً تمہارا ذکر درمیان آیا وہ کہنے لگے۔ کہ وہ کول میں ہیں۔ اب میں حیران ہوں۔ کہ خط کول بھیجوں یا سکندر آباد۔ اگر کول بھیجوں تو مسکن کا کیا لکھوں بہرحال سکندر آباد بھیجتا ہوں۔ خدا کرے پہنچ جائے۔ تمہارا دیوان بطریق پارسل میرے پاس آیا۔ میں نے ہرکارے کو راجہ امید سنگھ بہادر کے گھر کا پتہ بتا کر وہاں بھجوا دیا یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ پانچ چار دن سے سنتا ہوں۔ کہ وہ متھرا اور اکبر آباد کی طرف گئے ہیں۔ مجھ سے مل کر نہیں گئے۔ بہرحال اس خط کا جواب جلد لکھو اور ضرور لکھو۔ بھائی تم سیاح آدمی ہو۔ جہاں جایا کرو۔ مجھ کو لکھ بھیجا کرو۔ کہ میں وہاں جاتا ہوں۔ یا جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھو۔ تمہارے خط کے نہ آنے سے مجھے تشویش رہتی ہے میری تشویش تم کو کیوں پسند ہے۔ محررہ یکشنبہ ۲۷ر مارچ ۱۸۵۹ء۔ غالب

ایضاً۔ شنبہ ششم مئی ۱۸۶۰ء ہنگام نیمروز۔ بھائی آج اس وقت تمہارا خط پہنچا۔ پڑھتے ہی جواب لکھتا ہوں۔ زر سہ سالہ مجتمعہ ہزاروں کہاں سے ہوئے سات سو پچاس روپے سال پاتا ہوں۔ تین برس کے دو ہزار دو سو پچاس ہوئے سو روپے مجھے مدد خرچ ملے تھے وہ کٹ گئے ڈیڑھ سو متفرقات میں گئے رہے دو ہزار روپے میر مختار کا ایک بیٹا ہے اور میں اس کا قرضدار قدیم ہوں آپ جا کر وہ دو ہزار لایا۔ اس نے اپنے پاس رکھ لئے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجئے۔ سات کم پندرہ سو اس کے سود مول کے ہوئے۔ قرض متفرق کا اسی سے حساب کروایا۔ گیارہ سو کئی روپے وہ نکلے۔ پندرہ اور گیارہ ۲۶ سو ہوئے۔ اصل میں یعنی دو ہزار میں چھ سو کا گھاٹا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ پندرہ سو میں سے یہ دو پانسو سات روپے باقی ہے کہ تم لے لو۔ میں کہتا ہوں متفرقات گیارہ سو چکا دے نو سو باقی رہے آدھے تو لے۔ آدھے مجھ کو دے۔ پرسوں چوتھی کو وہ روپے لایا ہے۔ کل تک قصہ نہیں چکا میں غلطی نہیں کرتا۔ دو ایک مہاجن بیچ میں ہیں۔ ہفتہ بھر میں جھگڑا فیصل ہو جائے گا خدا کرے۔ یہ خط تم کو پہنچ جائے۔ جس دن برات سے پھر کر آؤ۔ وہ اسی دن مجھ کو اپنے ورود مسعود کی خبر دینا۔

والدعا۔ غالب

ایضاً۔ نور نظر و لخت جگر میرزا تفتہ تم کو معلوم ہے۔ کہ لالے صاحب مکرم و معظم راے امید سنگھ بہادر

یہ رقعہ تم کو بھیجینگے تم اس رقعہ کو دیکھتے ہی اُن کے پاس حاضر ہونا۔ اور جبتک وہاں ہیں تب تک حاضر ہوا کرنا۔ اور دستنبو کے باب میں جو اُن کا حکم ہو بجا لانا اُن کو پڑھا بھی دینا اور فی جلد کا حساب سمجھا دینا۔ پچاس جلد کی قیمت عنایت کریں گے وہ لے لینا۔ جب کتاب چھپ چکے دس جلدیں رائے صاحب کے پاس اندر بھیجدینا۔ اور چالیس جلدیں بموجب اُن کے حکم کے میرے پاس ارسال کرنا اور وہ جو میں نے پانچ جلد کی آرائش کے باب میں تم کو لکھا ہے اس کا حال مجھ کو ضرور لکھنا۔ ہاں صاحب ایک رباعی بغیر سہو سے رہ گئی ہے۔ اُس رباعی کو چھاپہ ہونے سے پہلے حاشیہ پر لکھ دینا۔ جہاں یہ فقرہ ہے نے اختر بخت خسرو در بلندی بجائے رسید کہ رخ از خاکیان نہفت ۔ ع

جائے کہ ستارہ شوخ چشمی ورزد — افسر فسارد گرزن او زن ارزد

خورشید ز اندیشۂ چادر گردش — بر چرخ نہ بینی کہ چساں مے لرزد

چونکہ حاشیہ معنی لغات سے بھرا ہوا ہے تو تم اس فقرے کے آگے نشان بنا کر اوپر کے حاشیہ پر رباعی لکھ دینا۔ اور حاشیہ یمین پر جہاں اور معنے لکھے ہوئے ہیں وہاں رباعی کے لغات کے معنے خفی قلم سے لکھ دینا افسر۔ افسا۔ گرزن۔ بر بر دو فتحہ چادر گردش۔

غالب نگاشتہ ۲۲۔ اگست سنہ ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ تمہارا خط آیا فقیر کنخہ کا حال معلوم ہوا۔ خدا فضل کرے اگر تم اس لڑکے کے اظہار کو منع نہ کرتے تو بھی میرا شیوہ ایسا لغو نہیں ہے ۔ کہ میں اُن کو لکھتا لکھتے ہو۔ کہ مرزا مہر کے دو چار روپے زائد صرف ہو گئے۔ تو گیا اندیشہ ہے حال یہ ہے کہ میں نے اُن سے استفسار کیا تھا۔ انہوں نے مجھ کو لکھا کہ کتاب کی درستی میں بارہ روپے صرف ہوئے ہیں۔ محصول کی ایک قسم خفیف اگر میں نے اپنے پاس سے دی تو اس کا کیا مضائقہ مجھ کو تمہارا قول مطابق واقع نظر آتا ہے البتہ اُن کے دو تین روپے اٹھ گئے ہونگے لالہ گنگا پرشاد شاد تخلص اپنے کو تمہارا شاگرد بتلاتے ہیں۔ مگر ریختہ کہتے ہیں۔ کئی دن ہوئے۔ کہ یہاں آئے اور بالمکند بے صبر کی غزلیں اصلاح کو لائے۔ وہ دیکھ کر اُن کے حوالے کردیں۔ ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی کے مدرسوں کے ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے صاحب ہیں امن کے دنوں میں ایک ملاقات میری اُن کی ہوئی تھی۔ میں نے اب ایک سادہ بے جلد اُن کو بھیجی تھی کل اُن کا خط مجھ کو اس کتاب کی رسید میں آیا۔ بہت تعریف لکھتے تھے۔ اور وہاں بھی ایک تماشا اور ہے وہ مجھ کو لکھتے تھے۔ کہ یہ دستنبو پہلے اس سے کہ تم بھیجو مطبع مفید خلائق نے ہمارے پاس بھیجی ہے۔ اور ہم اس کو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہنچا۔ اُن کے اس لکھنے سے یہ معلوم ہوا۔ کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گئی ہوگی کیا اچھی بات ہے۔ کہ وہاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہنچ جائے گا۔ میں چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں۔ اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر اور دیگر زرّیں

کی نذر یہ پارسل انشاء اللہ تعالیٰ آج روانہ ہو جائیں گے۔ دیکھو چیف کمشنر کیا لکھتے ہیں۔ اور گورنر کیا فرماتے ہیں۔؎

تا نہال دوستی کے بر دہد — حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

شنبہ ۲۷، نومبر ۱۸۵۸ء غالب۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ صاحب پرسوں تمہارا دوسرا خط پہنچا تم نے پردہ کیا ہے ایک فتوح کا منتظر ہوں اُس میں میں نے اپنے ضمیر میں تم کو شریک کر رکھا ہے زمانہ فتوح کے آنے کا قریب آگیا ہے۔ انشاء اللہ خط میرا مع حصہ فتوح جلد پہنچیگا۔ پنڈت بدری داس ڈاک منشی کرنال با آنکہ مجھ سے اُس سے ملاقات ظاہری نہیں ہے مگر میں جب جیتا تھا۔ تو وہ اپنا کلام میرے پاس اصلاح کے واسطے بھیجتا تھا۔ بعد اپنے مرنے کے میں نے اس کو لکھ بھیجا کہ اب تم اپنا کلام منشی ہرگوپال تفتہ کے پاس بھیجا کرو اب تم کو بھی لکھتا ہوں۔ کہ تم میرے اس لکھنے کی ان کو اطلاع لکھو میں زندہ ہوں۔ اوپر کی سطر میں جو اپنے کو مردہ لکھا ہے۔ وہ باعتبار ترک اصلاح نظم لکھا ہے ورنہ زندہ ہوں۔ مُردہ نہیں بیمار بھی نہیں بوڑھا ناتوان مفلس قرضدار کانوں کا بہرہ قسمت کا بے بہرہ زیست سے بیزار مرگ کا امیدوار غالب۔

ایضاً۔ بھائی تم سچ کہتے ہو۔ کہ بہت مسودے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ہی قصائد پڑے ہیں۔ نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمہیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو۔ کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے۔ کرایہ کی حویلی میں رہتا ہوں۔ جولائی سے مینہ شروع ہوا شہر میں سینکڑوں مکان گرے اور مینہ کی نئی صورت دن رات میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہ نکلیں بالا خانہ کا جو دالان میرے بیٹھنے اُٹھنے سونے جاگنے جینے مرنے کا محل اگرچہ گرا نہیں لیکن چھت چھلنی ہو گئی کہیں لگن کہیں چلمچی کہیں اُگالدان رکھدیا۔ قلمدان کتابیں اُٹھا کر توشہ خانہ کی کوٹھری میں رکھدیئے مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں کشتی نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا اب نجات ہوئی ہے۔ نواب صاحب کی غزلیں اور تمہارے قصائد دیکھے جائینگے میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمہاری خیر و عافیت اُن سے معلوم ہوئی تھی۔ میر قاسم علی صاحب مجھ سے نہیں ملے پرسوں سے نواب مصطفیٰ خان صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات اُن سے ہوتی ہے۔ ابھی یہیں رہیں گے بیمار ہیں احسن اللہ خان معالج ہیں فصد ہو چکی ہے جونکیں لگ چکی ہیں۔ اب مسہل کی فکر ہے سوا اس کے سب طرح خیر و عافیت ہے۔ میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا آجائے۔ تو اُٹھ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹے لیٹے خط لکھتا

ہوں کیونکہ اپنے مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ۔ اللہ۔ صبح جمعہ ۱۴ ماہ اکتوبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ آگ پرسوں تمہارا خط آیا۔ حال جو معلوم تھا۔ وہ پھر معلوم ہوا۔ غزلیں دیکھ رہا تھا آج شام کو دیکھنا تمام ہوا تھا۔ غزلوں کو رکھ دیا چاہتا تھا کہ ان کو بند کرکے بھیج دوں۔ کل نو بجے دس بجے ڈاک میں بھیج دوں خط کچھ ضرور نہیں ہیں۔ اسی خیال میں تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ آیا جانی جی کا خط لایا۔ اُسکو پڑھا۔ اب مجھ کو ضرور ہوا کہ خلاصہ اُس کا تمام لکھوں یہ تو لکھا تھا خلاصہ بطریق ایجاز یہ ہے کہ عرضی گذری دیوان گذرا راول جی کے نام کا خط گذرا راجہ صاحب دیوان کے دیکھنے سے خوش ہوئے جانی جی نے جو ایک معتمد اپنا سعداللہ خان وکیل کے ساتھ کر دیا ہے وہ منتظر جواب کا ہے۔ راول جی نئے ایجنٹ کے استقبال کو گئے ہیں۔ اور اب ایجنٹ علاقہ جے پور کی راہ سے نہیں آتا۔ آگرہ اور گوالیار کرول ہوتا ہوا اجمیر آئیگا اور اس راہ میں جے پور کا عمل نہیں۔ بس چاہیئے۔ کہ راول جی اُلٹے پھر آویں اُن کے آئے پر عرضی کا جواب ملیگا۔ اور اس میں دیوان کی رسید بھی ہوگی۔ بھائی جانی جی تم کو بہت ڈھونڈتے اور تمہارے بغیر بہت بے چین ہیں میں نہ تم کو کچھ کہہ سکتا ہوں نہ اُنکو سمجھا سکتا ہوں۔ تم وہ کرو۔ کہ جس میں سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے ہاں۔ یہ بھی جانی جی نے لکھا تھا۔ کہ بہت دن کے بعد منشی جی کا خط آیا ہے اسداللہ۔

ایضاً۔ بھائی پرسوں شام ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور ایک خط تمہارا —————— اور ایک خط جانی جی کا لایا تمہارے خط میں اوراق اشعار اور بابو صاحب کے خط میں جے پور کے اخبار تھے۔ دو دن سے مجھ کو وجع المفاصل ہے۔ اور میں بہت بیچین ہوں۔ ابھی اشعار کو دیکھ نہیں سکتا۔ بابو صاحب کے بھیجے ہوئے کو اخبار تم کو بھیجتا ہوں۔ اشعار بعد دو چار روز کے بھیجے جاویں گے۔ اسداللہ مرسلہ جمعہ ۱۵ فروری ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا حال معلوم ہوا اسے

جہانیاں نہ تو برگشتہ اند گر غالب ترا چہ باک خدائے کہ داشتی داری

خدا کے واسطے میرے باب میں لوگوں نے کیا خبر مشہور کی ہے یہ نسبت حکیم احسن اللہ خان کے جو مشہور ہے۔ وہ محض غلط ہاں مرزا الٰہی بخش جو شہزادوں میں ہیں۔ اُن کو حکم کرانکی نیدر جانے کا ہے اور وہ انکار کر رہے ہیں۔ دیکھئے کیا ہو۔ حکیم جی کو اُن کی حویلیاں مل گئی ہیں۔ اب وہ مع قبائل ان مکانوں میں جا رہے ہیں۔ اتنا حکم انکو ہے۔ کہ شہر سے باہر نہ جائیں رہا میں ع تو بیکسی و غریبی زراکہ می پرسد نہ جزا نہ سزا نہ نفریں نہ آفریں نہ عدل نہ ظلم نہ لطف نہ قہر دارد پہلے تک جو روٹی رات کو شراب ملتی تھی اب صرف روٹی سے جاتی ہے۔ شراب نہیں کیونکہ ایام تنعم کا بنا ہوا ابھی ہے اس کی کچھ فکر نہیں ہے مگر تم کو میرے سر کی قسم یہ لکھ بھیجو کہ میری خبر تم نے کیا سنی مجھے اس کے معلوم ہونے سے فرا ملیگا۔

غالبؔ ۔ شنبہ ۵ نومبر ۱۸۵۹ء

ایضاً ۔ صاحب عجیب اتفاق ہے۔ آج صبح کو ایک خط تم کو اور ایک خط جاگیرے گانو کی تہنیت میں اپنے شفیق کو ڈاک میں بھیج چکا تھا۔ کہ دوپہر کو رضی الدین نیشاپوری کا کلام ایک شخص بیچتا ہوا لایا میں تو کتاب کو دیکھ لیتا ہوں مول نہیں لیتا۔ قضارا جب میں نے اسکو کھولا اُسی ورق میں یہ مطلع نکلا ؎

اگر بہ گنج گہر میسلم اوفتاد چہ باک   کف جواد ترا از برائے آن دادم

چاہتا تھا۔ کہ تم کو لکھوں کہ ناگاہ تمہارا خط آیا مجھ کو لکھنا ضرور ہوا آج تمہیں دو خط بھیجے ہیں ایک تو صبح کو پوسٹ پیڈ اور ایک اب بارہ پر تین بجے بیرنگ اس شعر کو اب چاہو رہنے دو۔ ہائے ہائے تم بھائی سے ملے غیاث اللغات کھلوائی جواد کا لغت دیکھا۔ مگر میرا ذکر نہ کیا۔ کہ وہ تمہارا جویائے حال ہے۔ دستنبو اور اُس کے چھاپے کا ذکر نہ کیا البتہ تم ذکر کرتے تو وہ دونوں کے باب میں کچھ فرماتے اور مجھ کو دعا سلام کہہ دیتے چونکہ تم نے اپنے خط میں کچھ نہیں لکھا اس سے معلوم ہوا کہ بھائی نے کچھ نہیں کہا۔ اگر اُنھوں نے کچھ نہیں کہا تو اُن کا ستم اور اُن کا کہا ہوا تم نے نہیں لکھا تو تمہارا کرم بہرحال خوب مصرعہ حافظ کا تم نے مجھ کو یاد دلایا ہے ع۔ یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت۔ خواہی تم خواہی منشی نبی بخش سلمہ اللہ تعالیٰ یہ یاد ہے۔ یہ مصرعہ اگر مجھ پنڈ بجرے سے باندھوگے تو بھی نہیں بندھے گا۔ اگر دستنبو کو سراسر غور سے دیکھو گے۔ تو اپنا نام پاؤ گے۔ اور یہ بھی جانو گے۔ کہ وہ تمہاری اس تحریر سے سو برس پہلے کی ہے۔

آخر روز دوشنبہ ۲۳۔ اگست۔

ایضاً گ جان من و جانان من کل میں نے تم کو سکندرآباد میں سمجھ کر خط بھیجا۔ شام کو تمہارا خط آیا معلوم ہوا کہ تم اکبرآباد پہنچے۔ خیر وہ خط پوسٹ پیڈ ہو گیا ہے شاید اُس نامہ پھرے اگر پھر آئیگا تو خیر آج یہ خط تم کو اکبرآباد بھیجتا ہوں پہنچے پر جواب لکھنا۔ تقطیع رباعی کی بہت خوب اگر خیر ہر ایک بات کا وقت ہے۔ ہم کو ہر طرح لطف صحبت اور لطف شعر اُٹھا لینا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کے نام کا خط پڑھ کر اُن کو دے دینا اور اس کا مضمون معلوم کر لینا جس حاکم کو میں نے خط اور رقعہ بھیجا ہے۔ اس کے سررشتہ دار کوئی صاحب ہیں من پھول اُن کا نام ہے مجھ سے ناآشنائے محض ہیں۔ اگر تعارف ہوتا تو استدعا کرتا کہ اس تحریر کو پیش کیجئے۔ کاش تم سے آشنائی ہوتی تو تمہیں اوپر اوپر ایک خط لکھ کر اُن کو بھیج دیتے کہ غالب ایک فقیر گوشہ نشین اور بے گناہ محض اور واجب الرحم ہے۔ اس کے حصول مطالب میں سعی سے دریغ نہ کرنا ؎

نے توان آورد استغنا سفارش نامۂ   پرسش کے رو داد گر دانیم کز یاران کیست

باقی جو حال ہے وہ بھائی کے نام کے ورق میں لکھ چکا ہوں۔ تم پڑھو گے دوبارہ لکھنا کیا ضرور

شنبہ ۶ مارچ ۱۸۵۸ء جواب طلب۔

ایضاً۔ میرے مہربان میری جان میرزا تفتہ سخندان تمہارا سکندر آباد اور میرے خط کا تمہارے پاس پہنچنا تمہاری تحریر سے معلوم ہوا زندہ رہو اور خوش رہو۔ میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگنے نہیں آیا۔ بھیک مانگنے آیا ہوں روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھاتا سرکار سے ملتی ہے وقت رخصت میری قسمت اور شعر کی ہمت نواب صاحب اندروئے صورت روح مجسم اور باعتبار اخلاق آیت رحمت ہیں خزانہ فیض کے تحویلدار ہیں جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہے اس کے ملنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف کر دیا۔ ایک اہلکار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا۔ اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا۔ منشی نولکشور صاحب کی عرضی پیش ہوئی خلاصہ عرضی کا سُن لیا۔ واسطے منشی صاحب کے کچھ عطیہ بتقریب شادی بھیجیہ تجویز ہو رہا ہے مقدار مجھ پر نہیں کھلی۔ مصطفےٰ خاں صاحب بتقریب تہنیت مسند نشینی و شمول جشن آنیوالے ہیں۔ اسوقت تک نہیں آئے۔ جشن یکم دسمبر سے شروع ۵ دسمبر کو خلعت کا مسموع۔ نجات کا طالب غالبؔ

دو شنبہ ۲۸ نومبر ۱۸۶۵ء وقت چاشت۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ جو کچھ تم نے لکھا یہ بیدردی ہے اور بدگمانی۔ معاذ اللہ تم سے اور آزردگی مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں جس کا ہرگوپال نام اور تفتہ تخلص ہے تم ایسی کونسی بات لکھو گے۔ کہ موجب ملال ہو رہا غماز کا کہنا اس کا حال یہ ہے۔ کہ میرا حقیقی بھائی کل ایک تھا۔ وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مر گیا۔ مثلاً وہ جیتا ہوتا۔ اور ہوشیار ہوتا اور تمہاری برائی کہتا تو میں اس کو جھڑک دیتا۔ اور اس سے آزردہ ہوتا بھائی مجھ میں کچھ اب باقی نہیں ہے برسات کی مصیبت گذر گئی لیکن بڑھاپے کی شدت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں۔ بیٹھ نہیں سکتا اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں عمدہ یہی ہے کہ اب مشق تمہاری پختہ ہو گئی خاطر میری جمع ہے کہ اصلاح کی حاجت نہ پاؤنگا اس سے بڑھ کر یہ بات کہ قصائد سب عاشقانہ ہیں بکار آمدنی نہیں خیر کبھی دیکھ لونگا جلدی کیا ہے۔ تین بات جمع ہوئیں میری کاہلی تمہارے کلام کا محتاج بہ اصلاح نہ ہونا کسی قصیدہ سے کسی طرح کے نفع کا تصور نہ ہونا نظر بر مراتب پر کاغذ لپٹے ہے لالہ بالمکند بے صبر کا ایک پارسل آیا ہے کہ جس کو بہت دن ہوئے آجتک سر نامہ بھی نہیں کھولا نواب صاحب کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں ؎

ضعف نے غالبؔ نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ قصیدہ تمہارا کل آیا آج اسوقت کہ سورج بلند نہیں ہوا۔ اس کو دیکھ اصلاح کیا آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھجوایا۔ غالبؔ ۲۷ نومبر ۱۸۶۲ء۔

ایضاً۔ منشی صاحب میں سال گذشتہ بیمار تھا بیماری میں خدمت احباب سے مقصر نہیں رہا اب مردہ ہوں مردہ کچھ کام نہیں کر سکتا کمشنر و ڈپٹی کمشنر وغیرہ حکام شہر سے ترک ملاقات ہے مگر ڈپٹی کلکٹر شہر سے کہ وہ مہتمم خزانہ ہے ہر مہینے میں ایک بار ملنا ضرور ہے اگر نہ ملوں تو مختار کار کو تنخواہ نہ ملے۔ ڈکرود صاحب ڈپٹی کلکٹر چھ مہینے کی رخصت لیکر پہاڑ پر گئے اُن کی جگہ رینگین صاحب مقرر ہوئے۔ ان سے ناچار ملنا پڑا۔ وہ تذکرہ شعراء ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں۔ مجھ سے بھی اُنہوں نے مدد چاہی میں نے سات کتابیں بھائی ضیاء الدین خان صاحب سے مستعار لیکر ان کے پاس بھیج دیں پھر اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ جن شعراء کو تو اچھی طرح جانتا ہے ان کا حال لکھ بھیج میں نے ۱۶ آدمی لکھ بھیجے بقید اس کے کہ اب زندہ موجود ہیں۔ اور اس سوار کی صورت یہ ہے نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں فارسی میں نیر اور اُردو میں رخشاں تخلص کرتے ہیں اسد اللہ خان غالب کے شاگرد نواب مصطفےٰ خان بہادر علاقہ دار جہانگیر آباد اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے ہیں۔ اُردو میں مومن خان کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ منشی ہرگوپال معزز قانون گو سکندر آباد کے فارسی شعر کہتے ہیں۔ تفتہ تخلص کرتے ہیں۔ اسد اللہ خان غالب کے شاگرد ظاہر بعد اس فہرست کے بھیجنے کے اُنہوں نے کچھ اپنے منشی سے تم کو لکھوایا ہوگا۔ پھر کچھ آپ لکھا ہوگا۔ مجھ کو اس حال سے کچھ اطلاع نہیں تمہارے خط کی رو سے میں نے اطلاع پائی اب میں مولوی مظہر الحق کے منشی کو بلواؤں گا۔ اور سب حال معلوم کرونگا۔ اصل یہ ہے کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل نہ کیا جائیگا صرف شاعر کا اور اس کے استاد کا نام اور شاعر کے مسکن و وطن کا نام مع تخلص صحیح ہوگا خدا کرے کچھ تم کو فائدہ ہو جاوے۔ ورنہ بظاہر سوائے درج ہونے نام کے اور کسی بات کا احتمال نہیں ہے۔ رینگن صاحب اب عدالت خفیفہ کے جج ہو گئے ڈکرود صاحب بہادر پہاڑ سے آ گئے اپنا کام کرنے لگے۔ رینگن صاحب مطب شہر سے باہر دو کوس کے فاصلے پر جا ٹھہرا ہے جاڑے کا موسم بڑھاپے کا عالم وہاں تک جانا دشوار اور پھر کوئی نکلتا ہوا نظر میں نہیں آتا بہرحال مولوی مظہر الحق پرسوں یکشنبہ کے دن میرے پاس آئیں گے۔ حال معلوم کر کے اگر میرا جانا یا لکھنا تمہاری فلاح کا موجب ہوگا۔ تو ضرور جاؤنگا۔

غالب روز جمعہ ۹۔ دسمبر ۱۸۶۴ء۔

ایضاً۔ بھائی آج صبح کو بسبب حکیم صاحب کے تقاضا کے شکوہ آمیز خط جناب مرزا صاحب کی خدمت میں لکھ کر بھیجا ہے۔ کلیان خط ڈاک میں ڈال کر آیا ہی تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ ایک خط تمہارا اور ایک خط مرزا صاحب کا لایا۔ اب کیا کروں خیر چپ ہو رہا شکوہ محبت بڑھائیگا۔ مرزا صاحب کی عنایت کا شکر بجا لاتا ہوں۔ یقین ہے کہ جلدیں میری خاطر بن جائینگی کس واسطے کہ جو آج خط میں اُنہوں نے لکھے

لکھا ہے۔ وہ بعینہ میرا مکنون ضمیر ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ میرا سلام کہہ دینا ان کے خط کا جواب کل پرسوں بھیجونگا
رائے امید سنگھ بہادر خوبان روزگار میں سے ہیں۔ فقیر کا سلام نیاز ان کو کہہ دینا خدا کرے۔ اُن کے سامنے
کتابیں چھپ چکیں بارے جب وہ گوالیار کو تشریف لیجائیں۔ تو مجھ کو اطلاع لکھنا۔ ہیب کی جگہ نوٹ بن جانے
سے خاطر جمع ہوگئی۔ بھائی میں فارسی کا محقق ہوں۔ کاتب اُن اجزا کا جن کی رُو سے کاپی لکھی جاتی ہے فارسی
کا عالم ہے اس کا غیاث الدین رام پوری اور حکیم محمد حسین دکنی سے زیادہ ہے تصحیح سے غرض یہ ہے۔ کہ کاپی سراسر
موافق ان اوراق کے ہو نہ یہ کہ فرہنگوں میں دیکھا جائے آگے اس قسم کو اولا لکھ چکا ہوں۔ اب صرف اس تحریر
کا اشارہ لکھنا منظور تھا۔ آج جس طرح مجھ کو تمہارا اور مرزا صاحب کا خط پہنچا۔ لازم تھا۔ کہ حکیم صاحب کو بھی
لفافہ اخبار پہنچ جاتا مگر اسوقت تک نہیں پہنچا۔ اور یہ دوپہر کا وقت ہے۔ خیر پہنچ جائیگا میں نے تمہارا خط
اُن کے پاس بھیجدیا تھا۔ انہوں نے تمہاری رائے منظور کی اب تم وہ اخبار جس طرح کہ تم نے لکھا ہے
اُن کے پاس بھیجدو اور صاحب مطبع قیمت اخبار اور اُجرت کاتب اُن کو لکھ بھیجے اپنے نام اور مسکن سے ان کو
اطلاع دے پس اسکو اپنے طور پر روپیہ بھیجدینگے ہم تم واسطہ شناسائی ہم دگر ہوگئے ہاں اگر احیاناً روپیہ کے
بھیجنے میں دیر ہوگی تو میں کہہ کر بھجوا دوں گا۔ یہ البتہ میرا ذمہ ہے۔

ایضاً شفیق میرے کرمفرما میرے تمہارا خط اور تین دو ورقہ چھاپے کے پہنچے۔ شاید میرے دکھانے کیواسطے
بھیجے گئے ہیں ورنہ رسم تو یوں ہے کہ پہلے صفحہ پر کتاب کا نام اور مصنف کا نام اور مطبع کا نام چھاپتے ہیں۔
اور دوسرے صفحہ پر لوحِ سیاہ قلم سے بنتی ہے اور کتاب لکھی جاتی ہے۔ اس کا بھی چھاپا اسی طرح ہوگا۔
غرضیکہ تقطیع اور شمار سطور اور کاپی کا حُسن خط اور الفاظ کی صحت سب میرے پسند صحت الفاظ کا کیا
کہنا۔ واللہ بے مبالغہ کہتا ہوں۔ اگر بھائی منشی نبی بخش صاحب بدل متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ
میں سہو کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اس کو بھی صحیح کردینگے۔ تم میری طرف سے اسکو سلام کہنا بلکہ یہ خط
دکھا دینا خدا کرے انجام تک یہی قلم اور یہی خط اور یہی طرز تصحیح چلی جائے۔ جدول بھی مطبوع ہے پہلے
صفحہ کی صورت اور دوسرے صفحہ کی لوح بھی خدا چاہے تو دلپسند اور نظر فریب ہوگی۔ کاغذ کے باب
میں یہ عرض ہے کہ فرخ کاغذ اچھا ہے۔ چھ جلدیں جو نذر کا ہیں۔ وہ اس کاغذ پر ہوں۔ اور باقی چاہو
شیو رامپوری پر اور چاہو نیلے کاغذ پر چھاپو۔ اور یہ بات کہ دو جلدیں جو ولایت جانے والی وہ اس کاغذ
پر چھاپی جائیں اور باقی شیو رامپوری ہوں۔ باقی جلدوں میں تمہیں اختیار ہے ہاں صاحب اگر
ہوسکے تو کاپی کی سیاہی ذرا اور سیاہ اور درخشندہ ہو۔ اور آخر تک رنگ نہ بدلے آگے اس
سے میں نے برخوردار منشی عبد اللطیف کو لکھا تھا۔ کہ ان چھپے کتابوں کی کچھ تزئین اور آرائش کی نہ

کریں معلوم نہیں تم نے وہ پیغام انکو پہنچایا یا نہیں آپ اور منشی عبداللطیف اور میرزا حاتم علی صاحب مہر باہم صلاح کریں اور کوئی بات خیال میں آوے تو بہتر ورنہ ان چھ نسخوں کی جلدیں انگریزی ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو روپے کی لاگت بنوا دینا اور اس کا روپیہ تیاری سے پہلے مجھ سے منگوا لینا۔ آنکہ ہمہ را در یک دم بہ نوید یتو پدید آورد اگر در چشم دیگر بہ نہیب معاش بہم ترند الخ۔ ہمیں نہیب کا لفظ کچھ میری سہل انگاری سے اور کچھ سہو کاتب سے رہ گیا ہے اسکو تیز چاقو سے چھیل کر بہ نوائے لکھ دینا۔ یعنی بہ نوائے معاش بہم ترند۔ ضرور ضرور اور اس کا انتظار نہ کیجو کہ جب یہاں چھاپا آئیگا تو بنا دیں گے نہ اصل کتاب میں غلط ہے نہ چھاپنے میں غلط ہو۔ اگر اجزائے اصل میر امیر علی صاحب کاپی نویس کے پاس ہوں تو ان کو یا بھائی منشی نبی بخش صاحب کو یہ رقعہ دکھا کر سمجھا دینا اور بنوا دینا۔ از غالب روز شنبہ ہفتم ستمبر ۱۸۵۷ء

ایضاً۔ چلتے رہو اور خوش رہو۔ ع اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔ نہ یادہ خوشی کا سبب یہ کہ تم نے تحریر کو تقریر کا پروانہ دیدیا تھا۔ گرمی ہنگامۂ انطباع دیوان وغیرہ میں پہلے سے جانتا ہوں۔ بنک گھر کا روپیہ مصرف کاغذ و کاپی ہے خدا انکو سلامت رکھے مغتنمات سے ہو رجب علی بیگ سرور نے جو افسانہ عجائب لکھا ہے۔ آغاز داستان کا شعر مجھ کو بہت مزا دیتا ہے ؎

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ — یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

مصرعۂ ثانی کتنا گرم ہے اور یاد رکھنا فسانہ کے واسطے کتنا مناسب۔ منشی عبداللطیف کے گھر میں لڑکے کے پیدا ہونیکی خبر مجھ کو ہو چکی ہے اور تہنیت میں بھائی کو خط لکھ چکا ہوں۔ اب جو ان سے ملو۔ تو میرا سلام کہہ کر اس خط کے پہنچنے کی اطلاع لے لینا۔ مولوی معنوی حبیب کانپور سے معاودت فرمادیں مجھ کو اطلاع دینا میرا حال بدستور ع ہماں پہلو ہماں بستر و ہماں حال شنبہ ۲۶۔ جون۔ روزنامہ و روزنامہ غالب

ایضاً۔ برخوردار۔ تمہارا خط پہنچا اصلاحی غزلوں کی رسید معلوم ہوئی۔ مقطع اب اچھا ہو گیا ہے۔ ہندو کل جمعہ کے دن ۱۹۔ نومبر کو سات کتابوں کا پارسل بھیجا ہوا مولانا مہر کا پہنچا۔ زبان نہیں جو تعریف کروں شاہانہ آرائش ہے آفتاب کی سی نمائش ہے مجھے یہ فکر کہ کہیں ان کا روپیہ تیاری میں صرف نہ ہوا ہو۔ اچھا میرے بھائی اس کا حال جو تم کو معلوم ہو مجھ کو لکھ بھیجو۔ رقعات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے۔ لڑکوں کی سی ضد نہ کرو۔ اور اگر تمہاری اسی میں خوشی ہے تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو تم کو اختیار ہے۔ یا امر میرے خلاف رائے ہے میر بادشاہ کی اور اپنی ناشناسائی آگے تم کو لکھ چکا ہوں اب تمہارے اس خط سے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے اور امراؤ سنگھ کے آشنا ہیں۔ کچھ ان کے خاندان کا نام و نشان دریافت ہو تو مجھ کو بھی لکھ بھیجنا کہ میں جانوں کہ یہ کس گروہ میں سے ہیں۔ میاں وہ راستہ دروغ

بہ گردنِ راوی نے مجھ کو بہت پریشان کیا ہے واسطے خدا کے جو راوی نے روایت کی ہے وہ مجھ کو ضرور لکھو اور تاج گنج کے رہنے والوں کی ابتری کی حقیقت سے بھی اطلاع دو۔ حکم عفو تقصیر عام ہو گیا ہے لڑنے والے آتے جاتے ہیں اور آلات حرب و پیکار دے کر توقیع آزادی پاتے ہیں یہ دو شخص کیسے مجرم تھے جو مقید ہوئے۔ محررہ صبح شنبہ ۲۰۔ نومبر ۱۸۵۸ء غالبؔ۔

ایضاً۔ بھائی وہ خط پہلا تم کو بھیج چکا تھا۔ کہ بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا توقع زیست کی نہ رہی قولنج اور پھر کیسا شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپا کیا۔ آخر عصارۂ ریوند اور ارنڈی کا تیل پیا اسوقت تو بچ گیا۔ مگر قصہ قطع نہ ہوا۔ مختصر کہتا ہوں۔ میری غذا تم جانتے ہو کہ تندرستی میں کیا ہے دس دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی۔ گلاب اور املی کا پنا اور آلو بخارہ کا افشردہ اس پر مدار رہا کل سے خوف مرگ گیا ہے صورت زیست کی نظر آتی ہے۔ آج صبح کو بعد دو لپیٹ کے تم کو یہ خط لکھا ہے یقین تو ہے۔ کہ آج پیٹ بھر کر روٹی کھا سکوں۔ صاحب وہ جو میں نے ۲۲ شعر مرثیے کے لکھ کر تم کو بھیجے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ تم اپنے اشعار دوسرے ماتم زدہ کو دیدو کس واسطے کہ تمہاری تحریر سے معلوم ہوا تھا۔ کہ اور بھی فلک زدہ ہے۔ اور یہ جو تم لکھتے ہو۔ کہ کچھ اوپر اسی شعر میں سے ایک شعر بھی تو نے نہ لیا اس کا حال یہ ہے کہ وہ شعر سب دست و گریبان تھے ایک کو ایک سے ربط ایک دو شعر اس میں سے کیونکر لئے جاتے اشعار سب میرے پسند بے ستم بے عیب۔ وہ جو تم لکھتے ہو۔ کہ صرف بابو بنج موہن مے زنم اور اس کا دوسرا مصرعہ میں بھول گیا ہوں مر قافیہ میں ہن سے یہ شعر غالب کو برا معلوم ہوا ہوگا۔ واللہ باللہ جب تک کہ تم نے نہیں لکھا۔ میرے خیال میں بھی یہ بات تھی بہر حال بات وہی ہے۔ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ ہائے اب بھی بھائی نبی بخش صاحب اور مولوی قمر الدین خان صاحب روزوں کے متوالے ہوش میں آئے یا نہیں آئے۔ آج دس شوال کی ہے شش عید کا بھی زمانہ گذر گیا۔ خدا کے واسطے ان کی خیر و عافیت لکھو۔ اور یہ عبارت بھائی صاحب کی نظر انور سے گذرا تو شاید وہ مجھ کو خط لکھیں۔ غالبؔ محررہ و مرسلہ دو شنبہ ۱۴ مئی ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ اللہ اللہ ہم تو کول سے تمہارے خط کے آنے کے منتظر تھے۔ ناگاہ کل جو خط آیا۔ معلوم ہوا کہ دو دن کول میں رہ کر سکندر آباد گئے ہو اور وہاں سے تم نے خط لکھا ہے دیکھئے اب یہاں کب تک رہو۔ اور آگرہ کب جاؤ۔ پرسوں برخوردار شیو نرائن کا خط آیا تھا۔ لکھتے تھے۔ کہ کتابوں کی شیرازہ بندی ہو رہی ہے اب قریب ہے۔ کہ بھیجی جائیں۔ مرزا تفتہ بھی ایک ہفتہ بتلاتے ہیں۔ دیکھئے کس دن کتابیں آجائیں۔ خدا کرے سب کام دلخواہ بنا ہو۔ ہاں صاحب منشی بالمکند بے صبر کے ایک خط کا جواب ہم پر فرض ہے۔ میں کیا کروں۔ کہ اس خط میں انہوں نے اپنا سیر و سفر یا

[illegible]

مصروف ہونا لکھا تھا۔ پس میں اُن کے خط کا جواب کہاں بھیجتا۔ اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہہ دینا۔ اور مطبع آگرہ سے کتابوں کا حال تو تم خود دریافت کر ہی لوگے میرے کہنے اور لکھنے کی کیا حاجت۔ چارشنبہ سوم نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ یکشنبہ معلوم ذی القعدہ و پنجم جون سال حال۔ صاحب آج تمہارا خط صبح کو آیا۔ میں دوپہر کو جواب لکھتا ہوں تمہاری ناسازگاری طبیعت سنکر دل کڑھا۔ حق تعالیٰ تم کو زندہ اور تندرست اور خوش رکھے اوراق مثنوی بھیجے ہوئے بہت دن ہوئے جس میں حکایت طالب علم اور ستار کی تھی۔ واقعہ بلند شہر کا اور وہ اوراق میں نے پمفلٹ پاکٹ نہیں بھیجے خط میں لپیٹ کر چونکہ خط ڈبل تھا دو ٹکٹ لگا کر ارسال کئے ہیں رسید ملے تو اُس کو دیکھ کر تاریخ معلوم ہو جائے۔ قیاس سے ایسا جانتا ہوں کہ پانچ سات دن ہوئے ہونگے۔ منشی نبی بخش کا خط بہت دن سے نہیں آیا۔ گھران کا تاج گنج۔ وہ خود مع بعض متعلقین آگرہ ایک بار تاج گنج کے پتہ سے خط ان کو بھیجا تھا۔ جواب نہ آیا۔ اب ناچار برخوردار شونرائن سے اُن کا حال پوچھونگا۔ تم باہمہ کمالات خفقانی بھی ہو۔ رائے امید سنگھ سے خط کی امید کیوں رکھتے ہو۔ جب آگرہ جاؤ گے اور وہ وہاں ہونگے تو ملاقات ہو جائیگی۔ میں خود واقف نہیں کہ وہ کہاں ہیں از روئے قیاس کہہ سکتا ہوں کہ آگرہ یا بندرابن کبھی کہیں سے انکا کوئی خط مجھ کو آیا ہو تو میں گنہگار۔ غالب

ایضاً۔ لو صاحب کھچڑی کھائی دن بہلائے کپڑے پھلنے گھر کو آئے۔ ۸ جنوری ماہ و سال حال دوشنبہ کے دن غضب الٰہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا۔ تمہارا خط مضامین دردناک سے بھرا ہوا رامپور میں میں نے پایا جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ بعد روانگی کے مرادآباد میں پہنچکر بیمار ہو گیا۔ پانچ دن صدر الصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔ اُنہوں نے بیمارداری اور غمخواری بہت کی۔ کیوں ترک لباس کرتے ہو پہننے کو تمہارے پاس ہے۔ کیا جس کو اُتار کر پھینکو گے ترک لباس سے قید ہستی مٹ نہ جائیگی۔ بغیر کھائے پئے گذارہ نہ ہوگا سختی و سستی رنج و آرام کو ہموار کرو جس طرح ہو اسی صورت سے بہر صورت گذرنے دو ؎

تاب لائے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

اس خط کی رسید کا طالب غالب

ایضاً ؎

میرزا تفتہ کہ پیوستہ بدل جا دارد ہر کجا ہست خدایا بسلامت دارش

صاحب کئی بار جی چاہا کہ تم کو خط لکھوں مگر متحیر کہ کہاں بھیجوں۔ اب جو تمہارا خط آیا معلوم ہوا کہ حضرت

ابھی لکھنؤ میں رونق افروز ہیں خط نہ بھیجوں تو گنہگار۔ میں نے یہ عرض کیا ہے۔ کہ مجھ میں اصلاح کی شفقت کی طاقت نہیں علیحدہ تمہارا کلام پختگی کو پہنچ گیا ہے اصلاح طلب نہیں رہا ہے۔ شیر اپنے بچے کو ایک مدت تک آئین شکار سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے یہ میں نے نہیں کہا۔ کہ تم مجھے اپنے کلام کے دیکھنے سے محروم رکھو۔ جو غزل قصیدہ لکھا کرو۔ نہ مسودہ بلکہ ایک نقل اس کی ضرور مجھ کو بھیجا کرو۔

ایضاً سہ شنبہ ۳ ربیع الثانی و ششم ستمبر۔ صاحب کل پارسل اشعار کا ایک آنے کا ٹکٹ لگا کر اور اس پر یہ لکھ کر کہ یہ پارسل ہے خط نہیں ہے ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈال دو۔ خدمتگار ناخواندہ آدمی اس کا حکم بجا لایا۔ اور اس کو خطوں کے صندوق میں ڈال آیا۔ وہ لفظ کہ یہ خط نہیں ہے۔ پارسل ہے دست آویز معقول ہے۔ اگر وہاں کے ڈاکئے تم سے خط کا محصول مانگیں تو تم اس جملہ کے ذریعہ سے گفتگو کر لینا۔ مکان میرے گھر کے قریب حکیم محمود خان کے گھر کے نزدیک عطار بھی پاس بازار بھی قریب ڈھائی روپیہ کرایہ کو موجود مگر مالک مکان سے یہ وعدہ ہے کہ ہفتہ بھر کسی اور کو نہ دونگا۔ بعد ایک ہفتہ کے اگر تمہارا اسا فرنہ آیا۔ تو مجھے اور کرایہ دار کے دینے کا اختیار رہے رامپور کے باب میں مختصر کلام یہ ہے کہ نہ میں والی رامپور کو لکھ سکتا ہوں۔ نہ اس لکھنے کی وجہ تم کو لکھ سکتا ہوں۔ اگر ریل میں بیٹھ کر آ جاؤ گے۔ تو زبانی کہہ دونگا۔ غالب۔

ایضاً منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی ہرگوپال صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ غالب کی دعائے درویشانہ قبول کریں۔ ہم آپ کو سکندر آباد قانونگویوں کے محلے میں سمجھے ہوئے ہیں۔ اور آپ لکھنؤ راجہ جان سنگھ کی حویلی مطبع اودھ اخبار میں بیٹھے ہوئے مدار یہ حقہ لکھنؤ کا پی رہے ہیں۔ اور منشی نولکشور صاحب سے باتیں کر رہے ہیں۔ بھلا منشی صاحب کو میرا سلام کہنا۔ آج یکشنبہ ہے اخبار کا لفافہ ابھی تک نہیں پہنچا۔ ہر ہفتے کو پنجشنبہ جمعہ کو پہنچتا تھا مرزا تفتہ کیا فرماتے ہو کیسے رٹیگن صاحب کہاں رٹیگن صاحب پنجشنبہ کے دن ۱۹ جنوری سنہ حال کو وہ پنجاب کو گئے ملتان یا پشاور کے ضلع میں کہیں کے حاکم ہوئے ہیں۔ اپنی نادانی کے سبب ان کی ملاقات تو جریع کو نہیں گیا انواع الحق گھاٹ پر نوکر ہیں عہ روپیہ ماہوار پاتے ہیں۔ زیادہ زیادہ نجات کا طالب غالب صبح یکشنبہ ۱۲ فروری ۱۸۶۵ء

ایضاً نورچشم غالب انور درفتہ مرزا تفتہ خدا تم کو خوش اور تندرست رکھے۔ نہ دوست بخیل نہ میں کاذب مگر بقول میر تقی ع اتفاقات ہیں۔ زمانہ کے۔ بہر حال کچھ تدبیر کی جائیگی اور ان شاء اللہ صورت وقوع جلد نظر آئیگی۔ تعجب ہے کہ اس سفر میں کچھ فائدہ نہ ہوا ؎

یا کرم خود نماند در عالم یا مگر کس دریں زمانہ نہ کرد

اغنیائے دہر کی مدح سرائی موقوف کرو۔ اشعار عاشقانہ طرز تی غزل کہا کرو اور خوش رہا کرو۔ نجات کا طالب۔

غالبؔ سہ شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ صاحب بندہ میں نے بکس کا ایک ایک خانہ دیکھا سوائے تین کاغذوں کے کوئی کاغذ تمہارا نہ نکلا اور اس وقت بسبب کم فرصتی کے ہیں۔ ردیف ان تینوں قصیدوں کو نہیں بتا سکتا اور وہ متعدد فقرے کا باقتضائے حالات زمانہ شکستہ ہو گیا ہے۔ مرنہیں گیا۔ دیر آید درست آید انشاء اللہ تعالیٰ اب میرا حال سُنو ؎

در نومیدی بسے امید است پایانِ شبِ سیہ سپید است

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو، پارچے اور تین رقم جواہر خلعت ملتا تھا۔ لارڈ کیننگ صاحب میرا دربار خلعت بند کر گئے ہیں۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا اور مدت العمر کو مایوس رہا اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے ہیں میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملینگے کل انہوں نے مجھ کو بلا بھیجا بہت سی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دہلی میں دربار نہ کرینگے میرٹھ ہوتے ہوئے اور میرٹھ میں ان اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگذاروں کا دربار کرتے ہوئے انبالہ جائینگے۔ دلی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا۔ تم بھی انبالہ جاؤ شریک دربار ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی کیا کہوں۔ کیا میرے دل پر گذری گویا مردہ جی اٹھا مگر ساتھ اس مسرت کے یہ بھی سناٹا گذرا کہ سامان سفر انبالہ و مصارف بے انتہا کہاں سے لاؤں اور طرہ یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے ادھر قصیدہ کی فکر ادھر روپیہ کی تدبیر حواس ٹھکانے نہیں۔ شعر کام دل و دماغ کا ہے وہ روپیہ کی فکر میں پریشان میرا خدا یہ مشکل بھی آسان کریگا۔ لیکن ان دنوں میں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو نیند ہے۔ یہ کئی سطریں تمہیں اور ایسی ہی کئی سطریں جناب نواب صاحب کو لکھ کر بھیجدی ہیں جیتا رہا تو انبالہ سے آکر خط لکھوں گا۔ رقم چارشنبہ ۱۳، رمضان ۴، جنوری۔

ایضاً۔ بھائی تم نے مجھے کونسا دو چار سو روپیہ کا نوکر یا پنشن دار قرار دیا ہے۔ جو دس بیس روپیہ مہینہ قسط کی آرزو رکھتے ہو تمہاری باتوں پر کبھی کبھی ہنسی آتی ہے۔ اگر اچھا تا تم کبھی دہلی کے ڈپٹی کلکٹر یا وکیل کمپنی ہوتے تو مجھ کو بڑی مشکل پڑتی بہر حال خوش رہو۔ اور متفکر نہ ہو۔ پانچ روپیہ مہینہ پنشن انگریزی میں سے قسط مقرر ہو گیا تا ادائے زرابتدائے جون ۱۸۵۳ء یعنی ماہ آئندہ سے یہ قسط جاری ہوگی۔ بابو صاحب کا خط تمہارے نام کا پہنچا۔ عجب تماشہ ہے۔ وہ درنگ کے ہونے سے خجل ہوتے ہیں اور میں اُن کے عذر

چاہنے سے مرا جاتا ہوں۔ ہائے اتفاق آج میں نے اُن کو لکھا اور کل راجہ کے مرنے کی خبر سُنی۔ واللہ باللہ اگر دو دن پہلے خبر سُن لیتا تو اگر میری جان پر آبنتی تو بھی اُن کو نہ لکھتا جے پور کے آئے ہوئے روپے کی ہنڈوی اس وقت تک نہیں آئی شاید آج شام تک یا کل تک آجاوے تو خدا کرے وہ آبو پہاڑ پر سے ہنڈوی سوا نہ کر دیں ورنہ پھر خدا جانے کہاں کہاں جائینگے اور روپیہ کھینچنے میں کتنی دیر ہو جائیگی خدا کرے زر مصارف ہر دیو سنگھ اس سے مجرا لیں میری کمال خوشی ہے اور یہ نہ ہو تو جیسے ہر دیو سنگھ کو میری طرف سے ضرور دیں۔ منشی صاحب کا ایک خط [illegible]
اس کا جواب ہاتر س کو روانہ کر چکا ہوں۔ والدعا از اسد اللہ محررہ دوشنبہ ۳ مئی ۱۸۵۳ء

ایضاً کل تمہارا خط آیا۔ رانہ نہانی مجھ پر آشکارا ہوا میں سمجھا ہوا تھا کہ تم دیوانگی اور شورش کر رہے ہو اب معلوم ہوا۔ کہ حق بجانب تمہارے ہے میں جو اپنے عزیز کو نصیحت کرتا ہوں۔ تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اے دل تو اپنے کو اس عزیز کی جگہ سمجھ کر تصور کر کہ اگر تجھ پر یہ حادثہ پڑا ہوتا یا اس بلا میں گرفتار ہوا ہوتا تو کیا کرتا عیاذاً باللہ۔ اب میں تم کو کیونکر کہوں کہ بے حرمتی گوارا کرو اور رفاقت نہ چھوڑو بلکہ یہ بھی نا اید ہے۔ جو دوست سے کہیئے کہ تو ہمارے واسطے اس کو ترک کر بہر حال دوست کی دوستی سے کام اُس کے افعال سے کیا غرض جو محبت و اخلاص اُن میں تم میں ہے بدستور بلکہ روز افزوں رہے ساتھ رہنا اور پاس رہنا نہیں ہے نہ سہی ؎

وصلے کہ دراں ملال باشد ہجراں بہ ازاں وصال باشد

آمدم بر سر مدعا تمہاری رائے ہم کو اسیاں نہیں پسند عجب طرح کا پیچ پڑا کہ نکل نہیں سکتا نہ تم کو سمجھا سکتا ہوں۔ اور نہ اُن کو کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مجھے تو اس موقع میں سوائے اس کے کہ تماشائی نیرنگ قضا و قدر بنا رہوں کچھ بن نہیں آتی ؎

بہ بینیم کہ تا کرد گار جہاں دریں آشکارا چہ وار د نہاں

جے پور کا امر محض اتفاقی ہے بے قصد و بے فکر در پیش آیا ہے۔ ہو سنا کانہ ادھر متوجہ ہوا ہوں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں بہرا ہو گیا ہوں سرکار انگریزی میں بڑا پایہ رکھتا تھا۔ رئیس زادوں میں گنا جاتا تھا۔ پورا خلعت پاتا تھا اب بدنام ہو گیا ہوں اور ایک بہت بڑا دھبہ لگ گیا ہے کسی ریاست میں دخل کر نہیں سکتا تھا۔ مگر ہاں اوستاد یا پیر یا مدح بن کر راہ و رسم پیدا کر دں۔ کچھ فائدہ اٹھاؤں کچھ اپنے کسی عزیز کو وہاں داخل کر دوں دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے ؎

تا نہاں دوستی کے برد ہد حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

صاحب فہم کے ہاں سے دیوان ابھی نہیں آیا۔ آج کل آجائیگا پھر اس کے جزدان کی تیاری کر کے روانہ

کرونگا۔ ابھی کول میں آرام کرو۔ اپنے بچوں میں اپنا دل بہلاؤ۔ اگر جی چاہے تو اکبرآباد چلے جائیو۔ وہاں اپنا دل بہلائیو۔ دیکھو اس خودداری میں ادھر سے کیا ہوتا ہے۔ اور وہ کیا کرتے ہیں۔ والسلام

اسد اللہ۔ جمعہ دہم دسمبر ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ صبح دوشنبہ پنجم جمادی الاوّل و نوزدہم نومبر سال حال مرزا تفتہ کل تمہارا خط مع کاغذ اشعار آیا آج تم کو یہ خط لکھتا ہوں۔ اور اسی خط کے ساتھ خط موسومہ میر بادشاہ بھیجتا ہوں۔ کاغذ اشعار کل یا پرسوں روانہ ہوگا۔ فن تاریخ کو دون مرتبہ شاعری جانتا ہوں۔ اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے۔ کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔ بہر حال میں نے منشی نبی بخش مرحوم کی تاریخ رحلت میں یہ قطعہ لکھ کر بھیجا۔ منشی قمرالدین خانصاحب نے پسند کیا قطعہ یہ ہے ؎

شیخ نبی بخش کہ با حُسنِ خلق — داشت مذاقِ سخن و فہم تیز
سالِ وفاتش زپے یادگار — بادلِ زار و مژہ دجلہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر — گفت مدح طول و بگو رُد ستیز

ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں۔ بلکہ قید معنی دار ہونے کی بھی مرتفع ہے۔ جیسا کہ یہ مصرعہ ع درسال عرس ہر آنکہ ماند بلبند۔ انوری کے قصائد کو دیکھو دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز میں لکھے ہیں جس میں اعداد سال مطلوبہ نکل آتے ہیں۔ اور معنی کچھ نہیں ہوتے لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے۔ اور پھر واقع کے مناسب اگر تاریخ ولادت یا تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہ نامستحسن تھا قصہ مختصر اگر تاریخ کی فکر موجب ادائے حق مودت ہے تو میں حق دوستی ادا کر چکا۔ زیادہ کیا لکھوں۔ داد کا طالب غالب

ایضاً۔ کیوں صاحب کول میں آنا اور جناب منشی نبی بخش صاحب کے ساتھ غزل خوانی اور ہم کو یاد نہ لانا مجھ سے پوچھو کہ میں نے کیونکر جانا کہ تم مجھ کو بھول گئے کول میں آئے۔ اور مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع نہ دی نہ لکھا۔ کہ میں کیونکر آیا ہوں۔ اور کب تک رہونگا۔ اور کب جاؤنگا۔ اور بابو صاحب سے کہاں جا ملونگا خیر اب جو میں نے بیحیائی کر کے تم کو خط لکھا ہے لازم ہے کہ میرا قصور معاف کرو اور مجھ کو سلامی اپنی حقیقت لکھو۔ تمہارے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں بابو صاحب کی میرے پاس موجود ہیں۔ اور اصلاح پا چکی ہیں۔ اب میں حیران ہوں کہ کہاں بھیجوں ہر چند انہوں نے لکھا ہے کہ اکبرآباد ہاشم علی جان کو بھیجدو لیکن میں نہ بھیجونگا جب وہ اجمیر یا بھرتپور پہنچکر مجھ کو خط لکھیں گے تو میں اُن کو وہ اوراق ارسال کرونگا یا جو تم لکھوگے اسپر عمل کرونگا بھائی ایک دن خط لکھنا نہ بھولیو یا کم ہیئو اسد ہم کو دو چار سطریں لکھ

بھیجو کہ ہمارا دھیان تم میں لگا ہوا ہے اسد اللہ۔ رقم زدہ یک شنبہ چارم جنوری ۱۸۵۲ء

ایضاً صاحب تمہاری سعادتمندی کو ہزار آفریں تم کو یوں ہی چاہئیے تھا۔ لیکن میں نے تو ایک بات بطریق تمنا لکھی تھی۔ جیسا کہ عربی میں لیت اور فارسی میں کاشکے۔ اب تم روداد سنو عرضی میری سرہنری لارنس چیف کمشنر بہادر کو گذری اس پر دستخط ہوئے کہ یہ عرضی مع کاغذ ضمیمہ سائل کے پاس بھیجدی جائے اور یہ لکھا جائے کہ معرفت صاحب کمشنر دہلی کے پیش کرو۔ اب سر رشتہ دار کو لازم تھا۔ کہ میرے نام موافق قاعدہ کے خط لکھتا یہ نہ ہوا وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی میرے پاس آگئی۔ میں نے خط صاحب کمشنر دہلی چارلس سانڈرس کو لکھا اور وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی اُس میں ملفوف کر کے بھیجدی صاحب کمشنر نے صاحب کلکٹر کے پاس یہ حکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کی پنشن کی کیفیت لکھو۔ اب وہ مقدمہ صاحب کلکٹر کے ہاں آیا ہے ابھی صاحب کلکٹر نے تعمیل اُس حکم کی نہیں کی پرسوں تو اُن کے ہاں یہ روبکاری آئی ہے دیکھئے کچھ مجھ سے پوچھتے ہیں یا اپنی ذاتی رائے لکھ بھیجتے ہیں۔ دفتر کہاں رہا ہے جو اس کو دیکھیں گے۔ بہر حال یہ خدا کا شکر ہے۔ کہ بادشاہی دفتر میں ہے میرا کچھ شمول فساد میں پایا نہیں گیا اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ پنشن کی کیفیت طلب ہوئی ہے! دو میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو لگاؤ نہ تھا مولوی قمرالدین خان کا کول نہ جانا اور راہ سے پھر آنا معلوم ہوا حق تعالیٰ ان کو زندہ اور تندرست رکھے میرا سلام کہنا اور یہ خط پڑھا دینا بھائی منشی نبی بخش صاحب کو سلام اور ان کے بچوں کو دعا کہنا اور یہ خط ضرور ضرور پڑھا دینا اور کہنا کہ بھائی ہدایت تو اچھی ہے نہایت بھی خدا اچھی کرے۔ وہ عزت اور وہ ربط وضبط جو ہم رئیس زادوں کا تھا۔ اب کہاں روٹی کا ٹکڑا ہی ملجائے تو غنیمت ہے۔ گورنری کلکتہ اور گورنری آگرہ اور افٹنی و کمشنری و دیوانی و فوجداری و کلکٹری دہلی سے جو حکم میرے خط اور عرضی پر ہوا ہے مشتمل اس حکم پر خط میرے نام آیا ہے حاکم نے ابھی یہی حکم دیا تھا کہ لکھا جاوے کہ یوں کرو عملہ نے خط نہ لکھا صرف وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی بھیجدی خیر ع ہرچہ از دوست میرسد نیکوست دو سنو میرزا تفتہ اب میں جو اپنا حال تم کو لکھا کروں۔ وہ تم میرے بھائی کو اور مولوی قمرالدین خان کو دکھا دیا کرو۔ تین تین جگہ ایک بات کو کیوں لکھوں۔ جمعہ ۱۲ مارچ ۱۸۵۸ء

ایضاً بھائی ہاں میں نے زبدۃ الاخبار میں دیکھا کہ رانی صاحب مر گئیں۔ کل ایک دوست کا خط اکبرآباد سے آیا ہے وہ لکھتا ہے۔ کہ راجہ مرا رانی مری۔ ابھی ریاست کا کوئی رنگ قرار نہیں پایا صورت انتظام جانی بیجناتھ کے آنے پر موقوف ہے۔ یہاں تک اس دوست کی تحریر ہے۔ ظاہر اس کو بابو صاحب کا نام نہیں معلوم اُن کے بھائی کا نام یاد رہ گیا صرف اس دوست نے بطریق اخبار لکھا ہے اس کو میری اور جانی کی دوستی

کا بھی حال معلوم نہیں حاصل اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر یہ خبر سچ ہے تو ہمارے دوست کا نام بنا رہیگا۔ آمین یارب العالمین۔ صاحب جے پور کا مقدمہ اب لائق اس کے نہیں ہے۔ کہ ہم اس کا خیال کریں ایک بنا ڈالی تھی وہ نہ اُٹھی۔ راجہ لڑکا ہے اور چھچھورا ہے۔ راول جی اور سعد اللہ خاں بنے رہتے تو کوئی صورت نکل آتی اور یہ جواب آپ لکھتے ہیں۔ کہ راجہ تیرے دیوان کو پڑھا کرتا ہے تو پیش نظر رکھتا ہے یہ بھی تو آپ از روئے تجربہ بخش ہردیو سنگھ کہتے ہیں۔ ان کا بیان کیونکر دل نشین ہو۔ وہ بھی جو بابو صاحب لکھ چکے ہیں کہ پانسو روپیہ نقد اور خلعت مرزا صاحب کے واسطے تجویز ہو چکا ہے۔ ہولی ہو چکی اور میں لے کر چلا۔ پھاگن چیت بیساکھ نہیں معلوم ہوئی کس مہینہ میں ہوتی ہے آگے تو پھاگن میں ہوتی تھی۔ بنارہ پرور بابو صاحب نے پہلی بار تو مجھ کو دو ہنڈیاں بھیجی ہیں۔ سو سو روپیہ کی ایک تو میر احمد حسین میکش کے واسطے راجہ صاحب کی طرف سے تاریخ تولد کنور صاحب کے انعام میں اور ایک اپنی طرف سے مجھ کو بطریق نذر شاگردی بعد اس کے دو ہنڈیاں سو سو روپیہ کی بعد چار چار یا پانچ پانچ مہینے کے آئیں۔ مع میر احمد حسین کے حصے کے روپیوں کے چار سو اور اس سے علاوہ تین سو اور چاچار سو یا تین سو کتنے دن میں آئے اس کا حساب کنور صاحب کی عمر پر حوالہ ہے اگر وہ دو برس کے ہیں تو دو برس میں اور اگر تین برس کے ہیں۔ تو تین برس میں۔ ہاں صاحب یہ وہی میر قاسم علی صاحب ہیں۔ جو میرے پرانے دوست ہیں میں سوں یا اترسوں ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا تھا۔ وہ ایک خط میر صاحب کے نام کا کوئی میاں حکمت اللہ ہیں انکا میرے مکان کے پتہ سے لیا تھا وہ کہ حضرت اگر میرے واسطے نہیں تو اس خط کے واسطے آپ دلی آیئے۔ غالب

ایضاً۔ عجیب تماشہ ہے۔ بابو صاحب لکھ چکے ہیں۔ کہ ہردیو سنگھ آگیا اور پانسو روپیہ کی ہنڈوی لایا۔ گو اس کے مصارف کی بابت انیس روپے کئی آنے اس ہنڈوی میں محسوب ہو گئے ہیں سو میں اپنے پاس سے ملا کر پورے پانسو کی ہنڈوی تجھ کو بھیجتا ہوں۔ میں نے اُن کو لکھا کہ مصارف ہردیو سنگھ کے میں مجرا دونگا تکلیف نہ کرو عمہ میری طرف سے ہردیو سنگھ کو اور دیدو۔ اور باقی کچھ کم ساڑھے چار سو کی ہنڈوی جلد روانہ کرو۔ سو بھائی آجتک ہنڈوی نہیں آئی میں حیران ہوں۔ وجہ حیرانی کی یہ کہ اس ہنڈوی کے بھروسے پر قرضداروں سے وعدہ جون کے اوائل کا کیا تھا۔ آج جون کی پانچویں ہے وہ تقاضا کرتے ہیں۔ اور میں آج کل کر رہا ہوں۔ شرم کے مارے بابو صاحب کو کچھ نہیں لکھ سکتا جانتا ہوں کہ وہ سینکڑا پورا کرنے کی فکر میں ہوں گے پھر وہ کیوں اتنا تکلف کریں۔ تیس روپے کی کونسی ایسی بات ہے۔ اگر مصارف ہردیو سنگھ میرے ہاں سے مجرا ہوئے۔ تو کیا غضب ہوا۔ انتیس اور پچیس چوّن روپیہ نکال ڈالیں اور باقی ارسال کریں۔ لفافے خطوط کے جو میں نے بھیجے تھے۔ وہ بھی ابھی نہیں آئے یا الٰہی یہ کیسی بات ہے کہ میں

یہ بھی نہیں جانتا۔ کہ بابو صاحب کہاں ہیں۔ پہاڑ پر ہیں یا بھرت پور آئے ہیں۔ باجیرانے کی تو ظاہراً کوئی وجہ نہیں ہے۔ ناچار بکثرت انتظار سے عاجز آ کر آج تم کو لکھا ہے۔ تم اس کا جواب مجھ کو لکھو۔ اور اپنی رائے لکھو۔ کہ وجہ درنگ کی کیا ہے۔ زیادہ۔ اسد اللہ مرقومہ پنجم جون ۱۸۶۳ء روز پنجشنبہ جواب طلب

ایضاً۔ میرا سلام پہنچے خط اور کاغذ اشعار پہنچا۔ سابق و حال ابھی سب یوں ہی دھرے رہیں گے اگرچہ گرمی رفع ہو گئی۔ مینہ برسنے لگا۔ ہوائے سرد چلنے لگی مگر دل مکدر ہے اور حواس ٹھکانے نہیں بادشاہ کا قصیدہ سارا اور ولیعہد کا قصیدہ بے خاتمہ آگے سے کہہ رکھا تھا۔ اس کا خاتمہ بہزار مشقت رمضان میں کہہ لیا اور عید کو دونو پڑھ دیئے۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کو پرسوں یا اترسوں بھیجونگا۔ ان سے لے کر تم بھی دیکھنا میں نے ان کو لکھ بھیجا ہے کہ منشی ہرگوپال صاحب کو بھی دینا۔ کہ وہ پڑھ لیں اور چاہیں تو نقل لے لیں اس کے سوا اور جو کچھ تمہارے خط میں لکھا تھا۔ وہ جواب طلب نہیں اور یوں ہی ہے جو تم سمجھے ہو۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ کیوں صاحب اس کا کیا سبب ہے۔ کہ بہت دن سے آپکی ملاقات نہیں ہوئی۔ مرزا صاحب ہی آئے نہ منشی صاحب ہی تشریف لائے۔ ہاں ایکبار منشی شیو نرائن صاحب نے کرم کیا تھا۔ اور خط میں یہ رقم کیا تھا کہ اب ایک فرمہ باقی رہا ہے اس راہ سے میں یہ تصور کرتا ہوں۔ کہ اگر ایک فرمہ نثر کا باقی تھا۔ تو اب قصیدہ چھاپا جاتا ہوگا۔ اور اگر فرمہ قصیدہ کا تھا تو اب جلدیں بننی شروع ہو گئی ہونگی تم سمجھے میں۔ تمہارے اور بھائی منشی نبی بخش صاحب اور جناب مرزا حاتم علی صاحب کے خطوط کے آنے کو تمہارا اور ان کا آنا سمجھتا ہوں۔ تحریر گویا وہ مکالمہ ہے۔ جو باہم ہوا کرتا ہے۔ پھر تم کہو مکالمہ کیوں موقوف ہے۔ اور اب کیا دیر ہے۔ اور وہاں کیا ہو رہا ہے۔ بھائی صاحب کو کاپی کی تصحیح سے فراغت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے جلدیں صحاف کو دیدی ہیں اب ان کتابوں کا آنا کب تک تصور کروں۔ دسہرے میں ایک دو دن کی تعطیل مقرر ہوئی ہوگی۔ کہیں دیوالی کی تعطیل تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ ہاں صاحب تم نے کبھی کچھ حال قمر الدین خان صاحب کا نہ لکھا اس سے آگے تم نے اگست ستمبر میں ان کا آگرے کا آنا لکھا۔ پھر وہ اکتوبر تک کیوں نہ آئے وہاں تو منشی غلام غوث خان صاحب اپنا کام بدستور کرتے ہیں۔ پھر یہ اس دفتر میں کیا کرتے ہیں۔ کہیں کسی اور کام پر متعین ہو گئے ہیں۔ اس کا حال جلد لکھو مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ تم نے لکھا تھا۔ کہ منشی غلام غوث خانصاحب کو ایک گاؤں جاگیر میں ملا ہے مولوی قمر الدین خان صاحب اس کے بندوبست کو گئے ہیں۔ اس کا ظہور کیوں نہ ہوا۔ ان سب باتوں کا جواب جلد لکھئے۔ جناب مرزا صاحب کو میرا سلام کہئے۔ اور یہ پیغام کہئے کہ کتاب کا حسن کا نور سے

سُنا دل کو دیکھنے سے زیادہ یقین آیا۔ مگر آنکھوں کو رشک ہے کانوں پر۔ اور کان چشمک زنی کر رہے ہیں۔ آنکھوں پر یہ ارشاد ہو کہ آنکھوں کا حق آنکھوں کو کب تک ملیگا۔ بھائی صاحب کو بعد از سلام کہیے گا۔ کہ حضرت اپنے مطلب کی توجہ کو جلدی نہیں ہے۔ آپ کی تخفیف تصدیع چاہتا ہوں۔ یعنی اگر کاپی کا قصہ تمام ہو جائے تو آپ کو آرام ہو جائے جناب منشی شیونرائن صاحب کی عنایتوں کا شکر میری زبانی ادا کیجئے گا اور یہ کہیئے گا کہ آپ کا خط پہنچا چونکہ میرے خط کا جواب تھا۔ اور معہذا کوئی امر جواب طلب نہ تھا۔ اس واسطے اس کا جواب نہ لکھا زیادہ

نگاشتہ و رواں داشتہ صبح شنبہ ۱۶ اکتوبر ۱۸۵۷ء راقم غالب

ایضاً صاحب عجب تماشہ ہے۔ تمہارے کہنے سے منشی شیونرائن صاحب کو خط لکھا۔ سو کل ان کا خط آیا اور انہوں نے دستنبو کی رسید لکھی ہے۔ ڈاک کا ہرکارہ تو ان کے پاس لے گیا ہوگا۔ آخر تمہیں نے بھیجا ہوگا۔ یہ کیا تم نے مجھ کو اس کی رسید اور میرے خط کا جواب نہ لکھا۔ اگر یہ گمان کیا جائے۔ کہ تم نے راؤ امید سنگھ کی ملاقات ہو لینے پر خط کا لکھنا منحصر رکھا ہے تو وہ بھی ہو چکی ہوگی۔ مجھے تو صورت ایسی نظر آتی ہے کہ گویا تم الگ ہو گئے ہو۔ کتاب مطبع میں حوالے کر دی۔ اب اس کی تزئین و تصحیح سے کچھ غرض نہیں پاس اگر یوں ہے تو میں اس انطباع سے درگزرا۔ سینکڑوں مطالب و مقاصد رہ جائیں گے۔ اور پھر اس وحشت کی وجہ کیا اگر کہا جائے کہ وحشت نہیں ہے تو اس کتاب اور مثنوی کی رسید نہ لکھنے کی وجہ کیا بے تکلف قیاس چاہتا ہے کہ تم مجھ سے خفا ہو گئے ہو خدا کے واسطے خفگی کی وجہ لکھو۔ صبح کو میں نے یہ خط روانہ کیا ہے۔ بدھ کا دن ستمبر کی پہلی تاریخ اگر شام تک تمہارا خط آیا۔ تو خیر ورنہ تمہاری رنجش کا بالکل یقین ہو جائیگا۔ اور بسبب وجہ نہ معلوم ہونے کے جی گھبرائیگا۔ میں تو اپنے نزدیک کوئی سبب ایسا نہیں پاتا۔ خدا کے واسطے خط جلد لکھو۔ اگر خفا ہو تو خفگی کا سبب لکھو۔ جانتا ہوں۔ کہ تم راؤ امید سنگھ سے بھی نہ ملے ہونگے۔ عیاذاً باللہ میں اس سے شرمندہ رہا۔ کہ میں نے کہا تھا۔ کہ ہاں مرزا تفتہ دستنبو تم کو اچھی طرح پڑھا دیں گے۔ اگرچہ ایسے حال میں کہ تم کو الگ ہونے اور پہلو تہی کرنے کا گمان گذرا ہے کوئی مطلب تم کو لکھنا نہ چاہیئے۔ مگر ضرورت کو کیا کروں ناچار لکھتا ہوں۔ صاحب مطبع نے خط کے لفافہ پر لکھا ہے۔ مرزا نوشہ صاحب غالب اللہ غور کرو۔ کہ یہ کتنا بے جوڑ جملہ ہے ڈرتا ہوں کہ کہیں صفحۂ اول کتاب پر بھی نہ لکھ دیں۔ آیا فارسی کا دیوان یا اردو یا پنج آہنگ یا مہر نیمروز چھاپے کی یہ کوئی کتاب اس شہر میں نہیں پہنچی جو وہ میرا نام لکھ دیتے تم نے بھی ان ناظم کو میرا نام نہیں بتایا صرف اپنی نفرت عرف سے وجہ اس واویلا کی نہیں ہے۔ بلکہ سبب یہ ہے۔ کہ دلی کے حکام کو تو عرف معلوم ہے اگر کلکتہ سے ولایت تک یعنی وزراء کے محکمہ میں اور ملکہ عالیہ کے حضور میں کوئی

اس نالائق عرف کو نہیں جانتا۔ پس اگر صاحب مطبع نے مرزا نوشہ صاحب غالب لکھ دیا۔ تو میں غارت ہوگیا۔ کھویا گیا۔ میری محنت رائگان گئی۔ گویا کتاب کسی اور کی ہوگئی۔ لکھتا ہوں اور پھر سوچتا ہوں کہ دیکھوں تم یہ پیام مطبع میں پہنچا دینے ہو یا نہیں۔ بدھ کا دن ستمبر کی پہلی تاریخ۔ غالب

ایضاً بھائی صاحب ۳۴ کتابیں بھیجی ہوئی برخوردار منشی شیونارائن کی کل جمعہ کے ۱۲ نومبر کو پہنچیں کاغذ اور سیاہی اور خط کا حُسن دیکھ کر میں نے ازروئے یقین جانا کہ طلائی کام پر یہ کتابیں طاؤس بہشت بن جائینگی حوریں ان کو دیکھ کر ترسا کرینگی۔ یہ تو سب درست مگر دیکھئے مجھ کو ان کا دیکھنا کب تک میسر ہو۔ آپ پر گمان تساہل کا گذرے یہ کیونکر ہو۔ ہاں صحاف جلد کے بنانے کی نسبت سے میرے حق کا جلاد نہ بن جاوے یعنی مدت مناسب سے زیادہ دیر نہ لگائے اور ہاں حضرت کچھ التفات بخشی ارسال کے وقت کر دیجئے گا۔ کہ وہ پارسل آشوب تلف سے محفوظ رہے بہت عزیز اور بہت کام کی چیز ہے مجھ کو وہ ایک ایک جلد اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے یا الٰہی بے خطر راہ میں ہو۔ اور وہ ساتوں کتابوں کا پارسل تیرے حفظ و امان میں مجھ تک پہنچ جائے اور یہ نہ ہو تو بھلا یہ ہو کہ اس خط کا جواب لکھئے۔ اس میں یہ مرقوم ہو کہ آج ہم نے کتابوں کا پارسل روانہ کیا ہے ؎

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش ست — تو بدیں آرزو مرا برسان

مرسلہ شنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً ۔ رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف — آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

بندہ پرور پہلے تم کو یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے دوست قدیم میر مکرم حسین صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا اب تک جیتا ہوں اور اس سے زیادہ میرا حال مجھ کو بھی معلوم نہیں۔ مرزا قاسم علی صاحب قہر کی جناب میں میرا سلام کہنا اور یہ میرا شعر میری زبان سے پڑھنا ؎

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب — اے تو غایب ز نظر مہر تو ایمان من ست

تمہارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا۔ اور اس کے دو دن یا تین دن کے بعد دوسرا خط پہنچا سنو صاحب جس شخص کو جس شغل کا ذوق ہو۔ اور وہ اس میں بے تکلّف عمر بسر کرے اس کا نام عیش ہے۔ تمہاری توجہ مفرط بطرف شعر و سخن۔ تمہاری شرافت نفس اور حُسن کی دلیل ہے اور بھائی یہ جو تمہاری سخن گستری ہے۔ اس کی شہرت میں میری بھی تو نام آوری ہے میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرعہ یاد رہ گیا سو گاہ گاہ

جب دل اُلٹنے لگتا ہے تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے ؎

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالبؔ　　ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں تو یہ مصرعہ پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں۔ ع

اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں۔ جو دُکھ مجھ کو ہے اُن کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریز کی قوم میں سے جو ان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس میں کوئی میرا امیدگاہ تھا۔ اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد ہندوستانیوں میں کچھ عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد کچھ معشوق سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے۔ جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کو زیست کیونکر نہ دشوار ہو۔ ہائے اتنے یار مرے کہ جو اب میں مروں گا۔ تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؀

بنام شاہزادہ بشیر الدین صاحب

حضرت پیر و مرشد برحق سلامت تقصیر معاف میں مدعی اور آپ مدعا علیہ بھی اور حاکم بھی وجہ استغاثہ یہ کہ آپ نے مجھے اپنے حلقہ ارادت سے خارج کر دیا سوا ایک جواب طلب کا جواب نہیں ایک عنایت نامہ سابق میں۔ آپ نے اہل میر و دیر پر جنگ۔ یہ جملہ مرکبہ لکھا ہوا تھا۔ میں اس کو کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ یعنی تو علاوہ رہے۔ میں نے عریضہ لکھا۔ اور جملہ کی حقیقت حال کا انکشاف چاہا۔ اب تک جواب نہیں پہنچا۔ جی گھبرا رہا ہے۔ جب تک اس کا جواب نہ پاؤنگا۔ آرام نہ آئیگا۔ برخوردار اقبال نشان میرزا شہاب الدین خان بہادر کی زبانی آپ کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت سُنی مگر وہ جو تحریر دستخطی سے تسلی ہوتی ہے۔ وہ کہاں۔ حضرت اب تو خالصاً للہ و للرسول میرا گناہ معاف اور دستخط خاص سے مجھ کو اس جملہ کے معانی لکھ بھیجئے۔ زیادہ حد ادب۔ عفو جرم کا طالب غالبؔ

ایضاً

در پرستش ستم و درکا مجوئی استوار　　بادشہ را بندہ کم خدمت و پُر خواہش منت

حضرت پیر و مرشد برحق روز افزونی کاہش اب اس حد کو پہنچی ہے کہ ع

تقسیم جزو ناتجزّا ہے محال ہے

آگے بادِ زمہریر نے اُمو خشک کر دیا تھا۔ اب آتشِ دوزخ نے رہا سہا جلا دیا۔ کل عنایت نامہ آیا آپ جو رقم فرماتے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں بھیجا مجھ کو باوصفِ استیلائے نسیان خیال میں آتا ہے۔ کہ میں حضرت کے فرمان کا جواب لکھ چکا ہوں۔ ڈاکئے اب ڈاکو ہو گئے ہیں اگر وہ لفافہ ڈاک میں تلف ہو گیا۔ تو کچھ بعید نہیں۔ متوقع ہوں۔ کہ اس کا نہ پہنچنا میری نارسائی بخت کی تاثیر سمجھا چاہیئے۔ میں مجرم نہ ٹھیروں۔ زیادہ حدِ ادب۔ نجات کا طالب غالبؔ۔ روز دوشنبہ ۱۱ اپریل ۱۸۶۸ء

ایضاً ۵ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آج منگل ۱۶ جون ۱۸۶۷ء ۱۳ بجے عنایت نامہ آیا۔ سرنامہ دیکھ کر سفیدہ صبح مراد سمجھا۔ ننگا ایک چھوٹی سی خس کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ خط پڑھ کر وہ حال طاری ہوا کہ اگر ننگا نہ ہوتا تو گریبان پھاڑ ڈالتا۔ اگر جانِ عزیز نہ ہوتی تو سر پھوڑتا اور کیونکر اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو چھوا کر بصورت تصویر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ لفافہ انگریزی اقبال نشان شہاب الدین خان سے لکھوا کر بیرنگ اِرسال کیا اس فرمان میں اس لفافے کی رسید نہ پائی۔ ظاہر ڈاک پر ڈاکو گرے۔ اور میرے پیکر بے روح کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ بیتاب ہو کر یہ عبارت حضرت کو بھیجی ہوئی لفافہ میں لپیٹ کر روانہ کی اب جب آپ اور لفافہ بھیجیں گے تو مطالب باقی کا جواب معہ اوراق اشعار بھیجوں گا۔ غالبؔ

بنام سیّد بدرالدّین احمد المعروف بہ فقیر صاحب

حضرت مخدوم مکرّم و معظم جناب فقیر صاحب دامت برکاتہم۔ بعد بندگی عرض کیا جاتا ہے۔ کہ آپ کا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ بابو صاحب کے واسطے میرا جی بہت جلا۔ زمانہ ان دنوں میں اُن سے برسرِ امتحان ہے۔ پروردگار اُن کو سلامت رکھے اور صبر و شکیب عطا کرے علاقہ مساعدت روزگار کی دو صورت: شدائد رنج سفر کی وہ حالت ناسازگاری مزاج کا وہ رنگ۔ ان سب باتوں سے علاوہ یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ جوان داماد مر جاوے۔ اور بیٹی بیوہ ہو جاوے۔ مرگ و زیست کا سر رشتہ خدا کے ہاتھ ہے آدمی کیا کرے۔ دل پر مرے جو گذری ہے وہ میرا دل جانتا ہے۔ ہاں بجب ظاہر تعزیت نامہ لکھنا چاہیئے۔ حیران ہوں کہ اگر خط لکھوں۔ تو کس پتہ سے لکھوں۔ ناچار ابھی تامل ہے جب وہ بھرت پور آ جائیں۔ تو آپ اُن کے آنے کی مجھ کو اطلاع دیجیئے گا۔ کچھ لکھ بھیجوں گا۔ نواب علی نقی خان صاحب نے خط جواب میں جو آپ نے مجھ کو لکھا تھا۔ وہ مجھ کو یاد رہے گا۔ جب نواب صاحب

آجائینگے میں ان کو سمجھا دوں گا۔ آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی ہاں ہندی غزلیں قلعہ کے مشاعرہ میں دو چار لکھی تھیں۔ سو وہ یا تمہارے دوست حسین مرزا صاحب کے پاس ہونگی یا ضیاء الدین خانصاحب پاس میرے پاس کہاں آدمی کو یہاں اتنا توقف نہیں کہ یہاں سے دیوان منگوا کر نقل اتروا کر بھیجدوں۔ سید محمد صاحب کو اور اُن کے دو تو بھائیوں کو میری دعا پہنچے

اسد اللہ نگاشتہ چار شنبہ ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ھ مطابق ۳ جنوری ۱۸۵۵ء

ایضاً۔ مخدوم و مکرم جناب فقیر صاحب کی خدمت عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ بہت دن سے آپ نے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ اور مجھ کو آپ کا حال معلوم نہیں بابو صاحب خدا جانے کہاں ہیں اور کس کام میں ہیں۔ اُن کا بھی کچھ حال مجھ کو معلوم نہیں۔ منشی ہرگوپال تفتہ کی تحریر سے بابو صاحب کا حال اکثر اور تمہاری خیر و عافیت گاہ گاہ دریافت ہو جاتی تھی۔ سو وہ بہت دنوں سے علی گڈھ میں ہیں۔ اگرچہ اُنکے خط آتے رہتے ہیں۔ مگر اُن کو بھی بابو صاحب کا حال معلوم نہیں۔ اور تم سے تو بعد ہی ہے پھر تمہاری خیر و عافیت کیا لکھیں بہر حال مقصود اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ نواب میر علی نقی خانصاحب آپ سے ملینگے یہ بہت عالی خاندان ہیں۔ نواب ذوالفقار خان اور نواب اسد خان کی اولاد میں سے ہیں اور تمہارے ماموں صاحب یعنی نواب محمد میر خان مغفور کے بڑے دوست ہیں۔ اب یہ نوکری کی جستجو کو نکلے ہیں اب اُن کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور راج کا حال سب اُن پر ظاہر کریں اور اہالی سرکار سے اُن کو ملوادیں۔ اور بابو صاحب سے جو ان کو ملوائیے۔ تو یہ میرا خط جو آپ کے نام کا ہے جناب بابو صاحب کو پڑھوا دیجئے۔ کیا خوب ہو۔ کہ یہ اس سرکار میں نوکر ہو جائیں اور اگر نوکری کی صورت نہ بنے تو راج سے اُنکی رخصت بآئین شائستہ عمل میں آوے۔ نواب اسد اللہ خان عالمگیر کے وزیر تھے۔ اور فرخ سیر اُن کا بٹھایا ہُوا تھا۔ جب فرخ سیر نے ذوالفقار خان کو مارڈالا۔ تو از روئے کتب تواریخ ظاہر ہے۔ کہ سلطنت کیسی برہم ہوگئی اور خود فرخ سیر پر کیا گذری۔ قصہ کوتاہ انکی تقریب میں جو مدارج آپ صرف کریں گے۔ اور جس قدر آپ ان کی بہبودی میں کوشش کریں گے۔ احسان مجھ پر ہوگا۔ زیادہ زیادہ۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ سید صاحب جمیل المناقب عالی خاندان سعادت و اقبال توامان مجھ کو اپنی یاد سے غافل اور سید احمد کی خدمتگذاری سے فارغ نہ سمجھیں۔ پر کیا کروں۔ صورت مقدمہ عجیب و غریب ہے۔ یہ نہیں اور اُن کا بھائی باہم موافق رہینگے تو کوئی صورت بن آئیگی۔ صامت و ناطق سیم و زر روپیہ اشرفی سنتا ہوں کہ کچھ نہیں ہاں جاوداد سو سید کے اظہار سے معلوم ہُوا۔ کہ وہ تقسیم نہ ہوگی۔ کرایہ اس کا تقسیم ہو جائیگا۔ میں رائے کیا دوں۔ اور سہم ماؤں کیا کئی دن ہوئے کہ میں حسین مرزا صاحب کے ہاں گیا تھا۔ وہاں میاں بھی بیٹھا تھا۔ باہم ان دونوں

صاحبوں میں یہی باتیں ہو رہی تھیں وہ بھی میری طرح مانند حیرت زدہ تھے۔ قضائی قدر کو چھوڑو۔ نیرنگ تقدیر کے تماشائی رہو گھاٹا نہیں ٹوٹا نہیں نقد مال کا پتہ نہیں املاک کا کرایہ بٹ رہیگا گھبراتے کیوں ہو یہ دل والوں کی حقیقت کے حالات ہیں۔ تمہارا بھتیجا یعنی حیدر حسین خاں بچ گیا۔ عارضہ کی آندھی دفع ہوگئی توقع زیست کی قوی ہے صرف طاقت کا آنا باقی ہے۔ صدمہ بڑا اُٹھایا ہے۔ مہینہ بھر میں جیسے تھے ویسے ہی جاوینگے۔ انشاء اللہ العلی العظیم۔ صبح دوشنبہ ۲۵ رمئی ۱۸۶۳ء

ایضاً پیرومرشد آج نواں دن ہے حسین مرزا صاحب الور گئے اگر ہوتے تو اُن سے پوچھتا کہ حضرت میرا دیوان کس مطبع میں طبع ہوا۔ اور حاشیے اُس پر کس نے چڑھائے۔ خدا جانے حسین مرزا نے کیا کہا۔ اور حضرت کیا سمجھا ب یہ حقیقت مجھ سے سُنئے ۱۸۶۲ء یعنی سال گذشتہ میں قاطع برہان چھپی پچاس جلدیں میں نے مول لیں اور یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ آپ دلی آئے ہیں میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ تمہارے کس کام کی ہے۔ تمہیں نہ دی تم مانگتے اور میں نہ دیتا تو گنہگار تھا۔ اب کوئی جلد باقی نہیں ہے۔ رہا دیوان اگر ریختہ کا منتخب کہتے ہو تو وہ اس عرصہ میں دلّی اور کانپور دو جگہ چھاپا گیا۔ اور تیسری جگہ آگرہ میں چھپ رہا ہے۔ فارسی کا دیوان بیس پچیس برس کا عرصہ ہُوا۔ جب چھپا تھا۔ پھر نہیں چھپا۔ مگر ہاں سال گذشتہ میں منشی نولکشور نے شہاب الدین خاں کو لکھ کر کلیات فارسی جو ضیاء الدین خاں نے غدر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا۔ وہ منگا لیا۔ اور چھاپنا شروع کیا وہ پچاس جزو ہیں یعنی کوئی مصرعہ میرا اس سے خارج نہیں اب سُنا ہے کہ وہ چھپ کر تمام ہوگیا ہے روپیہ کی فکر میں ہوں۔ ہاتھ آجائے۔ تو بھیج کر بیس جلدیں منگواؤں۔ جب آجائینگی ایک آپ کو بھی بھیجدونگا۔ نواب محی الدین خانصاحب کا حال سُنکر جی بہت خوش ہُوا۔ میری طرف سے سلام و نیاز کے بعد مبارکباد دینا۔

ایضاً حضرت آپ کے خط کا جواب لکھنے میں دیر اس راہ سے ہوئی کہ میں منتظر رہا۔ میاں کے آنے کا جواب وہ مجھ سے مل گئے۔ اور اُن کی زبانی سارا حال سُن لیا۔ تو جواب لکھنے بیٹھا۔ سنو صاحب! ایک منشی محمد تقی ہی تو نہیں۔ یہاں تو سارا دہن ہے۔ محمد تقی ایک اُسکی دو بہنیں تین بنشی آغا جان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا چار یہ سات مدعی۔ ایک ان میں سے سید کی بی بی بھی سہی نہ وہ کام ہیں جنکو میں جانتا تھا نہ وہ عملہ ہے جس سے میری ملاقات تھی۔ نہ وہ عدالت کے قواعد ہیں جن کو پچاس برس میں نے دیکھا ہے ایک کونے میں بیٹھا ہوا نیرنگ روزگار کا تماشہ دیکھ رہا ہوں۔ یا حافظ یا حفیظ ورد زبان ہے تمہارے بھائی غلام حسین خان مرحوم کا بیٹا حیدر حسن خان تمہارا ہی تھا ہے۔ جنکے آج تیرھواں دن ہے۔ کہ نہ تپ مفارقت کرتی ہے۔ نہ دست بند ہوتے ہیں۔ نہ تے موقوف ہوتی ہے چار پائی کاٹ دی ہے جو اس زائل ہو گئے ہیں۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ کام تمام ہے والسلام والاکرام مرقومہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۷۹ھ

عافیت کا طالب غالبؔ ۔

بنام چودھری عبد الغفور المتخلص بہ سرور

جناب چودھری صاحب آپ کا عنایت نامہ اس وقت پہنچا اور یہ وقت صبح کا ہے دن بدھ کا ربیع الثانی کی چوبیسویں اور دسمبر کی پہلی۔ کتاب کے پارسل کی رسید معلوم ہوئی۔ حکیم عبد الرحیم خان کوئی نامی اور نامور نہیں ہیں۔ یہاں کے قاضی زادوں میں سے ایک شخص ہیں۔ طبابت کرنے لگے۔ میرے بھی آشنا ہیں صرف سلام علیک زیادہ ربط نہیں ہے۔ سو ان کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں۔
آگے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ کہ آپ جو کچھ لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے۔
حضرت نے نہ مانا۔ اور پھر عبارت بدستخط خاص لکھی واللہ باللہ نہ مجھ سے نہ اور کسی سے پڑھی گئی۔ ناچار آپ کا خط پھر آپکو بھیجتا ہوں۔ حضرت سے کچھ نہ فرمایئے گا۔ مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے مجھ کو بھیجوایئے گا۔ ضرور اور جلد۔ شفیق مکرم جناب چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ایضاً۔ جناب عالی آپ کا تفقد نامہ مرقوم یازدہم شعبان مطابق پنجم مارچ بقید روز دوشنبہ پہنچا پہلے تو ان تاریخوں کے حساب سے تطابق ہی میں الجھا پھر خط کے پہنچنے سے بہت خوش ہوا ڈاک کیا ہے خاک ہے خیر ادھر پوچھا۔ ادھر جواب لکھا خدا کرے یہ میرا خط جلد پہنچے ورنہ یہ آپ کو خیال ہوگا۔ کہ غالبؔ نے ہمارے خط کا جواب نہ لکھا حقیقت میری مجملاً یہ ہے۔ کہ راہ و رسم مراسلت احکام عالی مقام سے بدستور جاری ہو گئی ہے۔ نواب لفٹنٹ بہادر غرب و شمال کو نسخہ دستنبو بسبیل ڈاک بھیجا تھا۔ ان کا خط فارسی شعر تحسین عبارت و قبول بصدق ارادت بسبیل ڈاک آ گیا۔ پھر قصیدہ بہاریہ تہنیت و مدحت میں بھیجا گیا اس کی رسید آ گئی وہی خانصاحب بسیار مہربان دوستانہ القاب اور کاغذ افشانی ازاں بعد ایک قصیدہ جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب کی مدح میں بتوسط صاحب کمشنر بہادر دہلی گیا۔ اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بتوسط کمشنر بہادر کل مجھ کو آ گیا۔ پنشن ابھی تک مجھ کو نہیں ملی جب ملیگی حضرت کو اطلاع دی جائے گی۔ پیر و مرشد عالم ہیں۔ اور میں جاہل ہوں ان کی تسلیم نہ کرنے کو میں نے تسلیم کیا۔ اور پھر تسلیم بجا لایا لے حضرت جناب مخدوم مکرم چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں انہیں الفاظ میں رسم مبارکباد ادا کی گئی تھی۔ نہ عبارت آرائی نہ طبع آزمائی کچھ عجب نہیں کہ وہ خط بھی ہی دنوں میں آپ کو پہنچ جائے آپ کا بھی تو مارچ کا خط مجھ کو اب آخر اپریل میں پہنچا ہے جناب شیخ صاحب کیوں مجھ کو تجویز کرتے ہیں۔ اس باب میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ کہ افادہ مشترک ہے قصیدہ و مثنوی بھیج دیئے لطف

اٹھاؤں گا۔ اور جو کچھ میرے خیال میں آئیگا بے تکلف عرض کرونگا۔ میرا سلام کہیئے اور مثنوی اور قصیدہ اُن سے لیکر جلد بھیجدیجئے اپنے عم عالی مقدار کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے۔ اور کہئے کہ حضرت خلاصہ مکتوب سابق یہی الفاظ مندرجہ تھے شاید کچھ تغیر بالمرادف ہو تو ہو یہ شادی بصد ہزار مسرت آپکو مبارک ہو اور انکی اولاد دیکھنی اور اسی طرح انکی شادی کرنی نصیب ہو فیض علی خانصاحب کو میرا سلام پہنچے۔ میں بھی آپ کی ملاقات کا مشتاق اور آپ کا مداح رہونگا خط کا لفافہ اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ یہ آج پہنچا۔ اور آج ہی میں نے اس کا جواب لکھا کاتب وہی ہے۔ جو لفافہ ملفوفہ کا مکتوب الیہ ہے۔

ایضاً۔ جناب چوہدری صاحب آپ کے تلطف نامہ کے ورود کی مسرت اور پارسل کے نہ پہنچنے کی حیرت باعث اس کی ہوئی کہ آپ کو پھر تکلیف دوں۔ اور آپکا خط جواب طلب نہ تھا جواب لکھوں بندہ پرور میں نے پارسل کی رسید لے لی تھی۔ اب آپ کے خط کو پڑھ کر کارپردازان ڈاک کے پاس وہ رسید بھجوائی۔ انہوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدمی سے کہہ دیا۔ کہ سکندر راؤ کی رسید یہ موجود ہے۔ اب پارسل کی جواب دہی وہاں والوں کے ذمہ ہے یہ سن کر میں نے یہ مناسب جانا کہ وہ رسید آپ کے پاس بھیجدوں آپ سکندرہ راؤ کے ڈاک خانہ میں بھجوا کر اُن سے پارسل منگوا لیں اور اب اس رسید کا میری طرف راجع ہونا کسی صورت میں ضرور نہیں۔

والسلام۔

ایضاً۔ جناب چوہدری صاحب کی یاد آوری اور مہر گستری کا شکوہ بجا لاتا ہوں۔ آپ کا خط معہ قصیدہ و مثنوی پہنچا۔ مثنوی کو جداگانہ بطریق پمفلٹ پاکٹ بھیجتا ہوں۔ اور یہ خط جداگانہ ارسال کرتا ہوں۔ لفافہ اُس کا بھی آپ کے نام کا ہے۔ آپ کے خط کا ماجرا معہ ضمیمہ کو ادھر کا قصد اور پھر اپنے چچا صاحب کے کہنے سے نظر بہ امتحان پر اس عزم کا ملتوی رکھنا معلوم ہوا۔ آپ کے چچا صاحب نے کرامت کی کہ آپ کو منع کیا۔ ڈاک کی سواری پر اگر آپ اس شہر میں میرے مکان تک آ جاتے۔ تو ممکن تھا۔ مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرر رکھتا ہے۔ اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے زنہار کبھی یہ گمان نہ کیجئے گا۔ کہ دلی کی عملداری میرٹھ اور آگرہ اور بلاد مشرقیہ کی مثل ہے یہ پنجاب احاطہ میں شامل ہے۔ نہ قانون نہ آئین۔ جس حاکم کی جو رائے میں آوے وہ ویسا ہی کرے بہرحال ع اے وائے زمحرومی دیدار گرد بہیچ۔ انشاء اللہ العظیم دو تین مہینے میں یہاں بھی صورت امن و امان کی ہو جائیگی مگر میری آرزو باستیفا اس صورت میں بھی بر نہ آئیگی۔ میں یہ تاکے ہوئے ہوں کہ میری اور تمہاری ملاقات اس طرح سے ہو کہ ہم تم ہوں۔ اور حضرت صاحب عالم صاحب ہوں۔ اور باہم حرف و حکایت کریں۔ اگر زمانہ میری خواہش کے موافق نقش قبول کرتا ہے۔ تو میں مارہرہ کو آتا ہوں۔ حضرت پیر و مرشد کا اشتیاق اور اسی جلسہ میں

تمہارے دیدار کا شوق ایسا نہیں کہ مجھ کو آرام سے بیٹھا رہنے دیگا۔ صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہوگئی ہے اُس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گھاؤ پڑے ہونگے۔ تب یہ تراوش خونناب ظہور میں آئی ہوگی مزا یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب انہیں کے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اصل کاغذ میری نظر میں نہیں اور حقیقت حال مجھ پر مجہول ہے اس واسطے انجام و آغاز اندازہ و اندازہ کچھ نہیں سمجھا حک و اصلاح کو آپ بنظر اصلاح ملاحظہ فرمائیں میں نے بحسب دستور ہر جگہ بنشان اصلاح لکھ دیا ہے شیخ صاحب سے میرا سلام کہئے گا کہ کیا کروں دور ہوں معذور ہوں۔ مدد نہیں کرسکتا اعانت کے مراسم تقدیم کو نہیں پہنچا سکتا۔ خدا تمہارا نگہبان رہے والسلام۔

ایضاً شفیق مکرم مظہر لطف و کرم جناب چوہدری صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ میرا رنج و تشویش مٹایا میری خدمت مقبول ہوئی خوشی حصول ہوئی میر امداد علی شاہ کو میری دعا کہنا ان کا باپ میرا یار تھا میری طرف سے خاطر جمع کر دیجئے گا۔ اب سبیل اچھی نکل آئی۔ چوہدری صاحب کے ذریعہ سے جو کچھ مجھ کو بھیجنا ہوگا بھجواؤں گا جناب چوہدری صاحب آج کا میرا خط کاسۂ گدائی ہے۔ یعنی تم سے کچھ مانگتا ہوں تفصیل یہ کہ مولوی باقر دہلوی کے مطبع میں سے ایک اخبار ہر مہینے میں چار بار نکلا کرتا ہے مسمّیٰ بہ "دلی اردو اخبار" بعض اشخاص حسین ماضیہ کے اخبار جمع کر رکھا کرتے ہیں اگر اتفاقاً آپ کے یا کسی آپ کے دوست کے ہاں جمع ہوتے چلے آئے ہوں تو اکتوبر ۱۸۳۷ء سے دو چار مہینے کے آگے کے اوراق دیکھے جائیں جس میں بہادر شاہ کی تخت نشینی کا ذکر اور میاں ذوق کے دو سکہ اُن کے نام کے کہہ کر نذر کرنے کا ذکر مندرج ہو بے تکلف وہ اخبار چھاپہ کا اصل بجنسہ میرے پاس بھیج دیجئے۔ آپ کو معلوم رہے۔ کہ اکتوبر کی ستائیں آٹھویں تاریخ ۱۸۳۷ء میں یہ تخت پر بیٹھے ہیں۔ اور ذوق نے اس مہینے میں یا دو ایک مہینے کے بعد سکے کہہ کر گذرانے ہیں۔ احتیاطاً پانچ چار مہینے تک کے اخبار دیکھ لئے جائیں۔ یہاں تک میری طرف سے ابرام ہے کہ اگر بمثل کیسی اور شہر میں کوئی آپ کا دوست جامع ہو۔ اور آپ کو اس پر علم ہو۔ تو وہاں سے منگوا بھیجئے۔ والسلام مع الاکرام ؎

ایضاً شفیق میرے عنایت فرما تمہاری مہربانی کا شکر بجا لاتا ہوں۔ نہایت سعی یہ تھی کہ آپکی طرف سے ظہور میں آئی ہیں نے کلکتہ میں ہتمم مطبع جام جہاں نما کو لکھ بھیجا ہے۔ اور ترک سعی کیا ہے آپ بھی فکر نہ کیجئے۔ اگر کہیں سے آپ کے پاس آجائے تو مجھ کو بھیج دیجئے میرے پاس آئیگا۔ تو میں تم کو اطلاع دیدوں گا۔ عنایت الہی کا کون شخص مشتاق نہ ہوگا اس کی پرستش زاہدوں میں خدمت گذاری کو حاضر ہوں۔ وہ جب چاہیں اپنا کلام بھیج دیں میرا سلام اور یہ پیام کہہ دیجئے گا۔ صاحب تم نے ہمارے پیر و مرشد کو ہم پر خفا کر دیا۔ بھلا وہ خط لکھیں نہ لکھیں کبھی تم کو فرمادیں۔ کہ غالب کو میری دعا لکھ بھیجنا۔ بہرحال میرا سلام نیاز عرض کیجئے اور اُن کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت لکھئے اور یہ لکھئے کہ اگر خدانخواستہ وہ مجھ سے ناخوش ہے تو ناخوشی کی وجہ کیا ہے۔ اپنے چچا صاحب

کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجیے گا۔ اور مولانا عطا کو سلام شوق کہیے گا۔

ایضاً۔ میرے شفیق دلی چودھری عبدالغفور صاحب کو غالب کا سلام پہنچے۔ دیکھو میرے حواس کا اب یہ عالم ہے کہ تمہارے نام کی جگہ تمہارے چچا صاحب کا نام لکھا تھا اسی طرح سابق کے خط میں سرنامے پر یہ لکھا ہوگا ؎

بہار شیب جوانی کہ غالبش نامند ‌ ‌ ‌ ‌ کنوں ببیں کہ چہ خوں می‌چکد زہر حرفش

جو خط کہ آپ کے سکندر کے جواب میں آئے ہیں۔ اُن کے بھیجنے کی کیا حاجت تھی۔ آپ کی سعی اور اپنی ناکامی پہلے سے میرے دلنشیں اور خاطر نشان ہے جیساکہ کوئی اُستاد کہتا ہے ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ‌ ‌ ‌ ‌ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می‌آرد سکندر را

وہ اخبار نہ کہیں سے ہاتھ آیا۔ اور نہ آئیگا میں اپنے خدا سے امیدوار ہوں کہ میرا کام بغیر اس کے نکل جائیگا۔ بندہ پرور میرا کلام کیا نظم کیا نثر کیا۔ اردو کیا فارسی کبھی کسی زمانہ میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کا التزام تھا کہ وہ مسودات مجھ سے لیکر جمع کر لیا کرتے تھے۔ سو ان کے لاکھوں روپے کے گھر لٹ گئے جس میں ہزاروں روپے کے کتب خانے بھی گئے ان میں وہ مجموعہ ہائے پریشان بھی غارت ہوئے میں خود اس مثنوی کے واسطے خون در جگر ہوں۔ ہائے کیا چیز تھی۔ پارسل میں خطوط بھیجنے محل اندیشہ ہے۔ خدا نے بچایا چونکہ اب وہ خط آپ کے کچھ کام کے نہ سمجھا از راہ احتیاط پارسل میں سے نکال لئے۔

ایضاً۔ میرے کرم فرما میرے شفیق ؎

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب ‌ ‌ ‌ ‌ اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من است

آپ کے اس خط کا جواب بعد لکھنے اس شعر کے ضرور التماس یہ ہے کہ میری طرف سے تحریر جواب خط میں کبھی تقصیر نہ ہوئی یقین غالب ہے کہ اکثر اتفاقیہ تحریر نہ ہوگی۔ یہ خط چار از رسیدے اشعار واپس بھیجتا ہوں۔ واسطے خدا کے میرے پیرو مرشد نے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیج دیجئے تاکہ مجھ بد نصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے جناب چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔ استاد نیاز۔ اُستادی میر عطاحسین صاحب کی جناب میں سلام۔

ایضاً۔ میرے شفیق دلی کو میرا سلام پہنچے۔ کل اشعار کا پارسل پہنچا۔ اور آج خط۔ انشا کا نام بہارستان اور آپ کا تخلص سرور۔ بہارستان مضاف اور سرور مضاف الیہ بہارستان سرور اچھا نام ہے قطعہ کا وعدہ نہیں کرتا کس واسطے کہ اگر بعد پہنچ جائیگا۔ تو لطف زیادہ دیگا۔ اور نہ پہنچیگا تو محل شکایت نہ ہوگی۔ رفع فتنہ و فساد اور بلا دین مستم۔ یہاں کوئی طرح آسائش کی نہیں ہے اہل دہلی عموماً برے بکھر گئے۔ یہ

داغ ان کے جیتے جی حال سے عموماً مٹ نہیں سکتا۔ میں اموات میں ہوں، مردہ شعر کیا کہے گا۔ غزل کا ڈھنگ بھول گیا۔ معشوق کس کو قرار دوں جو غزل کی روش ضمیر میں آوے۔ رہا قصیدہ، ممدوح کون ہے۔ ہائے انوری گویا میری زبان سے کہتا ہے۔ ع

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح　　اے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

گورنمنٹ کے دربار میں ہمیشہ سے میری طرف سے قصیدہ نذر گذرتا ہے، اشرفیاں نہیں۔ اور خلعت ریاست دو ہانی کا سات پارچہ اور تین رقم جیغہ سرپیچ مالائے مروارید مجھ کو ملا کرتا ہے۔ اب نواب گورنر جنرل بہادر یہاں آتے ہیں۔ دربار میں بلائے جانے کی توقع نہیں، پھر کس دل سے قصیدہ لکھوں۔ مدح و منافرت شعراء وجوامح کا کام نہیں، دل چاہیے، دماغ چاہیے، ذوق چاہیے، امنگ چاہیے۔ یہ سامان کہاں سے لاؤں جو شعر کہوں۔ چونسٹھ برس کی عمر، ولولہ شباب کہاں۔ رعایت فن اور کہنے کے اسباب کہاں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ایضاً - پیر و مرشد سلام نیاز پہنچے۔ کف الخضیب صور جنوبی میں سے ایک صورت ہے، اس کے طلوع کا حال مجھ کو کچھ معلوم نہیں۔ اختر شناسان ہند کو اس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ اہل عرب کی زبان پر اس کا نام بھی یقین ہے کہ نہ ہوگا۔ قبول دعا وقت طلوع سہیل مضامین شعری ہے جیسے کتان کا ماہ تو میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا۔ آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا۔ اور قطعات زمرد اس کے آگے نگاہ چشم رکھے، کچھ اثر نہ ہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے انواع کتان منگوائے، چاندنی میں پھیلائے، مسکا بھی نہیں۔ تحویل آفتاب بہ حمل کے باب میں مانی بات یہ ہے کہ ۲۰ مارچ کو واقع ہوتی ہے، کبھی ۲۱ کبھی ۲۳ آ پڑتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں رہا۔ طالع وقت تحویل درست کرنا بے آلات رصد و بے مبلغ علم ممکن نہیں، میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں ع

ندانم که گیتی چسان می رود　　چه نیکو چه بد در جهان می رود

میں تو اب روز و شب اسی فکر میں ہوں کہ زندگی تو یوں گذری، اب دیکھیے موت کیسی ہو ع

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ　　مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

میرا ہی شعر ہے اور میرے ہی حسب حال ہے۔ سکہ کا داغ مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھرا یا کسی گراب کس سے کہوں، کس کو گواہ لاؤں۔ یہ دونوں سکے ایک وقت میں کہے گئے ہیں، یعنی بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو ذوق نے یہ دو سکے کہہ کر گذرانے۔ بادشاہ نے پسند کیے۔ مولوی محمد باقر جو ذوق کے معتقدین میں تھے انہوں نے دلی اردو اخبار میں یہ دونوں سکے چھاپ دیے۔ [illegible] علاوہ اب وہ لوگ موجود ہیں کہ جنہوں نے اس زمانے

میں مرشد آباد اور کلکتہ میں یہ سکے سُنے ہیں۔ اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سکے سرکار کے نزدیک بے گُناہ
ہوئے اور گزرانے ہوئے ثابت ہو گئے۔ یہیں سے خبر جنیفہ قلمرو ہند میں دلی اردو اخبار کا پرچہ ڈھونڈھا کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ
سبب مجھ پر رہا۔ پنشن بھی گئی اور وہ ریاست کا نام و نشان خلعت دربار بھی مٹا۔ خیر جو کچھ ہوا ہو چکا موافق رنج کے اگلی سے سکا کیا گلہ

چوں جنبش سپہر بہ فرمان داور ست
بیداد نبود آنچہ بما آسمان دہد

یہ تحریر بطریق حکایت نہ بسبیل شکایت گویند از ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پرسش رفت کہ چہ حال
داری فرمود کدام حال خواہد بود کسے را کہ خدا ازوے فرض طلبد و پیمبر سنت و زن مال خواہد و ملک الموت
جان قصہ مختصر اب زیست بامید مرگ ہے قاطعہ منطبعہ دیکھا جائے۔ اور یہ حیف دبے میں از راہ انصاف
دیکھا جائے۔ مرشد زادوں کو سلام مسنون اور دعائے افزونی عمر و دولت پہنچے۔

ایضاً: میرے مشفق آپ کا خط آیا۔ اور اس کے آنے نے تمہاری رنجش کا وسوسہ میرے دل سے
مٹایا۔ ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں۔ اگر اس کو منظور کیجیے گا تو خطوط کے نہ پہنچنے کا احتمال اٹھ جائیگا اور
رجسٹری کا دردسر جاتا رہیگا۔ آدھ آنہ نہ سہی ایک آنہ سہی آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجیے اور میں بھی بیرنگ
بھیجا کروں۔ بیرنگ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں۔ اس قاعدہ کا جیسا کہ میں واضع ہُوا ہوں۔ بادی بھی ہُوا اور
یہ خط بیرنگ بھیجا۔ پنشن جاری ہو گیا۔ تین برس کا چڑھا ہُوا روپیہ مل گیا۔ بعد ادائے قرض ۵ روپے بچے۔ اب
ماہ بماہ روپیہ ملتا ہے مگر ابھی تین مہینے ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر ملینگے۔ دسمبر ۱۸۶۰ء سے تنخواہ ششماہی ہو جائیگی
اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ چار روپیہ سینکڑا سالانہ عموماً وضع ہُوا کریگا۔ اس حساب سے میرے حصہ میں
ڈھائی روپیہ مہینہ آیا۔ بعوض ۶۵ کے ساڑھے ۶۲ رہیں گے۔ رامپور سے ماہ بماہ آتا ہے۔ یہ دونوں آمدنیں ملکر
خوش و ناخوش گزارا ہو جاتا ہے۔ یہاں شہر ڈھے رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی بازار خاص بازار اور اردو
بازار اور خانم کا بازار کہ ہر اک بجائے خود ایک قصبہ تھا اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحبان امکنہ
اور دکاکین نہیں بتلا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دکان کہاں تھی۔ برسات بھر مینہ نہیں برسا
آب تیشہ اور کلند کی طغیانی سے مکانات گر گئے۔ غلہ گراں ہے موت ارزاں ہے۔ میوہ کے مول اناج
بکتا ہے۔ ماش کی دال ۸ سیر۔ باجرا ۱۶ سیر۔ گیہوں ۱۲ سیر۔ چنے ۱۶ سیر۔ گھی ۱۰ سیر۔ ترکاری مہنگی۔ ان
سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ کنوار کا مہینہ جسے جاڑے کا دوار کہتے ہیں۔ پانی گرم۔
دھوپ تیز۔ تپتی ہے جیٹھ اساڑھ کی سی گرمی پڑتی ہے۔ حضرت رفعت و رحمت جناب صاحب
عالم کی خدمت میں دوستانہ سلام اور مریدانہ بندگی بہ اکمل اتمام عرض کرتا ہوں۔ حضرت کو
کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے میں نے مرشد زادہ کے خط میں کب اپنا عزم لکھا یا کب سے

آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روز روانگی کے تقرر سے اطلاع چاہتے ہیں۔ ہاں آپ کی قدم بوسی کی تمنا اور انوار الدولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ ہے۔ اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لے جاؤں گا۔ تنخواہ کے اجرا کا حال اور مستقبل میں اُس کے وصول کی صورت اُن سطروں سے جو آغاز مکتوب چودھری عبدالغفور صاحب کی خدمت میں لکھی گئی ہیں معہ روداد شہر معلوم کر لیجئے گا۔ لالہ گوبند پرشاد صاحب ہنوز میرے پاس نہیں آئے ہیں۔ دنیا دار نہیں فقیر خاکسار ہوں تواضع میری خو ہے۔ انجاح مقاصد خلق میں حتی الوسع کمی کروں تو ایمان نصیب نہ ہو۔ انشاء اللہ العزیز وہ فقیر سے راضی و خوشنود رہیں گے۔ جناب مستطاب حضرت محمد امیر صاحب کی خدمت میں بعد سلام نیاز یہ گزارش ہے کہ میرے پاس حضرت کا سلام پیام سوائے اب کی بار کے کبھی نہیں پہنچا اب ان سطور کو اپنا ذریعہ افتخار سمجھا۔ اور نوید مقدم مبارک سے بہت خوش ہوا یہ جو خانہ کوچی و گریز پائی اور بے اطمینانی کا آپ کو مجھ پر گمان ہے اور اس کا رنج ہے یہ خلاف واقع کسی نے آپ سے کہا ہے میں معہ زن و فرزند ہر وقت اُسی شہر میں قلزم خون کا شناور رہا ہوں۔ دروازہ سے باہر قدم نہیں رکھا نہ پکڑا گیا۔ نہ نکالا گیا نہ قید ہوا نہ مارا گیا کیا عرض کروں کہ میرے خدا نے مجھ پر کیسی عنایت کی اور کیا نفس مطمئنہ بخشا جان و مال و آبرو میں کسی طرح کا فرق نہیں۔ تنخواہ جس کو حضرت نے یومیہ لقب دیا ہے اس کا حال اُوپر کی تحریر سے دریافت ہوگا۔ فقیر کو اپنا دوست اور معتقد اور مشتاق تصور فرماتے رہیگا۔ مُرشد زادہ مرتضوی دُودمان سیّد عالم ودعا۔ ٹوپی صاحب سے ملاقات کثرت سے نہیں ہے۔ ان کو کثرت اشغال سے فرصت نہیں۔ مجھ کو افراط ضعف سے طاقت نہیں اگر بسبب اتفاق کہیں ملاقات ہوگی تو آپ کا سلام کہہ دونگا۔ آپ اپنے اخوان عالی شان کو میرا سلام پہنچا دیجئے گا۔ ع

بندۂ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما

ایضاً۔ میرے شفیق چودھری عبدالغفور صاحب اپنے خط اور قصیدہ بھیجنے کا مجھ کو شکر گذار اور قصیدہ سابق کی اب تک اصلاح نہ پانے سے شرمسار تصور فرمائیں۔ اور ان دونوں قصیدوں کے باہم پہنچنے کا انتظار کریں ؎

نوید وصل دہم مے دہد ستارہ شناس
نکردہ ژرف نگاہے مگر در اختر من

تحقیق کہ اب روئے سخن جناب فیض نصاب جامع مدارج جمیع الجمع بزم وحدت کے فروزندہ شمع مستغرق مشاہدۂ شاہد ذات حضرت صاحب عالم صاحب قُدسی صفات کی طرف ہے۔ اور یہ شعر افتتاح کلام ہے۔ پہلے کچھ

باتیں کہ بادی النظر میں خارج از بحث معلوم ہونگی لکھی جاتی ہیں۔ میں پانچ برس کا تھا۔ کہ میرا باپ مرا تو برس کا تھا کہ چچا مرا۔ اس کی جاگیر کے عوض میری اور میرے شرکائے حقیقی کے واسطے شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں دس ہزار روپیہ سال مقرر ہوئے انہوں نے نہ دیئے۔ مگر تین ہزار روپیہ سال میں نے سرکار انگریزی میں یہ غبن ظاہر کیا۔ کولبرک صاحب بہادر رزیڈنٹ دہلی اور استرلنگ صاحب بہادر سیکرٹری گورنمنٹ کلکتہ متفق ہوئے میرا حق دلانے پر بذیڈنٹ معزول ہو گئے۔ سیکرٹری گورنمنٹ بمرگ ناگاہ مر گئے۔ بعد ایک زمانے کے بادشاہ دہلی نے پچاس روپیہ مہینہ مقرر کیا۔ ان کے ولیعہد نے چار سو روپیہ سال۔ ولیعہد اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی سرکار سے بصلۂ مدح گستری پانسو روپے سال مقرر ہوئے وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جیئے۔ یعنی اگر اب تک جیتے ہیں۔ مگر سلطنت جاتی رہی۔ اور شاہی سلطنت دہلی بھی ہوگی دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی سات برس مجھ کو روٹی دے کر بگڑی۔ ایسے طالع مربی کش اور محسن سوز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اب میں جو والئے دکن کی طرف رجوع کروں۔ یاد رہے۔ کہ متوسط یا مر جائیگا یا معزول ہو جائیگا اور اگر یہ دونوں امر واقعہ نہ ہوئے۔ تو کوشش اس کی ضائع ہو جائیگی۔ اور والی شہر مجھ کو کچھ نہ دیگا۔ اور احیاناً اس نے سلوک کیا۔ تو ریاست خاک میں مل جائیگی۔ اور ملک میں گدھے کے ہل پھر جائیں گے۔ اے خداوند بندہ پرور یہ سب باتیں وتوعی اور واقعی ہیں۔ اگر ان سے قطع نظر کرکے قصیدے کا قصد کروں۔ قصد تو کر سکتا ہوں۔ تمام کون کریگا۔ سوائے ایک ملکہ کے کہ وہ پچاس پچپن برس کی مشق کا نتیجہ ہے۔ کوئی قوت باقی نہیں رہی۔ کبھی جو سابق کی اپنی نظم و نثر دیکھتا ہوں۔ تو یہ جانتا ہوں۔ کہ یہ تحریر میری ہے۔ مگر حیران ہوں۔ کہ میں نے یہ نثر کیونکر لکھی تھی۔ اور کیونکر یہ شعر کہے تھے عبدالقادر بیدل کا یہ مصرعہ گویا میری زبان سے ہے۔ ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

پا بانِ عمر ہے دل و دماغ جواب دے چکے ہیں۔ سو روپیہ رامپور کے ساٹھ روپے پنشن کے روٹی کھانے کو بہت ہیں۔ گرانی اور ارزانی امور عامہ میں سے ہے۔ دنیا کے کام خوش و ناخوش چلے جاتے ہیں۔ قافلے کے قافلے آمادۂ رحیل ہیں۔ دیکھو منشی نبی بخش مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے ماہ گذشتہ میں گذر گئے۔ مجھ میں قصیدے کے لکھنے کی قوت کہاں اگر ارادہ کروں۔ تو فرصت کہاں قصیدہ لکھوں آپ کے پاس بھیجوں آپ کن کو بھیجیں۔ متوسط کب پیش کرنے کا موقع پائے پیش کئے پر کیا پیش آئے ان مراحل کے طے ہونے تک میں کیونکر جیوں گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لا الٰہ الا اللہ و لا معبود الا اللہ و لا موجود الا اللہ کان اللہ و لم یکن شیٔ و اللہ الآن کما کان۔

ایضاً: جناب چوہدری صاحب کو سلام پہنچے۔ آپ نے اپنے مزاج کی ناسازی کا حال کچھ نہ لکھا۔ اگر میرو

مرشد بھی نہ لکھتے تو میں کیونکر اطلاع پاتا۔ اور اگر اطلاع نہ پاتا۔ تو حصول صحت کی دعا کیونکر مانگتا۔ کل سے وقت خاص میں یہی دعا مانگ رہا ہوں۔ یقین ہے کہ پہلے تم تندرست ہو جاؤ گے اور بعد یہ خط پاؤ گے اکثر ہمارے اطراف و جوانب سے ماہ نیم ماہ چھپنے کا نکہ پہنچتے ہیں۔ اور میں سچ کہتا ہوں۔ کہ جب مہر نیم روز کی عبارت کو نہیں پہنچے۔ تو ماہ نیم ماہ کو لیکر کیا کیجئے گا۔ صاحب مہر نیم روز کے دیباچہ میں میں نے لکھ دیا ہے۔ کہ اس کتاب کا نام تو پرتوستان ہے۔ اور اس کے دو مجلد ہیں۔ پہلی جلد میں ابتدائے خلقت عالم سے ہمایوں کی سلطنت کا ذکر دوسرے حصے میں اکبر سے بہادر شاہ تک کی سلطنت کا بیان۔ پہلے حصہ کا نام مہر نیم روز دوسرے حصہ کا اسم ماہ نیم ماہ۔ بارے پہلا حصہ تمام ہوا چھاپا گیا۔ یا بسیا کیسا قصد تھا۔ جلال الدین اکبر کے حالات کے لکھنے کا کہ امیر تیمور تک کا نام و نشان مٹ گیا۔ آں دفتر را گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد و قصاب در راہ مرد۔ جو کتاب میں نے لکھی ہی نہ ہو وہ بھیجوں کہاں سے۔ پیر و مرشد کو میری بندگی۔ اور صاحبزادوں کو دعا۔ خداوند مجھے مارہرہ بلاتے ہیں۔ اور میرا قصیدہ مجھ کو یاد دلاتے ہیں۔ ان دنوں میں کہ دل بھی تھا۔ اور طاقت بھی تھی۔ شیخ محسن الدین مرحوم سے بطریق تمنا کہا گیا تھا۔ کہ جی یوں چاہتا ہے۔ کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لاؤں۔ طاقت کہاں سے پاؤں۔ نہ آموں کی طرف وہ رغبت نہ معدہ میں اتنی آموں کی گنجائش۔ نہار منہ میں آم نہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھاتا ہی نہیں جو کہوں۔ بین الطعامین ہاں آخر روز بعد ہضم معدہ آم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں۔ اتنے آم کھاتا تھا۔ پیٹ بھر جاتا تھا۔ اور دم پیٹ میں نہ سماتا تھا۔ اب بھی اسی وقت کھاتا ہوں۔ مگر دس بارہ اگر پیوندی آم بڑے ہوتے تو پانچ سات

۵۔

دریغا کہ عہد جوانی گذشت
جوانی مگو زندگانی گذشت

اب اس کے واسطے کیا صبر کروں۔ مگر حضرت کا دیکھنا اس کے واسطے متحمل رنج سفر ہوں تو جاڑے میں نہ برسات میں۔ ع

ہے وائے ز محرومی دیدار دگر ہیچ

ایضاً۔ بندہ پرور بہت دن ہوئے پرسوں آپ کا خط آیا۔ سرنامہ پر دستخط اور کے اور نام آپ کا پایا۔ دستخط دیکھ کر مغموم ہوا۔ خط کے پڑھنے سے معلوم ہوا۔ کہ تمہارے دشمن بعارضہ تپ لرزہ رنجور ہیں۔ اللہ اللہ ضعف کی یہ شدت کہ خط کے لکھنے سے معذور رہیں۔ خداوند جلد دکھلائے

کہ تمہارا خط تمہارا دستخطی آئے۔ سرنامہ دیکھ کر دل کو فرحت ہو۔ خط پڑھ کر دونی مسرت ہو۔ جب تک ایسا خط نہ آئے گا۔ دل سودازدہ آرام پائیگا۔ قاصد ڈاک کی راہ دیکھتا رہونگا۔ جناب ایزدی میں سرگرم دعا رہونگا۔ آپ کے عم عالی مقدار اور بزرگ آموزگار کو میرا سلام مع صنوف اشتیاق والوف احترام جناب چودہری صاحب آؤ۔ ہم تم حضرت عالم کے پاس چلیں اور اپنی آنکھیں اُن کے کف پائے مبارک سے ملیں۔ میں سلام کرونگا تو معروف ہوتا کہ غالب یہی ہے۔ اہل دہلی میں آپ کے دیدار کا طالب یہی ہے میں نے عزم قدمبوسی کیا پیر و مرشد نے مجھے گلے لگایا فرماتے ہیں۔ کہ غالب تو اچھا ہے۔ عرض کرتا ہوں۔ کہ الحمدللہ حضرت کا مزاج مقدس کیسا ہے۔ ارشاد ہُوا کہ مولوی سید برکات حسن تیری بہت تعریف کرتے سنتے ہیں۔ جناب یہ اُن کی خوبیاں ہیں۔ میں ایسا نہیں ہوں۔ جیسا وہ کہتے ہیں۔ کاش و میری رنجوری کا حال کہتے ضعف قوئی اور اضمحلال کہتے تاکہ میں ان کے کلام کی تصدیق کرتا۔ ان کی غمخواری اور درد مند نوازی کا دم بھرتا ؎

درکشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن

اینکہ من نمی میرم ہم ز ناتوانیہاست

حضرت نے میری گرفتاری کا نیا رنگ نکالا۔ بوستان خیال کے دیکھنے کا دانہ ڈالا۔ مجھ میں اتنی طاقت پرواز کہاں کہ بلا سے اگر پھنس جاؤں دام پہ گر کے دانہ زمیں پر سے اُٹھاؤں حضرت سچ تو یوں ہے کہ غم ہائے روزگار نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ سانس نہیں لے سکتا اتنا تنگ کر دیا ہے۔ یہ بات سو طرح سے خیال میں آئی پہ دل نے کسی طرح تسلی نہ پائی۔ اب دو باتیں سوچا ہوں ایک تو یہ کہ جبتک جیتا ہوں یوں ہی رویا کروں گا۔ دوسری یہ کہ آخر ایک نہ ایک دن مرونگا۔ یہ صغریٰ و کبریٰ دلنشین ہے۔ نتیجہ اس کا تسکین ہے ہیہات ؎ منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

اے حضرت شاہ عالم صاحب میرا سلام لیجئے کاغذ باقی نہیں رہا۔ اپنے سب بھائیوں کو مع میر وزیر علی صاحب میرا سلام کہہ دیجئے گا۔

ایضاً: جناب چودھری صاحب سیاہی کھیکی۔ کاغذ پتلا۔ پیر و مرشد کی عبارت ایک طرف آپکی تحریر بھی مغشوش ہوگئی۔ بہرہ ہوگیا ہوں۔ مگر حضرت بصر ہنوز باقی ہے تمہاری عبارت کا جو لفظ پڑھ لیا۔ قرینہ سے اُس کا محاورہ بھی معلوم ہوگیا۔ حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت توام شاہ عالم کے اگر پڑھا گیا ہو تو یارے پھوٹیں ایمان نصیب نہ ہو۔ وہ خط بدستور آپ کے پاس واپس بھیجتا ہوں اور ایک سفید کاغذ پر حرف بحرف اس کی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجئے۔ تاکہ اس کے جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں لیکن

بہت جلد آپ کی نگارش سے اتنا دریافت ہوگیا۔ کہ اب آپ اچھے ہیں۔ الحمدللہ ۔

ایضاً بندہ پرور پرسوں تمہارا خط آیا۔ آج جواب لکھ رکھتا ہوں کل ڈاک میں بھجوا دونگا میرا حال کیوں پوچھو اپنے کو دیکھو جو تمہارا ڈھنگ ہے وہی میرا رنگ ہے۔ شور وا ور امرض خاص ہا ور رنج عام۔ یہ ایک اجمال۔ دوسرا اجمال سُنو کہ مہینہ بھر سے صاحب فراش ہوں۔ صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہتا ہوں محل سرائے اگرچہ دیوان خانہ کے بہت قریب ہے۔ پر کیا امکان جو جا سکوں صبح کو ۹ بجے کھانا یہیں آجاتا ہے پلنگ پر سے کھسل پڑا ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا پھر ہاتھ دھوئے کلی کی پلنگ پر جا پڑا پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے اُٹھا اور حاجتی میں پیشاب کیا۔ اور پڑ رہا۔ مدتوں سے یہ مرض ہے کہ پیشاب جلد جلد آتا ہے۔ اُس صاحب فراش ہونے کو دیکھو اور دم بدم تقاضائے بول کو دیکھو پاخانے اگرچہ دن رات میں ایک دفعہ جاتا ہوں۔ مگر صحت کو تصور کرو ایک پھوڑا داہنی پہنچے میں جس کو ساعد کہتے ہیں۔ دو پھوڑے بائیں پہنچے میں یہ سہل میں بائیں پاؤں میں کفِ پا و پشت پا سے لیکر آدھی پنڈلی تک ورم اور ورم بھی سخت لادوعات و عمالات سے کچھ نہ ہوا۔ اب تجویز ہے۔ کہ نیب کا بھرتہ باندھیے جب پکے پھوٹے تب مرہم لگائیے اور کفِ پا میں جراحت کا عمل ہوا تو قیاس کا کہاں ٹھکانا یہ حال جیسا کہ میں اُوپر لکھ آیا ہوں۔ مجمل و جزوی ہے میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد حضرت صاحب عالم مجھ سے آزردہ ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا۔ اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں۔ حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل اور واقف سے لے کر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔ اور رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ ان حضرات کا کلام تھوڑی تھوڑی تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مبدع ہوا۔ خیال ہائے نازک و معانی بلند لایا۔ اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عُرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑگئی۔ اس ہوش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چربا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہیں۔ اور کی وا سدی و فردوسی یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے تو اب طرزیں تین ٹھیری ہیں۔ خاقانی اس کے اقران۔ ظہوری۔ اس کے امثال صائب اس کے نظائر۔ خاں صاحب ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام ان تینوں طرزوں میں سے کس طرز پر ہے بے شبہ فرمائیے گا کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو ہم نے جانا۔ کہ ان کی طرز جو تھی۔ سے کیا کہنا ہے۔ اچھی طرز ہے۔ مگر فارسی نہیں ہے ہندی ہے دارالضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے۔ ٹکسال سے باہر ہے۔ واہ واہ

انصاف انصاف ؎

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار ز یک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادۂ بعضے حریفاں خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم ورائے شاعری چیزے دگر ہست

وہ چیز دگر پارسیوں کے حصے میں آئی ہے ہاں اردو زبان میں اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی علیہ الرحمۃ ؎

بد نام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو
رکھیگا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

؎ دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا
قائم ؎ قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں...
مومن خاں ؎ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ تیز نشتر ہیں مگر ان کا کوئی شعر اسوقت یاد نہیں آتا۔ یاد کیا آوے بیٹھا ہوا ہوں۔ دمبدم پاؤں کے ورم کی ٹیس ہوش اڑائے دیتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ ایک عبارت لکھتا ہوں۔ چونکہ لفافہ جناب چودھری عبدالغفور صاحب کے نام کا ہوگا۔ پہلے وہ پڑھیں۔ پھر میرے پیرو مرشد کی نظر سے گذرانیں پھر مرشد زادہ شاہ عالم صاحب کو دکھائیں برس دن سے فساد خون کے عوارض میں مبتلا ہوں۔ پھوڑوں اور دام میں لد رہا ہوں۔ بیس دن ہیں اوجاع سہتے سہتے روح تحلیل ہوگئی۔ نشست و برخاست کی طاقت نہ رہی اور پھوڑے تو خیر مگر دونوں پنڈلیوں میں ہڈیوں کے قریب دو پھوڑے ہیں۔ کھڑا ہوا اور ہڈیاں چرانے لگیں اور رگیں پھٹنے لگیں۔ بائیں پاؤں پر کف پا سے جہاں وہ پھوڑا ہے۔ پنڈلی پر ورم ہے۔ رات دن پڑا رہتا ہوں۔ پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے کھسل پڑا۔ بعد رفع حاجت پھر لیٹ رہا اسی صورت سے روٹی کھاتا ہوں۔ اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف خطوط ضروری لیٹے لیٹے لکھتا ہوں دو خط چودھری صاحب کے آئے۔ اور ایک خط شاہ عالم صاحب کا اور دو خط حضرت صاحب کے آئے۔ جواب نہ لکھ سکا۔ آج اپنے کو ٹھٹے دیکر مرد بنایا۔ جب یہ عبارت لکھی۔ چودھری صاحب کو سلام شاہ عالم صاحب کو بندگی ۔

بنام میر سرفراز حُسین صاحب

میری جان کے چین تجدید العہد میر سرفراز حسین تم کو اور تمہارے بھائی اور تمہارے دوست کو دعا اور پھر یہ بیان کہ غدر سے پہلے ہر دربار میں خلعت پاتا تھا۔ بعد غدر دربار اور خلعت اور ملاقات سکرٹروں کی یہ سب موقوف اب جو لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب آئے تو انہوں نے خود مجھے بلا بھیجا۔ اور خلعت دیا اور فرمایا کہ یہ ہم اپنی طرف سے از راہِ محبت دیتے ہیں۔ اور یہ نوید علاوہ کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں کا بھی دربار اور خلعت کھل گیا۔ انبالے جاؤ گے تو پاؤ گے میں انبالے نہ جا سکا۔ بالفعل نائب گورنر کے خلعت پر قناعت کی اس خلعت کو بشرطِ حیات اور وقت پر موقوف رکھا۔ ہملٹن صاحب الور میں آ گئے۔ راجہ صاحب دربار روز کرتے ہیں۔ اہل اغراض کی عرائض جو حضور میں گذرتے ہیں۔ وہ حضور کے پنچوں کے پاس بھیج دیتے ہیں خریطہ یعنی حکم تحریری اختیار لینے کا ابھی نہیں آیا۔ یقین ہے کہ لارڈ صاحب بعد اختتام سفر جب شملہ پہنچیں گے تو خریطہ جاری ہوگا۔ آج جمعہ ساتویں شوال کی اور ستائیسویں مارچ کی ہے۔ چار گھڑی دن چڑھے میں یہ خط لکھ کر بھیجتا ہوں۔ تم بھی پڑھو اور میر مہدی کو بھی پڑھاؤ۔ وہ اب شاید تھوڑے دنوں تک میں خط نہ لکھ سکوں تفصیل اس کی یہ کہ رجب کے مہینے میں سیدھے پر ایک پھنسی ہوئی پھنسی پھوڑا ہو گئی پھوڑا پھوٹ کر زخم بنا زخم بگڑ کر غار ہو گیا۔ اب بقدر کف دست وہ گوشت مردار ہو گیا انبالے نہ جانے کی بھی یہی وجہ ہوئی دو دفعہ سے انگریزی علاج ہوتا ہے۔ کالا ڈاکٹر روز آتا ہے۔ آج اُس نے ارادہ اُس مُردار گوشت کے کاٹنے کا کیا ہے اب وہ آتا ہوگا۔ میں جلد جلد یہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ تاکہ پھر ہاتھ کے پرزے اُڑاؤں۔ نجات کا طالب غالبؔ۔

ایضاً نورِ چشم راحتِ جان میر سرفراز حسین جیتے رہو۔ تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو پیرہن نے یعقوبؑ کے ساتھ کیا تھا۔ میاں یہ ہم تم بوڑھے ہیں۔ یا جوان ہیں توانا ہیں۔ یا ناتواں ہیں۔ بڑے بیش قیمت ہیں۔ یعنی بہر حال غنیمت ہیں۔ کوئی جلا بھنا کہتا ہے۔ ؎

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ   یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالاخانہ ہے۔ اور وہی میں ہوں۔ سیڑھیوں پر نظر ہے۔ کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے وہ یوسف میرزا آئے وہ میرن آئے۔ وہ یوسف علی خاں آئے۔ مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنتے نہیں۔ اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتم دار ہوں میں مروں گا۔ تو مجھ کو کون روئے گا۔ سنو غالبؔ رونا پیٹنا کیا کچھ اختلاط کی باتیں کرو۔ کہو میر سرفراز حسین سے کہ یہ خط میر مہدی کو پڑھواؤ۔ اور میرن صاحب کو بتاؤ کل شام کو یا پرسوں شام کو میر اشرف علی صاحب میرے

پاس آئے تھے۔ کہتے تھے۔ کہ کل یا پرسوں پانی پت کو جاؤں گا۔ میں نے اُن کی زبانی کچھ پیام میرن صاحب کو بھیجا ہے۔ اگر بھول نہ جائیں گے۔ پہنچا دینگے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے۔ کہ صاحب اب نہیں ہے نہ ہو۔ غلام اشرف نہیں ہے نہ ہو۔ اگر منظور کیجئے تو میں صوفی ہوں۔ ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں۔ بموجب مصرعہ کے ع دل بدست آور کہ حج اکبر است تم سے کب انکار کرتا ہوں۔ اگر مرزا گوہر کی جگہ مانو تو خوش۔ اگر غلام اشرف جانو تو راضی۔ رات کو اپنے گھر میں باتیں بناؤ دن کو مجھ سے جی بہلاؤ۔ قصہ مختصر آؤ۔ اور جلد آؤ۔ سید انور کا جو حال لکھتے ہو وہ سچ ہے راجپوت ایسا ہی کچھ کرتے ہیں۔ مگر مہاراجہ مسلمانوں کا دم بھرتے ہیں۔ کچھ دن جاتے ہیں۔ کہ یہ لوگ پھر وہاں آتے ہیں۔ کیا مجمع برہم ہوا ہے مجھ کو کیسا غم ہوا ہے۔ تم اس جرگے سے جدا ہو۔ تم کو اندیشہ کیا ہے میر قربان علی صاحب جیسا لکھیں ویسا کرو۔ میر مہدی صاحب سارا خط پڑھ کر کہیں گے۔ مجھ کو دعا بھی نہ لکھی۔ بھائی میری دعا پہنچے۔ میر نصیر الدین ایک دن میرے ہاں آئے تھے۔ اب میں نہیں جانتا یہاں ہیں یا وہاں ہوں تو دعا کہنا میرن صاحب کے نام تو اتنا کچھ پیام ہے دعا سے نام کی حاجت کیا دیکھو۔ ہم اپنا نام نہیں لکھتے بھلا دیکھیں۔ تو سہی تم جان جاتے ہو کہ یہ خط کس کا ہے ٭

بنام مہدی حسین صاحب مجروح

بھائی تم سچ کہتے ہو۔ ع بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے۔ کہ یہ زیر باری میری تحریر کے بھروسے پر ہوئی اور خلاف میری مرضی کے ہوئی۔ جس طرح یہ آئے ہیں۔ اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے۔ لیکن واللہ میرے عقیدہ اور تصوّر اور قیاس کے مطابق ہے۔ یعنی میں بھی سمجھتا تھا کہ البتہ یوں ہی ہوگا۔ دیوان اُردو چھپ چکا ہے۔ لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا۔ اُس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا دلّی پر اور اس کے پانی پر اور اس کے چھاپے پر لعنت۔ صاحب دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں۔ کاپی نگار اور تھا متوسط جو کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا۔ وہ اور تھا اب جو دیوان چھپ چکے حق التصنیف ایک ایک مجھ کو ملا تو ور کرتا ہوں۔ تو وہ الفاظ جوں کے توں ہیں یعنی کاپی نگار نے نہ بنائے۔ ناچار غلط نامہ لکھا۔ وہ چھپا بہ حال خوش و ناخوش کئی جلدیں مول لونگا۔ اگر خدا چاہے۔ تو اسی ہفتہ میں تین مجلد اصحاب ثلٰثہ کے پاس پہنچ جائیں۔ نہ میں خوش ہوا نہ تم خوش ہو گے۔ اور جو یہ لکھتے ہو۔ کہ یہاں خریدار ہیں۔ قیمت لکھ بھیجیں دلال نہیں۔ سوداگر نہیں۔ مہتمم مطبع نہیں۔ مالک مطبع نہیں۔ اسی سے کہ ایک ... مرزا ... مطبع ... میں محمد حسین خاں دہلی

شررائے مان کے کوچہ میں مصوروں کی حویلی کے پاس قیمت کتاب چھ آنے محصول ڈاک خریدار کے ذمے طالبانِ کتاب کو اطلاع دو۔ دو چار دس پانچ جلدیں جس کو منگانی ہوں۔ محمد حسین خان کے نام پر دلّی رائے مان کے کوچے مصوروں کی حویلی کا پتہ لکھ کر خط ڈاک میں بھجوا دو۔ کتاب ڈاک میں پہنچ جائیگی قیمت چاہو نقد چاہو ٹکٹ ارسال کرو۔ مجھ کو اور تم کو کیا جو کہے اس کو یہ جواب دے دو۔ وبا تھی کہاں جو میں لکھوں کہ اب کم ہے یا زیادہ ایک چھیاسٹھ برس کا مرد۔ ایک چونسٹھ برس کی عورت ان دونوں میں سے ایک بھی مرتا۔ تو ہم جانتے کہ ہاں وبا آئی تھی۔ تُف برین وبا پنجشنبہ ۸ ماہ اگست کے مہینے کا حال کچھ معلوم نہیں۔ کل شام کو دو دو مونڈھے رکھ کر کئی آدمی دیکھا کئے ہلال نظر نہیں آیا۔ نجات کا طالب غالبؔ ۔

ایضاً۔ بھائی نہ کاغذ ہے نہ ٹکٹ ہے اگلے لفافوں میں سے ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہے۔ کتاب میں سے یہ کاغذ پھاڑ کر تم کو خط لکھتا ہوں۔ اور بیرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں غمگین نہ ہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سے پہنچ گئی ہے۔ آج کاغذ و ٹکٹ منگا لونگا سہ شنبہ ۸۔ نومبر صبح کا وقت ہے۔ جسکو عوام تڑکا فجر کہتے ہیں۔ پرسوں تمہارا خط آیا تھا۔ آج جی چاہا۔ کہ ابھی تم کو خط لکھوں اسی واسطے یہ چند سطریں لکھیں برخوردار امیر نصیر الدین پیران کی بیٹی کا قدم مبارک ہو۔ نام تاریخی تو مجھ سے ڈھونڈا نہ جائیگا ہاں عظیم النسا بیگم نام اچھا ہے۔ کہ اس میں ایک رعایت ہے۔ شاہ محمد عظیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام کی مجتہد العصر کو میری دعا کہنا۔ تم کو کیا ہوا ہے۔ کہ تم اُن کو اپنا چھوٹا بھائی جان کر مجتہد العصر نہیں لکھا کرتے یہ بے ادبی اچھی نہیں میرن صاحب کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔ شہر کا حال میں کیا جانوں کیا ہے پول ڈیوٹی کوئی چیز ہے۔ وہ جاری ہو گئی ہے۔ سوائے اناج اور اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلیگا دکانیں حویلیاں ڈھائی جاوینگی۔ دار البقا فنا ہو جائیگی۔ رہے نام اللہ کا۔ خان چند کا کوچہ شاہ بولا کی بڑھ تک ڈھیگا۔ دونوں طرف سے پھاوڑہ چل رہا ہے۔ باقی خیر و عافیت ہے۔ حاکم اکبر علی کی آمد آمد سُن رہے ہیں۔ دیکھئے دلی آئیں یا نہیں آئیں تو دربار کریں یا نہیں۔ دربار کریں تو میں گنہگار بلایا جاؤں یا نہیں بلایا جاؤں تو خلعت پاؤں یا نہیں۔ پنشن کا نہ کہیں ذکر ہے نہ کسی کو خبر ہے۔ غالبؔ سہ شنبہ ۸ ، نومبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں آج یکشنبہ کا دن ساتویں فروری کی اور شاید بائیسویں الثانی کی ہے دوپہر کے وقت شیخ مشرف علی ریختہ والے اُستاد حامد کے کوچہ کے میرے پاس آئے۔ اور اُنھوں نے تمہارا خط لکھا ہوا ۱۵ جمادی الثانی کا دیا۔ ڈاک کا خط ہرگز مجھ تک نہیں پہنچا اور نہ میں شہر سے کہیں گیا۔ جہاں رہتا تھا۔ وہیں ہوں۔ خدا جانے وہ خط مسترد کیوں ہوا۔ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارا خط

آئے اور میں پھیر دوں تم خود کہتے ہو۔ کہ اس پر یہ لکھا ہوا آیا۔ کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں ہے میں ہوتا اور یہ لکھتا کہ میں نہیں ہوں آگرہ اور الور اور کول سے برابر خط چلے آتے ہیں۔ تمہاری والدہ کا مرنا سن کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ تم کو صبر دے اور اس عفیفہ کو بخشے میرا حقیقی بھائی میرزا یوسف خان دیوانہ بھی مر گیا کیسا پنشن اور کہاں اُس کا ملنا یہاں جان کے لالے پڑے ہیں ؎

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

اگر زندگی ہے اور پھر مل بیٹھیں گے تو کہانی کہی جائیگی۔ تم کہتے ہو کہ آیا چاہتا ہوں۔ اگر آؤ تو بے ٹکٹ کے نہ آنا میر احمد علی صاحب کو لکھتے ہو۔ کہ یہاں ہیں۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ کہاں ہیں مجھ سے ملتے تو اچھا کرتے میں مخفی نہیں ہوں۔ روپوش ہوں۔ حکام جانتے ہیں۔ کہ یہاں ہے مگر نہ بازپرس و گیر و دار میں آیا ہوں نہ خود اپنی طرف سے قصد ملاقات کا کیا ہے بایں ہمہ ایمن بھی نہیں ہوں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہے نثر کیا لکھوں گا اور نظم کیا لکھوں گا۔ وہ نثر جو تم دیکھ گئے ہو وہی دو چار ورق اور بھی سیاہ کئے گئے ہیں بھیجنا ممکن نہیں جب آؤ گے اور مجھ کو جیتا پاؤ گے۔ تو دیکھو گے کشن چند میں ہے باتیں بناتا پھرتا ہے سلطان جی میں تھا اب شہر میں آ گیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے میرن صاحب کی خیر و عافیت معلوم ہوئی مگر نہ معلوم ہوا کہ وہ وہاں مع قبایل ہیں یا تنہا ہیں۔ اگر تنہا ہیں تو قبایل کہاں ہیں تمہارے چھوٹے بھائی کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں اور اچھی طرح ہیں۔ بڑے بھائی کا حال کیوں نہ لکھا یقین ہے کہ وہ اور تم یکجا ہو گو ان کو ربط مجھ سے زیادہ نہیں۔ لیکن فرزند ہونے میں تم اور وہ برابر ہو۔ خط بھیجنے میں تردد نہ کرو۔ اور ڈاک میں بے تامل بھیجا کرو۔ زیادہ زیادہ۔ غالب یکشنبہ ہفتم فروری ۱۸۵۸ء وقت رسیدن نامہ۔

ایضاً۔ نورچشم میر مہدی کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ کہ کلیات فارسی کا پہنچنا مجھ کو معلوم ہوا میاں اس میں بھی اغلاط بہت ہیں مبارک ہو تمہیں اور میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور بھائی خدا کرے مجھ کو بھی نو صاحب اجنٹ صاحب بہادر راجستان کا حکم الور کے اجنٹ کو آیا۔ کہ تم پہلی ستمبر کو راج کے کل متعلقہ تمہارے پاس ہیں۔ اور راج کا اسباب جو تمہارے تحت میں ہے۔ وہ سب راجہ صاحب کو دو اور تم الگ ہو جاؤ۔ ستمبر کی بیسیں کو ہم الور جائیں گے۔ راجہ صاحب کو مسند پر بٹھائیں گے۔ خلعت شاہی انہیں پہنائیں گے ع ستم برستم بر دو آورد داد۔ شنبہ ۲۲ اگست ۱۸۶۳ء غالب۔

ایضاً۔ برخوردار کامگار میر مہدی دہلوی اُردو بازار کے مولوی صاحب تو لوائے ولائے مرتضوی و علم عباسؑ ابن علیؑ کا سایہ۔ راجہ صاحب کے سلوک کا حال ہم پہلے ہی سن چکے تھے الحمد للہ علیٰ کل حال دیکھئے اب معاودت کب کرتے ہیں بموافق اپنے وعدہ کے ہم کو کیونکر طلب کرتے ہیں۔ کلکتہ جاتے وقت فرما گئے ہیں کہ میں آکر اسد کو بلاؤں گا۔ البتہ اگر وہ بلائیں گے تو میں کیونکر نہ جاؤں گا۔ ظاہراً ہمارے تمہارے واسطے زمانہ انتہائے مصیبت اور وقت پیش آمد دولت ہے اب مجھ کو میرن صاحب کی خوشامد کرنی پڑے گی۔ وہ مقرب نہیں گے۔ اگر میری قسمت لڑ گئی تم کامیابی کا سامان کر رکھنا میرن صاحب کو مجھ پر مہربان کر رکھنا بھائی یہ جو میرن یا امیرن صاحب ہیں۔ حضور کے بڑے مصاحب ہیں۔ جس گروہ میں سے جس کو چاہیں حضور سے ملوا دیں۔ فرقہ شعرا میں سے جس کو جو کچھ چاہیں۔ دلوا دیں۔ اُن کو اور مجتہد العصر کو میری دعا کہنا۔ نجات کا طالب غالبؔ۔

ایضاً میاں تمہاری تحریر کا جواب یہ ہے۔ کہ وہ تصویر جو میں نے میاں محمد افضل کو دی تھی۔ وہ انہوں نے واپس دی اور اس کی نقل کے باب میں یہ کہا کہ ابھی تیار نہیں ہے۔ جب وہ تیار ہو جائیگی میں اُن کو روپیہ دیکر لے لونگا۔ خاطر جمع رکھو۔ پنشن سراسر سب کو ششماہی ملنے کا حکم ہو گیا ہر مہینے میں سودے لو۔ اور کھاؤ۔ کشمیری کٹرہ بگڑ گیا ہے۔ وہ اونچے اونچے دالان وہ بڑی بڑی کوٹھڑیاں دورویہ نظر نہیں آتیں کہ کیا ہوئیں آہنی سڑک کا آنا اور اس کی راہگذر کا صاف ہونا ہنوز ملتوی ہے چار دن سے پُروا ہوا چلتی ہے ابر آتے ہیں مگر صرف چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ مینہ نہیں برستا۔ گیہوں۔ چنا۔ باجرا۔ تینوں اناج ایک بھاؤ ہیں۔ نو سیر ساڑھے نو سیر۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ کہ جلید میں ہیں یا یہاں ہیں۔ میر نصیر الدین دو بار میرے پاس آئے۔ اب مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ قاسم علی خان قطب الملک قطاب ایک دن کہتے تھے کہ میر احمد صاحب کے قبائل یہاں آئے ہوئے ہیں آخر وہ شادی بھی کب ہونے والی ہے اور کہاں ہونے والی ہے۔ اس خط کا جو جواب لکھو تو سب حالات مفصل لکھو۔

غالبؔ صبح چہار شنبہ نہم جنوری ۱۸۶۱ء

ایضاً میاں تمہارے خط کا جواب منحصر تین باتوں پر ہے دو کا جواب لکھتا ہوں تیسری بات کا جواب تم بتاؤ۔ کہ تمہیں کیا لکھوں پہلی بات میاں محمد افضل تصویر بیگئے اب وہ تصویر کھینچا کریں۔ اور تم انتظار۔ دوسری بات میر نصیر الدین آئے اور تینوں صاحبوں کا جلید کے جلسے کا حال مفصل معلوم ہوا حق تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائے تیسری بات میر صاحب کو جب تم کہو میں دلّی نہ بلاؤں گویا اُن کے عاشق تمہیں ہو۔ میں نہیں بھائی ہوش میں آؤ۔ غور کرو۔ یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ ان کو یہاں بلا کر ایک الگ مکان رہنے کو دوں، اور اگر زیادہ نہ ہو تو تیس روپیہ مہینہ مقرر کروں۔ کہ بھائی یہ لو۔ اور روپیہ

اور چاوڑی اور اجمیری دروازہ کا بازار اور لاہوری دروازہ کا بازار نل پتے پھرو اور اردو بازار اور خاص بازار اور بلاقی بیگم کا کوچہ اور خان دوران کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ امیر مہدی تو درماندہ عاجز پانی پت میں پڑا ہے میرن صاحب وہاں پڑے ہوئے دلی دیکھنے کو ترسا کریں۔ سرفراز حسین نوکری ڈھونڈتا پھرے اور میں ان غم ہائے جانگداز کی تاب لاؤں مقدور ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اللہ اللہ اللہ

سہ شنبہ ۴ جمادی الثانی ۱۸ر دسمبر ۶۰ء

ایضاً۔ قرۃ العینین میر مہدی و میر سرفراز حسین مجھ سے ناخوش اور گلہ مند ہونگے اور کہتے ہونگے۔ کہ دیکھو ہمیں خط نہیں لکھتا ؎

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں　　کاش پوچھو کہ ماجرا کیا ہے

ماجرا یہ ہے کہ تمہارا ابھی تو کوئی خط نہیں آیا۔ میں جس کا جواب لکھتا۔ میرن صاحب سے تمہاری خیر و عافیت پوچھنی اور کہہ دینا کہ میری دعا لکھ بھیجنا۔ بس اب اتنا ہی دم باقی ہے۔ کل میرن صاحب آئے۔ پوچھا۔ کہ اور سے کوئی خط آیا۔ فرمایا کہ اس ہفتہ میں کوئی خط میں نے نہیں پایا۔ کیا کہوں کیا حال ہے۔ پیش ازیں اپنا یہ شعر پڑھا کرتا تھا ؎

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیگی　　یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

اب اس زمزمہ کا بھی محل نہ رہا یعنی سعی بے حاصل کی لذت خاک میں گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرگ ناگاہ کا طالب غالب۔ سہ شنبہ۔ ۱۸ر شعبان ۱۲۷۷ھ

ایضاً۔ صاحب دو خط تمہارے بسبیل ڈاک آئے کل دوپہر ڈھلے ایک صاحب اجنبی سانولے سلونے داڑھی منڈے بڑی بڑی آنکھوں والے تشریف لائے۔ تمہارا خط دیا صرف ان کی ملاقات کی تقریب میں تھا۔ ان سے اسم شریف پوچھا گیا فرمایا اشرف علی قومیت کا استفسار ہوا معلوم ہوا۔ سید ہیں پیشہ پوچھا۔ حکیم نکلے یعنی حکیم اشرف علی۔ میں ان سے مل کر بہت خوش ہوا خوب آدمی ہیں۔ اور کام کے آدمی ہیں۔ کتنے اچھے ہو۔ مصطلحات الشعرا بھائی وہ کتاب تمہاری ہے میں نے غصب نہیں کی میرے پاس مستعار ہے دیکھ چکونگا بھیجدونگا تقاضا کیوں کرو۔ میاں محمد افضل تصویر کھینچ رہے ہیں۔ جلدی نہ کرو۔ دیر آید درست آید۔ سرفراز حسین اور میرن صاحب اور میر نصیر الدین کو دعائیں۔ غالب صبح چہار شنبہ ہفتم رمضان ہشتم مارچ۔

ایضاً میاں تم کو پنشن کی کیا جلدی ہے۔ ہر بار پنشن کیوں پوچھتے ہو۔ پنشن جاری ہو۔ اور میں تم کو اطلاع نہ دوں ابھی تک کچھ حکم نہیں دیکھوں کیا حکم ہو۔ اور کب حکم ہو۔ میرن صاحب جے پور پہنچے تم شاہ پور ہی بتاتے ہو شاید سچ ہی ہو۔ ہاں میر محمود علی اور یہ پیر برادر ابو الفضل تو تھے۔ مگر دیکھا چاہیئے۔ معدلت جگہ سے

اکثر کرے دشواری جستن ہے۔ خلاصہ میری فکر کا یہ ہے کہ اب بچھڑے ہوئے یار کہیں قیامت ہی کو جمع ہوں تو ہوں۔ سو وہاں کیا خاک جمع ہونگے۔ سُنی الگ۔ شیعہ الگ۔ نیک جدا۔ بد جدا۔ میر سرفراز حسین کو دعا۔ میر نصیر الدین کو پہلے بندگی پھر دعا۔ کتاب کا نام دستنبو رکھا گیا آگرہ میں چھاپی جاتی ہے تم سے تمہارے ہاتھ کے اوراق لکھے لونگا تب ایک کتاب تم کو دونگا۔ از غالب روز ورود نامہ پنجشنبہ ۷ ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ میر مہدی تم میرے عادات کو بھول گئے ماہ مبارک رمضان میں کبھی جامع مسجد کی تراویح ناغہ ہوتی ہے۔ میں اس مہینے میں رامپور کیوں رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے۔ مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا۔ کہ چاند رات کے دن یہاں آپہنچا یکشنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا اسی دن سے ہر صبح کو حامد علی خاں کی مسجد میں جاکر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سنتا ہوں۔ شب کو مسجد جامع جاکر نماز تراویح پڑھتا ہوں۔ کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ میں جاکر روزہ کھولتا ہوں۔ اور سرد پانی پیتا ہوں۔ واہ واہ کیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے۔ اب اصل حقیقت سنو۔ لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا انھوں نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ تنہا بھیجدینے میں وہم آیا۔ کہ خدا جانے اگر کوئی امر حادث ہو۔ تو بدنامی عمر بھر رہے اس سبب سے جلد چلا آیا ورنہ گرمی میں برسات وہاں کاٹتا اب بشرط حیات جریدہ بعد برسات جاؤنگا۔ اور بہت دنوں تک یہاں نہ آؤنگا۔ قرارداد یہ ہے۔ کہ نواب صاحب جولائی ۱۸۵۹ء سے کہ جس کو یہ دسواں مہینہ ہے۔ سو روپے مجھے ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ اب میں وہاں گیا تو سو روپے مہینہ بنام دعوت ورد یعنی رامپور ہوں تو دو سو روپے مہینہ پاؤں اور دلی رہوں تو سو روپے بھائی سو دو سو میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے۔ کہ نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں۔ مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے ہیں ملاقات بھی دوستانہ رہی۔ معانقہ و تعظیم جس طرح احباب میں مرسم ہے۔ وہ صورت ملاقات کی ہے۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوائی تھی۔ بس بہر حال غنیمت ہے رزق کے اچھی طرح ملنے کا شکر چاہیئے۔ کمی کا شکوہ کیا۔ انگریز کی سرکار سے دو ہزار روپے سال ٹھہری۔ اس میں سے مجھ کو ساڑھے سات سو روپے سال ایک صاحب نے نہ دیئے۔ مگر تین ہزار روپے سال۔ عزت میں وہ پایہ جو رئیس زادوں کے واسطے ہوتا ہے۔ بنارہا۔ خانصاحب بسیار مہربان دوستان القاب خلعت سات پارچہ اور جیغہ و سرپیچ و مالائے مروارید بادشاہ اپنے فرزندوں کے برابر پیار سے مجھے بخشی۔ ناظر، حکیم، کسی سے توقیر کم نہیں۔ مگر فائدہ وہی قلیل سو میری جان یہاں بھی وہی نقشہ ہے۔ کوٹھری میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آرہی ہے۔ پانی کا جھجر دھرا ہوا ہے حقہ پی رہا ہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا یہ باتیں کر لیں۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب اور میر نصیر الدین صاحب کو یہ خط پڑھا دینا۔ اور میری دعا کہدینا۔ جمعہ ۱۶ اپریل ۔

ایضاً۔ جوبیائے حال دہلی والو! سلام لو۔ مسجد جامع واگذاشت ہوگئی۔ چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں نے دوکانیں بنالیں۔ انڈا مرغی۔ کبوتر بکنے لگا۔ دس آدمی مہتمم ٹھیرے مرزا الٰہی بخش مولوی صدرالدین قضاحسین خان تین یہ سات اور ۷ر نومبر ۴ر جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جاڑا پڑ رہا ہے ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے کل سے رات کو نری انگیٹھی پہ گذارا ہے۔ بوتل گلاس موقوف راجہ پٹیالہ مرگیا۔ مہندر سنگھ اس کے خلف پہ خطاب فرزندی اور القاب بحال و برقرار رہا بالفعل دیوان نہال چند کام کر رہا ہے۔ ظاہرا جو رنگ اس ریاست کا ہونیوالا ہے۔ وہ نواب گورنر جنرل کے آنے پر کھلیگا اور وہ فروری مہینے میں یہاں آئیں گے۔ الور کی ریاست کا حال بدستور ہے۔ گورنر صاحب ہی انہیں اختیار دیں گے یعنی پٹیالہ اور الور کے راج کا انتظام اسی وقت پر ہوگا۔ بالفعل امپی صاحب ایجنٹ الور دلی ہوتے ہوئے میرٹھ گئے ہیں۔ راجہ صاحب انجہارہ تک اُن کی مشایعت کر گئے یہاں امپی صاحب سے کوئی صاحب سنگھ ٹھیکیدار الور کی شرک کا ہے۔ اس نے کچھ کہا تھا۔ جواب دیا کہ الور کے مقدمات میں پنچوں کو اختیار ہے ہم کچھ حکم نہ دینگے۔ اسفندیار بیگ متوفی کا کوئی متبنّے مستدعی پرورش ہوا۔ اس کو بھی یہی جواب ملا۔ اب اور بولو۔ کیا لکھوں دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ یوسف علی خان اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں۔ کھانا تیار ہے خط لکھ کر بند کر کر آدمی کو دوں گا۔ اور میں گھر جاؤنگا وہاں ایک دالان میں دھوپ آتی ہے اس میں بیٹھوں گا۔ ہاتھ منہ دھوؤں گا ایک روٹی کا چھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤں گا۔ بیسن سے ہاتھ دھوؤں گا۔ باہر آؤنگا۔ پھر اس کے بعد خدا جانے کون آئیگا۔ کیا صحبت ہوگی۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب اور ذاکر الحسین میر افضل علی عرف میرن صاحب کو دعا۔ منگل کا دن ۲۳ جمادی الثانی ۱۶ر دسمبر پہر دن چڑھے ۔ غالبؔ

ایضاً۔ پنجشنبہ ۱۵ر ذیقعدہ و مئی ہاہم صاحب آج تمہارا خط دوپہر کو آیا۔ اُس میں میں نے مسودہ تاریخ کا پایا۔ قلمدان میں رکھ لیا۔ خط پڑھ کر میر سرفراز حسین کو بھیج دیا۔ کل وہ کہتے تھے کہ انیس روپے کو تین گاڑیاں مقرر ہوگئی ہیں۔ کل یعنی آج شام کو سوار ہو جاؤں گا۔ اب اس وقت جو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ پہر دن باقی ہے لکھ کر کھلا رکھ چھوڑ دوں گا شام کو مجتہد میرے گھر ضرور آئیں گے۔ اگر آج جائیں گے تو واسطے تودیع کے اور اگر نہ جائیں گے تو موافق معمول کے آئیں گے۔ اُن کے جانے نہ جانے کا حال صبح کو اسی ورق پر لکھ کر خط بند کر کے بھیج دونگا۔ خدا کرے آموں کی نذر کا لفافہ اُنھوں نے ڈاک میں بھیج دیا ہو شام کو مجھے دے جائیں۔ تو میں کل اس خط

کے ساتھ اُسے بھی بھجوا دوں تمہارا جی اگر دورہ کریں گے تو کیا اندیشہ ہے۔ گرمی کا موسم ہے لمبا چوڑا سفر کیوں کریں گے۔ آٹھ سات دن میں پھر آئیں گے یہاں کی تلاش کا نتیجہ دیکھو تب کہیں جائیو۔ میرن صاحب کی تمہاری پھوپھا چچا جانی کے نالے کا مجھ میں دم نہیں۔ تم جانو وہ جانیں کلیات کے چھاپے کی حقیقت نو ۹۰ صفحے چھاپے گئے تھے۔ کہ مولوی ہادی علی سچ بیمار ہو گئے کاپی نگار رخصتی اپنے گھر گیا۔ اب دیکھیے کب چھاپا شروع ہوتا ہے۔ قاطع برہان کا چھاپا ختم ہوا ایک جلد بطریق نمونہ آ گئی۔ میں نے پچاس جلدوں کی درخواست پہلے سے درخواست دے رکھی ہے اب پچاس روپے بھیجوں تو پچاس جلدیں منگاؤں دیکھیے روپیہ تیل کب میسر ہو اور دوا کب ناچے۔ یہاں کل شام کو میر سرفراز حسین میرے گھر نہیں آئے [illegible] کو مجھ سے بغیر رخصت ہوئے گئے یا نہیں گئے ہیں تو آج جمعہ ۱۶ مئی صبح کے وقت یہ خط ڈاک میں بھیجتا ہوں

نجات کا طالب غالب ۔

ایضاً۔ او صاحب یہ تماشا دیکھو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین کہاں ہیں حالانکہ میر نصیر الدین شہر میں ہیں۔ اور مجھ سے نہیں ملتے۔ میر سرفراز حسین آئے ہیں۔ اور میرے ہاں نہیں اُترے لاحول ولا قوۃ اتر نہ گئے سے ملنے کو بھی نہیں آئے افسوس ہے جس کو میں اپنا سمجھتا ہوں۔ وہ مجھ کو بیگانہ جانتے ہیں۔ اب تم یہ پوچھو کہ نصیر الدین کا دلی میں ہونا اور مجتہد العصر کا یہاں آنا۔ تو نے کیونکر جانا بھائی آج جمعہ کا دن ۱۳ ربیع الثانی کی اور ۱۱ جنوری کی صبح کے وقت منہ اندھیرے اسی وقت میری آنکھ کھلی تھی۔ لحاف میں لیٹا ہوا پڑا تھا۔ کہ ناگاہ میر نصیر الدین صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ اب میں جاتا ہوں۔ اور میر حسن صاحب بھی چلتے ہیں میں سمجھا میر سرفراز حسین جب بعد تکرار معلوم ہوا۔ تو میر حسن جے پور سے آئے۔ اور خدا جانے کہاں اُترے اور اب کہاں جاتے ہیں ہے ہے مجھے غیر سمجھا یا مرا ہوا سمجھا کہ میرے ہاں نہ آئے۔ اور مجھ سے نہ ملے اپنی سسرال میں رہے اور میکے کو چھوڑا۔ واللہ میرا جی ان کے دیکھنے کو بہت چاہتا تھا۔ اب اٹھا ہوں سردی رفع ہو لے دھوپ نکل آئے۔ آغا جان کے ہاں آدمی کو بھیجتا ہوں۔ میں کم بخت یہ بھی تو نہیں جانتا۔ کہ آغا جان کہاں رہتے ہیں۔ اب میر احمد علی کی بی بی پاس جنش خان کے پھاٹک آدمی بھیجوں گا۔ جب آغا جان کے گھر کا پتہ معلوم ہو جائیگا۔ اور آدمی دیکھ آئیگا۔ اور یہ بھی معلوم کر آئیگا۔ کہ میر حسن صاحب ہیں تو میں سوار ہو کر جاؤنگا اور اُن سے ملونگا۔ تم اس خط کا جواب جلد لکھو۔ اور اپنے چچا کے یہاں آنیکا منشا اور انکا احوال مفصل لکھو تصویر کا حال آگے لکھ چکا ہوں (۱)۔ خاطر جمع رکھو اور مجتہد العصر اور میرن صاحب کا حال لکھو۔ نجات کا طالب غالب ۔ صبح جمعہ ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ میاں لڑکے کہاں پھر رہے ہو۔ ادھر آؤ خبریں سنو۔ دربار والے صاحب کا مہینہ میں ہوا دہلی کے علاقہ کے

جاگیردار بموجب حکم کمشنر دہلی میرٹھ گئے۔ موافق دستور قدیم مل آئے۔ غرضیکہ پنجشنبہ ۲۹ر دسمبر کو پچھلے پہر لارڈ صاحب یہاں پہنچے کابلی دروازہ کی فصیل کے تلے ڈیرے ہوئے اسی وقت توپوں کی آواز سنتے ہی میں سوار ہو گیا۔ میر منشی سے ملا اُن کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب سکریٹری کو خبر کروائی جواب آیا۔ کہ فرصت نہیں یہ جواب سنکر نومیدی کی پوٹ باندھ کر لے آیا ہر چند پنشن کے باب میں ہنوز مطلق حکم نہیں۔ مگر کچھ فکر کر رہا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ لارڈ صاحب کل یا پرسوں جانیوالے ہیں۔ یہاں کچھ کلام و پیام نہیں ممکن تحریر ڈاک میں بھی جائیگی۔ دیکھئے کیا صورت درپیش آئیگی۔ مسلمانوں کی املاک کی واگذاشت کا حکم عام ہو گیا ہے جنکو کرایہ پر ملی ہے۔ ان کو کرایہ معاف ہو گیا ہے آج یک شنبہ یکم جنوری سنہ ۱۸۶۰ء ہے۔ پہر دن چڑھا ہے کہ یہ خط تم کو لکھا ہے۔ اگر مناسب جانو تو آؤ۔ اپنی املاک پر قبضہ پاؤ۔ چاہو یہیں رہو چاہو پھر چلے جاؤ میر سرفراز حسین میر نصیر الدین میرن صاحب کو میری دعائیں کہنا اور حکیم میر اشرف علی کو بعد دعائے یہ کہہ دینا کہ وہ جنوب جو تم نے مجھ کو دی تھیں ان کا نسخہ جلد لکھ کر بھیجدو واللہ موجود ما سوا اسعد دم اپنی مرگ

کا طالب غالبؔ

ایضاً۔ برخوردار تمہارا خط آیا حال معلوم ہوا میں اس خیال میں تھا۔ کہ الور کا کچھ حال معلوم کروں۔ اور کپتان الیگزنڈر کا خط آئے۔ اور میں اس کو میر سرفراز حسین کے مقدمہ میں لکھوں تو اسوقت تمہارے خط کا جواب لکھوں۔ چونکہ آجتک اُن کا خط نہ آیا۔ میں سوچا کہ اگر اسی انتظار میں رہونگا۔ اور خط کا جواب نہ بھیجوں گا تو میرا پیارا میر مہدی خفا ہوگا۔ ناچار جو کچھ الور کا حال سُنا ہے وہ اور کچھ اپنا حال لکھتا ہوں۔ ہر چند میں نے دریافت کرنا چاہا حکیم محمود علی کا وہاں پہنچنا اور یہ کہ وہاں پہنچنے کے بعد کیا طور قرار پایا۔ کچھ معلوم نہیں ہوا۔ صرف خبر واحد ہے۔ کہ انکو راؤ راجہ نے صاحب ایجنٹ سے اجازت لیکر بلا لیا ہے کہتے ہیں کہ صاحب ایجنٹ الور نے راجہ کے بالغ اور عاقل ہونے کی رپورٹ صدر کو بھیجی ہے کیا عجب ہے۔ کہ ان کا راج انکو مل جائے۔ مولانا غالب علیہ الرحمتہ ان دنوں بہت خوش ہیں۔ پچاس ساٹھ جزو کی کتاب امیر حمزہ کی داستان کی اور اسی قدر حجم کی ایک جلد بوستان خیال کی آگئی ہے سترہ بوتلیں بادۂ ناب کی توشک خانہ میں موجود ہیں۔ دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں رات بھر شراب پیا کرتے ہیں ؎

کسے کیں مرادش میسر بود — اگر جم نباشد سکندر بود

میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور میر نصیر الدین صاحب کو دعائیں۔ اور دید کی آرزو میں۔

ایضاً۔ اے جناب میرن صاحب السلام علیکم حضرت آداب کہو صاحب اجازت ہے۔ مہدی کے خط کا جواب لکھنے حضور میں کیا منع کیا کرتا ہوں۔ میں نے تو یہ عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں۔ بخار جاتا رہا ہے

صرف پیچش باقی ہے وہ بھی رفع ہو جائیگی۔ میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں۔ آپ پھر کیوں تکلیف کریں۔ نہیں میرن صاحب اُن کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں۔ وہ خفا ہوا ہوگا۔ جواب لکھنا ضرور ہے۔ حضرت وہ آپ کے فرزند ہیں۔ آپ سے خفا کیا ہونگے۔ بھائی آخر کوئی وجہ تو بتاؤ۔ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو۔ سبحان اللہ لو حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں۔ کہ تو باز رکھتا ہے۔ اچھا تم باز نہیں رکھتے مگر یہ تو کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں کیا عرض کروں سچ تو یہ ہے۔ کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سنتا اور حظ اُٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں۔ تو نہیں چاہتا کہ تمہارا خط جاوے۔ میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں۔ میری روانگی کے تین دن کے بعد آپ خط شوق سے لکھیئے گا۔ میاں بیٹھو ہوش کی خبر لو۔ تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ میں بوڑھا آدمی بھولا آدمی تمہاری باتوں میں آگیا۔ اور آج تک اُسے خط نہیں لکھا لاحول ولا قوۃ۔ سنو میر مہدی صاحب میرا کچھ گناہ نہیں میرے خط کا جواب لکھو۔ تپ تو رفع ہو گئی پیچش کے رفع ہونے کی خبر شتاب لکھو۔ پرہیز کا بھی خیال رکھا کرو۔ یہ بڑی بات ہے۔ کہ وہاں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں۔ تمہارا پرہیز اگر ہوگا بھی تو عصمت بی بی از بے چادری ہوگا۔ حالات یہاں کے مفصل میرن صاحب کی زبانی معلوم ہونگے۔ دیکھو بیٹھے ہیں۔ کیا جانوں حکیم میر اشرف علی ہیں اور ان میں کچھ کونسل تو ہو رہی ہے پنجشنبہ روانگی کا دن ٹھہرا تو ہے۔ اگر چل نکلیں اور پہنچ جائیں تو ان سے پوچھو کہ جناب ملکہ انگلستان کی سالگرہ کی روشنی کی محفل میں تمہاری کیا گت ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم کر بھیجو کہ یہ جو فارسی مثل مشہور ہے۔ کہ دفتر را گاؤ خورد۔ اس کے معنی کیا ہیں۔ پوچھیو اور نہ چھوڑیو جب تک یہ نہ بتائیں۔ اس وقت پہلے تو آندھی چلی پھر مینہ آیا اب مینہ برس رہا ہے میں خط لکھ چکا ہوں سرنامہ لکھ کر رکھ چھوڑوں گا۔ جب ترشح موقوف ہو جائیگا تو کلیان ڈاک کو لے جائے گا میر سرفراز حسین کو دعا پہنچے۔ اللہ اللہ تم پانی پت کے سلطان العلما اور مجتہد العصر بن گئے۔ کہو وہاں کے لوگ تمہیں قبلہ و کعبہ کہنے لگے یا نہیں۔ میر نصیر الدین کو دعا کہنا۔

ایضاً۔ اہاہا میرا پیارا مہدی آیا۔ آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے بیٹھو یہ رامپور ہے دار السرور ہے جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے۔ پانی سبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے۔ اور کوسی اُس کا نام ہے بے شبہ چشمۂ آبحیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے خیر اگر یوں بھی ہے۔ تو بھائی آب حیات عمر بڑھاتا ہے۔ لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔ تمہارا خط پہنچا تردد عبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میرا دوست نہ عرف لکھنے کی حاجت نہ محلے کی حاجت بے وسواس خط بھیج دیا کیجئے اور جواب لیا کیجئے۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے اور صحبت مرغوب ہے۔ اس وقت مہمان

ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہے۔ لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

ایضاً۔ آؤ میاں سید زادہ آزادہ دلی کے عاشق دلدادہ۔ ڈھے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو بُرا کہنے والے۔ نہ دل میں مہر و آزرم نہ آنکھ میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنوں کہاں ذوق کہاں مومن خان کہاں ایک آزردہ سو خاموش دوسرا غالب وہ بیخود و مدہوش نہ سخنوری رہی نہ سخن دانی کس برتے پر تتا پانی ہائے دلی وائے دلی بھاڑ میں جائے دلی۔ سنو صاحب پانی پت کے رئیسوں میں ایک شخص ہیں۔ احمد حسین خان ولد سردار خان ولد لاور خان اور ناناس احمد حسین خان کے غلام حسین خان ولد مصاحب خان اس شخص کا حال از روئے تحقیق مشرح اور مفصل لکھو۔ قوم کیا ہے عمر کیا ہے طریق کیا ہے۔ احمد حسین خاں کی لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے طبیعت کا کیا ڈھنگ ہے۔ بھائی لکھو اور جلد لکھو۔

ایضاً۔ سید قادر کی پناہ عبارت لکھنے کا ڈھنگ کیا ہاتھ آیا ہے۔ کہ تم نے سارے جہان کو سر پر اٹھا یا ہے۔ ایک غریب سید مظلوم کے چہرہ نورانی پر چھا سا نکلا ہے۔ تم کو سرمایۂ آرائش گفتار بہم پہنچا ہے۔ میری ان کو دعا پہنچا دو۔ اور ان کی خیر و عافیت جلد لکھو۔ بھائی یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور ہے سمجھ میں کسی کے نہیں آتا کہ کیا طور ہے۔ اوائل ماہ انگریزی میں روک ٹوک کی شدت ہوئی تھی۔ آٹھویں دسویں سے وہ شدت کم ہو جاتی تھی۔ اس مہینے میں برابر وہی صورت رہی ہے آج ۲۷ مارچ کی ہے پانچ چار دن مہینے کے باقی ہیں آنچ ویسے ہی تیز ہے۔ خدا اپنے بندوں پر رحم کرے مجھ پر میرے اللہ نے ایک اور عنایت کی ہے۔ اور اس غمزدگی میں ایک گونہ خوشی اور کیسی بڑی خوشی دی ہے تم کو یاد ہوگا۔ ایک دستنبو نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی نذر بھیجی تھی۔ آج پانچواں دن ہے۔ کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کا خط مقام الہ آباد سے ببیل ڈاک آیا۔ وہی کاغذ افشانی وہی القاب قدیم کتاب کی تعریف عبارت کی تحسین مہربانی کے کلمات کبھی تم کو خدا یہاں لائیگا۔ تو اس کی زیارت کرنا پنشن کے ملنے کا بھی حکم آجکل آیا چاہتا ہے۔ اور یہ بھی توقع پڑی ہے۔ کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں سے بھی کتاب کی تحسین اور عنایت کے مضامین کی تحریر آجائے میرن صاحب کو سلام پہلے لکھ چکا ہوں۔ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین کو دعا کہہ دینا اور یہ خط دکھا دینا ۔

ایضاً۔ برخوردار نور چشم میر مہدی کو بعد دعائے حیات و صحت کے معلوم ہو۔ بھائی تم نے بنجار کو کیوں آنے دیا۔ تپ کو کیوں چڑھنے دیا۔ کیا بنجار میرن صاحب کی صورت میں آیا تھا۔ جو تم مانع نہ آئے کیا تپ ابن بہا کر آئی تھی۔ جو اس کے روکتے ہوئے شرمائے حکیم اشرف علی ابھی آگئے ہیں۔ کہتے تھے۔ کہ میں نے

نسخہ لکھ کر آج ڈاک میں بھیجدیا ہے۔ چونکہ یہ خط بھی آج روانہ ہوتا ہے کیا عجب ہے کہ دونوں خط ایک دن بلکہ ایک وقت پہنچیں دل تمہارے واسطے بہت کڑھتا ہے۔ حق تعالیٰ تم کو جلد شفا دے اور تمہاری تندرستی کی خبر مجھ کو سنائے۔ سنو میاں سرفراز حسین اس برس میں تم نے مجھ کو ایک خط لکھا وہ بھی اس طرح کہ جیسا جلال اسیر کہتا ہے۔ ع بغیر درد شکر آیت رُو بیما دارد۔ پڑھتا ہوں اس خط کو اور ڈھونڈتا ہوں۔ کہ میرے واسطے کونسی بات ہے مجھ کو کیا پیام ہے کچھ نہیں شاید دوسرے صفحہ میں کچھ ہو ادھر خاتمہ بالخیر ہے۔ یارب سرنامہ میرے نام کا آغاز تحریر میں القاب میر الٰہی سالے خط میں میرن صاحب کا جھگڑا یہ کیا سیر ہے۔ میں ایسے خط کا جواب کیا لکھوں میری بلا لکھے اب جو خط لکھو گے اور اس میں اپنے بھائی کی خیر و عافیت رقم کرو گے۔ اور میرن صاحب کا نام اور ان کیلئے سلام تک بھی اس میں نہ ہوگا۔ تو میں اس کا جواب آنکھوں سے لکھوں گا۔ اور ہاں میاں پھر تم نے میر اشرف علی کو کیا لکھا۔ کہ ہم نے سنا ہے۔ کہ چچا نے اس کا مرنا سنا ہوگا اس غریب کا قول یہ ہے کہ میری دو تو انہیں اور پانچ بھانجیاں پانی پت میں ہیں کیا چچا کو نہ معلوم ہوگا۔ کہ کونسی لڑکی مری کاش اس کے باپ کا نام لکھتے۔ تاکہ میں جانتا کہ کونسی بھانجی مری ہے اب میں کس کا نام لیکر روؤں اور کس کی فاتحہ دلواؤں اس امر میں حق بجانب اس مظلوم کے ہے۔ توضیح بقید نام لکھو ؏

ایضاً بھائی ایک خط تمہارا پہلے پہنچا۔ اور ایک خط کل آیا۔ پہلے خط میں کوئی امر جواب طلب نہ تھا اگرچہ کل کے خط میں بھی صرف کتابوں کی رسید تھی۔ لیکن چونکہ دو امر لکھنے کے لائق تھے۔ اس واسطے ایک لفافہ تمہاری پسند کا تمہاری نذر کرنا پڑا۔ پہلا امر یہ کہ آج میر نصیر الدین دوپہر کو میرے پاس آئے تھے ان کو دیکھ کر دل خوش ہوا تم نے بھی خط میں لکھا تھا۔ کہ میر سرفراز حسین الور گئے تھے۔ اور میر نصیر الدین بھی کہتے تھے۔ کہ میں اور وہ ایک دن پانی پت سے چلے وہ ادھر گئے ہیں ادھر آیا ظاہرا پارسل کے پہنچنے سے پہلے وہ روانہ ہوئے ہیں۔ ان کی کتاب رہ گئی اب ان تک کیونکر پہنچے گی خدا خیر کرے۔ میاں لڑکے سنو میر نصیر الدین اولاد میں سے ہیں۔ شاہ محمد اعظم صاحب کے وہ خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا اس واسطے میر نصیر الدین کو پہلے بندگی لکھتا ہوں۔ اور یہ تمہارے علاقہ سے دعا صوفی صافی ہوں۔ اور حضرت صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں ع اگر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔ یہ جواب ہے تمہارے اس سوال کا کہ جو پہلے خط میں تم نے لکھا تھا۔ اب کے خط میں تم نے میرن صاحب کی خیر و عافیت کیوں نہ لکھی۔ یہ بات اچھی نہیں۔ میں تو ڈر گیا۔ اگر تمہارے خط میں ان کو دعا سلام لکھونگا۔ تو ان سے تم کاہے۔ کو کہو گے۔ پیرزادہ صاحب یعنی میر نصیر الدین نے ان کی بندگی

مجھ سے کہی ہے خدا کے واسطے میری دُعا اُن سے کہہ دینا ۔

ایضاً ۔ میری جان سنو داستان صاحب کمشنر بہادر دہلی یعنی جناب سانڈرس صاحب بہادر نے مجھ کو بلایا پنجشنبہ ۲۴ فروری کو میں گیا صاحب شکار کو سوار ہو گئے تھے میں اُلٹا پھر آیا۔ جمعہ ۲۵ فروری کو گیا ملاقات ہوئی۔ کرسی دی بعد پرسشِ مزاج کے ایک خط انگریزی چار ورق کا اٹھا کر پڑھتے رہے۔ جب پڑھ چکے تو مجھ سے کہا۔ کہ یہ خط ہے منٹگمری صاحب حاکم اکبر صدر بورڈ پنجاب کا تمہارے باب میں لکھتے ہیں۔ کہ ان کا حال دریافت کر کے لکھو سو ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ تم ملکہ معظمہ سے خلعت کیا مانگتے ہو۔ حقیقت کہی گئی ایک کاغذ آمدہ ولایت لیگیا تھا۔ وہ پڑھوا دیا۔ پھر پوچھا تم نے کتاب کیسی لکھی ہے اس کی حقیقت بیان کی کہا ایک منٹگمری صاحب نے دیکھنے کو مانگی ہے اور ایک ہم کو دو میں نے عرض کیا کل حاضر کرونگا پھر پنشن کا حال پوچھا وہ گذارش کیا اپنے گھر آیا۔ اور خوش آیا۔ دیکھو میر مہدی حاکم پنجاب کو مقدمہ ولایت کی کیا خبر کتاب سے کیا اطلاع پنشن کی پرسش سے کیا مدعا یہ استفسار بحکم نواب گورنر جنرل بہادر ہوا ہے۔ اور یہ صورت مقدمہ فتح و فیروزی کی ہے۔ غرضیکہ دوسرے دن یکشنبہ یوم التعطیل تھا میں اپنے گھر رہا دوشنبہ ۲۸ فروری کو گیا باہر کے کمرہ میں بیٹھ کر اطلاع کروائی کہا اچھا توقف کرو۔ بعد تھوڑی دیر کے گڈھ کپتان کی چھٹی آئی۔ سواری مانگی جب سواری آگئی باہر نکلے میں نے کہا وہ کتابیں حاضر ہیں کہا منشی جیون لال کو دے جاؤ۔ وہ ادھر سوار ہو گئے ادھر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا سہ شنبہ یکم مارچ کو پھر گیا بہت التفات سے باتیں کرتے رہے کچھ سارٹیفکٹ گورنمنٹ کے ساتھ لے گیا تھا وہ دکھائے ایک خط منٹگمری صاحب بہادر کے نام کا لے گیا تھا وہ دیکر یہ التجا کی کہ کتاب کے ساتھ یہ بھی بھیجدیجئے کہا اچھا کہہ کر رکھ لیا پھر مجھ سے کہا کہ ہم نے تمہاری پنشن کے باب میں اجرٹن صاحب کو کچھ لکھا ہے تم اُن سے ملو عرض کیا بہتر اجرٹن صاحب بہادر جبیا کہ تم کو معلوم تھا گئے ہوئے تھے کل وہ آئے آج میں نے ان کو خط لکھا ہے جیسا کہ وہ حکم دینگے۔ اس کے موافق عمل کرونگا۔ جب بلائیں تب جاؤں گا۔ دیکھو سید اسد اللہ الغالب علیہ السلام کی مدد کو کہ اپنے غلام کو کس طرح سے بچایا ۲۲ مہینے تک بھوکا پیاسا بھی نہ مرنے دیا۔ پھر کس محکمہ سے کہ وہ آج سلطنت کا دہندہ ہے میرے تفقد کا حکم بھجوایا حکام سے مجھ کو عزت دلوائی مجھ کو صبر و ثبات کی داد ملی۔ صبر و ثبات بھی اُسی کا بخشا ہوا تھا میں اپنے باپ کے گھر سے لایا تھا۔ میر سرفراز حسین کو یہ خط پڑھا دینا۔ اور ان کو اور نصیر الدین چراغ دہلوی کو اور میرن صاحب کو دعا کہنا ۔

ایضاً واہ واہ سید صاحب تم بڑی عبارت آرائیاں کرنے لگے۔ نثر میں خود نمایاں کرنے لگے۔ کئی دن سے تمہارے خط کے جواب کی فکر میں ہوں۔ مگر جاڑے نے بے حس و حرکت کر دیا ہے آج جو بسبب ابر کے وہ سردی نہیں۔ تو میں نے خط لکھنے کا قصد کیا ہے۔ مگر حیران ہوں کہ کیا سحر سازی

کروں۔ بھائی تم تو اُردو کے مرزا قتیل بن گئے ہو۔ اُردو بازار میں نہر کے کنارے رہتے رہتے رودنیل بن گئے ہو کیا قتیل کیا رودنیل یہ سب ہنسی کی باتیں ہیں۔ لو سنو اب تمہاری دلی کی باتیں ہیں۔ چوک میں بیگم کے باغ کے دروازے کے سامنے حوض کے پاس جو کنواں تھا۔ اس میں سنگ و خشت و خاشاک ڈال کر بند کر دیا۔ بلی ماروں کے دروازے کے پاس کئی دوکانیں ڈھا کر راستہ چوڑا کر لیا۔ شہر کی آبادی کا حکم خاص و عام کچھ نہیں ہے۔ پنشن داروں سے حاکموں کا کام کچھ نہیں۔ تاج محل مرزا قیصر مرزا جواں بخت کے سالے ولایت علی بیگ جے پور کی زوجہ ان سب کی الہ آباد سے رہائی ہو گئی۔ دیکھئے کمپ میں رہیں۔ یا لنڈن جائیں۔ خلق نے از روئے قیاس جیسا کہ دلی کے خبر تراشوں کا دستور ہے۔ یہ بات اُڑا دی ہے۔ سو سارے شہر میں مشہور ہے کہ جنوری شروع سال ۱۸۵۹ء میں عموماً شہر میں آباد کئے جائینگے۔ اور پنشن داروں کو جھولیاں بھر بھر کر روپے دیئے جائینگے۔ خیر آج بدھ کا دن ۲۲ دسمبر کی ہے۔ اب شنبہ کو بڑا دن اور اگلے شنبہ کو جنوری کا پہلا دن ہے۔ اگر جیتے ہیں۔ تو دیکھ لیں گے کہ کیا ہوا۔ تم اس خط کا جواب لکھو۔ اور شتاب لکھو۔ میری جان سرفراز حسین تم کیا کر رہے ہو۔ اور کس خیال میں ہو اب صورت کیا ہے۔ آئندہ عزیمت کیا ہے۔ میر نصیر الدین کو صرف دعا اور اشتیاق دیدار میراں صاحب کہاں ہیں۔ کوئی جائے اور بلا لائے۔ حضرت آئیے السلام علیکم مزاج مبارک کہئے۔ مولوی مظہر علی نے آپ کے خط کا جواب بھیجا یا نہیں۔ اگر بھیجا تو کیا لکھا۔ میں جانتا ہوں کہ میر اشرف علی صاحب اور میر سرفراز علی کم اور یہ ستم پیشہ میر مہدی بہت جناب میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ کیا کروں۔ جی کہیں تم کہیں وہاں ہوتا۔ تو دیکھتا کہ کیونکر تم سے بے ادبیاں کر سکتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب ایک جا ہونگے۔ انتقام لیا جائیگا ہے ہے کیونکہ ایک جا ہونگے دیکھئے زمانہ اور کیا دکھاتا ہے۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔

ایضاً۔ میری جان تو کہہ رہا ہے بیٹے سے میاں ناسود یوانہ۔ صبر و تسلیم و توکل و رضا شیوہ صوفیہ کا ہے۔ مجھ سے زیادہ اس کو کون سمجھے گا۔ جو تم مجھ کو سمجھاتے ہو۔ کیا میں یہ جانتا ہوں کہ ان لڑکوں کی پرورش میں کرتا ہوں۔ استغفر اللہ لا موثر فی الوجود الا اللہ۔ یا تم یہ سمجھے ہو کہ میں شیخ چلی کی طرح سے یہ خیال باندھتا ہوں کہ مرغی مول لونگا اور اس کے انڈے بچے بیچ کر بکری خرید ونگا۔ اور پھر کیا کرونگا۔ اور آخر کیا ہوگا۔ بھائی یہ تو میں نے اپنا راز دل تم سے کہا تھا۔ کہ آرزوئیں ہی تھیں۔ اور اب وہ نقش باطل ہو گیا۔ ایک حسرت کا بیان تھا۔ نہ خواہش کا دیکھا اس پنشن قدیم کا حال جی تو اس سے ہاتھ دھوئے بیٹھا ہوں۔ لیکن جب تک جواب نہ پاؤں کہیں اور کیونکر چلا جاؤں۔ حاکم اکبر کے آنے کی خبر گرم ہے دیکھئے کب آتے تو مجھے بھی دربار میں بلائے۔ یا نہ بلائے خلعت ملے یا نہ ملے اس بیچ میں ایک اور پیچ اور آ پڑا ہے۔ اس کو دیکھوں اور پھر صرف اسی کا انتظار نہیں اس مرحلے کے طے ہونے کے بعد پنشن ملنے نہ ملنے کا تردد بدستور رہیگا۔ سبک سر کیونکر بن جاؤں کہ یہ سب

امور ملتوی چھوڑ کر نکل جاؤں۔ پنشن جاری ہوئے پر بھی تو سوا رام پور کے ٹھکانا نہیں ہے۔ وہاں تو جاؤں اور ضرور جاؤں۔ تین برس ثبات قدم اختیار کیا اب انجام کار میں اضطراب کی کیا وجہ چپکے ہو رہو۔ اور مجھ کو کسی عالم میں غمگین اور مضطر گمان نہ کرو۔ ہر وقت میں جیسا مناسب ہوتا ہے۔ ویسا عمل میں آتا ہے۔ صاحب میرن صاحب نے دو سطریں دستخط خاص سے لکھی تھیں۔ واللہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ کہ یہ کس مقدمہ کا ذکر ہے ؟

ایضاً۔ سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکالا ہے۔ بعد القاب کے شکوہ شروع کرو۔ دنیا اور میرن صاحب کو اپنا ہم زبان کر لینا۔ میں میر مہدی نہیں کہ میرن صاحب پر مرتا ہوں۔ میر سرفراز حسین نہیں کہ ان کو پیار کرتا ہوں۔ علی کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں۔ اس میں تم بھی آ گئے۔ کمال یہ ہے کہ میرن صاحب سے محبت قدیم ہے دوست ہوں عاشق زار نہیں ہوں بندہ مہر و وفا ہوں مگر فتنہ نہیں۔ تمہارے بھائی نے سخت مشوش بلکہ مختل الحواس کر دیا ہے ایک سلام اصلاح کے واسطے بھیجا اور لکھا کہ یہ محرم کے پہلے آؤنگا میں نے سلام بنے دیا اور منتظر رہا کہ ڈاک میں کیوں بھیجوں وہ آ جائینگے تو میں انکو دونگا محرم تمام ہوا۔ آج سہ شنبہ غرہ صفر ہے حضرت کا پتہ نہیں ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات کا نام آ گیا سو پہلے تو مجملاً سنو ایک غدر کالوں کا اور ایک ہنگامہ گوروں کا ایک فتنہ انہدام مکانات کا ایک آفت وبا کی ایک مصیبت کال کی اب یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے۔ آج اکیسواں دن ہے۔ آفتاب اس طرح نظر آ جاتا ہے۔ جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔ رات کو کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ ان کو جگنو سمجھ لیتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں چوروں کی بن آئی ہے۔ کوئی دن نہیں کہ دو چار گھر کی چوری کا حال نہ سنا جائے مبالغہ نہ سمجھنا ہزارہا مکان گر گئے۔ سیکڑوں آدمی جا بجا دب کر مر گئے گلی گلی ندی بہہ رہی ہے قصہ مختصر وہ ان کال تھا۔ کہ مینہ نہ برسا اناج نہ پیدا ہوا۔ یہ پن کال ہے پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہہ گئے جنہوں نے ابھی نہیں بویا تھا۔ وہ بونے سے رہ گئے سن لیا دلی کا حال۔ اس کے سوا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جناب میرن صاحب کو دعا۔

ایضاً۔　بے مے نہ کند در کف من خامہ روانی
　سرد ست ہوا آتش بے دود کجائی

میر مہدی صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے۔ دو حرف لکھتا ہوں ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی نہیں مگر ہائے وہ آتش سیال کہاں کہ جب دو جرعہ پی لئے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی دل توانا ہو گیا دماغ روشن ہو گیا۔ نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہنچا ساقی کوثر کا بندہ اور تشنہ لب ہائے غضب ہائے غضب میاں تم پنشن پنشن کیا کرتے ہو۔ گورنر جنرل کہاں اور پنشن کہاں صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر بہادر و نواب لفٹنٹ گورنر بہادر جب ان تینوں نے جواب

دیا ہو تو اس کا مرافعہ گورنمنٹ میں کروں۔ مجھے تو دربار و خلعت کے لالے پڑے ہیں۔ تم کو پنشن کا فکر ہے۔ یہاں کے حاکم نے میرا نام فرقہ میں نہیں لکھا۔ میں نے اس کا اپیل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے ہاں کیا ہے۔ دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔ بہرحال جو کچھ ہوگا تم کو لکھا جائیگا۔ اجی وہ یوسف ہند تو ہیں یوسف دہر ہی یوسف عصر ہی یوسف کشور بھی انکی زلیخا نے ستم برپا کر رکھا ہے۔ مجھے تو خبر نہیں۔ کہیں حضرت کہہ گئے ہیں کہ میں ساڑھے آٹھ مہینے میں بھیجے جاؤنگا۔ اب اُن کا تقاضا ہے رحیم بخش روز آتا ہے اور کہتا ہے کہ پھوپھا جان کو لکھو کہ پھوپھی جان بھوکی مرتی ہیں۔ خرچ جلد بھیجو۔ ورنہ نالش کی جائیگی۔ اور تم کو گواہ قرار دیا جائیگا۔ بہرحال میرن صاحب کو یہ پڑھوا دینا۔ میر سرفراز حسین کو دعا۔ میر نصیر الدین کو دعا۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا۔ یوسف ہفت کشور کو دعا۔

ایضاً۔ واہ حضرت کیا خط لکھا ہے۔ اس خرافات کے لکھنے سے فائدہ۔ بات اتنی ہے کہ میرا پلنگ مجھ کو ملا۔ میرا بچھونا مجھ کو ملا ———— میرا حجام مجھ کو ملا۔ میرا بیت الخلا مجھ کو ملا۔ ان کا وہ شور کہ دی آٹھ فرو ہو گیا۔ میری جان بچی میرے آدمیوں کی جان بچی ع اکنوں شب من شب است و روز من روز۔ تم نے یہ نہ لکھا کہ میرن صاحب کو میرا خط پہنچا یا نہ پہنچا میں گمان کرتا ہوں۔ کہ نہیں پہنچا اگر پہنچتا تو بیشک وہ تمہاری تحریر سے گذرتا اور میرن صاحب اس کی اصل حقیقت تم سے پوچھتے اور اس صورت میں یہ بھی ضرور تھا کہ تم اس واہیات کے بدلے مجھ کو وہ روداد لکھتے جو میرن صاحب میں اور تم میں پیش آئی۔ پس اگر جیسا کہ گمان ہے خط نہیں پہنچا۔ تو خیر جانے دو۔ اگر خط پہنچا ہے تو میرن صاحب کے جواب لکھوانے میں تم نے میرا دم ناک میں کر دیا تھا اب اُن سے میرے خط کے جواب کا تقاضا کیوں نہیں کرتے۔ حسن بھی کیا چیز ہے۔ نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے۔ تم اُن سے وابخش و عمال کرتے ہوئے ڈرو۔ میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں نہیں کہتے نہ صاحب یہ کچھ بات نہیں میرے خط کا جواب اُن سے لکھوا کر بھجواؤ۔ یہاں کا حال وہ ہے۔ جو دیکھ گئے ہو پانی گم ہوا گرم تپیں مستولی اناج مہنگا بیچارہ منشی میر احمد حسین کا بھتیجا میر امداد علی آشوب کا بیٹا محمد میر شب گذشتہ کو گذر گیا۔ آج صبح کو اس کو دفن کر آئے۔ جوان صالح پرہیزگار مومنین کا پیش نماز تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہر مجتہد العصر کا حکم بجا لاؤنگا۔ اور نہ رئیس کو بلکہ مدار المہام ریاست کو لکھونگا۔ رئیس میرے سوال کا جواب قلم انداز کر جائیگا۔ اور مدار المہام امر واقعی لکھ بھیجے گا۔ میرن صاحب کو دعا اور کہنا کہ بھلا صاحب تم نے ہمارے خط کا جواب نہیں لکھا۔ ہم بھی تمہاری طرز کا اظہار کرینگے حکیم میر اشرف علی کو دعا کہنا کہ اگر تم میں ان میں راہ و رسم تقریب و تہنیت ہو۔ تو میر احمد حسین کو خط لکھو۔ اور یہ بھی ان کو معلوم ہو کہ غدر یہاں آیا ہوا ہے۔ قبائل تمہارے یہیں ہیں۔ اگر وہاں کچھ رسائی حاصل ہو۔ تو خیر ورنہ یہاں کیوں نہ چلے آؤ۔

ع میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جان　　کروں کیا کہ یاں گر رہے ہیں مکان۔

برسات کا حال نہ پوچھو خدا کا قہر ہے۔ قاسم خان کی گلی سعادت خان کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں۔ عالم بیگ خان کے کٹرہ کی طرف کا دروازہ گر گیا۔ مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو دروازہ تھا گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں۔ صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے۔ چھتیں چھلنی ہو گئی ہیں۔ مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے۔ کتابیں قلمدان سب توشہ خانہ میں۔ فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا ہے کہیں چلمچی دھری ہوئی۔ خط کہاں بیٹھ کر لکھوں۔ پانچ چار دن سے فرصت ہے۔ مالک مکان کو فکر مرمت ہے۔ آج ایک امن کی صورت نظر آئی۔ کہا کہ آؤ میر مہدی کے خط کا جواب لکھوں۔ الور کی ناخوشی راہ کی محنت کشی۔ تپ کی حرارت۔ گرمی کی شرارت۔ یاس کا عالم۔ کثرت اندوہ و غم۔ حال کی فکر۔ مستقبل کا خیال۔ تباہی کا رنج۔ آوارگی کا ملال۔ جو کچھ کہو وہ کم ہے۔ بالفعل تمام عالم کا ایک سا عالم ہے۔ سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار ملیگا۔ مگر وہ اختیار ایسا ہوگا۔ جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے۔ سب کچھ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا۔ آدمی کو بدنام کیا ہے۔ بارے دفع مرض کا حال لکھو۔ خدا کرے تپ جاتی رہی ہو۔ تندرستی حاصل ہو گئی ہو۔ میر صاحب کہتے ہیں۔ ع تندرستی ہزار نعمت ہے۔ ہائے پیش مصرعہ مرزا قربان علی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے۔ مجھ کو پسند آیا ہے ؎

تنگ دستی اگر نہ ہو سالکؔ تندرستی ہزار نعمت ہے

مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب کو دعا۔ آہا ہا میر افضل علی صاحب کہاں ہیں۔ حضرت یہاں تو اس نام کا کوئی نہیں ہے۔ لکھنؤ کے مجتہد العصر کے بھائی کا نام میرن صاحب تھا۔ جی پس یہ مجتہد العصر کے بھائی میرن صاحب کو کیوں نہ کہلائیں۔ ہاں بھائی میرن صاحب بھلا ان کو ہماری دعا کہنا۔

ایضاً۔ میری جان تم کو تو بیکاری میں خط لکھنے کا ایک شغل ہے۔ قلم دوات لے بیٹھے اگر خط پہنچا ہے تو جواب ورنہ شکوۂ شکایت و عتاب و خطاب لکھنے لگے۔ کل حکیم اشرف علی آئے تھے۔ سر منڈوا ڈالا ہے۔ محققین رو حکم پر عمل کیا ہے۔ میں نے کہا۔ سر منڈوایا ہے تو داڑھی رکھو کہنے لگے۔ دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم۔ واللہ انکی صورت قابل دیکھنے کے ہے۔ کہتے تھے کہ میر احمد علی صاحب آ گئے اور سجال و برقرار ہے۔ خدا کا شکر بجا لایا۔ کبھی تو ایسا بھی ہو۔ کہ کسی عزیز کی خبر سُنی جائے۔ میرا سلام کہنا اور مبارکباد دینا۔ خبردار بھول نہ جائیو۔ تمہاری شکایت ہائے بیجا کا جواب یہ ہے۔ کہ تم نے جو خط مجھ کو پانی پت سے بھیجا تھا۔ اور کرنال کی روانگی کی اطلاع دی تھی میں نے تجویز کر لیا تھا۔ کہ جب کرنال سے خط آیا۔ تو میں جواب لکھوں گا۔ آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت ابھی کھانا پکا بھی نہیں۔ تبرید پی کر بیٹھا تھا کہ تمہارا خط آیا۔ اور پڑھا اور یہ جواب لکھا۔ میاں بیجا ہے اپنے خط کو دیکر ڈاک گھر روانہ کیا ہو تو تمہارا لکھا بیجا یا بجا۔ بھائی گلہ کرو تو اپنے سے کرو کہ تم نے کرنال پہنچ کر خط لکھنے میں کیوں دیر کی۔ اور ہاں یہ کیا سبب ہے کہ بہت دن سے میر نصیر الدین کا نام تمہاری قلم سے نہیں

نکلنا۔ ان کی خیر و عافیت اُنکی بندگی نہ لکھتے تو خیر و عافیت تو لکھتے۔ یہ باتیں اچھی نہیں میرن صاحب کے باب میں حیران ہوں۔ تمہارے ساتھ گئے ہیں۔ والدہ اُن کی پانی پت میں ہیں وہاں کوئی مکان لیکر والدہ کو وہیں بٹھائیں گے یا خود بھی چند روز کے بعد یہاں آجائینگے یہ دو باتیں جواب طلب ہیں۔ میر نصیر الدین کی بندگی نہ لکھنے کا سبب اور میرن صاحب کے بود و باش کی حقیقت لکھو۔ رہا میرا پنشن اس کا ذکر نہ کرو۔ اگر ملیگا تو تم کو اطلاع دی جائیگی شہر کی آبادی کا چرچا ہوا۔ کرایہ کو مکان ملنے لگے۔ چار پانچ سو گھر آباد ہوئے تھے۔ کہ پھر وہ قاعدہ ٹوٹ گیا۔ اب خدا جانے کیا دستور جاری ہے۔ آئندہ کیا ہوگا۔ سلطان العلما مجتہد العصر مولوی سید فراز حسین کو اگرچہ نظر اُس کے مدارج علم و عمل پر بندگی چاہئے۔ مگر خیر میں عزیز داری و یگانگی کی راہ سے دعا لکھتا ہوں۔ میرن صاحب کو دعا اور بعد دعا کے بہت سا پیار۔ میر نصیر الدین کو دعا زیادہ کیا لکھوں ؎

ایضاً میاں کیوں ناسپاسی و ناحق شناسی کرتے ہو چشم بیمار ایسی چیز ہے۔ کہ جس کی کوئی شکایت کرے۔ تمہارا منہ چشم بیمار کے لائق کہاں چشم بیمار میرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں جس کو اچھے اچھے عارف دیکھنے کو ترستے ہیں تم گنوار چشم بیمار کو کیا جانو۔ خیر ہنسی ہو چکی اب حقیقت مفصل لکھو۔ تم زجر کی عادت رکھتے ہو عوارض چشم سے تم کو کیا علاقہ ـــ میرے نور چشم کی آنکھیں کیوں دُکھیں میں نے خط تمہیں جان کر نہیں لکھا۔ تم نے لکھا تھا۔ کہ بعد عید میں وہاں آؤنگا۔ مجھ کو خط بھیجنے میں تامل ہوا لکھتے کچھ ہو کرتے کچھ ہو۔ تنخواہ کی سو تین برس کے دو ہزار دو سو پچاس روپے ہوئے سو مد خرچ کے جو چاہئے تھے وہ کٹ گئے ڈیڑھ سو متفرقات میں اُٹھ گئے مختار کا دو ہزار لایا۔ چونکہ میں اس کا قرضدار ہوں روپیہ اس نے اپنے گھر میں رکھے اور مجھ سے کہا۔ کہ میرا حساب کیجئے حساب کیا سود مول سات کم گیارہ سو ہوتے ہیں میں نے کہا میرے قرضہ متفرق کا حساب کر کچھ اوپر گیارہ سو روپے نکلے ہیں کہتا ہوں یہ گیارہ سو بانٹ دے نو سو بچے آدھے تو لے آدھے مجھے دے وہ کہتا ہے۔ پندرہ سو مجھ کو دو پانسو سات تم لو یہ جھگڑا مٹ جائیگا تب کچھ ہاتھ آئیگا۔ خزانہ سے روپیہ آگیا ہے میں نے آنکھ سے دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں بات رہ گئی پت رہ گئی۔ حاسدوں کو موت آگئی دوست شاد ہو گئے ہیں۔ جیسا ننگا بھوکا ہوں جب تک جیوں گا۔ ایسا ہی رہوں گا۔ میرا دار و گیر سے بچنا کرامت اسداللّٰہی ہے۔ ان پیسوں کا ہاتھ آنا عطیہ یداللّٰہی ہے۔ حاکم شہر لکھدے کہ یہ شخص ہرگز پنشن پانے کا مستحق نہیں حاکم صدر مجھ کو پنشن دلوائے۔ اور پراَدولائے۔ میرن صاحب کو دعا کہتا ہوں۔ اور مزاج کی خبر پوچھتا ہوں۔ جواب ترکی بترکی جواب عربی بعربی جو انہوں نے لکھا وہ میں نے بھی لکھا۔ مجتہد العصر کو بندگی لکھوں دعا لکھوں۔ کیا لکھوں۔ نہیں بھئی وہ مجتہد ہوں ہوا کریں۔ میرے تو فرزند ہیں۔ میں دعا ہی لکھوں گا۔ اور اسی طرح میر نصیر الدین کو بھی دعا ؎

ایضاً۔ بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں۔ دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے۔ قلعہ۔ چاندنی چوک۔ ہر روز مجمع مسجد جامع کا۔ ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی۔ ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں۔ پھر کہو دلی کہاں۔ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہونگے دیکھئے کہاں اُترتے ہیں۔ اور کیونکر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیردار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر۔ بہادر گڈھ۔ بلبّھ گڈھ۔ فرخ نگر۔ دوجانہ۔ پاٹودی۔ لوہارو۔ چار معدوم محض ہیں۔ باقی جو رہے اس میں سے دوجانہ و لوہارو تحت حکومت ہانسی حصار۔ پاٹودی۔ جاخر اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں میرٹھ میں مصطفےٰ خان سلطان جی میں مولوی صدر الدین خان۔ بلّی ماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسد تینوں مردود و مطرود و محروم و مغموم ؎

تو بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسمان سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

تم آتے ہو چلے آؤ جان نثار خان کے چھتے کی۔ خان چند کے کوچے کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھنا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز میدان نکلنا سُن جاؤ۔ غالب افسردہ دل کو دیکھ جاؤ چلے جاؤ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کو دعا۔ حکیم الملک میر اشرف علی کو دعا۔ قطب الملک میر نصیر الدین کو دعا۔ یوسف میرزا افضل علی کو دعا۔ غالب

ایضاً۔ جانِ غالب تمہارا خط پہنچا غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے۔ ع ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے مصرعہ بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہوگیا۔ اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی۔ میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے ارے اب اہل دہلی ہندو ہیں۔ یا اہل حرفہ ہیں۔ یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ریاست تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔ خس کی ٹٹی پروا ہوا اب کہاں لطف وہ تو اسی مکان میں تھا۔ اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ چھت اور سمت بدلی ہوئی ہے۔ بہرحال میگذرد مصیبت عظیم یہ ہے۔ کہ قاری کا کنواں بند ہوگیا۔ لال ڈگی کے کنوئیں یک قلم کھاری ہوگئے خیر کھاری ہی پانی پیتے گرم پانی نکلتا ہے۔ پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا۔ مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اُٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جائے یاد کرو مرزا گوہر کے باغیچے کے اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا۔ اب وہ باغیچے کے صحن کے برابر ہوگیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند

ہو گیا۔ فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں۔ باقی سب اٹ گیا۔ کشمیری دروازہ کا حال تم دیکھ گئے ہو۔ اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان ہو گیا۔ پنجابی کٹرہ دھوبی واڑہ۔ رامجی گنج سعادت خاں کا کٹرہ جرنیل کی بی بی کی حویلی۔ رامجی داس گودام والے کے مکانات صاحب رام کا باغ حویلی۔ ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا۔ اب جو کنوئیں جاتے رہے۔ اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائیگا۔ اللہ اللہ دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد ارے بندۂ خدا اردو بازار نہ رہا۔ اردو کہاں دلی کہاں واللہ اب شہر نہیں ہے۔ کیمپ ہے چھاؤنی ہے نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔ الور کا حال کچھ اور ہے۔ مجھے اور انقلاب سے کیا کام۔ الیگزنڈر ہڈرلی کا کوئی خط نہیں آیا۔ ظاہراً ان کی مصاحبت نہیں ورنہ مجھ کو ضرور خط لکھتا رہتا۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب اور نصیر الدین کو دعا۔

ایضاً۔ جانِ غالب اب کے ایسا بیمار ہو گیا تھا۔ کہ مجھ کو خود افسوس تھا۔ پانچویں دن غذا کھائی۔ اب اچھا ہوں۔ تندرست ہوں۔ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ تک کچھ کھٹکا نہیں ہے۔ محرم کی پہلی تاریخ سے اللہ مالک ہے میر نصیر الدین آئے کئی بار میں نے ان کو دیکھا نہیں اب کی بار درد میں مجھ کو غفلت بہت رہی احباب کے آنے کی خبر نہیں ہوئی جب سے اچھا ہوا ہوں۔ سید صاحب نہیں آئے۔ تمہاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے۔ اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اڑی اس کو آپ نے از راہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی بہر حال اچھے ہو جاؤ۔ اور جلد آؤ۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کا خط آیا تھا۔ میں نے میرن صاحب کی آزردگی کے خوف سے اس کا جواب نہیں لکھا۔ یہ رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا۔ کہ میر سرفراز حسین اپنے خط کی رسید سے مطلع ہو جائیں اور میرن صاحب میرے پاس الفت پر اطلاع پائیں۔

ایضاً۔ سید صاحب کل پہر دن رہے تمہارا خط پہنچا یقین ہے۔ کہ اسی وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہارے پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا جو کچھ ہے ان کی زبان سن لو گے میں کیا لکھوں میں نے بھی جو کچھ سنا ہے انہیں سے سنا ہے۔ ان کا اس طرح ناکام پھر آنا میری تمنا اور میرے مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میری عقیدت اور میرے تصور کے مطابق ہے میں جانتا تھا۔ کہ وہاں کچھ نہ ہو گا۔ سو روپیہ ناحق زیر باری ہوئی چونکہ یہ زیر باری میرے بھروسے پر ہوئی تو مجھے شرمساری ہوئی۔ میں نے اس چھیاسٹھ برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیاہیاں بہت اٹھائی ہیں۔ جہاں ہزار داغ ہیں۔ ایک ہزار ایک سہی میر سرفراز حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے۔ وبا کو کیا پوچھتے ہو قدر انداز قضا کے

ترکش میں یہی ایک تیر باقی تھا۔ قتل ایسا عام۔ لوٹ ایسی سخت کال ایسا پڑا۔ وبا کیوں نہ ہو۔ لسان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے ؎

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی۔ مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اس میں میری کسر شان تھی بعد رفع فساد سمجھ لیا جائیگا۔ کلیات اردو کا چھاپا تمام ہوا۔ اغلب کہ اسی ہفتہ میں غایت اسی مہینہ میں ایک نسخہ بسبیل ڈاک تم کو پہنچ جائیگا۔ کلیات نظم فارسی کے چھاپنے کی بھی تدبیر ہو رہی ہے۔ اگر ڈول بندھ گیا تو وہ بھی چھاپا جائیگا۔ قاطع برہان کے خاتمہ میں کچھ فوائد بڑھائے گئے ہیں اگر مقدور مساعدت کریگا۔ تو میں بے شرکت غیر اس کو چھپواؤں گا۔ مگر یہ خیال محال ہے۔ میرے مقدور کی تیاری کا حال مجتہد العصر کو معلوم ہے۔ واللہ علی کل شئی قدیر۔ خدا کا بندہ ہوں علیؑ کا غلام ہوں خدا کریم میرا خداوند سخی علی دارم چہ غم دارم وبا کی آنچ مدھم ہو گئی ہے پانچ سات دن بڑا شور رہا۔ پرسوں خواجہ مرزا ولد خواجہ امان مع اپنی بی بی بچوں کے دلی میں آیا۔ کل رات کو اس کا نو برس کا بیٹا ہیضہ کر کے مر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الور میں بھی وبا ہے۔ ایگزیکٹیو ریذیڈنٹ مشتہر بہ الک صاحب مر گیا۔ واقعی بے تکلف وہ میرا عزیز اور رفیق خواہ اور مزاج میں اور تجھ میں متوسط تھا۔ اس جرم میں ماخوذ ہو کر مرا خیر یہ عالم اسباب ہے اس کے حالات سے ہم کو کیا ۔

ایضاً۔ ہاں صاحب کیا چاہتے ہو۔ مجتہد العصر کے مسودہ کو اصلاح دیکر بھیجدیا۔ اب اور کیا لکھوں۔ تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ لفافہ کو کریا کرو۔ مسودہ کو بار بار دیکھا کرو۔ پاگل ہو گیا۔ یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں۔ میاں خبطی ہے وہاں کی عافیت مطلوب ہے۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا۔ اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا لازمہ سعادتمندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔ کیوں بھیجوانگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی۔ ہائے کیا اچھا شیوہ ہے۔ جب تک یوں نہ لکھو وہ خط ہی نہیں ہے۔ چاہ بے آب ہے۔ ابر بے باراں ہے۔ نخل بے میوہ ہے۔ خانہ بے چراغ بے نور ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ تم زندہ ہو تم جانتے ہو ہم زندہ ہیں۔ امر ضروری لکھ لیا۔ زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا۔ اور اگر تمہاری خوشنودی اس طرح کی نگارش پر منحصر ہے۔ تو بھائی ساڑھے تین سطریں ویسی ہی میں نے لکھ دیں۔ کیا قضا نہیں پڑھتے۔ اور وہ مقبول نہیں ہوتی۔ خیر ہم نے بھی وہ عبارت جو مسودہ کے ساتھ لکھی تھی۔ اب لکھ بھیجی قصور معاف کرو خفا نہ ہو

میر نصیر الدین ایکبار آئے تھے پھر نہ آئے فارسی نثر میں نے کہاں لکھی۔ کہ تمہارے چچا کو یا تم کو بھیجدوں۔
نواب فیض محمد خان کے بھائی حسن علیخاں مر گئے۔ حامد علیخاں کی ایک لاکھ تیس ہزار کئی سو روپیہ کی ڈگری
بادشاہ پر ہوگئی۔ کلیدار و نہ بیمار ہو گیا تھا۔ آج اُس نے غسل صحت کیا باقر علی خاں کو تہلیہ بہت تپ
آتی ہے۔ حسین علی خان کو ہفتہ بھر سے تپ آتی ہے۔ حسین علی خان کے گلے میں دو غدود ہو گئے ہیں
شہر چپ چاپ نہ کہیں پھاوڑا چلتا ہے۔ نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اُڑایا جاتا ہے۔ نہ آہنی سڑک آتی ہے
نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلی شہر شہر خموشاں ہے۔ کاغذ نبڑ گیا۔ ورنہ تمہارے دل کی خوشی کیواسطے بھی اور لکھتا

ایضاً۔ سید صاحب تمہارے خط کے آنے سے وہ خوشی ہوئی جو کسی دوست کے دیکھنے سے ہو۔ لیکن زمانہ
وہ آیا ہے کہ ہماری قسمت میں خوشی ہی نہیں۔ خط سے معلوم ہوا تو کیا معلوم ہوا۔ کہ ڈھائی سو روپے۔ ان
دنوں میں ڈھائی روپے بھی بھاری ہیں۔ ڈھائی سو کیسے سبحان اللہ باوجود اس تہیدستی کے پھر بھی کہنا
پڑتا ہے۔ کہ روپے گئے بلا سے آبرو بچی اب میر سرفراز حسین کو چاہیئے۔ کہ اور چلے جائیں۔ شاید نئے
بندوبست میں کوئی صورت نوکری کی نکل آئے۔ میری دعا کہو اور یہ کہو کہ اپنا حال اور اپنا قصہ اپنے ہاتھ
سے مجھ کو لکھیں پنشن کا حال کچھ معلوم ہوا ہو تو کہوں حاکم خط کا جواب نہیں لکھتا عملہ میں ہرچند تفحص کیجئے
کہ ہمارے خط پر کیا حکم ہوا۔ کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ یہ حال اتنا سنا ہے۔ اور دلائل اور قرائن سے معلوم ہوا
ہے۔ کہ میں بیگناہ پایا گیا ہوں اور دونوں کمشنر بہادر کی رائے میں پنشن پانے کا استحقاق رکھتا ہوں۔ پس
اس سے زیادہ نہ مجھے معلوم کسی کی خبر میاں کیا باتیں کرتے ہو۔ میں کتابیں کہاں سے چھپواتا روٹی کھانے
کو نہیں شراب پینے کو نہیں جاڑے آنے ہیں لحاف توشک کی فکر ہے کتابیں کیا چھپواؤں گا! منشی امید سنگھ
اندور والے دلی آئے تھے۔ سابقہ معرفت مجھ سے نہ تھا۔ ایک دوست اُن کو میرے گھر لے آیا انہوں
نے وہ نسخہ دیکھا چھپوانے کا قصد کیا۔ آگرہ میں میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ تھا۔ اسکو میں نے
لکھا۔ اُس نے اس اہتمام کو اپنے ذمہ لیا۔ مسودہ بھیجا گیا۔ ۸ر فی جلد قیمت ٹھیری پچاس جلدیں منشی امید سنگھ
نے لیں پچیس روپے چھاپے خانہ میں بطریق ہنڈوی بھجوا دیئے صاحب مطبع نے بشمول سعی منشی ہرگوپال
تفتہ چھاپنا شروع کیا آگرہ کے حکام کو دکھایا۔ اجازت چاہی ہے حکام نے بتحمل خوشی اجازت دی
پانسو جلد چھاپی جاتی ہے۔ اس پچاس جلد میں شاید پچیس جلد منشی امید سنگھ مجھ کو دینگے میں عزیزوں کو
بانٹ دونگا پرسوں خط تفتہ کا آیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ ایک جزو چھپنا باقی رہا ہے یقین ہے اسی اکتوبر
میں قصہ تمام ہو جائے بھائی میں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے اکتیس جولائی ۱۸۵۸ء تک کا حال
لکھا ہے۔ اور خاتمہ میں اس کی اطلاع دیدی ہے۔ امین الدین خان کی جاگیر کے ملنے کا حال اور

اور بادشاہ کی روانگی کا حال کیونکر لکھتا انکو جا گیر اگست میں ملی بادشاہ اکتوبر میں گئے۔ کیا کرتا ہے۔ اگر تحریر موقوف نہ کرتا منشی امید سنگھ اندور جانے والے تھے۔ اگر ختم کر کے مسودہ اُن کے سامنے آگرہ نہ بھیج دیتا تو پھر چھپواتا کون ؟

ایضاً۔ خوبیٔ دین و دنیا روزی باد۔ میر اشرف علی صاحب نے تمہارا خط دیا۔ وہ جو تم نے لکھا تھا۔ کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہمنام کے ہاتھ جا پڑا۔ صاحب قصور تمہارا ہے۔ کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو۔ جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو۔ مجھ کو دیکھو۔ کہ میں کب سے دلی میں رہتا ہوں۔ نہ کوئی اپنا ہمنام ہونے دیا نہ کوئی اپنا عرف بننے دیا۔ نہ اپنا ہم تخلص بہم پہنچایا۔ فقط پنشن کی صورت یہ ہے۔ کہ کوتوال سے کیفیت طلب ہوئی اس نے اچھی لکھی کل ہفتہ کا دن ساتویں اگست کی مجھ کو اجرٹن صاحب بہادر نے بلایا۔ کچھ سہل سوال مجھ سے کئے اب ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تنخواہ ملے اور جلد ملے تردد اگر ہے تو اس میں ہے۔ کہ ۱۵ مہینے بھی ملتے ہیں یا صرف آئیندہ کو مقرر ہوتی ہے غلام فخرالدین خاں کی دو ایک روبکاریاں ہوئی ہیں۔ صورت اچھی ہے۔ خدا چاہے۔ تو رہائی ہو جائے۔ صاحب ہم نے گھر اکر اُس تحریر فارسی کو تمام کیا۔ دفتر بند کیا اور یہ لکھ دیا کہ یکم اگست ۱۸۵۸ء تک میں نے پندرہ مہینے کا حال لکھا اور آئیندہ لکھنا موقوف کیا۔ تم کو آگے اس سے لکھا تھا کہ تم اپنے اوراق کا فقرہ آخیر لکھ بھیجو۔ اب پھر تم کو لکھا جاتا ہے۔ کہ جلد لکھو تاکہ میں اس کے آگے کی عبارت تم کو لکھ کر بھیجدوں ہاں صاحب میر اشرف علی صاحب بھی یہی فرماتے تھے۔ کہ میر سرفراز حسین پانی پت آیا چاہتے ہیں اگر آجائیں تو مجھ کو اطلاع کرنا ؟

ایضاً۔ مار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال و جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا۔ چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے ؎

اور تو یہاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا
سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک

یاد رہے۔ یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ کل سے مجھ کو یہ کش بہت یاد آتا ہے۔ سو صاحب اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں۔ وہ صحبتیں اور تقریریں جو یاد کرتے ہو۔ اور تو کچھ بن نہیں آتی مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو۔ آنسوؤں پیاس نہیں بجھتی یہ تحریر تلافی اس تقریر کا نہیں کر سکتی۔ بہر حال کچھ لکھتا ہوں۔ سنو پنشن کی رپورٹ کا ابھی کچھ حال نہیں معلوم دیر آید درست آید۔ بھئی میں تم سے بہت آزردہ ہوں میر ن صاحب کی تندرستی کے بیان میں نہ اظہار مسرت نہ مجھ کو تہنیت بلکہ اس طرح سے لکھا ہے کہ گویا اُن کا تندرست ہونا تم کو ناگوار ہوا ہے۔ لکھتے ہو۔ کہ میرن صاحب ویسے ہی ہو گئے جیسے آگے تھے۔ اُچھلتے کودتے پھرتے ہیں

اُس کے یہ معنے کہ ہے ہے کیا غضب ہُوا یہ کیوں اچھے ہو گئے یہ باتیں تمہاری ہم کو پسند نہیں آتیں۔ تم نے میر کا وہ مقطع سُنا بہ تغیر الفاظ لکھتا ہوں ؎

کیوں نہ میرن کو مغتنم جانوں دلّی والوں میں اک بچا ہے یہ

میر تقی کا مقطع یوں ہے ؎

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

میر کی جگہ میرن اور رہا کی جگہ بچا کیا اچھا تصرف ہے۔ ارے میاں تم نے کچھ اور بھی سُنا کل یوسف مرزا کا خط لکھنؤ سے آیا وہ لکھتا ہے کہ نصیر خاں عرف نواب جان والدان کا دایم الحبس ہو گیا حیران ہوں۔ کہ یہ کیا آفت آئی یوسف مرزا تو جھوٹ کاہے کو لکھیگا۔ خدا کرے اُس نے جھوٹ سُنا ہو۔ لو بھئی اب تم جا ہو جاؤ۔ اپنے گھر میں تو روٹی کھانے جاتا ہوں۔ اندر باہر سب روزہ دار ہیں۔ یہانتک کہ بڑا لڑکا باقر علیخان بھی صرف ایک میں اور ایک میرا بیٹا حسین علی خان یہ ہم روزہ خور ہیں۔ وہی حسین علیخان جس کا روز مرہ ہے۔ کھلونے منگا دو میں بجار جاؤنگا میر سرفراز حسین کو دعا کہنا اور یہ خط اُن کو ضرور سنا دینا۔ برخوردار میر نصیرالدین کو دعا پہنچے ٭

ایضاً۔ میر مہدی جیتے رہو۔ آفرین صد ہزار آفرین۔ اُردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔ سُنو دلّی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہے یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلّہ کا رہنے والا لوٹ لے گیا مگر میں نے اسکو بحل کیا اللہ برکت دے۔ میری پنشن اور ولایت کے انعام کا حال کما حقہٗ سمجھ لو واللہ رحمن الطاف خفیہ۔ ایک طرز خاص پر تحریک ہوئی۔ نواب گورنر جنرل بہادر نے حاکم پنجاب کو لکھا کہ حاکم دہلی سے فلاں شخص کی پنشن کے چڑھے ہوئے روپیہ کے یکمشت پانے کی اور آئندہ ماہ بماہ ملنے کی رپورٹ منگوا کر اپنی منظوری لکھ کر ہمارے پاس بھیجدو تاکہ ہم حکم منظوری دیکر تمہارے پاس بھیجدیں سو یہاں اس کی تعمیل بطرز مناسب ہوگی۔ کم و بیش دو مہینہ میں سب روپیہ مل جائے گا۔ اور ہاں صاحب کمشنر بہادر نے یہ بھی کہا۔ کہ اگر تم کو ضرورت ہو تو سو روپیہ خزانہ سے منگوا لو میں نے کہا صاحب یہ کیسی بات ہے کہ اوروں کو برس دن کا روپیہ ملا۔ اور مجھے سو روپیہ دلواتے ہو۔ فرمایا کہ تم کو اب چند روز میں سب روپیہ اور اجراء کا حکم مل جائیگا۔ اوروں کو یہ بات برسوں میں میسر آئیگی۔ میں چپ ہو رہا۔ آج دو شنبہ یکم شعبان اور ہفتم مارچ ہے دوپہر ہو جائے۔ تو اپنا آدمی مع رسید بھیجکر سو روپیہ منگا لوں پر بار ولایت کے انعام کی توقع خدا ہی ہے حکم تو اسی حکم کے ساتھ اس کی رپورٹ

کرنے کا بھی آیا ہے۔ مگر یہ بھی حکم ہے۔ کہ اپنی رائے لکھو۔ اب دیکھئے یہ دو حاکم یعنی حاکم دہلی اور حاکم پنجاب اپنی رائے کیا لکھتے ہیں۔ حاکم پنجاب کے گورنر بہادر کا یہ بھی حکم ہے۔ کہ دستنبو منگوا کر اور تم دیکھ کر ہمکو لکھو کہ وہ کیسی ہے اور اس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ حاکم دہلی نے ایک کتاب بھی مجھ سے بموجب مانگی۔ اور میں نے دی اب دیکھوں حاکم پنجاب کیا لکھتا ہے اسوقت تمہارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا مجھکو باتیں کرنیکا فرا ملا تو دونو کا جواب ابھی لکھکر روانہ کیا اب میں روٹی کھانے جاتا ہوں۔ میر سرفراز حسین میرن صاحب میر نصیر الدین کو دعا ٭

ایضاً۔ سید صاحب نہ تم مجرم نہ میں گنہگار۔ تم مجبور میں ناچار۔ لو اب کہانی سنو۔ میری سرگذشت میری زبانی سنو۔ نواب مصطفیٰ خان میعاد سات برس کے قید ہوگئے تھے۔ سو انکی تقصیر معاف ہوئی اور انکو رہائی مطلق رہائی کا حکم آیا ہے۔ جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنشن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا ناچار وہ رہا ہوکر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے ہیں میں بمجرد استماع اس خبر کے ڈاک میں بیٹھکر میرٹھ گیا اُن کو دیکھا چار دن وہاں رہا پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ آنیکی یاد نہیں مگر ہفتہ کو گیا منگل کو آیا آج بدھ دوم فروری ہے مجھکو آئے ہوئے نواں دن ہے۔ انتظار میں تھا کہ تمہارا خط آئے تو اس کا جواب لکھا جائے آج صبح کو تمہارا خط آیا دوپہر کو یہ جواب لکھتا ہوں ؎

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے۔ اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے لاہوری دروازہ کا تھانہ دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے۔ جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اُس کو پکڑ کر حوالات میں بھیجدیتا ہے۔ حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں۔ یا دو روپیہ جرمانہ لیا جاتا ہے آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو۔ کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے یہاں کا جمعدار میرے پاس بھی آیا۔ میں نے کہا بھائی تو مجھے نقشے میں نہ رکھ میری کیفیت کی عبارت الگ لکھ عبارت یہ کہ اسد اللہ خان پنشندار ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا نہ گوروں کے زمانے میں نکلا اور نکالا گیا۔ کرنیل براؤن صاحب بہادر کی زبانی حکم پر اس کی اقامت کا مدار ہے۔ اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا اب حاکم وقت کو اختیار ہے پرسوں یہ عبارت جمعدار نے محرر نقشے کے ساتھ کوتوالی میں بھیجدی ہے۔ کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان دکان کیوں بناتے ہیں۔ جو مکان بن چکے ہیں انہیں ڈھادو اور آئندہ کو ممانعت کا حکم سنادو۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت

آپ شہر میں آباد ہو جائے آج تک یہ صورت ہے دیکھئے شہر کے بسنے کی کون مہورت ہے۔ جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے ہیں یا جو باہر پڑے ہوئے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں۔ الملک للہ والحکم للہ۔ نور چشم میر سرفراز حسین اور برخوردار میر نصیر الدین کو دعا۔ اور جناب میرن صاحب کو سلام بھی اور دعا بھی اس میں سے وہ جو چاہیں قبول کریں۔

ایضاً۔ میری جان خدا تم کو ایک سو بیس برس کی عمر دے بوڑھا ہونے آیا داڑھی میں بال سفید آ گئے مگر بات سمجھنی نہ آئی پنشن کے باب میں اُلجھے ہو اور کیا بے جا اُلجھے ہو یہ تو جانتے ہو کہ دلی کے سب پنشن دار اول کو مئی ۱۸۵۷ء سے پنشن نہیں ملا یہ فروری ۱۸۵۹ء بائیسواں مہینہ ہے۔ چند اشخاص کو اس بائیس مہینے میں سال بھر کا روپیہ بطریق مدد خرچ مل گیا۔ باقی چڑھے ہوئے روپیہ کے باب میں اور آیندہ ماہ بماہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ تم اب اپنے سوال کو یاد کرو کہ اس واقعہ سے اس کو کچھ نسبت ہے یا نہیں یہ حضرت کا سوال امیر خسرو کی انمل ہے ع چیل بسونٹے لگی تو کاہے سے۔ سنو ایک علی بخش خان پچاس روپے مہینہ پاتے تھے بائیس مہینے کے گیارہ سو ہوتے ہیں انکو چھ سو روپے مل گئے باقی روپیہ چڑھا رہا آیندہ ملنے میں کچھ کلام نہیں غلام حسن خان سو روپے مہینے کا پنشن دار بائیس مہینے کے بائیس سو روپے ہوتے ہیں اس کو بارہ سو ملے دیوان کشن لال کا ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ بائیس مہینے کے تین ہزار تین سو ہوتے ہیں اس کو بارہ سو ملے مرزا حیدر اور دس روپیہ مہینہ کا سکھ لمیہ سال بھر کے ایک سو بیس لے آیا اسی طرح پندرہ سولہ آدمیوں کو ملا ہے آیندہ کے واسطے کسی کو کچھ حکم نہیں مجھ کو پھر مدد خرچ نہیں ملا۔ جب کئی خط پر خط لکھے تو آخر جناب صاحب کمشنر بہادر نے حکم دیا کہ سائل کو بطریق مدد خرچ سو روپیہ مل جاویں میں نے وہ سو روپے نہ لیے اور پھر صاحب کمشنر بہادر کو لکھا کہ میں باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ مہینہ پانے والا ہوں سال بھر کے ساڑھے سات سو روپیہ ہوتے ہیں سب پنشن داروں کو سال سال بھر کا روپیہ مجھ کو سو روپیہ کیسے ملتے ہیں مثل اوروں کے مجھے بھی سال بھر کا روپیہ مل جاوے ابھی اس میں کچھ جواب نہیں ملا۔ آبادی کا یہ رنگ ہے کہ ڈھنڈورا پٹوا کر ٹکٹ چھپوا کر اجرٹن صاحب بہادر بطریق ڈاک کلکتہ چلے گئے۔ دلی کے ہنود جو باہر پڑے ہوئے ہیں منہ کھول کر رہ گئے اب جب وہ مراجعت کرینگے تب شاید آبادی ہو گی یا کوئی اور نئی صورت نکل آوے میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین اور میرن صاحب کو دعائیں پہنچیں برخوردار کامگار میر مہدی قطعہ تم نے دیکھا سچ سچ میرا حلیہ ہے واہ اب کیا شاعری رہ گئی ہے جس وقت میں نے یہ قطعہ وہاں کے بھیجنے کے واسطے لکھا ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں لڑکوں نے سنایا کہ دادا جان کھانا تیار ہے میں اُٹھ کر گیا ہوں تین خط اور لکھے ہوئے رکھے تھے میں نے کہا کہ اب کیوں لکھوں اسی کاغذ کو لفافے میں رکھ کر ٹکٹ لگا کر سرنامہ لکھ کلیان کے حوالہ کر گھر میں چلا گیا اور وہاں دیکھ پھر بھی تھی کہ دیکھوں میرا میر مہدی خفا ہو کر

کیا باتیں بناتا ہے سو وہی ہوئے تم نے جلے پھپھولے پھوڑے لو اب سناؤ خط لکھنے بیٹھا ہوں کیا لکھوں یہاں کا حال زبانی میرن صاحب کے سن لیا ہوگا مگر وہ جو کچھ تم نے سنا ہوگا بے اصل باتیں ہیں۔ پنشن کا مقدمہ کلکتہ میں نواب گورنر جنرل بہادر کے پیش نظر یہاں کے حاکم نے اگر ایک روبکاری لکھ کر اپنے دفتر میں رکھ چھوڑی میرا اس میں کیا ضرر۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ دو ایک آدمی آ گئے دن بھی تھوڑا رہ گیا۔ میں نے بکس بند کیا باہر تختوں پہ آ بیٹھا شام ہوئی چراغ روشن ہوا۔ منشی سید احمد حسین سرہانے کی طرف مونڈھے پر بیٹھے ہیں۔ میں پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں کہ ناگاہ چشم و چراغ دودمان علم و یقین سید نصیر الدین آیا۔ ایک کوڑا ہاتھ میں اور ایک آدمی ساتھ اس کے سر پہ ایک ٹوکرا اُس پر گھاس ہری بچھی ہوئی میں نے کہا اہاہاہا سلطان العلما مولانا سرفراز حسین دہلوی نے دوبارہ رسید بھیجی ہے بارے معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہے یہ کچھ اور ہے فیض خاص نہیں لطف عام ہے شراب نہیں آم ہے۔ خیر یہ عطیہ بھی بے خلل ہے بلکہ نعم البدل ہے ایک ایک آم کو ایک ایک سر بمہر گلاس سمجھا بادۂ انگوری سے بھرا ہوا مگر واہ کس حکمت سے بھرا ہے کہ بے شیشہ گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے میاں کہتا تھا کہ یہ اسّی تھے پندرہ بگڑ گئے بلکہ سڑ گئے تا اُن کی بُرائی اوروں میں سرایت نہ کرے ٹوکرے میں سے پھینک دیئے میں نے کہا بھائی یہ کیا کم ہے مگر تمہاری تکلیف اور تکلفات سے خوش نہیں ہوا۔ تمہارے پاس روپیہ کہاں جو تم نے آم خریدے خانہ آباد دولت زیادہ۔ لیکور ایک انگریزی شراب ہوتی ہے۔ قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی میٹھی جیسا قند کا قوام پتلا دیکھو اس لغت کے فرہنگ سرور میں ہو تو مجتہد العصر اور حکیم میر اشرف علی کو کہ وہ اُن کے علمی گنجینے ہیں اور ٹکے کی کتابیں چالیس پچاس روپے کو لے گئے ہیں میری دعا کہہ دینا۔

ایضاً۔ ”کیوں یار کیا کہتے ہو ہم کچھ آدمی کام کے ہیں یا نہیں۔ تمہارا خط پڑھ کر دو بار یہ شعر پڑھا ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک — آتش شوق تیز تر گردد

کلو کو مولوی مظہر علی صاحب کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ آپ کہیں جائیے گا نہیں میں آتا ہوں۔ بھلا بھائی اچھی حکمت کی کیا وہ میرے بابا کے نوکر تھے کہ میں اُن کو بلاتا اُنہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ تکلیف نہ کریں میں حاضر ہوتا ہوں دو گھڑی کے بعد وہ آئے ادھر کی بات اُدھر کی بات کوئی انگریزی کا خط دکھایا کوئی فارسی خط پڑھوایا اجی کیوں حضرت آپ میرن صاحب کو نہیں بلاتے صاحب میں تو اُن کو لکھ چکا ہوں کہ تم چلے آؤ اور ایک مقام کا اُن کو پتہ لکھا ہے کہ وہاں ٹھیر کر مجھ کو اطلاع کرو میں شہر میں بلاؤں گا۔ صاحب اب وہ ضرور آئیں گے آخر کار اُن سے اجازت لیکر اب تم کو لکھتا ہوں کہ

چاہیے بقدر مقدور دے اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے۔ روپیہ دے اور ٹکٹ لے گذر بسر ہو جائے پھر
ہزاروں سے مختصر یہ کہو۔ کہ بھائی یہ مبالغہ ہے کہ روٹی وہاں کھاؤ تو پانی یہاں پیو۔ یہ کہتا ہوں کہ عید وہاں کرو۔ تو باسی ۱۱۷ ب
عیدیاں کرو۔ میرا حال سنو۔ کہ بے رزق جینے کا ڈھب مجھ کو آ گیا ہے اس طرف سے خاطر جمع رکھنا رمضان
کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کاٹا۔ آئندہ خدا رازق ہے کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے بس صاحب جب ایک چیز
کھانے کو ہوئی اگرچہ غم ہی ہو تو پھر کیا غم ہے میر سرفراز حسین کو میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا۔ میر نصیر الدین
کو دعا اور شفیع احمد صاحب کو میر احمد علی صاحب کو سلام کہنا۔ میرن صاحب کو نہ سلام نہ دعا یہ خط پڑھا دو اور
ادھر کو روانہ کرو۔ کیا خوب بات یاد آئی ہے۔ کیوں وہ شہر سے باہر ٹھہریں اور کیوں کسی کے بلانے کی راہ
دیکھیں۔ شکرم میں۔ کرانچی میں چوکیے میں یعنی ڈاک میں آئیں۔ بلی ماروں کے محلہ میں میرے مکان پر اتریں
میرزا قربان علی بیگ کے مکان میں مولوی مظہر علی رہتے ہیں میرے ان کے مسکن میں ایک میر خیراتی کی حویلی
درمیان ہے۔ ڈاک کو زنہار کوئی نہیں روکتا یہ صلاح تو ایسی ہے کہ اگر اس خط کے پہنچتے ہی چل دیں تو عید بھی
یہیں کریں۔

ایضاً۔ میاں کیوں تعجب کرتے ہو۔ یوسف میرزا کے خطوط نہ آنے سے۔ وہ وہاں اچھی طرح سے ہے حاکموں کے
ہاں آنا جانا نوکری کی تلاش میں۔ حسین مرزا بھی وہیں ہیں۔ وہاں کے حکام ملتے ہیں وہاں پنشن کی درخواست
کر رہے ہیں۔ ان دونوں صاحبوں کے ہر ہفتہ میں ایک دو خط مجھ کو آتے ہیں۔ جواب بھیجتا ہوں۔ بھائی لکھنؤ
میں وہ امن و امان ہے۔ کہ نہ ہندوستانی عملداری میں ایسا امن و امان ہوگا۔ نہ ایام فتنہ و فساد سے پہلے
انگریزی عملداری میں یہ چین ہوگا۔ امراء اور شرفا کی حکام سے ملاقاتیں بقدر مرتبہ تعظیم و توقیر پنشن کی تقسیم
علی العموم آبادی کا حکم عام لوگوں کو کمال لطف اور نرمی سے آباد کرتے جاتے ہیں۔ اور ایک نقل سنو۔ وہاں
کے صاحب کمشنر بہادر اعظم نے جو دیکھا کہ عملہ میں ہنود بھرے ہوئے ہیں۔ اہل اسلام نہیں ہیں۔ ہنود کو اور
علاقوں میں بھیج دیا۔ اور ان کی جگہ سب مسلمانوں کو بھرتی کیا یہ تو آفت دلی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے لکھنؤ کے
سوا اور شہروں میں عملداری کی وہ صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی۔ اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں یعنی
بھی دیکھے فارسی عبارت یہ ہے۔ ٹکٹ آبادی درون شہر دہلی بشرط ادائے جرمانہ مقدار روپیہ کی حاکموں کی لیتے
پھرتے ہیں۔ آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے۔ کل اتوار یوم التعطیل ہے۔ پرسوں دوشنبہ سے دیکھئے یہ کاغذ کیونکر تقسیم
ہوں یہ کیفیت عموماً تحریر ہے۔ خصوصاً میرا حال سنو بائیس مہینے کے بعد پرسوں کوتوال کو حکم آیا ہے کہ اسد اللہ خاں
پنشن دار کی کیفیت لکھو۔ کہ وہ بے مقدور اور محتاج ہے یا نہیں کوتوال نے موافق ضابطہ کے مجھ سے چار گواہ مانگے
ہیں۔ سو کل چار گواہ کوتوالی چبوترے پر جائیں گے اور میری بے مقدوری ظاہر کر آئیں گے تم کہیں یہ نہ سمجھنا کہ یہ ثبوت

مفلسی چڑھا ہُوا روپیہ مل جائیگا اور آیندہ کو پنشن جاری ہو جائے گا۔ نہ صاحب یہ تو ممکن ہی نہیں۔ بعد ثبوت افلاس مستحق ٹھیروں گا چھ مہینے یا برس دن کا روپیہ علی الحساب پانے کا۔ میرن صاحب جو بلائے گئے ہیں۔ اُس طلب کے جواب میں ابھی کیوں نہیں لکھتے کہ ٹکٹ میرے نام کے حاصل کر کے بھیجدو تو میں آؤں۔ دیکھا ب دس پانچ دن میں حسب حال کُھلا جاتا ہے۔ میر سرفراز حسین کو دعا اور میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا۔ میر نصیر الدین کو دعا کہنا اور میرن صاحب کو مبارکباد کہنا۔ غالبؔ ؎

بنام شاہ عالم صاحب

مخدوم زادہ والاتبار حضرت شاہ عالم سلام وہ ملنے درویشانہ قبول فرمادیں۔ آپکا مع الخیر وطن پہنچنا اور بزرگوں کے قدم بوس اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپ کو مبارک ہو ع یوسف از مصر بہ کنعان آمد تفرقہ اوقات و سفر رام پور و شدت تموز مقتضی اُس کی ہوئی کہ ہنوز تمہارے مسودات دیکھے نہیں گئے۔ تا نزول باران رحمت الہی اور بھی چپکے بیٹھے رہو اپنے ماموں صاحب کو نیاز معتقدانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہیئے گا۔ اور اپنے والد ماجد یعنی میرے عمر رسیدہ ہم فن کو وہ سلام جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے پہنچا دیجئے گا۔ اور عرض کیجئے گا۔ کہ از روئے دیدار حد سے گذر گئی۔ یارب جیتا ہی تک حضرت صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انوار الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور اُن سے ہمکلام نہ ہو لوں میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو لیکن ۱۲۷۷ء کے دو مہینے باقی ہیں۔ ایسے کہ محرم سے اس ذی الحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے شفقی مکرمی چودھری عبد الغفور صاحب کو میرا سلام کہیئے گا۔ اور یہ پیام پہنچائیگا کہ حضرت صاحب عالم کی تمنائے دیدار بعید مارہرہ کنایہ اس سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے ع خواہش وصل مقدر ہے جو مذکور نہیں۔ اُن کے اس خط کا جواب جو پرسوں مجھ کو پہنچا ہے۔ موم جامہ میں لپیٹ کر بھیجوں گا انشاء اللہ العزیز ہاں جناب شاہ عالم صاحب پھر روئے سخن آپ کی طرف ہے جناب میر وزیر علی صاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے اور میرے مسکن سے ایک تیر پرتاب کے فاصلہ پر چاندنی چوک میں قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اُترے ہیں مرقی صاحب کا کام اُن کے سپرد ہوا ہے یعنی ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں۔ اور ہزار روپیہ تک کا مقدمہ عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہنوز قائمقام ہیں وہ صاحب جس کا نام لکھ آیا ہوں۔ بطریق رخصت سیاحت کو گیا ہے ایکدن فقیر بھی اُن کے مکان پر چلا گیا تھا۔ حُسن صورت اور حسن سیرت دونوں اُن میں جمع ہیں۔ آنکھیں اُن کے حُسن صورت سے روشن ہو گئیں اور دل اُن کی حُسن سیرت سے خوش ہو گیا۔ واہ خاک پاک بلگرام میں نے وہاں کے جس نیکو اد کو دیکھا بہت اچھا پایا ؎

ایضاً۔ مخدوم زادۂ عالیشان مقدس دودمان حضرت شاہ عالم امن و امان و عزہ و شان و علمہ و عمر سے برخوردار رہیں۔ ہمارے حضرت ہم کو بھول گئے۔ ہاں سچ ہے۔ اُن کا لطف چودھری عبدالغفور صاحب کے جوہر مہر و محبت کا عرض تھا۔ جب جوہر نہ رہا تو عرض کہاں۔ بہرحال جناب حضرت عالم صاحب کو میری بندگی پہنچ جائے۔ اور یہ سطریں اُن کی نظر سے گذر جائیں چودھری عبدالغفور خاں صاحب کو سلام کہئے گا۔ اور یہ پوچھئے گا۔ کہ قصیدہ کا بعد اصلاح کے نہ پہنچنا میرا گناہ ہے یا اس کے سوا کوئی اور قصور ہے اگر وہی جرم ہے تو معاف کیجئے۔ اگر کوئی جرم بھی ہے تو مجھے اطلاع دیجئے ان دو پیام کی تبلیغ کے بعد پھر روئے سخن آپکی طرف ہے۔ آپ کا خط میرے نام کا اور اس کے ساتھ ایک خط ڈپٹی میر نذیر علی صاحب کے نام کا پہنچا وہ پڑھا اور بھجوا دیا۔ جو آدمی خط لیکر گیا تھا۔ وہ دوبارہ جواب مانگنے کو گیا۔ پہلی بار حکم ہوا کہ کل آئیو دوسری بار حضرت نہ ملے۔ میں نے اس کے جواب سے قطع نظر کر کے اپنی خدمتگذاری کی آپ کو اطلاع دی۔ یائے تحتانی لکھونگا کہ ایک چپراسی آیا۔ اور اس نے خط تمہارے نام کا ٹکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی صاحب نے سلام کہا ہے۔ اور یہ خط دیا ہے۔ اب میں یہ خط اپنا مع اُن کے خط کے ڈاک گھر میں بھیجتا ہوں۔ صبح کا وقت یکشنبہ کا دن ۸ صفر اور ۲۵۔ اگست کی ہے ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں۔ باقی اُن کے حالات ان کے خط سے معلوم ہو جائینگے۔ اپنے ماموں صاحب کی خدمت میں نیاز اور اپنے بھائی صاحبوں کی خدمت میں فقیر کی دعا پہنچائیے گا۔ والسلام ۞

بنام صاحب عالم صاحب

پیر و مرشد اس مطلع و حسن مطلع کو کیا سمجھوں اور اس کا شکر کیونکر بجا لاؤں۔ خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگ آفرینش کو اپنے خاصان درگاہ سے بھلا کہواتا ہے۔ ظاہرا میرے مقدر میں یہ سعادت عظمیٰ تھی کہ میں اس وبائے عام میں جیتا بچ رہا۔ اللہ اللہ ایسے گشتنی بسوختنی کو یوں بچایا۔ اور پھر اس رتبہ کو پہنچایا کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں اور کبھی بہشت کو اپنا پائین باغ تصور کرتا ہوں واسطے خدا کے اور اشعار نہ فرمائیے گا۔ ورنہ بندہ دعوئ خدائی کرنے میں محابا نہ کریگا۔ کتاب افادت مآب پنج آہنگ نسخہ لطیف تشریف تالیف اس کے آگے غلام سے کچھ نہ پڑھا گیا۔ مگر چودہری صاحب اور حضرت سید شاہ امیر صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب یہ تین اسم معلوم ہوئے پھر بھی دوسرے اسم میں متردد ہوں کہ آیا میرا قیاس مطابق واقع ہے یا نہیں ہاں چودھری صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب اُن دو نام میں

تردد باقی نہیں۔ مجھ کو یہ نہ سمجھا کہ مقصود کیا ہے۔ اگر پنج آہنگ مطلوب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرا ایک بھتیجا بھائی۔ نواب ضیاء الدین خان سلمہ تعالیٰ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مجموعہ نثر اور کلیات نظم فارسی اور کلیات نظم اردو سب نسخے اس کے کتب خانہ میں تھے۔ وہ کتب خانہ ڈر کر عرض کرتا ہوں۔ بیس ہزار روپیہ کی مالیت کا ہوگا۔ لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا۔ یہاں چھاپے کی پنج آہنگیں اب بکتی ہیں۔ اور معیوب مع عیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو بعد انطباع از قسم نثر تحریر ہوا ہے۔ وہ اس میں نہیں دوسرے کاپی نویس نے وہ اصلاح میری نثر کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے۔ اگر کوئی سطر غلطی سے خالی نہیں تو اغراق ہے مبالغہ نہیں ہے۔ کہ کوئی صفحہ اغلاط سے خالی نہیں۔ بہرحال اگر فرمایئے تو لیکر بھیجدوں۔ مخدوم زادہ ہائے والا تبار پہلا نام سمجھ میں نہیں آیا۔ مگر پہلے ان کی خدمت میں سلام مسنون اور اشتیاق روز افزوں عرض کرتا ہوں ؞

ایضاً بعد حمد خدا و نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مدح و دعائی جناب صاحب عالم صاحب کو بندگی اور حضرت مقبول عالم کی شادی کی مبارکباد کہہ کر عرض کروں کہ میرا کیا حال ہے؟ اضمحلال قویٰ کا حال مختصر یہ ہے۔ کہ کوئی دوست ایسا کہ جس سے تکلف کی ملاقات ہے آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں ورنہ پڑا رہتا ہوں جو کچھ لکھنا ہوتا ہے۔ وہ بھی اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ آج دوپہر کو میر عبد العزیز صاحب آئے ہیں۔ بے تکلف، وہ میں پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ ان کو دیکھ کر اٹھا مصافحہ کیا انہوں نے جناب شاہ عالم کا خط معہ مسودات اشعار دیا اور فرمایا کہ پرسوں جاؤنگا۔ عرض کیا کہ کل آخر روز آپ تشریف لائیں خط کا جواب اور اصلاحی مسودہ لیجائیں وہ تشریف لے گئے میں لیٹ رہا دن کے سونے کی عادت نہیں ہے جی میں کہا آؤ بیکار کیوں رہو خط کا جواب آج لکھ رکھو۔ اٹھے کون۔ بکس کھولے کون لڑکوں کی دوات قلم ڈھونڈھ کے پلنگ کے پاس رکھ لی ادب مقتضی اس کا ہوا۔ کہ آغاز نامہ بنام اقدس ہو۔ حضرت نسخہ تاریخ یہاں تیسری چوتھی نظر میں مکمل ہو کر مسودات ایک کاتب کے حوالے ہوئے آٹھ جزو لکھے گئے۔ کم و بیش دو جزو باقی ہیں۔ پرسوں تک آ جائیں گے۔ بعد اس کے انطباع کی فکر ہوگی۔ جب وہ عزیمت امضا پذیر ہو جائیگی۔ حضرت کی نظر سے بھی شرف پائے گی۔ حضرت سید عالم کو نیاز خورشید عالم کو سلام۔ جج ہائی صاحب کو نہ سلام نہ نیاز صرف یہ پیام کہ ہم تمہارے خط کو منتظر ہو بیٹھے تھے باتوں کا مزا ملتا تھا۔ خیر دریافت معلوم ہو جاتی تھی۔ وہ رابطہ روحانی منقطع کیوں ہوا۔ صاحب یہ روش اچھی نہیں گاہ گاہ رسل و رسائل کا طور رہنا ہے ؞

(حاشیہ: اور خط ... مقبول عالم کی خدمت میں)

بنام مولوی عبد الغفور خان بہادر نساخ

جناب مولوی صاحب قبلہ یہ درویش گوشہ نشین جو موسوم بہ اسد اللہ اور متخلص بہ غالب ہے مکرمت عالی کا شکر گذار اور آئندہ افزائش عنایت کا طالب ہے دفتر بے مثال کو عطیۂ کبریٰ اور موہبت عظمیٰ سمجھ کر یاد آوری کا احسان مانا پہلے اس قدر افزائی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ حضرت نے اُس ہیچ مرز ا ہیچدان کو قابل خطاب اور لائق عطائے کتاب جانا میں دروغگو نہیں خوشامد میری خو نہیں۔ دیوان فیض عنوان اسم بامسمیٰ ہے دفتر بے مثال اس کا نام بجا ہے۔ الفاظ متین معانی بلند مضمون عمدہ۔ بندش دلپسند ہم فقیر لوگ اعلانِ کلمۃ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش طرز جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے۔ آپ اُن سے بڑھ کر بصیغۂ مبالغہ نساخ ہیں۔ تم دانائے رموز اُردو زبان ہو سرمایۂ نازش قلمرو ہندوستان ہو۔ خاکسار نے ابتدائے سن تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم و نثر کا عاشق و مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں۔ مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں جہاں تک زور چل سکا فارسی زبان میں بہت بکا۔ اب نہ فارسی کی فکر نہ اردو کا ذکر نہ دنیا میں توقع نہ عقبیٰ کی امید میں ہوں اور اندوہ ناکامی جاوید جیسا کہ خود ایک قصیدہ نعت کی تشبیب میں کہتا ہوں ؎

چشم کشودہ اند بکردارہائے من
ز آئینہ ناامیدم و از رفتہ شرمسار

ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ اب اور کہاں تک رہونگا۔ ایک اُردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا۔ تین رسالے نثر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہوگئے۔ اب اور کیا ہوگا۔ مدح کا صلہ نہ ملا غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی۔ بقول طالب آملی علیہ الرحمۃ ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

سچ تو یوں ہے۔ کہ قوت ناطقہ پردہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا۔ طبیعت میں وہ فراست وہ شعور نہ رہا۔ بچاس پچپن برس کی مشق کا ملکہ باقی رہ گیا ہے۔ اسی سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں حواس کا بھی بقیہ اسی قدر ہے۔ کہ معرض گفتار میں موافق سوال جواب دیتا ہوں۔ روز و شب یہ فکر رہتی ہے۔ کہ دیکھئے وہاں کیا پیش آتا ہے۔ اور یہ بال بال گنہگار بندہ کیونکر بخشا جاتا ہے حضرت سے یہ التماس ہے کہ آپ جو ابداً کے یادی اور مجھ کو ارسال نامہ کی بھیجنے کے عادی ہوئے ہیں جب تک میں جیتا رہوں نامہ و پیام سے۔ اور بعد میرے مرنے کے دعائے مغفرت سے یاد فرماتے رہیئگا

والسّلام بالوف الاحترام ؂

بنام مرزا یوسف علی خان صاحب عزیزؔ

بھائی تم کیا فرماتے ہو جان بوجھ کر انجان بنے جاتے ہو۔ واقعی غدر میں میرا گھر نہیں لُٹا مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا۔ کہ نہ لٹتا۔ بھائی ضیاء الدین خان صاحب اور ناظر حسین مرزا صاحب ہندی و فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لیکر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے۔ سو ان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی۔ نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا۔ پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں۔ ہاں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ مئی کی گیارہویں ۱۸۵۷ء سے جولائی کی اکتیسویں ۱۸۵۸ء تک پندرہ مہینے کا اپنا حال میں نے نثر میں لکھا ہے۔ اور وہ نثر فارسی زبان قدیم میں ہے۔ کہ جس میں کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ اور ایک قصیدہ فارسی متعارف عربی و فارسی ملی ہوئی زبان میں حضرت فلک رفعت جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی ستائش میں اس نثر کے ساتھ شامل ہے۔ یہ کتاب مطبع مفید خلائق آگرہ میں منشی بخش صاحب حقیر اور مرزا حاتم علی بیگ اور منشی ہرگوپال تفتہ کے اہتمام میں چھاپی گئی ہے۔ فی الحال مجموعہ میری نظم و نثر کا اس کے سوا اور کہیں نہیں اگر جناب منشی امیر علی خان صاحب میرے کلام کے مشتاق ہیں۔ تو نسخہ موسوم بہ دستنبو مطبع مفید خلائق سے منگالیں اور ملاحظہ فرمائیں ؂

بنام قاضی عبدالجمیل صاحب

مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت میرا ذریعہ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامہ آپ کے اوقات مختلف میں پہنچے۔ پہلے خط کے حاشیہ اور پُشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی پھیلی کہ حروف اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے اگرچہ بینائی میری اچھی ہے اور میں عینک کا محتاج نہیں لیکن با اینہمہ اس کے پڑھنے میں بہت تکلّف کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے جگہ اصلاح کی باقی نہیں چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تاکہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینک دیا ہوگا۔ اور مجھ کو جو میرا اندیشہ ہے آپ کو بھی معلوم ہو جائے آپ خود دیکھ لیں۔ کہ اس میں اصلاح کہاں دی جائے واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجئے۔ اُس میں بین الافراد بین المصرعین فاصلہ زیادہ چھوڑیئے آپ کے خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے۔ حروف اس کے روشن ہیں۔ مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم آپ کی خاطر سے رنج کتابت اُٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا۔ اس سے مقابلہ

مقابلہ کرکے معلوم کر لیجئے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کونسی بیت موقوف ہوئی۔ مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعہ میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر غزل خوانی کر لیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعہ طرح کو کیا لکھیے گا اور اس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا۔ میں کبھی اس محفل میں جاتا ہوں۔ اور کبھی نہیں جاتا اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے۔ اس کو دوام کہاں کیا معلوم ہے۔ اب کے نہ ہو اور اب کے ہو تو آئندہ نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام ؂

ایضاً۔ قبلہ آپ کو خط بھیجنے میں تردد کیوں ہوتا ہے۔ ہر روز چار خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ گاہ گاہ انگریزی بھی ڈاک کے ہرکارے بھی میرا گھر جانتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے۔ مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے۔ وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے۔ محلہ بھی ضرور نہیں آپ ہی انصاف کریں کہ آپ لال کنواں لکھتے ہیں۔ اور مجھ کو محلہ بلی ماروں میں خط پہنچتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ خط آپکا کوئی تلف نہیں ہوا۔ جو آپ نے بھیجا۔ وہ مجھ کو پہنچا بات یہ ہے کہ شوقیہ خطوط کا جواب کہاں تک لکھوں میں نے اپنی نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو۔ تو کیا لکھوں۔ اب کے آپ کے خط میں تین مطلب جواب لکھنے کے قابل تھے۔ ایک تو وہ رباعی جو آپ نے اس ننگ آفرینش کی مدح میں لکھی ہے۔ اس کا جواب بندگی ہے۔ اور کورنش اور آداب دوسرا امر خط کے نہ پہنچنے کا وسوسہ سو اسکا جواب لکھ چکا۔ تیسرا امر جناب مولوی امیانہ خان صاحب کا میرے ہاں آنا۔ اور میرا ملال اُن سے بیان کیجئے گا۔ صبح کو میں ہر روز قلعہ کو جاتا ہوں۔ ظاہرا مولوی صاحب اول روز آئے ہونگے۔ اور میرا اسوقت مکان پر موجود نہ ہونا۔ واقعہ مجھ کو بڑا رنج ہوا۔ اگر آپ سے ملیں تو میرا سلام کہئے گا۔ جب سوار ہو جاتا ہوں تب بھی دو چار گھڑی مکان پر رہتے ہیں۔ مولوی صاحب بیٹھے رہتے۔ اگر قلعہ جاتا ہوں تو پہر دن چڑھے آتا ہوں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔

ایضاً۔ پیر و مرشد نواب صاحب کا وظیفہ خوار گویا اس دیار کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کے واسطے رام پور آیا ہوں میں کہاں اور بریلی کہاں ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ نمائش گاہ بریلی کی سیر کہاں۔ خود اس نمائش گاہ کی سیر میں جس کو دنیا کہتے ہیں۔ دل بھر گیا۔ اب عالم بیرنگی کا مشتاق ہوں۔ لا الہ اللہ لا موجود الا اللہ لا موثر فی الوجود الا اللہ ؂

ایضاً۔ قبلہ ایک سو بیس آم پہنچے۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے دس قلمیں اور ایک چھٹانک بھر سیاہی کہار کے حوالہ کر دی ہے۔ خدا کرے بحفاظت آپ پاس پہنچے۔ میں مریض نہیں ہوں بوڑھا ہوں اور ناتواں۔ گویا نیم جان رہ گیا ہوں۔ ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ کوئی کام دین کا نہیں کیا افسوس صد ہزار افسوس وہ غزل جو کہا ملایا تھا۔ وہاں پہنچی جہاں اب میں جانیوالا ہوں یعنی عدم

مدعا یہ کہ گم ہو گئی ۔

ایضاً۔ جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدہ کی بندگی۔ اگر مجھے قوت ناطقہ پر تصرف باقی رہا ہوتا تو قصیدہ کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ میں اب رنجور نہیں۔ تندرست ہوں۔ مگر بوڑھا ہوں۔ جو کچھ حالت باقی تھی۔ وہ اس ابتداء میں زائل ہو گئی اب ایک جسم بے روح متحرک ہوں۔ ع یکے مردہ شخصم بہ مردی رواں ۔ اس مہینے میں رجب ۱۲۸۱ھ سے سترواں برس شروع ہوا۔ اور استعلام و آلام کا آغاز ہے ۔

ایضاً جناب مخدوم مکرم کو میری بندگی۔ نقعدنامہ ۱۲ ستمبر میں نے پایا۔ حضرت کے سلامت حال پر خدا کا شکر بجا لایا۔ کوئی محکمہ تخفیف میں آئے کوئی گاؤں مثلاً لٹ جائے۔ آپ کا عہدہ آپ کو مبارک آپکا دولت خانہ سلامت ہاں وہ جو اپنے ابن الخال کا اس محکمہ میں وکیل ہونے کا کھٹکا ہے۔ البتہ بجا ہے جب آپ ظاہر کر چکے ہیں۔ تو آپ کو اس کا اندیشہ کیا ہے حاکم سمجھ لیگا۔ وہ وکیل ہیں۔ محکمہ منصفی میں نہ رہیں گے مگر صدر امین و سشن جج میں کام کریں گے میں تندرست ہوں۔ نہ رنجور ہوں زندہ بدستور ہوں دیکھئے کب بلاتے ہیں۔ اور جب تک جیتا رہوں۔ اور کیا دکھاتے ہیں۔ والسلام بالوف الاحترام ۔

ایضاً۔ جناب قاضی صاحب کو میری بندگی پہنچے۔ مکرمی مولوی غلام غوث خاں صاحب بہادر میر منشی کا قول سچ ہے۔ اب میں تندرست ہوں پھوڑا پھنسی کہیں نہیں مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ ضعف کیونکر نہ ہو۔ برس دن صاحب فراش رہا ہوں ستر برس کی عمر جتنا خون بدن میں تھا۔ بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا سن کہاں جو اب پھر تولید دم خون صالح ہو بہر حال زندہ ہوں۔ اور ناتواں اور آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنون احسان والسلام مع الاکرام۔

ایضاً جناب مولوی صاحب آپ کے دونوں خط پہنچے۔ میں زندہ ہوں لیکن نیم مردہ۔ آٹھ پہر پڑا رہتا ہوں اصل میں صاحب فراش ہوں۔ بیس دن سے پاؤں پر ورم ہو گیا ہے کف پا و پشت پا سے نوبت گذر کر پنڈلی آماس ہے۔ جوتی میں پاؤں سماتا نہیں۔ بول و براز کے واسطے اٹھنا دشوار ہے۔ یہ باتیں ایک طرف درد تحلیل روح ہے ۱۲۷۷ھ میں میرا نہ مرنا صرف میری تکذیب کے واسطے تھا مگر اس تین برس میں ہر روز مرگ نو کا مزا چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں پھر کیوں جیتا ہوں روح میرے اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے۔ جس طرح طائر قفس میں۔ کوئی شغل کوئی اختلاط کوئی جلسہ کوئی مجمع پسند نہیں کتاب سے نفرت۔ شعر سے نفرت جسم سے نفرت۔ روح سے نفرت۔ یہ جو کچھ لکھا ہے۔ بے مبالغہ اور بیان واقع ہے ع خرم آں روز کزیں

منزلِ ویران بودم - ایسے مخمصہ میں اگر تحریرِ جواب میں قاصر رہوں تو معاف ہوں مجھے کیوں شرمندہ کیا - میں اس ثناو دعا کے قابل نہیں - مگر اچھوں کا شیوہ ہے - بروں کو اچھا کہنا اس مدح گستری کے عوض میں آداب بجا لاتا ہوں ؞

ایضاً - جناب قاضی صاحب کو بندگی پہنچے - عنایت نامہ کے ورود نے شاد ماں کیا - مگر مبہم جو نگارش پذیر تھی - اُنہوں نے حیران کیا - ابہام کی توضیح اور اجمال کی تفصیل کا مشتاق ہوں آموں کے باب میں جو کچھ لکھا - یہ کیوں لکھا - اہدا کو دوام کیا ضرور ہے - خصوصاً جبکہ بذاتِ خود حادث ہو - حضرت اب کے سال ہر جگہ آم کم ہے - اور جو کچھ ہے وہ خشک و بے مزہ ہے - آم کہاں سے ہو نہ نہاوٹ نہ برسات دریا پایاب ہو گئے - کنوئیں سوکھ گئے - اثمار میں طراوٹ کہاں سے ہو - جناب اس کا خیال نہ فرمائیں - اپنے کشف کو غلط کر دونگا - برشکال آئندہ تک جیونگا - آپکے موہنی آم کھاؤں گا ؞

ایضاً - حضرت بہت دنوں میں آپ نے مجھے یاد کیا - سال گذشتہ ان دنوں میں میں رامپور تھا - مارچ ۱۸۶۱ء میں یہاں آگیا ہوں - اب یہیں ہوں - میں نے آپ کا خط پایا ہے - آپ نے سرنامہ پر رامپور کا نام حق لکھا - حق تعالیٰ والی رامپور کو صد و سی سال سلامت رکھے - اُن کا عطیہ ماہ بماہ پہنچتا ہے - کرم گستری اشناو پروری کر رہے ہیں - میرے رنج سفر اٹھانے کی اور رام پور جانے کی حاجت نہیں خلیفہ حسین علی صاحب رام پور میں مجھ سے ملے ہونگے - مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں - نسیان کا مرض لاحق ہے - حافظ گویا نہ تھا - شامہ ضعیف - سامعہ باطل - باصرہ میں نقصان نہیں - البتہ حدت کچھ کم ہو گئی ہے ع پیری و صد عیب چنین گفتہ اند - بہر حال چونکہ میں دلّی میں ہوں - اور وہ رامپور گئے ہیں تو البتہ وہ آپ کے پیام جو اُن کی زبان کے محول تھے - بدستور اُنکی تحویل میں رہے ہے - اور مجھ تک نہ پہنچے - یہ شہر بہت غارت زدہ ہے - نہ اشخاص باقی نہ امکنہ - کتاب فروشوں سے کہہ دونگا - اگر میری نظم و نثر کے رسالوں میں سے کوئی رسالہ آجائیگا - تو وہ مول لے کر خدمت میں بھیجدیا جائیگا ؎ دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں - ایک دوست کے پاس بقیۃ النہب والغارۃ کچھ میرا کلام موجود ہے - اُس سے یہ غزل لکھوا کر بھیج دونگا ؞

ایضاً - پیر و مرشد فقیر ہمیشہ آپ کی دعا گذاری میں حاضر رہا ہے جو حکم آپ کا ہوتا ہے اسکو بجا لاتا ہوں - مگر معدوم کو موجود کرنا میرے وسع قدرت سے باہر ہے - اس زمین میں کہ جس کا آپ نے قافیہ دردِ دل لکھا ہے - میں نے کبھی غزل نہیں لکھی - خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اُس زمین کا شعر سُن کر میرا کلام گمان کیا ہے - ہر چند میں نے خیال کیا اس زمین میں میری کوئی غزل نہیں - دیوان ریختہ چھاپے

کا یہاں کہیں کہیں ہے اپنے حافظ پر اعتماد نہ کر کے اس کو بھی دیکھا۔ وہ غزل نہ نکلی۔ سنئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر پڑھ دیتے ہیں چنانچہ انہی دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرہ سے لکھا کہ یہ غزل بھیجدیجئے ع اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں۔ میں نے کہا لاحول ولاقوۃ۔ اگر یہ میرا کلام ہو۔ تو مجھ پر لعنت

اسی طرح زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی　　میرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے سنکر عرض کیا۔ کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مقطع ہے اُس پر بقول اُس کے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسد اور شیر اور بت اور خدا اور جفا اور وفا میری طرز گفتار نہیں ہے۔ بھلا ان دونوں شعروں میں تو اسد کا لفظ بھی ہے۔ وہ شعر میرا کیونکہ سمجھا گیا۔ واللہ باللہ وہ شعر فلانگ رنگ کے قافیہ کا میرا نہیں ؛

ایضاً۔ آداب بجا لاتا ہوں آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ غزلیں دیکھی گئیں۔ فقیر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کلام میں اغلاط و سقام دیکھتا ہوں۔ تو رفع کر دیتا ہوں۔ اور اگر سقم سے خالی پاتا ہوں۔ تو تصرف نہیں کرتا۔ پس قسم خدا کھا کر کہتا ہوں۔ کہ ان غزلوں میں کہیں اصلاح کی جگہ نہیں۔ سبحان اللہ سر آغاز فصل میں ایسے ثمر ہائے بیش رس کا پہنچنا تو بہزار گونہ میمنت اور شادمانی ہے۔ یہ ثمر ریب النوع اثمار ہے اس کی تعریف کیا کروں۔ اس باب میں کیا چاہتا ہوں۔ کہ میں یاد رہا۔ اور اہا کا آپ کو خیال آیا پروردگار آپکو بایں ہمہ رواں پروری اور کرم گستری و یاد آوری سلامت رکھے۔ جمعہ کے دن دوپہر کے وقت کہار پہنچا۔ اور اُسی وقت خط کا جواب لیکر اور آم کے دو ٹوکرے خالی دیکر روانہ کیا۔ یہاں سے اس کو حسب الحکم کچھ نہیں دیا گیا خاطر جمع رہے ؛

بنام مردان علیخان رعنا

خان صاحب عالیشان مردان علی صاحب کو فقیر غالب کا سلام۔ نظم و نثر دیکھ کر دل بہت خوش ہُوا آج اس فن میں تم یکتا ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے۔ بھائی جفا کے مؤنث ہونے میں اہل دہلی و لکھنؤ کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں۔ کہ ہتھنی آیا۔ اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم و بیداد مذکر اور جفا مونث ہے۔ بے شبہ و شک والسلام مع الاکرام ؛

ایضاً۔ خانصاحب شفیق عالی شان کو میرا سلام۔ کل تمہارا عنایت نامہ پہنچا۔ رامپور کا لفافہ آج رامپور کو روانہ ہُوا۔ کاغذ اشعار میں نے دیکھ لیا۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔ نالہ صدا لے شعر و غنا

۵ گذرا ہے میرا نالۂ دل چرخ کہن سے   تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے

نالۂ دل بنا دیا۔ نواب صاحب اُردو کا تذکرہ لکھتے ہیں۔ فارسی غزل تم نے بے فایدہ لکھی دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتہ لکھا سو میں نے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا۔ منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے مجھ سے ملے۔ بہت خوبصورت اور خوش سیرت معادتمند اور معقول پسند آدمی ہیں۔ تمہارے وہ ملاح اور میں ان کا ثنا خواں ٭

بنام مولوی عبدالرزاق شاکر

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی عبدالرزاق شاکر کی خدمت میں بعد سلام التماس یہ ہے۔ کہ مولوی صاحب علی شان مولوی مفتی اسد اللہ خان بہادر کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچا چکے ہیں تو آپ سے عرض کرتا ہوں۔ مگر آپ مفتی صاحب سے کہئیے۔ کہ مجھ کو باوجود شدت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے۔ چھاپے اجزا اکثر میں نے آپکے سامنے ایک غزل پڑھی تھی۔ جس کے دو شعر قطعہ بند یہ ہیں ۵

ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست   خود را بخاک رہ گذر حیدر افگنم
منصور فرقۂ علی اللّٰہیان منستم   آوازۂ انا اسد اللہ در افگنم

خدا کرے حضرت کو بھی واقع یاد ہو۔ اتحاد اسمی دلیل مودت روحانی ہے۔ اخی مکرمی میر قاسم علیخان کو سلام پہنچے۔ سال گذشتہ کی تعطیل کی طرح دلی آکر مجھ سے بے ملے نہ چلے جائیے گا۔ پھر حضرت مکتوب الیہ سے کلام ہے اشعار لبعک واصلاح کے پہنچتے ہیں۔ یہ رتبہ میری ارزش کی فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں۔ بندہ نواز زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت غریزی کو زوال ہے۔ اور یہ حال ہے۔ ۵

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اردو میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط لکھ کر بھیجے تھے ان میں سے جو صاحب الی الآن موجود ہیں۔ عند الضرورت اسی زبان مروج میں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پارسی مکتوبوں اور رسالوں اور نسخوں اور کتابوں کے مجموعہ اجزا چھاپے

ہو کر اطراف و اقصائے عجم میں پھیل گئے حال کی نثروں کو کون فراہم کرے۔ جو نثریں کہ مجموع و یکجا ہو کر جہاں جہاں منتشر ہو گئی ہیں۔ اور آئندہ ہوں انہیں کو جناب احدیت علت عظمتہ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبائع ارباب فن فرمائے اور میں اب انتہائے عمر ناپائدار کو پہنچ کر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں۔ کچھ یاد خدا بھی چاہیئے۔ نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا اگر اس نے چاہا۔ تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قائم رہے گا۔ پس امیدوار ہوں کہ آپ انہیں تذکرہ مختصرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردوئے سادہ و سرسری کو غنیمت جان کر قبول فرماتے رہیں۔ اے درویش دل ریش و فرو ماندہ کشاکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعاء مانگیں۔ اللہ بس ماسوی ہوس ٭

ایضاً۔ قبلہ و کعبہ فقیر پا در رکاب ہے سہ شنبہ چار شنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن عازم رامپور ہو دیگا۔ تقریب وہاں کے جانے کی رئیس مرحوم کی تعزیت اور رئیس حال کی تہنیت دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا۔ اب جو کوئی خط آپ بھیجا کریں مکان کا پتہ لکھنا ضرور نہیں شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے مخمس بعد اصلاح بھیجا جاتا ہے حق تو یہ ہے۔ کہ شعر آپ کہتے ہیں۔ اور حظ میں اٹھاتا ہوں حسن اتفاق سے اصلاح مخمسہ کے وقت دوست غمگسار یار وفا شعار علامہ روزگار ختم العلماء المتبحرین مولوی مفتی صدر الدین خانصاحب بہادر صدر الصدور سابق دہلی المتخلص بہ آزردہ دام تفاؤلہ زاد علاؤہ مجھ سے ملنے کو غم خانہ پر تشریف لائے ہوئے موجود تھے۔ مخمسہ کو دیکھ کر فرمایا۔ حضور کی بلاغت کی تحسین عربی مصرعوں سے میرے ساتھ شریک غالب ہو کر فرمے لیتے اور آپ کی شیرینی گفتار کے وصف میں تا دیر عذاب البیان اور طب اللسان رہے۔ اور مجھ سے بقدر میرے معلوم اور بیان کے آپ کے صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہو کر بہت شاد و خرسند ہوئے نادیدہ دعائیہ یعنی محض مشتاقانہ بہ تمنائے ملاقات سلام لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں۔ لہذا میں لکھتا ہوں قبول فرمائیے گا ٭

بنام مولوی عزیز الدین صاحب

صاحب کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ دلی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو جیسی آگے تھی قاسم جان کی گلی میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خاں کے پھاٹک تک بے چراغ ہے ہاں آباد ہے تو یہ

ہے کہ غلام حسین خاں کی حویلی ہسپتال ہے۔ اور ضیاءالدین خاں کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں۔ اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالیشان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔ ضیاءالدین خاں اور اُن کے بھائی مع قبائل اور عشائر لوہارو میں۔ لال کنوئیں کے محلہ میں خاک اُڑتی ہے آدمی کا نام نہیں تمہارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی۔ وہ لاہور گئی ہوئی ہے کھیمی کی دوکان میں کتے لوٹتے ہیں مولوی صدرالدین خاں لاہور میں ایزد بخش تراب علی ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں میں نے آپ مہر کردی حکیم احسان اللہ خاں اور میاں غلام نجف اور بہادر بیگ اور نبی بخش خاں سالک دریبہ اُن کی مہریں ہوگئیں محضر آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ خط بیرنگ بھیجا ہے پوسٹ پیڈ خط اکثر تلف ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ قاضی عبدالجمیل صاحب کا خط جس کا آپ نے ذکر لکھا ہے آنکھیں پھوٹ جائیں اگر میں نے دیکھا ہو آپ اُن سے میرا سلام نیاز کہئے اور خط کے نہ پہنچنے کی اُن کو خبر پہنچا دیجئے

بنام مفتی سید محمد عباس صاحب

قبلہ حضرت کا نوازشنامہ آیا میں نے اسکو حرزِ بازو بنایا آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عزت و افتخار ہے فقیر امیدوار ہے۔ کہ یہ دفتر بے معنی سرا سر دیکھا جائے نہ پیش نظر ہے۔ بلکہ اگر دیکھا جائے میں نے جو نسخہ بھیجا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے۔ دیباچہ و خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں۔ سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جدا چاہتا ہوں طرز عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے خالی نہ ہوگی۔ گذارش نظافت سے خالی نہ ہوگی علم و ہنر سے عاری ہوں۔ لیکن پچپن برس سے محو سخن گذاری ہوں مبدا ، فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے۔ ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبت خداداد۔ تربیت اُستاد سے حسن و قبح ترکیب پہنچاننے فارسی کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا قاطع برہان کا لکھنا کیا ہے۔ گویا باسی کڑھی میں ابال آیا لکھنا کیا تھا۔ کہ سہام ملامت کا ہدف ہوا ہے۔ کہ یہ تنگ مایہ معارض اکابر سلف ہوا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ قاطع برہان کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں۔ کہ حضرت برہان قاطع و قاطع برہان کی ایک نمط ہے۔ برہان قاطع نے کیا لکھا۔ مینو فرن سکھ قطع کیا ہے۔ جو آپ نے اس کو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان جب تک غیر کے

کسی برہان کو قطع نہ کرے۔ کیونکہ برہان قاطع نام پائیگی برہان قاطع کی صحت میں جتنی تقریر کیجئے گا وہ قاطع برہان کے صحت ہونے کے کام آئیگی۔ قطعہ تاریخ کا کیا کہنا گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اس کا گہنا ہے۔ جناب نواب صاحب کا نیاز مند اور دیدۂ فرمانبردار ہوں۔ بعد عرض سلام کے شعر کے پسند آنے کا شکرگذار ہوں۔ آپ کے علم و فضل و فہم و ادراک کی جو تعریف کیجائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداری دکان بے رونق ہے ؎

بنام عضد الدّولہ حکیم غلام نجف خان صاحب

سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف طال بقاؤہٗ۔ تمہارا رقعہ پہنچا۔ جو دم ہے غنیمت ہے۔ اس وقت تک میں مع عیال و اطفال جیتا ہوں۔ بعد گھڑی بھر کے کیا ہو کچھ معلوم نہیں قلم ہات میں لئے پر جی بہت لکھنے کو چاہتا ہے مگر کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے۔ تو کہہ لیں گے ورنہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ نواسی کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اُسکی ماں کو صبر دے اور زندہ رکھے میں یوں سمجھتا ہوں کہ یہ چھوکری قسمت والی تھی تمہاری اُستانی تم کو اور ظہیر الدین کو اور اس کی ماں کو اور اس کی بہن کو دعا کہتی ہیں۔ اور میں پیار کرتا ہوں۔ اور دعا دیتا ہوں۔ غالب سہ شنبہ ۱۹ جنوری ۱۸۵۸ء ؎

ایضاً۔ میاں حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ہے۔ کہ اب تک جیتا ہوں۔ بھاگ نہیں گیا۔ نکالا نہیں گیا۔ لٹا نہیں کسی محکمہ میں ابھی تک بلایا نہیں گیا۔ معرض باز پرس میں نہیں آیا۔ آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے شیر زمان خان نے مجھے آگرہ سے خط لکھا اس میں ایک رقعہ شیخ نجم الدین حیدر صاحب کی طرف سے بنام ظہیر الدین کے۔ اب مجھ کو ضرور آپڑا کہ اس کو تمہارے پاس بھیجوں۔ آدمی کوئی ایسا نظر نہ چڑھا۔ ناچار بطریق ڈاک بھیجتا ہوں۔ اگر پہنچ جاوے۔ تو آگرہ کا جواب لکھ کر میرے پاس بھیجدینا۔ میں یہاں سے آگرہ کو روانہ کردونگا۔ غالب مرسلہ دوشنبہ چارم جمادی الاول ۱۲۷۴ھ جواب طلب ؎

ایضاً صبح شنبہ ۱۲ ماہ اکتوبر ۱۸۶۰ء اقبال نشان عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان کو غالب علیشاہ کی دعا پہنچے۔ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو میرے کھانے پینے کی طرف سے تشویش ہے۔ خدا کی قسم میں یہاں خوش اور تندرست ہوں۔ دن کا کھانا ایسے وقت آتا ہے۔ کہ پہر دن چڑھے تک میرے آدمی بھی روٹی کھا چکتے ہیں۔ شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے۔ کئی طرح کے سالن۔ پلاؤ۔ متنجن۔ پسندے دونوں وقت روٹیاں خمیری چپاتیاں۔ مربّے اچار میں بھی خوش لڑکے بھی خوش کلو اچھا ہو گیا۔ سقّہ مشعلچی۔ خاکروب سرکار سے متعین ہے حجام اور دھوبی نوکر رکھ لیا ہے۔ آج دو ملاقاتیں ہوئیں

ہیں تعظیم تواضع اخلاق کسی باب میں کمی نہیں۔ ظہیر الدین خاں بہادر کو دعا پہنچے۔ یہ خط لیکر تم اپنی دادی صاحبہ کے پاس آجاؤ۔ اور یہ خط پڑھ کر سناؤ۔ اور اُن سے کہہ دو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی وہ غلط ہے۔ اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ باقی خیر و عافیت ؎

ایضاً۔ میاں تمہارا خط پہنچا۔ آج میں نے اسکو اپنے خط میں ملفوف کر کے آگرہ کو روانہ کیا۔ تم جو کہتے ہو کہ تم نے کبھی مجھ کو خط نہیں لکھا اور اگر شیخ نجم الدین ... کا خط نہ آتا تو اب بھی نہ لکھتے انصاف کرو۔ لکھوں تو کیا لکھوں کچھ لکھ سکتا ہوں۔ کچھ قابل لکھنے کے ہے۔ تم نے جو مجھ کو لکھا تو کیا لکھا۔ اور اب جو میں لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں۔ بس اتنا ہی ہے کہ اب تک ہم تم جیتے ہیں۔ زیادہ اس سے نہ تم لکھو گے نہ میں لکھونگا۔ خیر الدین کو دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا تم کو اور ظہیر الدین کو اور اسکی ماں کو اور اسکی بہن کو اور اسکی لڑکی کو۔ تمہاری ماں دعا کہتی ہیں اور دعائیں دیتی ہے۔ یہ رقعہ حسین خان کے نام کا ہے۔ اُن کا حوالہ کر دینا۔ اسد اللہ نگاشتہ شنبہ ۲۶ دسمبر ۱۸۵۶ء

ایضاً۔ میاں تم کو مبارک ہو۔ کہ حکیم صاحب پر سے وہ سپاہی جو اُن کے اوپر متعین تھا اُٹھ گیا اور ان کو حکم ہو گیا۔ کہ اپنی وضع پر رہو۔ مگر شہر میں رہو۔ باہر جانے کا اگر قصد کرو۔ تو پوچھ کر جاؤ۔ اور ہر ہفتہ میں ایک بار کچہری میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ کچے باغ کے پچھواڑے مرزا جاگن کے مکان پر آ رہے ہیں صفدر میرے پاس آیا تھا۔ یہ اس کی زبانی ہے۔ جی اُن کے دیکھنے کو چاہتا ہے۔ مگر از راہ احتیاط جا نہیں سکتا مرزا بہادر بیگ نے بھی رہائی پائی۔ اب اس وقت سنا ہے کہ وہ خانصاحب کے پاس آئے ہیں۔ یقین ہے کہ بعد ملاقات باہر چلے جائینگے۔ یہاں نہ رہینگے قدم شریف میں وہ رہتے ہیں۔ آج پانچواں دن ہے۔ کہ حکیم محمود خان مع قبائل اور عشائر پٹیالہ کو گئے ہیں۔ بمقتضائے وقت اپنی سکونت کے مکان چھوڑ کر یہاں آ رہا ہوں اس طرح کہ محل سرا میں زنانہ اور دیوان خانہ میں مردانہ پنشن کی درخواست کا ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ کلکٹر سے کیفیت طلب ہوئی ہے دیکھئے بعد کیفیت کے جانے کے پنشن ملتا ہے۔ یا جواب۔ پنجشنبہ

۱۶ شعبان ۱۲۷۴ھ مطابق یکم مئی ۱۸۵۸ء ؎

ایضاً۔ بھائی ہوش میں آؤ۔ میں نے تم کو خط کب بھیجا اور رقعہ میں کب لکھا۔ کہ شیر زمان کا خط تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میں نے تو ایک لطیفہ لکھا تھا۔ کہ شیر زمان خان نے میرے خط میں بندگی لکھی تھی اور میں وہ بندگی اس رقعہ میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ بس بات اتنی تھی۔ وہ ہی بندگی لکھی ہوئی گویا لپٹی ہوئی تھی۔ سو حضرت کو پہنچ گئی۔ خاطر عاطر جمع رکھے ؎

ایضاً۔ میاں چاول بُرے۔ بڑے نہیں۔ لمبے نہیں۔ پتلے نہیں۔ اب زیادہ قصہ نہ کرو۔ پرانے

اور پتلے چاول آئیں۔ ایک روپیہ کے خرید کرکے بھیجدو۔ یاد رہے نئے چاول قابض ہوتے ہیں اور پُرانے چاول قابض نہیں ہوتے یہ میرا تجربہ ہے۔ شام کو میر حمید الدین صاحب کہتے تھے۔ کہ حکیم غلام نجف خاں کے پاس ایک کاتب ہے۔ بھائی دس بارہ جزو کی ایک کتاب نثر کی مجھ کو لکھوانی ہے۔ یہ معلوم کرو۔ کہ وہ صاحب روپیہ کے کئے جزو لکھیں گے۔ اور روز کس قدر لکھ سکتے ہیں یہ جواب لکھو۔ اور پھر دوپہر کے بعد اُن کو میرے پاس بھیجدو۔ تاکہ میں ان کو کاغذ اور منقول عنہ حوالہ کروں۔ ظہیر الدین کو دعا کہو اور اس کا حال لکھو۔ غالبؔ

ایضاً۔ حکیم غلام نجف خاں سُنو۔ اگر تم نے مجھے بنایا ہے۔ یعنی اُستاد اور باپ کہتے ہو یہ امراز روئے تمسخر ہے۔ تو خیر اور از روئے اعتقاد ہے۔ تو میری عرض مانو۔ اور ہیرا سنگھ کی تقصیر معاف کرو۔ بھائی انصاف کرو۔ اُس نے اگر حکیم احسن اللہ خاں سے رجوع کی۔ اور وہ تمہارے بھائی بھی ہیں اور تم کو اُن سے استفادہ بھی ہے اگر گھبرا کر حکیم محمود خاں کے پاس گیا تو اُن کے باپ سے تم کو نسبت تلمذ کی ہے۔ ابتدا میں اُن سے پڑھے ہو پس یہ غریب سوائے تمہارے اگر گیا تو تمہارے ہی علاقہ میں گیا۔ وہ بھی گھبرا کر اور خفقان سے تنگ آکر اب جو حاضر ہوتا ہے۔ تو لازم ہے کہ اُس پر بہ نسبت سابق کے توجہ زیادہ فرماؤ۔ اور بدل اس کا معالجہ کرو۔ التفات کا طالب غالبؔ

ایضاً۔ میاں پہلے ظہیر الدین کا حال لکھو۔ پھر حکیم صاحب کی حقیقت لکھو۔ کہیں اور جائینگے۔ یا یہاں آئیں گے۔ اگر یہاں آئیں گے۔ تو کب تک آئیں۔ پھر تم خط لکھو میاں نظام الدین کو اور اس میں لکھو کہ تم نے غالب کے خط کا جواب نہیں لکھا وہ کہتا ہے کہ میں حیران ہوں۔ کہ نظام الدین اور میرے خط کا جواب نہ لکھیں۔ خدا جانے مجھ سے ایسی کیا تقصیر ہوئی۔ نجات کا فدا ہے اور تم سے اس رقعہ کے جواب کا طالب غالبؔ

ایضاً۔ بھائی میں تم کو کیا بتاؤں کہ میں کیا ہوں۔ طاقت یک قلم جاتی رہی ہے۔ پھوڑا بدستور ہے رستا ہے۔ خیر محل اندیشہ نہیں ہے۔ رس رس کر مادہ نکل جائیگا۔ اس سے اور زیادہ خستہ و افسردہ ہوں قبض کہ وہ جانی دشمن ہے ان دنوں میں حد کو پہنچ گیا ہے۔ بہر حالے مرگے ست بنام زندگانی حضرت عمر کی جگہ ہے۔ ایک مکان دلکشا۔ کوچہ کی سیر۔ بازار کا تماشہ۔ دو کمرے دو کوٹھریاں۔ آتشدان صحن وسیع اس کو چھوڑ کر وہ مکان لوں۔ جو ایک تنگ گلی کے اندر ہے دروازہ وہ تاریک کہ دن کو بغیر چراغ کے راہ نہ ملے۔ ور پھر ڈیوڑھی پر حلال خوروں کا مجمع گوہ کے ڈھیر۔ کہیں حلال خور کا چھکڑا کھڑا ہے۔ کہیں بیل بندھا۔ دست بہ فریاد اٹھا ہے۔ معاذ اللہ خدا نہ لے جائے ایسے مکان میں۔ تم نے وہ مسودہ کیوں نہیں بھیجا

میں خدمت گذاری کو آمادہ ہوں - ۱۲ - نجات کا طالب غالب ؔ

ایضاً - صاحب تم سچ کہتے ہو بھائی فضل اللہ کی غمخواری اور مددگاری کا کیا کہنا ہے - مگر اور سے مجھ کو کہنا نہیں یاد رکھنا کہ وہاں سے مجھے کچھ نہ آئیگا - بفرض محال اگر ملا تو ڈھائی سو روپیہ سو وہ بھی مجھے بھائی فضل اللہ خاں کا دینا ہے - انکا قرض ادا ہو جائیگا - احیاناً اگر خلاف میرے عقیدہ کے پانسو روپیہ کا حکم ہوا - اور وہ آجائیں تو تم بعد اطلاع ڈھائی سو میاں فضل اللہ کو دیکر مجھ کو لکھنا - باقی کے واسطے میں جسطرح لکھوں - اس طرح کرنا لو صاحب شیخ چلی بنا خیالی پلاؤ پکالیا اب روداد سنو - نواب صاحب کا اخلاص و التفات روز افزوں ہے آج منگل کا دن ۱۴ رجب الثانی کی اور ۱۴ اکتوبر کی ہے - کھانے کی اور گھوڑوں اور بہلیوں کے گھانس دانے کی نقدی ہو گئی - لیکن اس میں میرا فائدہ ہے نقصان نہیں دسمبر کی پہلی سے جشن شروع ہوگا - جمعہ دو ہفتہ کی مدت اس کی ہے - بعد جشن کے رخصت ہوں گا - خدا چاہے تو آخر دسمبر تک تم کو آدیکھتا ہوں - ظہیر الدین خان کو دعا -

ایضاً صاحب کل آخر روز تمہارا خط آیا میں نے پڑھا آنکھوں سے لگایا - پھر بھائی ضیاء الدین خانصاحب کے پاس بھجوایا - یقین ہے کہ انھوں نے پڑھ لیا ہوگا - مکتوب فیہ معلوم کیا ہوگا - تمہارے یہاں نہ ہونے سے ہمارا جی گھبراتا ہے - کبھی کبھی ناگاہ ظہیر الدین کا آنا یاد آتا ہے - کہو اب خیر سے کب آوگے برس کے جینے کے دن دکھاؤ گے یہاں کا حال جیسا کہ دیکھ گئے ہو بدستور ہے ع زمین سخت ہے آسمان دور ہے - جاڑا خوب پڑ رہا ہے تونگر غرور سے - مفلس سردی سے اکڑ رہا ہے - آبکاری کے بندوبست جدید نے مارا عرق کے نہ کھینچنے کی قید شدید نے لرا ادھر انسداد دروازہ آبکاری ہے - ادھر ولائتی عرق کی قیمت بھاری ہے - انا للہ و انا الیہ راجعون - مولوی فضل رسول صاحب حیدر آباد گئے ہیں مولوی غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں - محی الدولہ محمد یار خاں سونتی نے ان صورتوں کو وہاں بلایا ہے پر یہ نہیں معلوم کہ وہاں انکو کیا پیش آیا ہے - اگر تم معلوم کر سکو یا کچھ تم کو معلوم ہو گیا ہو - تو مجھ کو ضرور لکھو زیادہ کیا لکھوں کیوں ظہیر الدین خاں کیا میں اس لائق نہ تھا - کہ تو ایک خط مجھ کو الگ لکھتا یا اپنے باپ کے خط میں اپنے ہاتھ سے اپنی بندگی لکھتا حکیم غلام نجف خان لکھنے بیٹھے تیری بندگی لکھ دی یا تیرے فرشتوں کو خبر نہیں اس بندگی کے آگے آنے کی مجھے کیا خوشی غالب صبح یکشنبہ ۱۱ جنوری ۱۸۶۲ء

ایضاً - بھائی میرا ذکر سنو - ہر شخص کو غم موافق اس کی طبیعت کے ہوتا ہے - ایک تنہائی سے نفور ہے ایک کو تنہائی منظور ہے قائل میری موت ہے - میں کبھی اس گرفتاری سے خوش نہیں رہا - پٹیالے جانے میں ایک سبکی اور لذت تھی - اگرچہ مجھ کو دولت تنہائی میسر آجاتی ہے - لیکن اس تنہائی چندروزہ اور تجرید مستعار کی کیا خوشی خدا نے لاولد رکھا تھا شکر بجا لاتا تھا خدا نے میرا شکر مقبول و مقصد نہ کیا یہ بلا بھی قبیلہ داری کی شکل کا نتیجہ ہے - یعنی جس لوہے کا طوق اسی لوہے کی دو ہتھکڑیاں بھی پڑیں پھر اس کا کیا رونا ہے - یہ قید جاودانی ہے - جناب حکیم صاحب ایک روز از راہ عنایت یہاں آئے تھے کیا کہوں کہ ان کے دیکھنے سے دل کیا خوش ہوا ہے - خدا ان کو زندہ رکھے - میاں شیر الا باب تحسین اسلام -

سینکڑوں بلکہ ہزاروں دوست اس باسٹھ برس میں مر گئے۔ خصوصاً اس فتنہ و آشوب میں تو شاید کوئی میرا جاننے والا نہ بچیگا۔ اس راہ سے مجھ کو جو دوست اب باقی ہیں۔ بہت عزیز ہیں۔ واسطے دعا مانگتا ہوں کہ اب ان احباب میں سے کوئی میرے سامنے نہ مرے کیا معنی کہ جو میں مروں کوئی میرا یاد کرنیوالا اور مجھ پر رونے والا بھی تو دنیا میں ہو مصطفےٰ خان کا حال سُنا ہوگا۔ خدا کرے مرافعہ میں چھوٹ جائے ورنہ حبس ہفت سالہ کی تاب اس نازپروردہ میں کہاں احمد حسین میکش کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں۔ محقق ہوا۔ گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔ پنشن کی درخواست دے رکھی ہے۔ بشرط اجرا بھی میرا کیا گذارہ ہوگا۔ ہاں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میری صفائی اور بیگناہی کی دلیل ہے دوسرے یہ کہ موافق قول عوام چولہے دلدّرفتہ ہوگا۔ تجھ کو میری جان کی قسم اگر میں تنہا ہوتا تو اس وجہ قلیل میں کیسا فارغ البال اور خوشحال رہتا یہ بھی خبط ہے جو میں کہتا ہوں خدا جانے پنشن جاری ہوگا یا نہ ہوگا احتمال تعیش وتنعم بشرط تجرد بصورت اجرائے پنشن میں سوچتا ہوں اور وہ موہوم ہے بیدل کا شعر مجھ کو مزا دیتا ہے ؎

نہ شام ما را سحر نویدی نہ صبح ما را دم سپیدی
چہ حاصل است نا امیدی غبار دنیا بفرق عقبےٰ ...

اس وقت جی تم سے باتیں کرنے کو چاہا جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا۔ زیادہ کیا لکھوں۔ از غالب ۔

بنام حکیم غلام نجف خان

جان و جاناں واز جان و جاناں عزیز تر حکیم غلام نجف خان سلّمہ اللہ تعالیٰ قبلہ یہ تو معلوم ہوا کہ بعد قتل ہونے دس آدمی کے کہ وہ اس میں عزیز بھی تھے۔ یہ سب وہاں سے نکالے گئے۔ مگر صورت نہیں معلوم کہ کیونکر نکلے پیادہ یا سوار۔ تہیدست یا مالدار مستورات کو تو رتھیں دیں تھیں ذکور کا حال کیا ہوا۔ اور پھر وہاں سے نکلنے کے بعد کیا ہوا کہاں لٹے اور کہاں رہینگے سرکار انگریزی کی طرف سے مورد تفقّد و ترحم ہیں یا نہیں۔ رنگ کیا نظر آتا ہے جبر کسر کی توقع ہے یا نہیں۔ تفضل حسین خان کا حال خصوصاً اور ان سوالات کا جواب عموماً لکھو۔ مرزا مغل میرا حقیقی بھانجا کہ وہ منشی خلیل الدین خان مرحوم کا خویش ہے۔ اُس کی بی بی ہے۔ اور شاید ایک یا دو بچے بھی ہیں۔ اذعانی ہے۔ یہ امر کہ وہ بھی قافلہ کے ساتھ ہوگا۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو اس کا حال بہ انفراد لکھئے۔ خواجہ جان اور خواجہ امان کی حقیقت بھی بشرط اطلاع ضروری فرمائیے اور وہاں صاحب آپ جانتے ہونگے۔ علی محمد خان کو وہ جو میر منشی عزیز اللہ خان کا خویش ہے۔ اگر کچھ اس کا ذکر بھی سنا ہو تو میں اسکا خیر طلب ہوں۔ غالب جواب طلب

ایضاً بھائی تمہارے رقعہ کا جواب پہلے تم کو شیر زمان خان نے دیا ہوگا۔ پھر ظہیر الدین خان نے تم سے کہا ہوگا۔ کہو کوئی طرح شہر میں تمہارے آنے کی ٹھیری یا نہیں بعد تیس کوس اور آدھ کوس کا برابر ہے۔ میری جان تم ہنوز دو جانے میں ہو مجھ کو بھی تم جانتے ہو۔ کہ میرا شہر میں رہنا باجازت سرکار کے نہیں اور باہر نکلنا بے ٹکٹ نہیں پھر میں کیا کروں

کیونکر وہاں آؤں شہر میں تم ہوتے تو جرأت کرکے تمہارے پاس چلا آتا شیر زمان خان ایک بار آئے تھے کہہ گئے تھے کہ پھر بھی آؤنگا۔ مگر نہیں آئے۔ خدا جانے اُن کے والد کی رہائی ہوئی یا نہیں اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہنا اور ان کو میرے پاس بھیج دینا اور تم کو اُن کے والد کا جو حال اُن کی زبانی معلوم ہو وہ مجھ کو لکھ بھیجو۔ ظہیر الدین کو دعا۔ از غالب۔

ایضاً بھائی ہاں غلام فخر الدین خان کی رہائی زندگی دوبارہ ہے خدا تم کو مبارک کرے سنا ہے کہ لوہارو بھی ان دونوں صاحبوں کو مل گیا یہ بھی ایک تہنیت ہے۔ خدا سب کا بھلا کرے۔ مجھ کو ڈپٹی کمشنر نے بلا بھیجا تھا۔ صرف اتنا ہی پوچھا کہ غدر میں تم کہاں تھے۔ جو مناسب ہوا وہ کہا گیا دو ایک خط آمد ولایت کے بیچ میں پڑھ لئے۔ تفصیل لکھ نہیں سکتا انداز ادا سے پنشن کا بحال و برقرار رہنا معلوم ہوتا ہے۔ مگر پندرہ مہینے پچھلے ملتے نظر نہیں آتے۔ میاں یہ انور میں کیا فساد برپا ہوا ہے۔ خدا خیر کرے واسطے خدا کے تم کو معلوم ہو جاوے اُس سے مجھ کو بھی اطلاع دینا۔ غالب ؎

ایضاً۔ برخوردار سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف خان کو میری دعا پہنچے۔ تمہاری تحریر پہنچی۔ تم جداگانہ خط کیوں نہ لکھا کرو۔ خط لکھا اور بیرنگ یا پوسٹ پیڈ جس طرح چاہا اپنے آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھیج دیا۔ اور مکان کا پتہ ضرور نہیں ڈاک گھر میرے گھر کے پاس ڈاک منشی میرا آشنا۔ اب تم ایک کام کرو۔ آج یا کل ڈیوڑھی پر جاؤ۔ اور جتنے خط جمع ہیں۔ وہ لو مان سنگی مضبوط کاغذ کا لفافہ کرو۔ اور بیرنگ لکھ کر کلیان کے ہاتھ ڈاک گھر میں بھجوا دو اور اپنے خط میں جو حال شہر میں دیا ہو۔ وہ مفصل لکھو جناب حکیم صاحب کو سلام نیاز اور ظہیر الدین احمد خان کو دعا کہنا اب میرا حال سنو تعظیم و توقیر بہت ملاقاتیں تین ہوئی ہیں ایک مکان کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہے رہنے کو ملا ہے یہاں پتھر تو دوا کو بھی میسر نہیں خشتی مکان گنتی کے ہیں۔ کچی دیواریں اور کھپریل سارے شہر کی آبادی اسی طرح پر ہے۔ مجھ کو مکان ملے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہیں ہنوز کچھ گفتگو درمیان میں نہیں آتی ہے خود اُن سے ابتدا نہ کروں گا وہ بھی مجھ سے بالمشافہ نہ کہینگے مگر بواسطۂ کارپردازان سرکار دیکھوں۔ کیا کہتے ہیں اور کیا مقرر کرتے ہیں میں سمجھتا تھا۔ کہ میرے پہنچنے کے بعد جلد کوئی صورت قرار پائیگی لیکن آج تک کہ جمعہ آٹھواں دن میرے پہنچنے کو ہے۔ کچھ کلام نہیں ہوا۔ کھانا دونوں وقت سرکار سے آتا ہے۔ اور وہ سب کو کافی ہوتا ہے۔ غذا میرے بھی خلاف طبع نہیں پانی کا شکر کس منہ سے ادا کروں ایک دریا ہے۔ کوسی سبحان اللہ اتنا میٹھا پانی کہ پینے والا گمان کرے کہ یہ پھیکا شربت ہے صاف سبک گوارا سریع النفوذ اس آٹھ دن میں قبض و انقباض کے صدمے سے محفوظ ہوں۔ صبح کو بھوک خوب لگتی ہے لڑکے بھی تندرست۔ آدمی بھی توانا۔ مگر ہاں عنایت ایک دو دن سے کچھ بیمار ہے۔ خیر اچھا

ہو جائیگا۔ والدعا جمعہ ۳ ؍ فروری ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ میاں تم نے بُرا کیا۔ کہ لفافہ کھول کر نہ پڑھ لیا۔ بارے آج سہ شنبہ ۱۴ ؍ فروری صبح کے وقت یہ لفافہ پہنچا۔ اور اسی وقت پڑھوایا گیا۔ خط لفٹنٹ گورنر بہادر کا نہیں یہ خط نواب گورنر جنرل بہادر کے چیف سیکرٹر کا ہے ترجمہ اس کا یہ ہے۔ از دفتر خانہ سیکرٹر اعظم۔ حکم دیا جاتا ہے۔ عرضی دینے والے کو کہ جواب اسی عرضی کا نواب گورنر جنرل بہادر بعد دریافت کے ارشاد فرمائینگے از کیمپ لودھیانہ ۲۸ ؍ جنوری ۱۸۶۰ء یہاں کا یہ حال ہے۔ کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ مراد آباد آیا چاہتے ہیں۔ مراد آباد یہاں سے بارہ کوس ہے۔ نواب صاحب دو چار دن میں پھر آئیں گے۔ اگر ان کی ملاقات کو مراد آباد جائینگے میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ اگرچہ گورنر غرب وشمال کو دلی سے کچھ علاقہ نہیں مگر دیکھوں کیا گفتگو درمیان آتی ہے جو واقعہ ہوگا تمہیں لکھونگا۔ یہ تم کیا لکھتے ہو کہ گھر میں خط جلد جلد لکھا کرو۔ تم کو جو خط لکھتا ہوں گویا تمہاری اُستانی کو لکھتا ہوں کیا تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ جاؤ اور پڑھ کر سناؤ ——— اب ان کو خیال ہو گا کہ انگریزی خط میں کیا لکھا ہے تم یہ خط میرا ہاتھ میں لیجاؤ۔ اور حرف بحرف پڑھ سناؤ۔ لڑکے دونوں اچھی طرح ہیں۔ کبھی میرا دل بہلاتے ہیں۔ کبھی مجھ کو ستاتے ہیں۔ بکریاں۔ کبوتر۔ بٹیریں۔ بجل کنکوا سب سامان درست ہے۔ فروری مہینے کے دو دو۔ روپے لے کر دس دن میں اُٹھا ڈالے پھر پرسوں چھوٹے صاحب آئے کہ دادا جان کچھ ہم کو قرض حسنہ دو۔ ایک ایک روپیہ دونوں کو قرض حسنہ دیا گیا۔ آج ۱۴ ہے مہینہ دُور ہے۔ دیکھئے کے بار قرض لیں گے یہاں کا رنگ نواب صاحب کے آنے پر جو ہو گا۔ اور جو قرار پائیگا۔ وہ مفصل تم کو لکھونگا۔ اور تم اپنے والد کو سُنا دینا اور ہاں بھائی یہ بھی گھر میں پوچھ لینا کہ کدا ستاتھے نے اندر باہر کی تنخواہ بانٹ دی۔ میں نے تو وفادار اور حلال خور نمک کی بھی تنخواہ بھیج دی ہے۔ غالب سہ شنبہ ۱۴ ؍ فروری ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ صاحب تمہارے دو خط متواتر آئے۔ ظہیر الدین کا آگرہ جانا میرا خط اس کا موسومہ تمہارے پاس پہنچنا اور اس کا آگرہ کو روانہ ہونا۔ ظہیر الدین کی دادی کا بعارضہ سُرفہ و سعال رنجور ہونا کد استاتھ کا مجھ سے خفا ہونا مکان کے رہ گئے کی اجازت مانگنا فضل حسن سے میرے واسطے دریوزہ تقرر کرنا یہ مدارج و مطالب معلوم ہوئے۔ ظہیر الدین کا خط تم نے کیوں کھولا وہ مغلوب الغضب ہے۔ تم پر خفا ہو گا۔ اس کی دادی اس موسم میں ہمیشہ ان امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک نسخہ اس کے پاس ما اللحم ہے۔ وہ کھچوا دو اور ذرا خبر لیتے رہو۔ کدازنا نھ لکا ہے، وہ مجھ سے کیا خفا ہو گا۔ روپیہ جو خزانہ میں جمع ہو گا۔ آخر وہی لائیگا۔ خفا میں ہوں۔ کہ روپیہ وام دام پایا۔ اور یہ اتمسک نہ دیا۔ اور چھٹا عیب کانا پاشا مکان کے رہنے کو اور کس طرح لکھوں۔ شہاب الدین خان کو لکھا۔ شمشاد علی بیگ کو لکھا اب

تم کو لکھتا ہوں تتمہ کے میں چھپ آیا ہوں اکتوبر، نومبر، دسمبر یہ عـہ آگرہ دونگا۔ بلکہ اگر موقع بنے گا۔ تو یہ
سہ ماہہ یہاں سے بطریق ہنڈوی بھیجدوں گا۔ اسمٰعیل خان صاحب کو میری دعا کہو۔ اور ایک ڈیوڑھی کی
سیڑھی بنوا دیں۔ اور حویلی کے پاخانہ کی صورت درست کرا دیں۔ ہائے قسمت پر لعنت کہ میاں فضل حسن
میرے مربی و محسن نہیں اور پھر واسطے محرومی کہ مطلب برآری نہ ہو خدا کرے نہ ہو لونڈوں کا احسان
زہر قاتل ہے۔ فضل اللہ خاں میرا بھائی ہے۔ اُس کا احسان مجھ کو گوارا۔ سو بار اُس سے کہا اور ہزار بار نہ
کہونگا۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ اس سے زنہار نہ کہیئے گا۔ نہ لکھیئے گا۔ اگر کچھ کہو تو فضل سے کہو۔ والدّعا
نواب صاحب دورے سے یا آج شام کو یا کل آجائینگے۔ جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

نجات کا طالب غالب یکشنبہ ۱۲ نومبر ۱۸۶۶ء۔ صبح کا وقت۔

ایضاً۔ شنبہ ۲۴ ذیقعدہ یکم اپریل۔ میاں تمہارا گلہ میرے سر و چشم پر لیکن میرا حال سن لو۔ اور اپنے
وہم و قیاس پر عمل نہ کرو۔ پہلے ظہیر دلپذیر کا خط آیا۔ پڑھتے ہی اُس کا جواب لکھ رکھا دوسرے دن
ڈاک میں بھجوا دیا۔ مضمون بہ تغیر الفاظ یہ تم جو بچھڑے پیچھی میں مبتلا رہتے ہو اس کا سبب یہ کہ مجھ میں
تمہارا لو ملنا اور میں افتراقی خون کا پتلا ہوں۔ پھر تمہارا خط آیا تیسرے دن اس کا جواب بھیجا دیا۔ بمضمون

کہ تم سے تو میرا پیارا پوتا

ظہیر الدین اچھا کہ جاتے وقت مجھ سے مل گیا۔ اور وہاں پہنچتے ہی مجھ کو خط لکھا۔ رسید ڈاک گھر سے ملتی نہیں
خط دونوں پیڈ تھے۔ یہاں کے ڈاک گھر سے ملتی نہیں۔ خط دونوں پیڈ تھے۔ یہاں کے ڈاک گھر میں حکم
نہیں کہ میرے وہ دونوں خط رہ گئے ہوں۔ شیخوپور کی ڈاک کے ہرکاروں نے نہ پہنچایا۔ میرا کیا قصور
البتہ سرنامہ پر صرف بستی کا نام اور تمہارا نام تھا۔ شاید اس سبب سے خط نہ پہنچا
ہو ایسے وقت تمہارا خط آیا۔ میں نے لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھیں اب عنایت اللہ کو تمہارے گھر
بھیجتا ہوں۔ اور پتہ منگواتا ہوں۔ کہ پتہ وہاں سے کیا لکھا جاتا ہے لو صاحب عنایت اللہ آیا اور یہ
پتہ لایا ہے اور پتہ سرنامہ پر لکھتا ہوں۔ مگر ڈاک کا وقت نہیں رہا کل بھیجدونگا۔ حکیم ظہیر الدین خاں کو دعا۔
بیٹا اب اسوقت مجھ میں دم نہیں دعا پر قناعت کر تیرے خط کا جواب جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ بھیج چکا ہوں جو کچے
پر لعنت تو بھی کہو خیر باد سے نواب مصطفیٰ خاں کل شہر میں آ گئے مع قبائل آئے ہیں ذیقعدہ میں چھوٹے لڑکیوں کی
قلتہ اور ذی الحجہ میں محمد علی خاں کی شادی کریں گے۔ آج پانچواں دن ہے۔ شہر میں میرٹھ کے انڈے بچے اور لے پڑے
کہیں کہیں اس سے لڑے بھی۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر جلد چلے آئے۔ دو بار گیا میری تعظیم او مجھ پر عنایت ہے یہی تمنا

زیادہ کی۔ آؤ گے تو مفصل سن لوگے۔ نجات کا طالب غالب ؎

ایضاً۔ میاں آج صبح کو تم آئے تھے۔ میں اس ٹکٹ کے قصے میں الجھا کہ تم سے کہنا بھول گیا۔ اب میر عنایت حسین صاحب تمہارے پاس پہنچتے ہیں جس امر میں یہ تم سے کوشش چاہیں تم کو میری جان کی قسم بدل متوجہ ہو کر اس کام کو انجام دو۔ امر سہل ہے۔ کچھ بات نہیں ہے۔ مگر در صورت سعی خدا کے ہاں سے تم کو بڑا اجر ملے گا اور میں تمہارا ممنون ہونگا۔ نجات کا طالب غالب ؎

ایضاً۔ میاں میں تم سے رخصت ہو کر اس دن مراد نگر میں رہا۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کو میرٹھ پہنچا۔ نواب مصطفیٰ خان نے ایک دن رکھ لیا آج شنبہ ۲۱ جنوری یہاں مقام ہے نو بج گئے ہیں بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ منت کا کھانا ہے خوب پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ کل شاہجہان پور سوں گڑھ مکتیسر رہونگا مراد آباد سے پھر تم کو خط لکھوں گا۔ لڑکوں کے ہاتھ دو خط لکھے ہوئے ان کی دادی کو بھجوائے ہیں تم اس اپنے نام کے خط کو لے کر ڈیوڑھی پر جانا اور استانی جی کو پڑھ کر سنا دینا۔ اور خیر و عافیت کہہ دینا۔ شہاب خان صاحب کو میرا سلام نیاز۔ اور ظہیر الدین احمد کو دعا کہہ دینا ہاں بھائی میں اور بے مصلحت اپنے کو متقامات مختلف کا عازم کہہ آیا ہوں۔ اب جو شخص تم سے پوچھا کرے اس سے پردہ نہ کرنا اور صاف کہہ دینا کہ رامپور گیا ہے۔ یعنی سب کو معلوم ہو جائے اور کوئی تذبذب میں نہ رہے۔ مرقومہ چاشتگاہ شنبہ ۲۱ جنوری۔

ایضاً۔ برخوردار حکیم غلام نجف خان کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ بدھ کا دن پہر دن چڑھا ہوگا کہ میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۲۰ رجمادی الاوّل کی اور ۱۱۔ اکتوبر کی ہے۔ دونوں لڑکے دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں۔ آپ آتے جاتے ہیں۔ رات بخیر گذرے بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائیں گے۔ گھبرایا ہوا ہوں۔ تیسرا دن ہے پائخانہ پھرنے کو۔ لڑکے بخیر و عافیت ہیں۔ اپنی استانی سے کہہ دینا مرزا شہاب الدین کو نواب ضیاء الدین کو سلام میرا رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا۔ مترصد ضرور ظہیر الدین دعا سے خفا ہوگا۔ اس کو میری بندگی کہنا۔ غالب ؎

بنام حکیم ظہیر الدین احمد خان صاحب

پنجشنبہ ۲ نومبر ۱۸۶۶ء اقبال نشان حکیم ظہیر الدین احمد خان کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ کہو میاں تمہارا مزاج کیسا ہے۔ اور تمہارے بھائی مرزا افضل حسین خان کیسے ہیں۔ اگر ہو تو میری دعا کہنا اور مزاج کی خیر پوچھنا۔ اور اپنے دادا جد کو میری دعا کہنا۔ اور کہنا کہ تمہارا خط میرے خط کے جواب میں تھا

اس میں اور کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔ سنو میاں ظہیر الدین تم اپنی دادی کے پاس ابھی چلے جاؤ۔ اور اُن سے میری اور دونوں لڑکوں کی خیر و عافیت کہو اور پوچھو کہ شہاب الدین خاں نے اگست مہینے کی تنخواہ کے پچاس روپے پہنچا دیئے یا نہیں۔ کلیان خط لے گیا تھا پر جعفر بیگ وفادار بیگ کی تنخواہ بانٹ گیا یا نہیں۔ اچھا میرے بیٹا یہ دونوں باتیں اپنی دادی سے پوچھ کر جلد مجھ کو لکھ بھیجو۔ جواب خط کا طالب فقیر غالب۔

از جانب حکیم ظہیر الدین احمد خاں بنام جلال الدین حیدر رضا عم اپنا

جناب فیض مآب چچا صاحب قبلہ و کعبۂ دو جہان کے حضور میں کورنش و تسلیم پہنچاتا ہوں۔ بعد شوق بیان سے اس توپ کے مرحمت فرمانے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ سبحان اللہ کیا توپ جس کی آواز سے رعد کا دم بند اور رنجک کے رشک سے بجلی کو رنج۔ گولہ اس کا خدا کا قہر دھواں اس کا سیاہی عشق کی لہر۔ استغفر اللہ کیا باتیں کرتا ہوں جھوٹ سے دفتر بھرتا ہوں۔ کیسی رنجک کیسا دھواں کیسا گولہ۔ آپ یہ توپ ہے کہ بغیر ان عوارض کے صرف اس کی آواز سے دشمن کا زہرہ آب ہو جائے۔ اب یا دوست جو ترنجک اٹھے آگ دکھائیں تو دھواں ہو گولہ چھٹے کچھ اس میں بھر کر تو شہر میں کہیں نشان ہو صرف اسکی آواز پہ ہوا ہے۔ تبھی تو عجیب اور دنیا کا دیا ہے ایک آواز اور اس میں یہ اعجاز کہ دوست کو فتح کی شگون کی صدا سنائے دشمن سنے تو ہیبت سے اسکا کلیجہ پھٹ جائے آواز کا صدمہ اگر صدائے صور سے دونا ہے۔ مگر ہمیں یہی کہتے بن آتی ہے۔ کہ صور کا نمونہ ہے۔ کیا خدا کی قدرت ہے۔ دیکھو تو کیسی ندرت ہے۔ توپ کا گولہ توپ ہی میں رہ جائے۔ اور جو تعجب رو یہ سے ذرہ ختلے جائے دانا آدمی اسے زنجیری گولہ کہتا ہے۔ کہ توپ میں سے نکل کر پھر وہیں آ رہتا ہے۔ اچھے میرے چچا جان یہ توپ کس نے بنائی اور تمہارے ہاتھ کہاں سے آئی۔ جو دیکھتا ہے وہ حیران ہوتا ہے اب شہر میں جا بجا اسی کا بیان ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ تم ہمارے سر پہ سلامت رکھے۔ اور ہمیشہ با دولت و اقبال و عز و کرامت رکھے۔

بنام نواب میر ابراہیم علی خاں صاحب بہادر المتخلص بہ وفا

ولی نعمت کو غالب کی بندگی۔ بسبب ضعف پیری کے خدمت گذاری میں درنگ واقع ہو جائے تو معاف رہوں قاصر کبھی نہ رہوں گا۔ انشاء اللہ العظیم دونوں غزلوں میں سے ایک غزل بعد اصلاح پہنچتی ہے۔ دوسری غزل ہفتہ آئندہ میں پہنچ جائیگی۔ ضعف اعضا اور دوام مرض سے علاوہ اختلال حواس کا کیا حال

لکھوں دو تین دن ہوئے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خان کا خط آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آزردہ تخلص کی دو غزلیں اصلاحی بھیجیں۔ دیکھیے اس سہو کو کہ کس کی غزلیں کس کو پہنچیں۔ مزا اس میں ہے۔ کہ اب یہ بھی یاد نہیں رہا کہ آزردہ کا نام کیا ہے۔ اور وہ کون ہے۔ اور کہاں کا ہے۔ شاید اس بندۂ خدا کو حضرت کی غزلیں بھیجی ہوں گی۔ خدا کرے کہ وہ بزرگوار میر صاحب کی غزلیں میر صاحب کی طرح میرے پاس بھیج دے۔ تو میر صاحب کی خدمت میں بھیج دوں اگر ایسا نہ ہوا۔ تو ان غزلوں کو جو اب آئی ہیں دیکھوں گا۔ کہ اکہتر برس کی عمر کی خوبی ہے اب میر صاحب قبلہ کو خط پڑھوا دیجیے گا۔ لطف و کرم کا طالب غالب۔ ۲۰ اکتوبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سید صاحب قبلہ نواب میر ابراہیم علی خان بہادر کو غالب شاہ کا سلام وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے [illegible] بس شوق قتل سے۔ ہے الخ گم ہو گئی ہے پھر لکھ کر بھیجیے اور قصور معاف کیجیے یہ غزل جو اس غزل کے بعد بھیجی ہے۔ فی الحال بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ میر صاحب قبلہ سید عالم علی خان بہادر کی دو غزلیں پہنچیں مگر وہ یہ لکھتے ہیں۔ کہ میں رجب کے مہینے میں وطن کو جاؤں گا اور وہاں سے تیرے پاس آؤں گا۔ آج بحساب جنتری ۲۷۔ اور از روئے رویت ۲۶ رجب کی ہے۔ غزلیں ان کی میں دو گھر بھیج نہیں سکتا۔ آپ میری بیگناہی کے گواہ رہیں۔ بعد ضعف نے مضمحل کر دیا ہے۔ حواس بجا نہیں۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہتر واں برس شروع ہو گیا ہے۔ غذا باعتبار آدھ [illegible] بہ نوع مقصود محض کو پانی ساتھ بادام کا شیرہ ۱۲ بجے اب گوشت شام کو چار کباب تلے ہوئے۔ بس آگے خدا کا نام۔ اس [illegible] جناب حکیم احمد حسن صاحب کی تحریر سے کچھ حال ناسازی کا احوال احباب سے معلوم ہوا۔ اور وہ علم باعث تردد و تغیر ہے۔ متوقع ہوں کہ اس فساد کے رفع ہونے سے اور اپنی عافیت خاطر سے فقیر کو آگہی بخشیے۔ اور اس خط کا جواب مع رسید غزل جلد ارسال فرمائیے اسد بے دستگاہ پنجم دسمبر ۱۸۶۶ء رجب کی تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں۔

ایضاً۔ برخوردار جناب سید ابراہیم علی خان صاحب کو بندگی۔ غزل پہنچی ہے۔ خلاف روئے اغلاط بہ رنگ گیا ہے قبلہ آپ کے بھائی صاحب میر عالم علی خان صاحب مجھ پر کیوں خفا ہیں۔ کہ اپنی غزل نہیں بھیجتے۔ یہ امر ان کے خاطر نشان ہو جائے کہ غالب آپ کے دادا کا غلام اور خدمت بجا لانے کو آمادہ ہے۔

راقم غالب نہم ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ

ایضاً۔ بخدمت قبلہ سید احمد حسن صاحب مودودی۔ تسلیم بجناب میر ابراہیم علی خان بہادر [illegible] مقبول [illegible] تصویر مہر تقویت مجھے پہنچی۔ اور میں نے رسید لکھ بھیجی۔ عجب ہے کہ آپ کو نہ پہنچی ہو میں تردد ہے امسال فقیر نے جو اپنی انتساخی کا عکس تصویر نقشی میاں داد خان کی معرفت

نذر کی ہے۔ یقین ہے وہ بھی پہنچی ہوگی۔ وہ دونوں غزلیں بعد اصلاح کے بھیجتا ہوں اپنی غزل آپ رہنے دیں اور سید صاحب کی غزل اُن کو حوالہ کر دیں۔ نجات کا طالب غالب جمعہ ۱۔ اگست ۱۸۶۶ء

ایضاً جناب تقدس انتساب سید صاحب قبلہ والا مناقب عالی شان نواب سید ابراہیم علی خاں بہادر مدظلہ العالی بعد بندگی معروض ہے حضرت سید احمد حسن خاں صاحب مدظلہ العالی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولود مسعود پیدا ہوا۔ ایک عبارت رنگین مرتب کر کے اکمل الاخبار میں میں نے چھپوا دی ہے اور ایک رباعی اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا جو انہوں نے یہاں بھیجا تھا وہ بھی چھپوا دیا اور تین قطعے تاریخی جابی لال منتظم اور میر فخرالدین مہتمم مطبع نے جو یہاں تاریخیں لکھیں تھیں وہ چھپوا دیں۔ چنانچہ اپنی لکھی ہوئی رباعی اور قطعہ عرض کرتا ہوں۔

رباعی

حق داد بہ سید زپے انعامش فرخ پسرے کہ واجب ست اکرامش
تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش ارشاد حسین خاں کہ باشد نامش

قطعہ

غالب چو پئے سنین ہجری معلوم کن از خجستہ فرزند
چوں یک صد و بست و چار ماند این ست شمار عمر دلبند

یہ تو ظاہر ہے کہ ۱۲۸۳ھ ہے جب خجستہ فرزند کے اعداد میں سے ۱۲۸۳ لئے تو ایک سو چوبیس بچے ہیں۔ ان کو میں نے دعائے عمر مولود قرار دیا۔ حق تعالیٰ اس مولود کو تمہارے سامنے عمر طبعی کو پہنچائے۔ خط کی رسید کا طالب غالب

بنام مولوی احمد حسن صاحب قنوجی

یا رب یہ ایک خط جو مجھ کو بڑودہ گجرات سے آیا ہے کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے۔ اُدھر سے اظہار آشنائی ہے۔ میری طرف سے یہ بے حیائی ہے۔ کہ مجھ کو آپ کی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی۔ سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانۂ نسیان خراب۔ عشرۂ ثالثہ کے مرحلہ کا رہ پیما ہوں۔ شاید اگر جیونگا۔ تو اس کا لطف مجھ کو علم نہ رہیگا۔ کہ میں کون ہوں۔ اور کیا ہوں۔ ۶۵ برس کی عمر ہوئی حواس ظاہری میں سے سامعہ و شامہ باطل حواس باطنی میں سے حافظہ زائل بسبب نسیان کے اکثر مطالب ضروری تلف ہو جاتے ہیں خدایا کیا اس عمر میں سب آدمی ایسے خرف ہو جاتے ہیں۔ حیران ہوں کہ آپ کو سید لکھوں یا مولوی لکھوں۔ فلاں کام جو خط میں تو خیر کچھ لکھ دونگا۔ خط کا کیا عنوان لکھوں۔ بندہ پرور تقصیر معاف ہے حضرت کا بدل

غبار کدورت سے صاف ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب بریلوی کو جانتا ہوں بلکہ اُن کا احسان مانتا ہوں کہ باوجود عدم ملاقات ظاہری اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں گویا وہ ہمیشہ مجھ کو یاد رکھتے رہتے ہیں۔ نہ آپ کہ بعد ایک عمر کے ناگاہ بنامہ یاد فرمایا اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد دلوایا۔ بہرحال تمہارا دعاگو ہوں۔ خیر جو ہوا اس خط کے جواب میں اب یہ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں۔ کب مجھ سے ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ یہ بالعلاج جان جاؤں۔ نثر کے شیوہ و انداز کا ڈھنگ اچھا ہے۔ خود تمہاری تحریر سے معلوم ہوا۔ شاعر بھی ہو تو تخلص کیا ہے۔ نامہ نگار کا حال بسبیل اجمال یہ ہے۔ کہ آفات سے محفوظ ہوں اور احکام کی عنایات سے محفوظ رہا ہوں۔ بینوائی کا داغ نہیں۔ کلفت معیشت قائم ہے۔ بدستور حکیم جی اب زندگی کا رنگ اچھا دیکھتا ہوں۔ دیکھئے مرنے کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔ یہ کرم مخدوم آپ کے ہمنام یعنی جناب مولوی احمد حسن صاحب عالی مقام ظاہر بہت درویش نواز ہیں۔ کہ اس گمنام گوشہ نشین کو حضرت نے سلام لکھا ہے۔ میری طرف سے سلام اشتیاق تمام پہنچائیے والسلام۔ راقم جواب نامہ کا طالب اسد اللہ المتخلص بہ غالبؔ

ایضاً مخدوم مکرم مولوی سید احمد حسن خانصاحب یاد کریں۔ کہ یہ درویش گوشہ نشین تمہارا دوست اور تمہارا دعاگو ہے۔ تمہاری نثر کی طرز پسند تمہاری خواہش مقبول سید محمد حسن صاحب کی فرزندی منظور۔

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۶۵ برس کی عمر ہوئی۔ اضمحلال قویٰ ضعف دماغ۔ فکر ہرگز غم فقط۔ جو آپ نے مجھے دیکھے ہیں۔ میں اب وہ نہیں ہوں نظم و نثر کا کام صرف پچاس برس کی مشق کے زور سے چلتا ہے۔ ورنہ جوہر فکر کی رخشندگی کہاں۔ بڑا پہلوان پیچ بتاتا ہے زور نہیں۔ والسلام بہرحال حکیم صاحب کو میرا سلام کہئے اور کہئے کہ آپ بے تکلف اپنا کلام بھیج دیا کریں۔ یہاں سے بعد فکر و اصلاح خدمت میں پہنچ جایا کریگا۔ غالب ۱۲ ستمبر ۱۸۶۰ء

بنام حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی

حضرت قبلہ پہلے التماس یہ ہے کہ آپ سید صحیح النسب تمام اُمت مرحومہ محمد علیہ السلام کے قبلہ و کعبہ جب آپ مجھ کو قبلہ و کعبہ لکھیں تو پھر میں آپ کو کیا لکھوں۔ خدا کے واسطے غور کیجئے کہ قبلہ و کعبہ کیا ترکیب ہے چونکہ آپ نے مجھے اُستاد گردانا ہے۔ اس التماس کو بھی از قسم اصلاح تصور کیجئے تو تمہارا قبلہ قبلہ کبھی نہ لکھئے گا۔ یہ سوء ادب ہے بہ نسبت جناب عیاذاً باللہ۔ آپ کا عطوفت نامہ پہنچا میرے پہلے خط کا بدیہ پہنچا اور اس کی دیر رسی کا سبب مجھ کو معلوم ہوا۔ اب اسی کا خیال رکھونگا یہ اب آگے

معلوم ہے کہ آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمہ باقی نہیں ہے۔ دو یا تین خط کا جواب نہیں پہنچا اس کو یہ سمجھئے کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئے اور میرے پاس نہیں پہنچے ۔

بہار گلستان احمد حسن ۔ یہ سجع کیا بُرا ہے ۔ دل حیدر و جان احمد حسن ۔ یہ اس سے بھی بہتر ہے نہیں دو لفظیں ایک سجع مہر پر کھدوا لیجئے۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غالب ۔ ۱۹ ذی الحجہ

ایضاً حضرت پیر و مرشد۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غزل سہو سے لکھ گیا ہوں دو غزلیں پہنچتی ہیں خواجہ مولوی انصار علی صاحب سے مجھ کو تو شناسائی ہے ان کو میرا سلام کہئے اور کہئے کہ حضرت جناب مولوی صدرالدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف۔ جائداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے از راہ ترحم نصف جائداد واگذاشت کی اب نصف جائداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کرایہ پر معاش کا مدار ہے اگرچہ یہ امداد ان کے گذارے کو کافی ہے۔ کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی تیس چالیس روپیہ مہینے کی آمد لیکن چونکہ امام بخش چپراسی کی اولاد ان کی متعلق ہے۔ اور وہ دس بارہ آدمی ہیں لہذا فراغ بال سے نہیں گذرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے عشرۂ ثامنہ کے اواخر میں ہیں۔ خدا سلامت رکھے۔ غنیمت ہیں۔ غالب یکشنبہ ۱۹ جنوری ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ سید صاحب و قبلہ عنایت نامہ مع قصیدہ پہنچا پس و پیش ایک رافت نامہ پیر و مرشد سید ابراہیم علی خاں صاحب بہادر اور ایک عطوفت نامہ قبلہ و کعبہ سید عالم علی خاں بہادر کا پہنچا میں علی کا غلام بعد اولاد علی کا خانہ زاد لیکن بوڑھا و ناتواں اور مسلوب الحواس اور بے سر و سامان خدمت بجا لانے میں عذر کروں تو گنہگار۔ درنگ و توقف کا مضائقہ نہیں۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ خداوند نعمت کیا تم دلّی کو آباد اور قلعہ کو معمور اور سلطنت کو بدستور سمجھے ہوئے ہو جو حضرت شیخ کا کلام اور صاحبزادہ شاہ قطب الدین ابن مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ کا حال پوچھتے ہو۔ ایں دفتر را گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد و قصاب در راہ مرد بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں خورد میاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑو دی کاغذ کا پرزہ سونے کا تار پشمینہ کا بال باقی نہ رہا۔ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ اُجڑ گیا ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہونگے۔ تو خدا ہی جانتا ہوگا۔ کہ کہاں ہیں۔ ان کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا۔ کچھ تبرکات بھی تھے۔ اب جب وہ لوگ ہی نہیں تو کس طرح سے پوچھوں۔ کیا کروں کہیں سے یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکیگا۔ سید صاحب قبلہ کیوں تکلیف

کرتے ہیں۔ اگر یہی مرضی ہے تو اتحاف وا ہدا تکلیف محض ہے۔ فقیر بے سوال ہوں۔ اگر کچھ بھیجیں گے۔ رد نہ کرونگا۔ کم و بیش پر نظر نہ کرینگے قبضے کا چاہیں نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیجیں والسلام۔ اسد اللہ۔ روز شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً پیر و مرشد۔ تین برس عوارض اختراق خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں۔ کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں ہے۔ آپکے خطوط آئے ہونگے۔ کوئی خط پڑھ لیا ہوگا۔ کوئی سر بمہر ناکشودہ پڑا رہا ہوگا۔ البتہ حاجی مصطفٰے خاں کا آنا مجھ کو یاد ہے۔ یقین کرتا ہوں۔ کہ انہوں نے از روئے مشاہدہ میری خستگی تن کا حال حضرت کو لکھا ہوگا اب میں اپنی زبان سے یہ کیونکر کہوں کہ اچھا ہوں مگر ہاں اوس عوارض میں گرفتار نہیں ہوں بوڑھا۔ بہرا۔ اپاہج۔ بد حواس۔ ناتواں۔ فلک زدہ آدمی ہوں۔ جھکے کرتا ہوں۔ کہ جب آپکا خط آئیگا۔ اس کا جواب لکھونگا۔ جب غزل آئیگی اس کو دیکھکر بھیجونگا۔ مگر حضرت کے مسکن کا پتہ بھول گیا یہ خط تو مصطفٰے خان سوداگر کو بھیجے دیتا ہوں۔ وہ آپ کو بھجوا دینگے۔ آئندہ جو عنایت نامہ ارقام فرمائیے۔ اس میں مسکن و مقام و شہر کا نام لکھا جائے۔ نجات کا طالب غالب ۲۴۔ جولائی ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ حضرت پیر و مرشد ان دونوں میں اگر فقیر کے عرائض نہ پہنچے ہوں۔ یا ارشاد کے جواب ادا نہ ہوئے ہوں۔ تو موجب ملال خاطر اقدس نہ ہو ؎

اتفاق سفر افتادہ بہ پیری غالبؔ — آنچہ از پائے نیامد ز عصا مے آید

رامپور کی سرکار کا فقیر تکیہ دار و فدیہ خوار ہوں۔ رئیس حال نے مسند نشینی کا جشن کیا۔ مجھ کو دولت کو دعا پر جانا واجب ہوا۔ پنجشنبہ التو برکو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل ستہ وہاں پہنچا بعد اختتام بزم عازم وطن ہوا ہشتم جنوری کو دلی پہنچا۔ غرض راہ میں بیمار رہا پانچ دن مرادآباد میں صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ رواں ناتواں تھا۔ ویسا ہوں جواب خطوط مجتمعہ لکھ سکتا ہوں۔ بہر حال ایسا ہوں۔ نواب میر جعفر علی خان مبرور مغفور کا خاندان سبحان اللہ ؎

ایں سلسلہ از طلائے ناب است — ایں خانہ تمام آفتاب ست

نواب میر غلام بابا خان میرے دوست اور میرے محسن ہیں۔ راہ و رسم نامہ و پیام مدت سے باہمدگر جاری ہے۔ آپکا حکم بے تکلف مانوں گا۔ جناب میر ابراہیم علی خاں صاحب اور حضرت منیر علی خان صاحب کی خدمتگذاری کو اپنا فخر و شرف جانوں گا۔ اس وقت تمیں کھولے ہے خطوط اطراف و جوانب دیکھ رہا ہوں پہلے حضرت کے خط کا جواب بطریق اختصار لکھا ہے۔ اب جب اس کا جواب آئے گا تب فقیر حکم بجالائے گا اسد اللہ۔ چار شنبہ ۱۷ جنوری ۱۸۶۶ء

ایضاً پیر و مرشد آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ رعشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی

میں بڑا فتور پڑا حواس مختل ہو گئے۔ جہاں ہو سکا احباب کی خدمت بجا لایا۔ اوراق اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا اور
اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے نہ ہات سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں۔ کہ شاہ شرف
بو علی قلندر کو بسبب کبر سن کے خدا تعالیٰ نے فرض اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں۔ کہ میرے
دوست خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا دیا کرونگا۔ زیادہ
حد ادب۔ راقم اسد اللہ خاں غالب۔ ۱۰۔ اپریل سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ پیر و مرشد یکم محرم کا خط کل ۱۸ محرم کو پہنچا آج ۱۹ کو جواب لکھتا ہوں۔ آپ پر اور میر ابراہیم علی خاں اور
میر عالم علی خاں پر میری جان تصدق ہے مطلب مانگتے۔ اب یہ ایک غزل آپ تینوں صاحب بھیج دیا کیجئے۔ اسی
طرح میں فرداً فرداً بعد اصلاح بھیج دیا کرونگا۔ مگر میرے قبلہ و کعبہ واسطے خدا شجرۂ منظومہ ارسال نہ فرمائیگا۔ اس
کی اصلاح میری حد وسع سے باہر ہے۔ میرا شیوہ نہیں ہے خط بیرنگ بھیجنا یہ خط بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ پیڈ کے
تلف ہونے کا احتمال اور بیرنگ کا نہیں۔ اسد اللہ۔ شنبہ دوم جون سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ قبلہ ڈاک کے ہرکارے نے کل دو خط ایک بار پہنچائے۔ ایک آپ کا خط معہ غزل اور ایک نواب میر ابراہیم
علی خاں کا خط مع غزل آج تین باتیں ضروری لکھنی تھیں۔ اس واسطے یہ خط آج روانہ کرتا ہوں۔ ایک بات
یہ کہ غزل کا کاغذ واپس بھیجتا ہوں۔ نہ اسکو پھاڑ سکوں نہ پانی میں دھو سکوں۔ شہیدی کی غزل ان قافیوں
میں بہ تغیر ردیف ایسی ہے کہ اب ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہیئے۔ آپ اور غزل لکھئے۔ اس کو ہرگز دیوان میں
نہ رکھئے۔ یہ بھی امر ضمن میں لکھنا مناسب ہے کہ میر ابراہیم علی خاں صاحب نے اپنی اصلاحی غزل کی رسید کل کے خط
میں لکھ بھیجی۔ آپ اپنے خط میں کس راہ سے لکھتے ہیں۔ کہ وہ غزل اصلاحی مانگتے ہیں۔ اسی فصل میں یہ بھی اطلاع
دیتا ہوں۔ کہ آپ کی یہ غزل سلا کر سیئے اور نہلا کر سیئے اور تار پیچ لائے نیلے سے پر دیکھ کر اور اصلاح دے
کر آج پانچواں دن ہے کہ ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔ اور دوسری یہ بات ہے کہ آپ سید صاحب کا حال مفصل
لکھیئے ایسا کہ لاکھ کا ملک بڑودہ کی سرکار سے ہمارے محسن کو ملا ہے۔ کہاں سے دو لاکھ روپیہ نذرانہ مانگا جاتا
ہے۔ آگے اس راج میں حسام الدین حسین خاں جیسے عزیز اور مکرم متوسل تھے۔ اور سیر حاصل جاگیریں رکھتے تھے
سید ابراہیم علی خاں صاحب اسی خاندان میں سے ہیں۔ اور ہاں یہ بھی لکھئے۔ کہ میر عالم علی خاں کو ان سے اور
آپکو ان دونوں صاحبوں سے کیا قرابت ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب نوٹ بھیجئے تو اہل کلکتہ کی
طرح آدھا آدھا دو بار کر کے نہ بھیجئے گا۔ میرے نام کا لفافہ جس شہر سے چلے اسی شہر کے
ڈاک گھر میں رہ جائے تو رہ جائے۔ ورنہ دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا امکان کہ تلف ہو

اسد اللہ۔ ۲۵۔ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ حضرت یہ آپ کے جد امجد کا غلام تو مر گیا۔ کثرت احکام تو اتر ورود اشعار پھر یہ ہنجار کہ سو روپیہ کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو۔ میر ابراہیم علی خاں صاحب کی غزل جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

علی علی جو کہا نا سحر تو یوں سمجھے کہ ذوالفقار سے کٹتی ہے اب ہماری رات

بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور آپ اس کا تقاضا کئے جاتے ہیں۔ غزلیں آپ کی بہتی ہیں۔ کہاں تک دیکھوں آپکی غزلوں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہتر برس کا آدمی پھر رنجور دائمی غذا یک قلم مفقود۔ آٹھ پہر میں ایک بار آب گوشت پی لیتا ہوں۔ نہ روٹی نہ بوٹی نہ پلاؤ نہ خشکہ آنکھ کی بینائی میں فرق ہاتھ کی گیرائی میں فرق رعشہ مستولی۔ حافظہ معدوم۔ جہاں جو کاغذ رکھا وہ وہیں رہا۔ میر عالم علی صاحب کی دو غزلیں آئی ہوئی ہیں۔ کہیں رکھ کے بھول گیا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ نوٹ عطیۂ سید صاحب کا آپکے خط میں پہنچا۔ روپیہ وصول ہوا۔ صحیح ہوا۔ ان کی ایک غزل ساری بیتی ہماری رات جس کا ایک شعر اوپر لکھ آیا ہوں بعد اصلاح بھیج چکا ہوں۔ اور کوئی غزل انکی اب میرے پاس نہیں ہے۔ جناب میر عالم علی خاں صاحب کی دو غزلیں یاد ہیں۔ کہ آئی ہیں اگر مل جائینگی۔ تو بعد اصلاح بھیجوں گا۔ آپ کی غزلیں شمار سے باہر ہیں کس میں دیکھوں گا۔ کتابوں میں ڈھونڈونگا۔ مدعا یہ کہ آپ اور وہ دونوں سید صاحب اس کا التزام کریں کہ ایک غزل اپنے خط میں بھیجیں۔ جب وہ غزل اور اس خط کا جواب پہنچ جائے۔ تب دوسری غزل خط میں ملفوف ہو کر بھیجی جائے۔ اور خط ہر صاحب کا جدا ہو۔ آپ یہ میرا خط غور سے پڑھ لیں اور دونوں سید صاحبوں کو پڑھوا دیں از روئے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ اسد بیک رنگ ۱۸۔ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سید صاحب قبلہ و کعبہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کا سلام پہنچے وہ جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے افاقت ہے سو محض غلط ہے۔ آگے ناتوان تھا۔ اب نیم جان ہوں۔ خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطریں لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں وہ غریب لکھتا گیا ہے۔ آپ سید ہیں اور بزرگ ہیں میرے حق میں دعا کریں کہ اب بہتر برس سے آگے نہ جیوں اور اگر کچھ زندگی اور ہے تو حق تعالیٰ تھوڑی سی صحت اور طاقت عنایت کرے۔ تاکہ دوستوں کی خدمت بجا لاتا ہوں۔ غالب

۳۔ جولائی سنہ ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ جناب سید صاحب و قبلہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کی بندگی قبول ہو۔ اور یہ عرض بھی قبول ہو۔ کہ جناب معلی القاب نواب ابراہیم علی خاں بہادر کی خدمت میں میری بندگی عرض کریں بالفعل بسبب تصویر دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچنا معلوم ہوا۔ اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا خدمت بجا لانی نہیں ہو سکتی۔ مگر خیر حضرت کے پیش نظر حاضر رہوں گا۔ عنایت کی نظر ہے۔ میرے حال پہ

نے لکھا ہے۔ کہ نواب صاحب قبلہ کے ہاں اس مہینے میں لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ مجھ کو تاریخ تولد کا خیال رہیگا جب آپکی تحریر سے نوید تولد معلوم کروں گا۔ قطعہ یا رباعی جو کچھ ہوگی وہ بھیجدونگا۔ اور یہ جو آپ نے اپنی اور نواب صاحب کی غزلوں کی اصلاح کے واسطے لکھا ہے مجھے اس حکم کی تعمیل بدل منظور ہے۔ جس مہینے تک زندہ رہوں۔ اس مہینے تک خدمت بجالاؤنگا۔ ۱۰ر جولائی ۱۸۶۷ء

بنام تفضل حسین خان صاحب

کیوں صاحب یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و استادی سب پر پانی پھر گیا۔ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے۔ میرا کلام خرید آٹھ دس روپیہ کی صورت بھی میں یہ کہتا کہ مجھ کو دے ڈالو۔ تم کو مبارک رہے۔ مجھ کو مستعار دیدیں۔ وہیں اسکو دیکھ لوں۔ پھر تم کو واپس بھیجدوں اس طرح کی طلب پر نہ دینا دلیل اس کی ہے کہ مجھ کو جھوٹا جانتے ہو۔ میرا اعتبار نہیں یا یہ کہ مجھ کو آزار دینا اور ستانا بدل منظور ہے۔ وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دیدو۔ باللہ و تاللہ اس میں سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کرکے تم کو بھیجدونگا۔ اگر تم کو واپس نہ دوں۔ تو مجھ پر لعنت کرنا اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب حامل رقعہ کو نہ دو۔ تو تم کو آفریں۔ غالبؔ

بنام مرزا حاتم علی صاحب مہر

بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

سخن میں خامۂ غالبؔ کی آتش افشانی
یقیں ہے ہمکو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

علاقہ محبت ازلی کو برحق مان کر اور پیوند غلامی جناب مرتضیٰ علی کو پہچان کر ایک بات اور کہتا ہوں۔ کہ بینائی اگرچہ سب کو عزیز ہے۔ مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے مانا کہ روشنائی اُس کے اجالے میں آئی ہے۔ جسبھی دلیل آشنائی ہے۔ کیا فرض ہے۔ کہ جب تک دید وادید نہ ہو لے اپنے کو بیگانہ یک دگر سمجھیں۔ البتہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں۔ اگر سمجھیں سلام کے جواب میں خط بہت بڑا احسان ہے فدا کسے خط جس میں میں نے آپ کو سلام لکھا تھا۔ آپ کی نظر سے گذر گیا ہوا چھا تھا اگر نہ دیکھا ہو۔ تو اب مرزا تفتہ سے لیکر پڑھ لیجئے گا۔ اور خط کے لکھنے کے بیچ احسان کو اُس خط کے پڑھ لینے سے دوبالا کیجئے گا۔ تم نے میجر جان جاکوب کیا جوان مارا گیا ہے۔ پہلے اُس کا یہ شیوہ تھا کہ اردو کے

فکر کو مانع آنا اور فارسی زبان میں شعر کہنے کی رغبت دلواتا۔ یہ بھی انہیں میں ہے۔ کہ جن کا میں ماتمی ہوں ہزاروں دوست مر گئے۔ کس کو یاد کروں۔ اور کس سے فریاد کروں۔ جیوں تو کوئی غمخوار نہیں مروں تو کوئی عزادار نہیں غزلیں آپ کی دیکھیں سبحان اللہ چشم بد دور۔ اردو کی راہ کے تو سالک ہو گویا اس زبان کے مالک ہو۔ فارسی بھی خوبی میں کم نہیں مشق شرط ہے اگر کہے جاؤ گے لطف پاؤ گے۔ میرا تو گویا بقول طالب آملی اب یہ حال ہے۔ ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

جب آپ نے بغیر خط کے بھیجے خط مجھ کو لکھا ہو تو کیونکر مجھ کو اپنے خط کے جواب کی تمنا ہو۔ پہلے تو اپنا حال لکھئے کہ میں نے سُنا تھا آپ کہیں کے صدر امین ہیں۔ پھر اکبر آباد میں کیوں خانہ نشین ہیں۔ اس ہنگامہ میں آپ کی صحبت حکام سے کیسی رہی۔ راجہ بلوان سنگھ کا بھی حال لکھنا ضرور ہے۔ کہ کہاں ہیں اور وہ دو ہزار روپیہ مہینہ جو ان کو سرکار انگریزی سے ملتا تھا۔ اب بھی ملتا ہے۔ یہ نہیں ہائے لکھنؤ کچھ نہیں کھلتا کہ اس بہارستان پر کیا گذری اموال کیا ہوئے اشخاص کہاں گئے خاندان شجاع الدولہ کے زن و مرد کا انجام کیا ہوا قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر کی سرگذشت کیا ہے۔ گمان کرتا ہوں۔ کہ بہ نسبت میرے تم کو کچھ زیادہ آگہی ہو گی۔ امیدوار ہوں۔ کہ جو آپ پر معلوم ہے وہ مجھ پر مجہول نہ رہے پتہ مسکن مبارک کا کشمیری بازار سے زیادہ نہیں معلوم۔ ظاہرا اسی قدر کافی ہو گا۔ ورنہ آپ زیادہ لکھئے۔ مرزا تفتہ کو دعا کہئے گا۔ اور ان کے اس خط کے پہنچنے کی اطلاع دیجئے گا جس میں آپ کے خط کی انہوں نے نوید لکھی تھی۔ والسلام ۔

ایضاً۔ بھائی صاحب اندروئے تحریر مرزا تفتہ آپ کا چھ کتابوں کی ترتیب کی طرف متوجہ ہونا معلوم ہوا۔ پھر بھائی منشی نبی بخش نے دوبارہ لکھا کہ میں با اجمال لکھتا ہوں بمفصل مرزا حاتم علی صاحب نے لکھا ہو گا یارب ان کے دو خط آئے مرزا صاحب نے اگر لکھا ہوتا تو ان کا خط کیوں نہ آتا اپنے حسن اعتقاد سے یوں سمجھا کہ نہ لکھنا بمقتضائے یک دلی ہے۔ جب اپنا کام سمجھ لیا۔ تو مجھ کو لکھنا کیا ضرور ہے مگر اس کو کیا کروں کہ جواب طلب باتوں کا جواب نہیں۔ مطبع اخبار آفتاب عالمتاب میں یکم ستمبر ۱۸۵۸ء حال سے حکیم احسن اللہ خاں کا نام لکھوا دینا اور دو نمبر ان کا اخبار ایک بار بھجوا دینا اور آئندہ ہر ہفتہ اس کے ارسال کا طور ٹھہرا دینا کیوں صاحب یہ امر ایسا کیا دشوار تھا۔ کہ آپ نے نہ کیا۔ اور اگر دشوار تھا تو اس کی اطلاع دینی کیا دشوار تھی شکایت نہیں کرتا پوچھتا ہوں کہ آیا یہ امور مقتضی شکایت ہیں یا نہیں۔ مرزا تفتہ کے ایک خط میں یہ قصہ لکھ چکا ہوں۔ کیا انہوں نے بھی وہ خط تم کو نہیں پڑھایا۔ ہر چند عقل دوڑائی کوئی درنگ کی وجہ خیال میں نہ آئی اب حصول مدعا سے قطع نظر ہے یہ سوچ رہا ہوں۔ کہ دیکھیں چھ مہینے بعد یا دو دن بعد اگر مرزا صاحب

خط لکھتے ہیں۔ تو اس خاص کا جواب کیا لکھتے ہیں۔ میں بھی شاعر ہوں اگر کوئی مضمون عمدہ تو میرے خیال میں آجاتا کوئی عمدہ ایسا میرے ذہن میں نہیں آتا کہ قابلِ سماعت کے ہو میں بھی دیکھوں تم کیا لکھتے ہو:

ایضاً صاحب میرے عہدۂ وکالت مبارک ہو۔ موکلوں سے کام لیا کیجئے۔ پریوں کو تسخیر کیا کیجئے۔ مثنوی پہنچی جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں۔ کیا خوب بول چال ہے انداز اچھا۔ بیان روزمرہ صاف جانشینوں کا استغنا کیا کہوں کیا مزہ دے رہا ہے اس مثنوی نے اگلی مثنویوں کو تقویم پارینہ کر دیا۔ بیانِ بخشائش ہم گنہگاروں تک کیوں پہنچیگا۔ مگر ہاں اس راہ سے ع کہ مستحق کرمت گنہگارانند۔ بخشش کا متوقع ہوں۔ میں ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھا۔ کہ وہ نسخہ نظم ہے یا نثر ہے۔ اور مضمون اس کا کیا ہے۔ مرزا یوسف علی خان آٹھ دس مہینے سے مع عیال و اطفال اسی شہر میں مقیم ہیں۔ میرے مسکن کے پاس ایک مکان کرایہ کو لے لیا ہے۔ اس میں رہتے ہیں۔ اُن کو خط بھیجو تو میرے مکان کا پتہ لکھ دینا اور یہ بھی آپکو معلوم رہے کہ میرے خط کے سرنامے پر محلہ کا نام لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام قصہ تمام ہاں یا عزیز کے خط پر میرے مکان کے قریب کا پتہ ضرور ہے۔ دو روز سے شجاع مہر کو دیکھ رہے ہیں۔ اکثر تمہارا ذکر خیر رہتا ہے وہ تو اب ہر وقت یہیں تشریف رکھتے ہیں رات کو تو پہر چھ گھڑی کی نشست ہر روز رہتی ہے ابھی یہیں سے اُٹھ کر گئے ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ اور شجاع مہر کے مداح اور بیانِ بخشائش کے مشتاق ہیں:

ایضاً جناب مرزا صاحب آپکا غم فزا نامہ پہنچا۔ میں نے پڑھا یوسف علی خان عزیز کو پڑھوا دیا انہوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا یعنی اسکی اطاعت اور تمہاری اس سے محبت سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا۔ سنو صاحب شعرا میں۔ فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں یہ تین آدمی تین فن میں سرِ دفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے۔ کہ فردوسی ہو جائے فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے عاشق کی نمود یہ ہے۔ کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو۔ لیلیٰ اس کے سامنے مری تھی تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری۔ بلکہ تم اس سے بڑھکر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری بھی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں۔ جس پر مرتے ہیں۔ اسکو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں۔ عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو مار رکھا ہے۔ خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کرے چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ با آنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے میں بیگانۂ محض ہو گیا ہوں لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گذرتی ہوگی۔ صبر کرو اور اب ہنگامۂ عشقِ مجازی چھوڑو ـــــ

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی عشق محمدؐ بس ست و آلِ محمدؐ

اللہ بس ما سوائی ہوس

ایضاً ۔

شرطِ اسلام بود ورزشِ ایمان بالغیب اے تو غائب ز نظر مہرِ تو ایمانِ من ست

حُلیۂ مبارک نظر افروز ہوا۔ جانتے ہو کہ مرزا یوسف علی خان عزیز نے جو کچھ تم سے کہا اس کا منشا کیا ہے۔ کبھی میں نے بزمِ احباب میں کہا ہوگا۔ کہ مرزا حاتم علی کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے سنتا ہوں کہ وہ طرحداری کا ذکر میں نے مغل جان سے سُنا تھا۔ جس زمانہ میں کہ وہ نواب حامد علی خان کے نوکر تھے۔ اور اس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے۔ اس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھائے۔ بہرحال تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پہ مجھ کو رشک نہ آیا کس واسطے میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے تمہارے گندمی رنگ پر رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا۔ اور دیدہ ور لوگ اس کی ستائش کیا کرتے تھے اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے۔ تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔ ہاں مجھ کو رشک آیا۔ اور میں نے خونِ جگر کھایا تو اس بات پر کہ ڈاڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے۔ وہ مزے یاد آگئے کیا کہوں جی پہ کیا گذری۔ بقول شیخ علی حزیں ۔

تا دسترسم بود زدم چاک گریبان شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

جب ڈاڑھی مونچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسّی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی مگر یہ یاد رکھیے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام۔ مُلّا۔ حافظ۔ بساطی۔ نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقہ۔ بھٹیارہ۔ جلاہا۔ کنجڑا مُنہ پہ ڈاڑھی سر پہ بال فقیر نے جس دن ڈاڑھی رکھی اُسی دن سر منڈایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کیا بک رہا ہوں صاحب میں نے دستنبو جناب اشرف الامرا جارج فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی نذر بھیجی تھی۔ سو ان کا فارسی خط محررہ دہم مارچ مشتمل بر تحسین و آفرین و اظہار خوشنودی بطریق ڈاک آگیا۔ پھر میں نے تہنیت میں لفٹنٹ گورنری کے قصیدہ فارسی بھیجا اس کی رسید میں نظم کی تعریف و رضامندی پر متضمن خط فارسی بسبیل ڈاک مرقومہ چہاردہم آگیا پھر ایک قصیدہ فارسی مدح و تہنیت میں جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں بواسطہ صاحب کمشنر بہادر دہلی بھیجا تھا۔ کل اس کا بھی خط بذریعہ صاحب کمشنر بہادر دہلی آگیا۔ پنشن کے باب میں ابھی حکم نہیں ہوا۔ اسباب توقع کے فراہم ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھا یہ درست آید۔ اناج کھاتا ہی نہیں ہوں۔ آدھ سیر گوشت دن کو اور پاؤ بھر شراب

رات کو مل جاتی ہے ۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اگر ہم فقیر سچے ہیں۔ اور اس غزل کے طالب کا ذوق سچا ہے تو یہ غزل اس خط سے پہلے پہنچ گئی ہوگی ورنہ سلام وہ اب پہنچا دیں گے ۔

ایضاً ۔ مرزا صاحب ہم کو یہ باتیں پسند نہیں۔ پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے یہ نصیحت کی۔ کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔ ہم مانع فسق و فجور نہیں۔ پیو کھاؤ مزے اڑاؤ۔ مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو شہد کی مکھی نہ بنو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک افشانی کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکر بجا لاؤ غم نہ کھاؤ۔ اور اگر ایسی ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو۔ تو چنا جان نہ سہی منا جان سہی۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں۔ کہ اگر مغفرت ہو گئی۔ اور ایک قصر ملا۔ اور ایک حور ملی اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے اس تصور سے جی گھبراتا ہے۔ اور کلیجہ منہ کو آتا ہے ہے ہے وہ حور اجیرن ہو جائیگی طبیعت کیوں نہ گھبرائیگی۔ وہی زمردیں کاخ اور طوبیٰ کی ایک شاخ چشم بد دور وہی ایک حور بھائی ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ ۔

زن نو کن اے دوست در ہر بہار
کہ تقویم پارینہ ناید بکار

مرزا تفتہ کے اشعار کی تضمین کا مسودہ دیکھا فکر بہرا پسند و کر بہمہ جہت ناپسند۔ اپنے نام کا خط مع ان اشعار کے مرزا یوسف علی خان عزیز کے حوالہ کیا۔ مکرمی نواب محمد علی خان صاحب کی خدمت میں سلام پروردگار ان کو سلامت رکھے۔ مولوی عبدالوہاب کو میرا سلام دو مجھے فارسی عبارت میں خط لکھا یا میں منتظر رہا کہ آپ لکھنؤ جائینگے وہ عبارت جناب قبلہ و کعبہ کو دکھائیں گے۔ ان کے مزاج اقدس کی خیر و عافیت مجھ کو رقم فرمائیں گے۔ کیا جانو کہ حضرت میرے وطن میں جلوہ افروز ہیں۔ ع یار در خانہ و من گرد جہاں میگردم۔ اب مجھے ان سے یہ استدعا ہے کہ دستخط خاص سے مجھ کو خط لکھیں اور لکھنؤ نہ جانے کا سبب اور جناب قبلہ و کعبہ کل حال جو کچھ معلوم ہو وہ سب خط میں درج کریں ۔

ایضاً ۔

مرا بسادہ دلیہائے من تواں بخشید
خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

کل دو شنبہ کا دن ۲۰ دسمبر کی تھی۔ صبح کو میں نے آپ کو شکایت نامہ لکھا۔ اور بیرنگ ڈاک میں بھیجدیا۔ دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔ معلوم ہوا۔ کہ جس خط کا جواب

میں آپ سے مانگتا ہوں۔ وہ نہیں پہنچا کچھ شکوہ سے شرمندگی اور کچھ خط کے نہ پہنچنے سے حیرت ہوئی۔ دوپہر ڈھلے مرزا تفتہ کے خط کا جواب لکھ کر ٹکٹ نکالنے لگا۔ بکس میں سے وہ تمہارے نام کا خط لکھ کر بھول گیا ہوں۔ اور ڈاک میں نہیں بھیجا۔ اپنے نسیان کو لعنت کی اور چپ رہا۔ متوقع ہوں کہ میرا قصور معاف ہو۔ بعد چاہنے عفو جرم کے آپ کے کل کے خط کا جواب لکھتا ہوں۔ سبحان اللہ جلدوں کی آرائش کے باب میں کیا اچھی فکر کی ہے۔ میرے دل میں بھی ایسی ہی باتیں تھیں۔ یقین ہے کہ متاع شاہوار ہو جائیگی۔ اکارہ نہرہ اگر ہو جائیگا۔ تو حرف خوب چمک جائیں گے اس کا خیال ان چار جلدوں میں ہے۔ رہی بارہ روپیہ کی ہنڈوی پہنچتے ہی روپیہ وصول کر کے مجھ کو اطلاع دیجیئے گا۔ ورنہ میں مشوش رہوں گا۔ حضرت یہاں دو چیزیں مشہور ہیں۔ ان کے باب میں آپ سے تصدیق چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ آگرہ میں اشتہار جاری ہو گیا ہے۔ اور ڈھنڈورہ پٹ گیا ہے۔ کہ کمپنی کا ٹھیکہ ٹوٹ گیا اور بادشاہی عمل ہندوستان میں ہو گیا۔ دوسری خبر یہ ہے کہ جناب ولمنشن صاحب بہادر گورنمنٹ کلکتہ کے چیف سیکرٹر اکبر آباد کے لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ خبریں دونوں اچھی ہیں۔ خدا کرے سچ ہوں اور سچ ہونا ان کا آپ کے لکھنے پر منحصر ہے۔ ہاں صاحب ایک بات اور ہے۔ اور وہ محل غور ہے۔ میں نے حضرت ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں ایک قصیدہ ان دنوں میں کہا ہے تہنیت فتح اور عملداری شاہی ساٹھ بیت ہے منظور یہ تھا کہ کتاب کے ساتھ قصیدہ ایک اور کاغذ مذہب پر لکھ بھیجوں۔ پھر یہ خیال میں آیا۔ کہ اس سطر کے مسطر پر کتاب لکھی گئی ہے۔ یہ بھی چھاپا ہوئی اگر یہ چھ صفحے تین ورق اور چھپ کر اس کتاب کے آغاز میں شامل جلد ہو جائیں تو بات اچھی ہے آپ اور منشی نبی بخش صاحب اور مرزا تفتہ منشی شیو نرائن صاحب سے کہہ کر اس کا طور درست کریں۔ اور پھر مجھ کو اطلاع دیں تو میں مسودہ آپ کے پاس بھیجدوں۔ جب کتاب چھپ چکے تو یہ چھپ جائے دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ چھپے بعد کتاب کے اور لگایا جائے پہلے کتاب سے۔ دوسرے یہ کہ اس کی سیاہ قلم کی لوح الگ ہو۔ اور پہلے صفحہ پر جس طرح کتاب کا نام چھاپتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی چھاپا جائے۔ کہ قصیدہ در مدح جناب ملکہ انگلستان خلد اللہ ملکہا۔ میرا نام کچھ ضرور نہیں۔ کتاب کے پہلے صفحہ پر تو ہوگا۔ ہنڈوی کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب باصواب یعنی نوید قبول جلد لکھیئے ۔

ایضاً۔ بندہ پرور۔ آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آپ کی مہر انگیز اور محبت خیز باتوں نے غم بیکسی بھلایا کہاں دھیان لڑا ہے کہاں سے دستنبو کی مناسبت کے واسطے یہ دو فقرے ڈھونڈ

نکالا ہے۔ آفریں آفریں صد ہزار آفریں تکبیر مصرعہ اگر یوں ہو تو فقیر کے نزدیک بہت مناسب ہے۔
ع نامۂ خود سال خویش داد نشان۔ مرزا تفتہ کا خط ہاتھرس سے آیا۔ اُن کے لڑکے بالے اچھے ہیں
آپ گھبرائیں نہیں وہ آنے کے آئے ہیں۔ اگر تمہیں بدوں اُن کے آرام نہیں تو اُن کو بغیر تمہارے
چین کہاں۔ صاحب بندہ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کے خاتمہ پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں۔
خدا کرے کہ میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو ۱۲۔ ہم تم ایک آقا کے غلام ہیں۔ تم جو مجھ سے محبت کرو گے
یا میری غمگساری میں محبت کرو گے۔ کیا تم کو غیر جانوں جو تمہارا احسان مانوں۔ تم سراپا مہر
و وفا ہو۔ واللہ اسم بامسمیٰ ہو۔ مبالغہ اس کتاب کی تصحیح میں اس واسطے کرتا ہوں۔ کہ عبارت کا ڈھنگ
نیا ہے صحیح کا درست پڑھنا بڑی بات ہے۔ اگر غلط ہو جائے تو وہ عبارت نری خرافات ہے بارے
بسبب التفات بھائی منشی نبی بخش صاحب کے صحت الفاظ سے خاطر جمع ہے۔ متوقع ہوں کہ وہ
تکلیف سہیں اور ختم کتاب تک متوجہ رہیں۔ منشی شیو نرائن صاحب نے کاپی میرے دیکھنے کو بھیجی تھی۔
سب طرح میرے پسند آئی چنانچہ اُن کو لکھ بھیجا ہے۔ اگر ہو سکے تو سیاہی ذرا اور بھی رنگت کی
اچھی ہو۔ ۱۲ حضرت چار جلدیں یہاں کے حکام کو دونگا۔ اور دو جلدیں ولایت کو بھیجوں گا۔ اللہ اللہ
کیا غفلت ہے۔ اور کیا اعتماد ہے زندگی پر۔ بہرحال یہ ہوس تھی۔ اور شاید اب بھی ہو۔ کہ اب چھ
جلدوں کی کچھ تزئین اور آرائش کی جائے آپ اور بھائی صاحب اور اُن کا فرزند رشید منشی عبداللطیف
اور منشی شیو نرائن یہ چاروں صاحب فراہم ہوں۔ اور باجلاس کونسل یہ امر تجویز کیا جاوے کہ کیا کیا
جاوے۔ معہذا دو دو روپیہ کتاب سے زیادہ کا مقدور نہیں ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ چار جلدیں
چھ روپیہ میں تیار ہوں۔ پھر میں سوچتا ہوں۔ کہ یا رب آرائش کی گنجائش کہاں۔ ناچار چار کتابوں
کی جلد ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ کی اور دو کتابوں کی جلد تین تین روپیہ کی بنائی جائے۔ قصہ مختصر
کیا جائے۔ یا یہی کہہ دیا جائے کہ تیری رائے کونسل میں مقبول اور صرف جلدوں کی تیاری
منظور ہوئی بارہ روپے بھیج دیجئے۔ ۱۲ مطالب اور مقاصد تمام ہوئے اب ہم تم بزبان قلم باہم
دگر ہم کلام ہوئے ؎

ایضاً۔ مرزا صاحب میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے۔ کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس
سے بزبان قلم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات کرنے کی قسم کھائی
ہے۔ اتنا تو کہو کیا بات تمہارے جی میں آئی ہے۔ برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت
لکھی۔ نہ کتابوں کا بیوار بھجوایا۔ ہاں مرزا تفتہ نے ہاتھرس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورقی پانچوں

کتابوں کے آغاز کے ان کو دے آیا ہوں۔ اور انہوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے یہ تو بہت دن ہوئے جو تم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ دو کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے پھر اب کتابوں کی جلدیں بن جانے کی کیا خبر ہے۔ اور ان پانچوں کتابوں کے تیار ہونے میں درنگ کس قدر ہے۔ مہتمم مطبع کا خط پرسوں آیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ تمہاری چالیس کتابیں بعد منہائی اپنے سات جلدوں کے اسی ہفتہ میں تمہارے پاس پہنچ جائینگی اب حضرت ارشاد کریں کہ سات جلدیں کب آئیں گی۔ ہرچند کاریگروں کے دیر لگانے سے تم بھی مجبور ہو مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھوں کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو خدا کرے تینتیس جلدوں کے ساتھ یا دو تین روز کے آگے پیچھے یہ سات جلدیں آپ کی عنایتی بھی آئیں۔ تا خاص و عام جا بجا بھیجی جائیں۔ میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ نواب ضیاء الدین خاں اور نواب حسین مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو میں نے کہا انہوں نے لکھ لیا ان دونوں کے گھر لٹ گئے۔ ہزاروں روپیہ کے کتب خانے برباد ہو گئے۔ اب میں اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہوں۔ کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر کو کہ وہ خوش آواز بھی ہے۔ اور زمزمہ پرداز بھی ہے ایک غزل میری کہیں سے لکھوا لایا۔ اس نے وہ کاغذ جو مجھ کو دکھایا یقین سمجھنا کہ مجھ کو رونا آیا۔ غزل تم کو بھیجتا ہوں اور صلہ میں اس کا جواب چاہتا ہوں۔ غزل

درد منت کشِ دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو — اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے — لیکے دل دلستاں روانہ ہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما — کام گر رک گیا روا نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب — گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی — بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں — آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

ایضاً۔ بھائی صاحب آپ کے خامۂ مشکبار کی صریر نے کتابوں کی لوح طلائی کا آوازہ یہاں تک پہنچایا بلکہ مجھ کو ان کی لوحوں کا خط طلائی مانند شعاع آفتاب نظر آیا کیا پوچھتا ہے اور کیا کہتا ہے۔ مجھ کو تو بموجب اس مصرعہ کے ع خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست ؎ دل میں خوش ہو کر چپ رہتا ہے۔ حضرت مدح کو ایک موقع ضرور ہے۔ مجھ کو آپ کے حکم کا بجا لانا ضرور ہے ——— اس نذر کے پہنچنے کے بعد

سے یہ نہ سمجھنا کہ روئے سخن ساری خدائی کی طرف ہے۔ بلکہ خاص یہ اشارہ بھائی کی طرف ہے۔ مولانا حقیر کو توجہ اس باب میں چاہیئے۔ اور ان کا نام بھی اس کتاب میں چاہیئے۔ اس خط کو لکھ بند کر چکا تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ میرے مشفق منشی شیونرائن صاحب کا خط لایا۔ بارے قصیدہ کا مسودہ پہنچ گیا اور منشی صاحب نے اس کا چھاپا قبول کیا۔ یہ تشویش بھی رفع ہو گئی۔ اب اُن سے میرا سلام کہئے گا اور یہ کہئے گا۔ ع

شکر رافت ہائے تو چندانکہ رافت ہائے تو

اور یہ ان کو اطلاع دیجئے گا۔ کہ اخبار کا لفافہ ہرگز مجھ کو نہیں پہنچا ورنہ کیا امکان کہ میں رسید نہ لکھتا۔

ایضاً۔ خود شکوہ دلیل رفع آزار بس است — آید بزبان ہر آنچہ از دل برود

بندہ پرور فقیر شکوہ سے بُرا نہیں مانتا۔ مگر شکوہ کے فن کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا شکوہ کی خوبی یہ ہے۔ کہ راہ راست سے منہ نہ موڑے اور مدعا دوسرے کیواسطے جواب کی گنجائش نہ چھوڑے کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس عرصہ میں کئی خط بھجوائے اور وہ اُلٹے پھر آئے آپ شکوہ کا ہیکو کرتے ہیں۔ اپنا گناہ میرے ذمہ دھرتے ہیں نہ جاتے وقت لکھا کہ میں کہاں جاتا ہوں نہ وہاں جاکر لکھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ کل آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آج میں نے اس کا جواب بھجوایا کہیئے اپنے دعوے میں صادق ہوں یا نہیں۔ پس دردمندوں کو ستانا اچھا نہیں مرزا تفتہ سے آپ فقط اُن کے خط نہ لکھنے کے سبب سرگراں ہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ ان دنوں میں کہاں ہیں۔ آج توکلت علی اللہ سکندرآباد خط بھیجتا ہوں۔ دیکھوں کیا دیکھتا ہوں۔

ایضاً بھائی صاحب تمہارا خط اور قصیدہ پہنچا۔ اصل تمہارا لفافہ میں لپیٹ کر مرزا تفتہ کو بھیجدیا تا کہ حال انکو مفصل معلوم ہوجائے۔ بعد اس رپورٹ کے تم کو تہنیت دیتا ہوں۔ پروردگار بہ تصدق آئمۂ اطہار یہ پیش آمد اقبال تم کو مبارک کرے۔ اور منصب ہائے خطیر اور مدارج عظیم کو پہنچائے۔ واقعی یہ کہ تم نے بڑی جرأت کی فی الحقیقت اپنی جان پر کھیلتے تھے۔ بات پیدا کی مگر اپنی مردی و مردانگی سے۔ دولت کا ہاتھ آنا مع نیکنامی اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں اب یقین ہے۔ کہ خدمت منصفی ملے اور جلد ترقی کرو۔ ایسا کہ سال آئندہ تک صدر الصدور ہو جاؤ۔ اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ مغل نے تمہارا ذکر مجھ سے کیا تھا۔ اور وہ اشعار جو تم نے اس کے حسن کے وصف میں لکھے تھے۔ تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے مجھ کو دکھائے تھے۔ اب یہ ایک زمانہ ہے۔ کہ طرفین سے نامہ و پیام آتے جاتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن بھی آجائیگا۔ کہ ہم تم بیٹھیں اور باتیں کریں۔ قلم بیکار ہو جائے۔ زبان بر سر گفتار آئے۔ انشاء اللہ خاں کا بھی قصیدہ میں نے دیکھا

ہے تم نے بہت بڑھ کر لکھا ہے۔ اور اچھا سماں باندھا ہے زبان پاکیزہ مضامین اچھے تھے معانی نازک مطالب کا بیان دلنشین۔ زیادہ کیا لکھوں۔

ایضاً خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ آپ کو اپنی طرف متوجہ پاتا ہوں۔ مرزا تفتہ کا خط جو آپ نے نقل کرکے بھیجا ہے میں نے منشی شیونرائن کو بھیجا ہُوا اصل خط دیکھ لیا ہے اگر تم مناسب جانو تو ایک بات میری مانو۔ رقعات عالمگیری یا انشا خلیفہ اپنے سامنے رکھ لیا کرو جو عبارت اس میں پسند آیا کرے۔ وہ خط میں لکھ دیا کرو۔ خط منت میں تمام ہو جایا کریگا اور تمہارے خط کے آنے کا تمام ہو جایا کریگا۔ اگر کبھی کوئی قصیدہ کہا اُس کا دیکھنا مشاہدہ اخبار پر موقوف رہا ع برات عاشقاں بر شاخ آہو۔

واقعی جو اخبار آگرہ سے دلّی آتے ہیں۔ وہ میرے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔ صاحب ہوش میں آؤ اور مجھ کو بتاؤ کہ یہاں جو پارسیوں کی دکانوں میں فرنچ اور شامپین کے درجن دھرے ہوئے ہیں۔ یا ساہو کاروں اور جوہریوں کے گھر روپیہ اور جواہر سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں کہاں وہ شراب پیتے جاؤنگا اور وہ مال کیونکر اٹھاؤنگا۔ بس اب زیادہ باتیں نہ بنائیے اور وہ قصیدہ مجھ کو بھجوا دیجئے۔ میں نے کتابیں جا بجا بسبیل پارسل ارسال کی ہیں۔ اگرچہ پہنچنے کی خبر آئی ہے۔ مگر نوید قبول ابھی کہیں سے نہیں آئی ہے۔ ؎

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

دیکھنا بھائی اس غزل کا مطلع کیا ہے ؎

جور سے باز آئیں پر باز آئیں کیا کہتے ہیں ہم تجھ کو مُنہ دکھلائیں کیا
مَوجِ خون سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا
لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

غزل نا تمام ہے

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشان اور کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گمان اور
تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے لے آئینگے بازار سے جا کر دل و جان اور
لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور
ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کمان اور
یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور
ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور

پاتے نہیں راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے — رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور...

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے — جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے — کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

دوشنبہ کا دن ۲۰ر دسمبر کی صبح کا وقت ہے انگیٹھی رکھی ہوئی ہے آگ تاپ رہا ہوں اور خط لکھ رہا ہوں۔ یہ اشعار یاد آ گئے تم کو لکھ بھیجے۔ والسّلام ؎

ایضاً۔ بھائی جان کل جو جمعہ روز مبارک وسعید تھا۔ گویا میرے حق میں روز عید تھا۔ چار گھڑی دن رہے نامہ فرحت فرجام اور چار گھڑی کے بعد وقت شام سات جلدوں کا پارسل پہنچا واہ کیا خوب برمحل پہنچا۔ آدمی کو موافق اس کی تمنا کے آرزو بر آنی محال ہے میری آرزو ایسی برآئی کہ وہ برتر از وہم وخیال ہے۔ یہ بناؤ تو میرے تصور میں بھی نہیں گذرتا تھا میں صرف اس قدر خیال کرتا تھا۔ کہ جلدیں بندھی ہوئی دو کی لوحیں زریں اور پانچ لوحیں سیاہ قلم کی ہونگی۔ واللہ اگر تصور میں بھی گذرتا ہو کہ کتابیں اس رقم کی ہونگی۔ جب تک جہان ہے۔ تم جہان میں رہو۔ آئمۂ اطہار علیہم السلام کی امان میں رہو۔ میرا مقصود یہ تھا۔ کہ ایک شکل ان چار کے بنجائے نہ یہ کہ دو کتابوں کا سارنگ دکھلائے۔ اب میں حیران ہوں۔ کہ آیا شمار آئمہ نے ان بارہ ریلوں میں برکت دی یا کچھ تمہارا روپیہ صرف ہوا۔ دو پارسلوں کا محصول دو جبٹریوں کا معمول۔ تین کتابوں کی لوحیں طلائی یہ ساری بات اس روپیہ میں کیونکر بن آئی۔ اور کیونکر معلوم کروں کس سے پوچھوں۔ خدا کرے تم تکلّف نہ کرو۔ اور اس امر کے اظہار میں توقف نہ کرو خفقانی آدمی کو بغیر حال معلوم آرام نہیں آتا۔ جہاں جی تمہیں دینی اور رہاتی ہوں۔ وہاں تکلّف نہیں آتا۔ زیادہ اس سے کہ شکر گذار ہوں۔ اور شرمسار ہوں کیا لکھوں ؎

ایضاً بندہ پرور آپ کا خط کل پہنچا آج جواب لکھتا ہوں۔ داد دینا گتنا شتاب لکھتا ہوں مطالب مندرجہ کے جواب کا بھی وقت آتا ہے پہلے تم سے پوچھا جاتا ہے کہ بار بار کئی خطوں میں تم کو غم واندوہ کا شکوہ گذار پاتا ہے۔ پس اگر کسی بے درد پر دل آیا ہے تو شکایت کی کیا گنجائش ہے بلکہ یہ غم تو نصیب دوستان درخور افزائش ہے۔ بقول غالب علیہ الرحمۃ ؎

کسی کو دیکے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو — نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

ہے ہے حسن مطلع ؎

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے — ہوا تو دوست جس کا دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

افسوس ہے کہ اس غزل کے اور اشعار یاد نہ آئے۔ اگر خدا نخواستہ باشدغم دنیا ہے تو بھائی ہمارے

ہمدرد ہو ہم اس بوجھ کو مردانہ اُٹھائے ہیں تم بھی اُٹھاؤ اگر مرد ہو بقول غالبؔ مرحوم ؎

دلا یہ درد و الم ہے تو مغتنم ہے کہ آخر　　نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

سحر ہوگی - خبر ہوگی - اس زمین میں وہ شعر یعنی ؎

تمہارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر　　جو آنکھوں میں تمہیں رکھوں تو ڈرتا ہوں نظر ہوگی

کتنا خوب ہے اور اُردو کا کیا اچھا اُسلوب ہے قصیدہ کا مشتاق ہوں خدا کرے جلد چھپایا جاوے تو ہمارے دیکھنے میں بھی آجائے - تو کیا کہیئے - یہ زمین ایک بار یہاں طرح ہوئی تھی مگر بحر اور ہی تھی ؎

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیئے　　تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیئے
رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجیے　　کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیئے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ　　خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیئے

اور جو فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن یہ بحر ہے اس میں میرا ایک قطعہ ہے - کہ وہ میں نے کلکتہ میں کہا تھا - تقریب یہ کہ مولوی کرم حسین ایک میرے دوست تھے انہوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجیئے میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھ کر اُن کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی اُن سے لی - اب سوچ رہا ہوں جو شعر یاد آتے جاتے ہیں - لکھتا جاتا ہوں -

قطعہ

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی　　زیب دیتا ہے اُسے جس قدر اچھا کہیئے
خامۂ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیئے　　ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے
اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجیے　　خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلیٰ کہیئے
حجر الاسودِ دیوارِ حرم کیجے فرض　　نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیئے
صومعہ میں اسے ٹھیرائیے گر مُہرِ نماز　　میکدہ میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیئے
مستی آلودہ سرِ انگشتِ حسیناں لکھیئے　　سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیئے

غرضیکہ بیس بائیس پھبتیاں ہیں - اشعار سب کب یاد آتے ہیں آخر کی بات یہ ہے ؎

اپنے حضرت کے کفِ دست کو دل کیجے فرض　　اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیئے

لو حضرت آپ کے خط کے جواب نے انجام پایا - اب برادرِ دلسوز برخوردار منشی شیو نرائن نے میرے

دو خطوں کا جواب نہیں لکھا اور وہ خطوط جواب طلب تھے۔ تم ان کو میری دعا کہو۔ اور کہو کہ میاں میرا کلام بند ہے اس مطلب خاص کا جواب جلد لکھو۔ یعنی اگر وہ کتاب بن چکی ہے۔ تو جلد بھیجو اور اگر اس کے بھیجنے میں دیر ہے تو یہ لکھ بھیجو کہ وہ سیاہ قلم کی لوح کی ہے یا طلائی۔

ایضاً۔ جناب مرزا صاحب دلّی کا حال تو ہے ؎

گھر میں تھا کیا جو ترا غم اُسے غارت کرتا وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے۔ جو کوئی لوٹیگا۔ وہ خبر محض غلط ہے اگر کچھ ہے تو یہیں نمط ہے۔ کہ چند روز گوروں نے اہل بازار کو ستایا تھا۔ اہل قلم اور اہل فوج نے بہ اتفاق رائے ہمدگر ایسا بند و بست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا۔ اب امن و امان ہے ناسخ مرحوم جو تمہارے استاد تھے۔ میرے بھی دوست صادق الوداد تھے۔ مگر ایک فنّی تھے۔ صرف غزل کہتے تھے قصیدہ اور مثنوی سے انکو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا۔ کہ انشا کو رشک آیا۔ مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے کیا کہوں کیا حظ اُٹھایا ؎

خدا سے میں چاہوں از رہِ مہر فروغ میرزا حاتم علی مہر

اگر اسی انداز پر انجام پائیگی۔ تو یہ مثنوی کارنامہ اردو کہلائیگی۔ خدا تم کو جیتا رکھے تمہارا دم غنیمت ہے۔ صاحب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ معیار الشعرا میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا۔ تمہارے ہاتھ کیا آیا۔ سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو تو امتیاز کیا ہے۔

بنام منشی نبی بخش صاحب مرحوم

بھائی صاحب آپ کا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ میاں کا عذر مقبول و مسموع حق تعالیٰ انکو زندہ اور تندرست اور خوش و خرم رکھے اور دولت و اقبال عطا کرے۔ بالفعل جناب مرزا حاتم علی صاحب کا خط آیا۔ انہوں نے جو صورت چھپنے کتابوں کی آرائش کی جس تفریق سے ٹھیرائی ہے وہ مجھ کو پسند آئی ہے۔ کل میں نے ان کو اجازت اسی طرح کی تزئین کی لکھ بھیجی ہے۔ حال تصحیح کا بہ تفریح آپکو لکھ چکا ہوں۔ اسی پر عمل رہے۔ میں نے مرزا تفتہ کو کہ وہ غیاث اللغات کے بہت معتقد ہیں۔ اس امر کی اطلاع کر دی ہے۔ بھائی جان میں نے ایک قصیدہ جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں لکھا ہے۔ ساٹھ شعر ہیں۔ چھ صفحہ یعنی تین ورق پر چھپ کر دستنبو سے پہلے شیرازہ میں شامل کر دیئے جائیں تو کتاب کو قصیدہ سے عزت اور قصیدہ کو کتاب کے سبب سے شہرت ہو جائیگی۔ کل جناب

مرزا صاحب کو یہ خط لکھ چکا ہوں یقین ہے۔ کہ وہ بھی آپ سے کہیں گے اور آپ مرزا صاحب اور مرزا تفتہ اور منشی شیو نرائن صاحب اس خواہش کو منظور اور اس قاعدے کو مقبول کریں گے۔ اور جب بالاتفاق تم چاروں صاحب پسند کرو گے۔ تو گویا باجلاس کونسل اس قانون کا اجراء منظور ہو جائیگا۔ اور امیدوار ہوں کہ اجرائے قانون سے پہلے مجھ کو منظوری کی اطلاع ہو جائے تاکہ مسودہ اس قصیدہ کا بھیجدوں مہتمم مطبع کو اگر کچھ تامل ہو تو ہو ورنہ بات آسان ہے۔ منشی عبد اللطیف کو دعا کہنا اور ان کے عذر کے مقبول ہونے کی ان کو اطلاع دینا۔ بیگم کو دعا پہنچے اور سب لڑکے بالوں کو میاں باقر حسین اور علی حسین سلّمہم کو بندگی اور اپنے بھائی بہنوں کو علی القدر مراتب بندگی سلام دعا کہتے ہیں۔ ہاں حضرت اب ایک امر مختصر کے واسطے جداگانہ خط مرزا تفتہ کو کیا لکھوں۔ میری طرف سے دعا کہکر انکو کہیگا۔ کہ اخبار گذشتہ کے اوراق خط مہتمم مطبع عالمتاب حکیم صاحب کو پہنچ گئے۔ کل وہ چار روپیہ کی ہنڈوی اور اُن کے خط کا جواب روانہ کر دیں گے۔ آپ چتر بھوج سہائے سے کہہ دیجئے گا۔ اور تاکید کر دیجئے گا کہ چار نمبر سابق کا منتخب کاتب سے نقل کروا کر جلد بھیجدیں۔ بھائی مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے۔ کہ یہ ہم تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت یا مکالمت ہوگئی ہے۔ روز باتیں کرتے ہیں۔ اللہ اللہ یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ خط سے خط لکھے گئے ہیں۔ مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گذرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں گا۔ تو لفافے بناؤنگا۔ غنیمت ہے۔ کہ محصول آدھ آدھ آنہ ہے ورنہ باتیں کرنے کا مزا معلوم ہوتا۔ چار شنبہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۸ء

جو باتیں جواب طلب ہیں۔ ان کا جواب طلب ہے ٭

ایضاً۔ بھائی میں تم کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ آج میرے پاس لکھنؤ کے ایک پارسل کی رسید آگئی۔ دوسرا بھی یقینی پہنچ گیا ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔ جناب آنرایبل صاحب بہادر آج تشریف لیگئے سنتا ہوں کہ کلکتہ جائیں گے میم اور بچوں کو ولایت بھیجکر پھر آئیں گے مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں۔ اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں۔ کہ قیامت تک اُن کا شکر گذار رہونگا۔ مرزا حاتم علی صاحب اگر آجائیں۔ تو انکو میرا سلام کہنا مرزا تفتہ کو اگر کبھی خط لکھو تو میری دعا لکھنا از غالب مرقوم دو شنبہ ہفدہم جنوری ۱۸۶۰ء ٭

بنام منشی عبد اللطیف صاحب ابن نبی بخش

صاحب آگے تمہارا ایک خط پھر بارہ کتابوں اور ایک جنتری کا پارسل پہنچا بعد اُس کے کل ایک خط اور آیا ریذیڈنٹ صاحب کے وہاں آنے کا حال معلوم ہوا۔ آج ۶ دسمبر کی ہے۔ ۷ کو بموجب تمہارے لکھنے کے وہ وہاں جانیوالے ہیں۔ اور مجھ کو معلوم ہے کہ میرٹھ آئیں گے۔ وہ دن کے بعد بمقام میرٹھ خط روانہ

کُتبِ اورینٹل

منشی | منشی عالم | منشی فاضل

ادیب | ادیب عالم | ادیب فاضل

ایم۔اے پرشین | ایف۔اے، بی۔اے

ایم۔اے اُردو

ان کے علاوہ بھی ہر قسم کی کتابیں بارعایت

ملنے کا پتہ

ایم فرمان علی اینڈ سنز تاجران کُتب اُردو بازار لاہور

ایف ڈبلیو اینڈ کو۔ رام نگر لاہور بسعید ذکریا